پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ------ 700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ------ 5000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ------ 6000 روپے

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

مستقل سلسلے

مارچ 2014
جلد 36 شمارہ 12
قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ
کرن
37- اردو بازار کراچی

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

مارچ کا سالگرہ نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

قارئین کے لیے ایک صاف ستھرے اور معیاری پرچے کا جو خواب محمود بابر فیصل نے چھتیس سال پہلے دیکھا تھا وہ آج شرمندہ تعبیر ہے۔ ان کی ہمیشہ سے یہ ہی کوشش رہی تھی کہ "کرن" میں شائع ہونے والی ہر تحریر صاف ستھری، دلچسپ اور زندگی سے قریب تر ہو۔ اور اپنی اس کوشش میں وہ کامیاب بھی رہے۔ بہت مختصر عرصے میں انہوں نے اصلاح معاشرہ کے لیے بے حد کام کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بے حد کرم اور مہربانی ہے کہ کرن نے ایک طویل مسافت کامیابی اور کامرانی سے طے کی۔ ان ماہ و سال میں کرن نے بے شمار روپ بدلے۔ نت نئے دلچسپ اور انعامی سلسلے شروع کیے۔ معروف مصنفین کے ساتھ ساتھ بے شمار نئی لکھنے والی مصنفین کو کرن نے متعارف کروایا۔ قارئین کے مشوروں کا احترام کیا گیا۔ قارئین کے خلوص اور محبتوں نے ہمیں حوصلہ بخشا اور ان کی تنقید اور مشوروں نے قدم قدم پر ہماری رہنمائی کی۔ اس سب کے لیے ہم آپ کے بے حد شکر گزار ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی محبتیں ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں۔ اور کرن کا سفر اسی طرح کامیابی سے جاری رہے۔ (آمین)

سالگرہ نمبر آپ کو کیسا لگا؟ اپنی رائے سے ضرور نوازیں۔

سالگرہ نمبر میں،

- کرن کی سالگرہ کے موقع پر دلچسپ سروے "تحفے، کہانیاں اور پھول"،
- اداکار بلال قریشی سے شاہین رشید کی ملاقات،
- اداکارہ "رمز کمالی" کہتی ہیں "میری بھی سنیے"،
- "آواز کی دنیا سے" "محمد نعمان شیخ" کی گفتگو،
- "کرن احمد حمید" اس ماہ "مقابل ہے آئینہ" میں،
- "دست کوزہ گر" فوزیہ یاسمین کا سلسلے وار ناول،
- نیا سلسلے وار ناول "شام آرزو"،
- "میرے ہمنوا کو خبر کرو" فاخرہ گل "کے سلسلے وار ناول کی آخری قسط،
- "ساتھ دل کے چلے" سحرش بانو کا دلکش مکمل ناول،
- عائشہ نصیر کا طویل مکمل ناول "اس سے پہلے کہ"،
- "وہ اک پری ہے" ریحانہ امجد بخاری کے ناولٹ کی آخری قسط،
- "اپل اینڈ اسٹرابری" صدف ریحان کا ناولٹ،
- "بے چارگی" "ام طیفور" کا ناولٹ،
- "میرا یقین کرو" نفیسہ سعید کا دلکش ناولٹ،
- سمیرا غزل صدیقی اور نسیم سحر کے افسانے،
- اور مستقل سلسلے،

مفت،

اپنی شخصیت کو منفرد لباس اور اسٹائل سے دلکش بنائیں۔ کرن کتاب "فیشن اور لباس" اس سلسلے میں آپ کی رہنمائی کرے گی جو کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔

حمد باری تعالیٰ
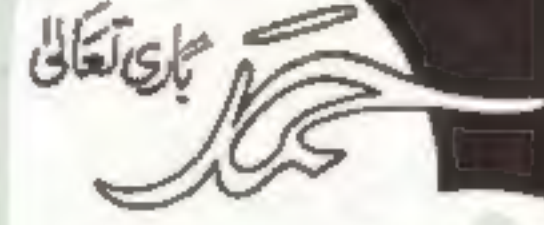
نہ وہ پہلے سے اب انداز ہیں نہ گفتگو ہے
تجھے اے دل ہوا کیا؟ تجھ کو کس کی جستجو ہے

کیا، جو کچھ بھی تُو نے مَیں نے بھی وہ کچھ کیا ہے
سبھی کچھ روبرو تیرے تو میرے روبرو ہے

نہاں سے جو نکالا تُو نے مَیں نے سُن لیا ہے
مگر اس بات کا شہرہ ہوا کیوں کُو بکُو ہے

نہ ہے دُنیا میں ثانی کوئی جانِ جاں تمہارا
خدایا! سب کے ہیں فانی لوگ باقی تُو ہی تو ہے

کسی کا وہ نہیں اور نہ کوئی اولاد اُس کی
زہیر اس دہر میں سب کے لبوں پر اللہ ھُو ہے

پروفیسر زہیر کنجاہی

نعت رسول مقبولؐ
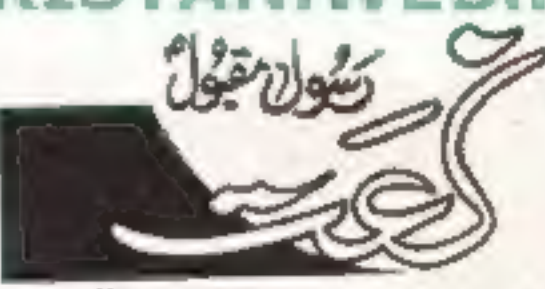
دل جس کا آئینہ ہے وہ صورت تمہی تو ہو
عنوانِ کائنات مشیت تمہی تو ہو

سر تا قدم نگاہ کی دولت تمہی تو ہو
خود جس سے روشنی ہے عبارت تمہی تو ہو

محکم تمہارے ذکر سے ہے اعتبارِ عشق
سرمایۂ فروغِ محبت تمہی تو ہو

دستِ سوال دامنِ کونین کی قسم!
حاجت روا بقدرِ ضرورت تمہی تو ہو

تم سے ہے یا رسولؐ! چراغِ حیات میں
آنکھوں کا نور دل کی بصیرت تمہی تو ہو

ہم کو بھی ہو بشارتِ چشمِ کرم کوئی
نازاں ہے جس پہ صبحِ بشارت تمہی تو ہو

اقبالؔ کو نہیں ہے کوئی خوفِ حشر سے
ہے مطمئن کہ شافعِ امت تمہی تو ہو

اقبال منی پوری

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

بلال قریشی سے ملاقات

شاہین رشید

بلال قریشی اگرچہ ابھی اس فیلڈ میں نووارد ہیں مگر انہوں نے کم عرصے میں اچھی خاصی پہچان بنائی ہے۔ کیونکہ یہ ایک اچھے پرفارمر ہیں اور لوگ انہیں دیکھنا چاہتے ہیں آج کل آپ انہیں ڈراما سیریل "چبھن" میں دیکھ رہے ہیں اس سے قبل "ادھوری عورت" میں ایک مظلوم بہن کے مظلوم بھائی کا رول بھی بلال نے بہت عمدگی سے نبھایا تھا۔ ان سے گفتگو نذر قارئین ہے۔

* "کیسے ہیں آپ؟"

☆ "الحمدللہ۔"

* "کیا مصروفیات ہیں۔ کیا کیا آن ایئر ہے اور کیا کیا انڈر پروڈکشن ہیں آپ کے سیریلز؟"

☆ "جو آن ایئر ہے ان میں "چبھن' جیون ساتھی" اور "ادھوری عورت" Repeat ہو رہا ہے اور جو میرے سیریلز انڈر پروڈکشن ہیں ان میں "جہیز" کا پارٹ ٹو بن رہا ہے۔ ایک اور سیریل کا نام "اگر ماں رہ جائے" ہے ایک سوپ بھی کر رہا ہوں "کبھی ہاں کبھی نہ۔"

* "آپ ہر چینل کے لیے کام کر رہے ہیں۔ لیکن کیا آپ نے یہ بات نوٹ کی کہ صرف مخصوص چینل ہی دیکھے جاتے ہیں ڈراموں کے لیے؟ تو کیا آپ کو دیگر چینلز کے ڈراموں کا اچھا رسپانس ملتا ہے؟"

☆ "جب ہم کام کر رہے ہوتے ہیں تو یہ سوچ کر نہیں کرتے کہ یہ کس چینل کے لیے ہے ہمیں تو اپنا کام 100 فیصد اچھا کر کے دینا ہے اگر چینل کو دیکھ کر کام کریں گے تو اپنے کام کے ساتھ بھی ناانصافی ہو گی اور چینل کے ساتھ بھی۔ ہمیں یہ کام سوچ کر کرنا ہوتا ہے کہ یہ کسی بھی چینل پہ نہ بھی چلے تب بھی ہمارا کام بہت اچھا ہونا چاہیے۔"

* "دیگر چینلز پہ آپ کے ڈرامے آتے ہیں تو ناظرین کو کس طرح پتا چلتا ہے آپ خود بتاتے ہیں یا کیا ذریعہ ہوتا ہے؟"

☆ "سوشل میڈیا آج کل بہت فاسٹ ہے۔ فیس بک سب سے بڑا ذریعہ ہے اور میرا جو بھی سیریل' سوپ آتا ہے تو میں فیس بک کے ذریعے سب کو آگاہ کرتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ اچھا کام تو کہیں پہ بھی چلے گا تو لوگوں کو نظر آئے گا یا لوگوں کے نوٹس میں آئے گا۔ تعریف اور حوصلہ افزائی ہو گی' لیکن اگر کام ایسا نہیں ہے تو وہ کہیں پہ بھی چلے کتنے ہی مشہور چینل پہ چلے کوئی رسپانس نہیں آئے گا۔"

* "جو انڈر پروڈکشن ہیں' جو آن ایئر ہیں ان سب میں آپ کے کردار کیا ہیں' رائٹر اور ڈائریکٹر کون ہیں؟"

☆ "چبھن میں میرا لیڈ رول ہے "جیون کہانی" میں میں نے پہلی بار نگیٹو رول کیا ہے اور جہیز پارٹ ٹو کے ڈائریکٹر محسن مرزا ہیں "گر ماں رہ جائے" کے ڈائریکٹر محسن طلعت ہیں۔"

* "پسند کے رول ہیں آپ کے یا آفر آئی تو قبول کر لی؟"

☆ "مجھے جب بھی کسی سیریل یا سوپ کی آفر آتی ہے تو میری پہلی ترجیح "کردار" ہوتا ہے۔ ڈراموں کے لیے کردار اسٹرونگ ہی لیتا ہوں۔"

* "کوئی ایسا کردار ملا جو پسند نہیں تھا مگر کرنا پڑا؟"

☆ "نہیں ایسا نہیں ہے کہ میں نے مجبوراً" کیا ہو' ہاں ایسا ضرور ہوا ہے اور کئی بار ایسا ہوا کہ مجھے کردار پسند نہیں آیا اور میں نے انکار کر دیا۔ فاروق رند ایک بہت بڑے ڈائریکٹر ہیں۔ وہ ایک سیریل کر رہے تھے اس میں مجھے اپنا کردار پسند نہیں آیا تھا تو میں نے انکار کر دیا اور معذرت کر لی۔ جب تک کردار میں اداکاری کا مارجن نہیں ہوتا میں وہ کردار نہیں لیتا۔ صرف پیسہ کمانا ہی تو نہیں ہوتا اور اگر پیسہ ہی کمانا ہے تو پھر بندہ کوئی اور جاب کیوں نہ کر لے۔ مگر اداکاری میرا جنون ہے اور میں بہت عزت کرتا ہوں اس پروفیشن کی اور میں نے سوچ لیا ہے کہ مجھے اچھا اور اسٹرونگ رول ہی کرنا ہے۔"

* "اپنے ڈراموں کے آن ایئر ہونے کا انتظار رہتا ہے یا یہ سوچتے ہیں کہ بس اب میرا فرض پورا ہو گیا جب مرضی آن ایئر ہو؟"

☆ "فرض اس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک وہ آن ایئر نہیں جاتا اور اس کا رسپانس نہیں آجاتا۔ کیونکہ اگر وہ ناکام ہوتا ہے تب بھی اس میں آپ کا حصہ ہوتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے تب بھی۔۔۔ تو کسی بھی پروجیکٹ کا کریڈٹ آپ کو ہی دینا ہوتا ہے تو میں شروع سے لے کر آخری قسط تک ان ٹچ رہتا ہوں اپنے پروجیکٹ کے ساتھ۔"

* "پیسہ اچھا ملتا ہے اور لوگ اس لیے بھی اس فیلڈ میں آتے ہیں کہ پیسہ اچھا ملتا ہے وقت کے ساتھ ساتھ سیکھ بھی جائیں گے؟"

☆ "الحمدللہ بہت اچھا ہے۔ میں بہت مطمئن ہوں اور جہاں تک سیکھنے کی بات ہے تو پریکٹس انسان کو پرفیکٹ کر دیتی ہے لیکن اس فیلڈ میں وہ ہی انسان سروائیو کر سکتا ہے جس کے پاس جنون بھی ہو اور برداشت بھی ہو۔"

* "سینئرز لوگوں سے میں بات کرتی ہوں تو وہ بتاتے ہیں کہ ایک ایک سین پہ کس طرح محنت ہوتی تھی۔ ریہرسل ہوتی تھی مگر آج کل کے نوجوان سیٹ پہ آکر کہتے ہیں کہ ہمارا سین کیا ہے۔ وہ نظر مارتے ہیں اور ریکارڈنگ کے لیے ریڈی ہو جاتے ہیں۔ کیا ایسا ہی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

ہے؟"

★ "اگر سینئرز نے یہ بات کی ہے تو ہم ان کی بات کو غلط تو نہیں کہہ سکتے لیکن میں اپنے بڑوں سے ایک بات ضرور کہوں گا کہ آپ کے دور میں آپ کو یہ سہولتیں بھی تو ملتی تھیں کہ ریہرسل اور ڈسکشن ہوتی تھیں 'ریڈنگ ہوتی تھی اور اس کے بعد آپ سیٹ پہ آتے تھے اور ریکارڈنگز ہوتی تھیں مگر میں تو اپنے ساتھ اور اپنے جیسے نوجوانوں کے ساتھ زیادتی سمجھتا ہوں کہ ہم سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ پکی پکائی ہر چیز مل جائے کہ یہ انٹرنیٹ کے دور کے بچے ہیں اس لیے ہر چیز ان کے اندر فیڈ ہوگی یا فیڈ کی اور انہوں نے ڈیلوری کردی میں تو خود اس بات کے حق میں ہوں کہ ریہرسل ہونی چاہیے ریڈنگ ہونی چاہیے اور میں خود سے یہ سب کچھ کرتا بھی ہوں۔ کبھی آپ سیٹ پر آجائیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ میں کتنی محنت کرتا ہوں اور سینئرز کی بات کو جھٹلایا بھی نہیں جاسکتا کہ نوجوان اس بات کو بہت ہلکا لیتے ہیں۔"

* "پھر مشکل تو نہیں ہوتی ہوگی۔ آپ کو یا دیگر فنکاروں کو؟"

★ "میں نے کہا نا کہ میں اپنے اسکرپٹ کا جب تک تفصیلی مطالعہ نہ کرلوں مجھے چین نہیں آتا ہم لوگوں کے ساتھ زیادتی بھی بہت ہوتی ہے جب ہمیں ایک دن میں سولہ سولہ سین کروانے پڑتے ہیں گزرے زمانے میں صرف چھ یا سات سین کرنے ہوتے تھے اور جو ان کی کیمرہ پروڈکشن ہوتی تھی وہ اتنی آسان زندگی کردیتا تھا کہ ایک ہی ٹیک میں سین اوکے ہوجاتا تھا جبکہ ہمیں ماسٹر سین دینا ہوتا ہے۔ پھر میڈ سین دینا ہوتا ہے پھر کلوزنگ سین دینا ہوتا ہے اور ہر سین میں یا ہر شارٹ میں ہمیں اپنے ایکسپریشن وہی بولڈر کھنے ہوتے ہیں جو پہلے میں ہوتے ہیں۔ مگر اتنی محنت کے باوجود بھی کوئی شاباش نہیں دیتا۔"

* "شاباش ہی تو ہے کہ ہم آپ کا انٹرویو کررہے ہیں خیر..... کچھ اپنے بارے میں بتائیں پھر آگے چلتے ہیں؟"

★ "بالکل جی 'میرا پورا نام محمد بلال شہزاد قریشی ہے لیکن میڈیا میں میں صرف بلال قریشی ہی لکھتا ہوں گھر والے پیار سے مونی کہتے ہیں جبکہ دوست یار اسکول میں "بلو" کہتے تھے۔ جناب میں 9 فروری کو جدہ سعودی عرب میں پیدا ہوا تھا۔ ہماری فیملی ممبرز میں والدین ایک بڑے بھائی اور چار بہنیں ہیں اور میرا نمبر تیسرا ہے انٹر میں نے سعودی عرب سے کیا۔ بنیادی تعلیم صادق پبلک اسکول بہاول پور میں بورڈنگ میں حاصل کی اور امریکہ سے ایسوسی ایٹ ہوٹل مینجمنٹ کیا ہے میں نے۔ اداکاری میں پاکستان میں کررہا ہوں۔"

* "تعلیم حاصل کرنا کہاں اچھا لگا؟ یقیناً "امریکہ میں ہی اچھا لگا ہوگا؟"

★ "مزا ہر جگہ آیا اور جہاں میں ہوتا ہوں وہاں مزا خود ہی آجاتا ہے میرے پاس کیونکہ میں ہر کام دلچسپی اور لگن سے کرتا ہوں۔"

* "پاکستان میں آنا یقیناً" آپ کے نصیب میں لکھا ہوگا 'ورنہ جدہ (سعودی عرب) اور امریکہ چھوڑ کر تو کوئی پاکستان نہیں آتا؟"

★ "پاکستان اور شہر کراچی سے مجھے بہت پیار ہے اور کراچی نے مجھے سب کچھ دیا اس لیے میں کراچی کا بہت شکر گزار ہوں۔ اگرچہ بنیادی طور پہ میرا تعلق لاہور سے ہے اور اگر کراچی کے حالات خراب ہیں تو یہ مطلب تو نہیں کہ میں کہیں اور چلا جاؤں یہ تو وہی بات ہوگئی کہ گھر کے حالات خراب ہیں تو آپ گھر ہی چھوڑ دیں۔ امریکہ اور سعودیہ بہت اچھے تھے لیکن میرے تو نہیں تھے نا۔ تو کراچی جیسا بھی ہے میرا ہے پاکستان جیسا بھی ہے میرا ہے۔"

* "9 فروری کو آپ پیدا ہوئے۔ سال آپ نے بتایا نہیں۔ اس لیے ضرور پوچھیں گے کہ شادی ہوگئی یا ہونی ہے؟"

★ "نہیں جی دعا کریں کہ شادی ہوجائے۔"

* "شوبز میں کیسے آئے؟"

★ "شوبز میں آمد بہت پہلے ہوجانی تھی 'کیونکہ مجھے اداکاری کا بہت شوق تھا اور جب میں امریکہ سے آیا تو یہی خواہش لے کر آیا تھا کہ مجھے اداکار بننا ہے اور فلموں میں کام کرنا ہے۔ تو دیکھا کہ یہاں تو اچھی فلمیں بننے کا کوئی سلسلہ ہی نہیں ہے تب میں نے ٹی وی ڈراموں کے لیے بہت آڈیشن دیے بہت جدوجہد کی کبھی ہاں تو کبھی نہ تو بس پھر اللہ نے ہاتھ پکڑا اور الحمد للہ میرا اسلیکشن ہوا۔"

* "گھر والوں نے تو کہا ہوگا کہ کیا ضرورت ہے اتنی خواری کرنے کی! اچھے خاصے پڑھے لکھے انسان ہو کچھ اور کرلو؟"

★ "میرے گھر والے الحمد للہ بہت اچھے ہیں ——— سب سیلف میڈ ہیں تو والد صاحب نے کہا کہ جو تمہارا دل چاہے وہ کام کرو ہم تمہیں سپورٹ کریں گے ہر طرح سے اور یہی وجہ ہے کہ میں اس فیلڈ میں آیا۔ مگر بہت جدوجہد کے بعد۔"

* "تو پھر کس سیریل یا سنگل پلے سے ابتدا ہوئی اور شہرت کا باعث کون سا پروگرام بنا؟"

★ "میرا پہلا سنگل پلے کہہ لیں یا ٹیلی پلے "ننھا سا دل" یہ ٹیلی فلم پی ٹی وی پر آن ایئر ہوئی تھی اور اس میں میں نے ایک طالب علم کا رول کیا تھا اور اس میں مجھے ایک ٹیچر سے محبت ہوجاتی ہے اور جب میں انہیں آئی لو یو کہتا ہوں تو ایک چٹاخ سا تھپڑ میرے گالوں پر پڑتا ہے۔

اور شہرت کا باعث کیا بنا کچھ اندازہ نہیں ہے ' کیونکہ میں نے ATv اور پی ٹی وی کے لیے ہوسٹنگ بھی کی ہے اور لوگوں نے مجھے اس روپ میں بھی پسند کیا ہے باقی اب دیکھنے والے ہی بتاسکتے ہیں کہ انہوں نے مجھے زیادہ کس میں پسند کیا۔"

* "ٹیچر کا ایک تھپڑ آپ کو یاد ہے 'اصل زندگی میں بھی کسی کو آئی لو یو کہنے پر یا گھر والوں سے مار پڑی؟"

★ "ارے جی زندگی میں بڑی ماریں کھائی ہیں کبھی امی سے کبھی ابو سے 'کیونکہ شرارتی بہت تھا تو جتنا پٹتا

ہوں 'اتنے ہی لاڈ بھی اٹھوائے ہیں آئی لو یو والی پٹائی نہیں ہوئی کیونکہ اس کام میں میں سپر ہٹ ہوں۔ جس کو بھی ہم نے آئی لو یو کہا ہے انہوں نے آئی لو یو تو نہیں بلکہ تو تھری فور بھی ساتھ کہا ہے۔"

* "پریکٹیکل لائف میں کب آئے؟"

★ "جب میں امریکہ میں تھا تو جس طرح یہاں پاکستان میں ایک ٹھیلا لگاتے ہیں اسی طرح وہاں پارکنگ لاٹ میں ایک اسٹال لگاتے ہیں جس میں مختلف چیزیں ہوتی ہیں جیسے کیپ 'ٹی شرٹس وغیرہ۔ تو اس وقت بھائی کے ایک دوست نے وہ اسٹال لگایا اور اس وقت میں نیا نیا امریکہ گیا تھا نہ مجھے انگریزی آتی تھی اور نہ ہی مجھے کوئی کام وغیرہ کا سینس تھا۔ خیر انہوں نے مجھے کہا کہ بیٹا آپ کو اس اسٹال میں کھڑے ہونا ہے اور ساری چیزیں سیل آؤٹ کرنی ہیں تو جناب دو دن میں نے اس اسٹال پر کام کیا جس کا معاوضہ مجھے 100 ڈالر کی شکل میں ملا اور میں نے اس وقت ایک

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

مگ خریدا اپنی امی کے لیے جس پہ لکھا تھا "آئی لو یو مائی مدر" اور اس مگ میں میں نے 100 ڈالر ڈال کر اسے پیک کرکے اپنی امی کے لیے بھیج دیا۔ تو میری پہلی کمائی میری ماں کے لیے تھی۔"

* "بہت چاہت سے آئے آپ اس فیلڈ میں 'سب اچھا ہے یا کچھ برا بھی ہے یہاں؟"

☆ "جی بالکل بہت چاہت سے آیا ہوں اس فیلڈ میں اور ہر جگہ نہ سب کچھ اچھا ہوتا ہے نہ سب کچھ برا' تو یہاں بھی ایسا ہے' میرے خیال میں اس فیلڈ میں آنے کے بعد نہ تو پرائیویسی رہتی ہے نہ ہی آزادی کوئی بھی آپ پر کمنٹس پاس کرسکتا ہے کوئی بھی آپ پر کوئی الزام تھوپ سکتا ہے آپ کے بارے میں کوئی رائے قائم کرسکتا ہے۔"

* "اس فیلڈ میں خواتین سے کتنی شکایت ہے؟"

☆ "نہیں اس فیلڈ میں کیا بلکہ مجھے کبھی خواتین سے شکایت نہیں ہوئی کیونکہ مجھے خواتین بہت اچھی لگتی ہیں۔ میں ان کی بہت عزت کرتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ اس دنیا میں خدا کی حسین تخلیق ہی خواتین ہیں میں اپنی امی بہنوں سے بہت پیار کرتا ہوں خواتین کی سب سے اچھی بات یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ کیئرنگ ہوتی ہیں۔"

* "کوئی کردار جو کرنے کی خواہش ہو؟ اور کون سا کردار ہٹ ہوا؟"

☆ "مجھے ایک سپاہی کا رول کرنے کی خواہش ہے ایک فوجی کا کردار کرنے کی خواہش ہے دیکھیں کہ یہ خواہش کب پوری ہوتی ہے اور جو کردار ہٹ ہوا وہ ڈرامہ سیریل "جیون ساتھی" کا رول تھا جس میں میں نے ایک ظالم شکی اور نفسیاتی شوہر کا کردار کیا اور اس کا مجھے بہت اچھا فیڈ بیک آیا تھا۔"

* "ڈراموں کے کرداروں میں اپنی شخصیت کا عکس نظر آتا ہے؟"

☆ "آج کل جن پروجیکٹس پہ کام کررہا ہوں ان کے کردار میری شخصیت سے 100% مختلف ہیں لیکن کبھی کبھی جب رومینٹک رول کررہا ہوتا ہوں تو میری شخصیت کے بہت قریب ہوتے ہیں اور جب میں ڈائیلاگ بول رہا ہوتا ہوں تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ تو میں پہلے بھی کسی سے کہہ چکا ہوں اور آپ یقین کریں کہ جن کے ساتھ کررہا ہوتا ہوں وہ مجھ سے زیادہ رومینٹک ہورہی ہوتی ہیں۔ میں تو بہت آسانی سے کرلیتا ہوں۔"

* "گویا بہت رومینٹک ہیں آپ؟! اپنی کوئی اچھی اور بری عادت بتایئے؟"

☆ "اچھی عادتیں کم ہیں۔ بری بہت زیادہ ہیں میری منگیتر کو میری بری عادت یہ لگتی ہے کہ میں غصے میں بولتا نہیں ہوں بلکہ خاموش رہتا ہوں اور میرے خیال میں یہی میری ایک اچھی عادت ہے کہ میں غصہ میں بولتا نہیں ہوں۔"

* "پھر بھی غصے میں پہلا لفظ یا جملہ کیا نکلتا ہے؟"

☆ "تیری ـــ آگے آپ خود سمجھ جائیں (قہقہہ) اور غصے میں میں نے ہمیشہ اپنے آپ کو نقصان پہنچایا ہے کھانا پینا بولنا چلنا سب چھوڑ دیتا ہوں۔"

* "ویلنٹائن ڈے شوق سے مناتے ہیں؟"

☆ "بہت شوق سے مناتا ہوں اور ویلنٹائن ڈے پہ ہی میں نے شادی بھی کرنی ہے اور اپنی بیگم کے ساتھ ہی یہ دن منانا چاہوں گا۔"

* "زندگی کا ٹرننگ پوائنٹ کون سا تھا؟"

☆ "جب میں امریکہ گیا اس وقت ـــ کیونکہ پہلے میں طالب علم تھا اور مکمل طور پر میرا انحصار اپنے والدین پہ تھا لیکن جب میں امریکہ میں ہی پریکٹیکل لائف میں آیا تو میری زندگی بدلی اور یہی میری زندگی کا ٹرننگ پوائنٹ ہے۔"

* "اپنی زندگی میں کوئی چینج لانا چاہتے ہیں کیا؟"

☆ "میں تھوڑا نیک انسان بننا چاہتا ہوں' میں نماز روزے کا پابند ہونا چاہتا ہوں۔ مذہبی طور پر تھوڑا اسٹرونگ ہونا چاہتا ہوں۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے بلاول قریشی سے اجازت چاہی۔

☆ ☆

PAKSOCIETY.COM

سالگرہ نمبر

میری بھی سنیے

رز کمالی

شاہین رشید

1 "اصلی نام؟"
"رضوانہ کمالی۔"

2 "پیار سے پکارتے ہیں؟"
"ابو "انو" کہہ کر اور بھائی اپل کہہ کر پکارتے ہیں۔"

3 "جنم دن/ شہر/ ستارہ؟"
"25 جنوری/ ابوظہبی/ Aquarius۔"

4 "بہن بھائی/ میرا نمبر؟"
"میں اور میرا ایک بھائی ـــ بھائی بڑا ہے۔"

5 "تعلیمی ڈگریاں؟"
"A لیول اور اسٹوڈیو آرٹ سے ٹیکسٹائل ڈیزائننگ کا کورس کیا ہے۔"

6 "شوبز میں کون لایا؟"
"اتفاق ـــ یہ نام نہیں ہے۔ میں اتفاقاً "آئی ہوں۔"

7 "شادی؟"
"جب اللہ کو منظور ہوگا۔"

8 "پہلا سیریل یا پروگرام؟"
"پہلا چاند۔"

9 "وجہ شہرت؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

"میرا ہر سیریل مقبول ہوتا ہے۔"

10 "آج کل آن ایئر ہے؟"

"مختلف چینلز سے ڈرامے ہو رہے ہیں اور نجی چینل سے آپ "من کے موتی" دیکھ رہی ہوں گی۔"

11 "جو کمایا وہ کھایا یا کچھ بچایا؟"

"جو کمایا وہ کھایا کیونکہ مجھے خرچ کرنے میں مزا آتا ہے۔ مجھے اپنے پہلے پہلے سیریل میں 55 ہزار روپے ملے تھے جو میں نے خرچ کرکے اڑا دیے۔"

12 "میرے مشہور ڈرامے؟"

"رشتے محبتوں کے' خوشبو کا گھر' دورا ہا' من کے موتی' میری صبح کا ستارہ' ایک ہتھیلی پہ حنا" اور کافی ہیں جو اس وقت یاد نہیں آ رہے۔"

13 "آج کل کی مصروفیات؟"

"بہت زیادہ ہیں۔ اداکاری کے علاوہ ڈبنگ بھی کروا رہی ہوں اور آپ یقین کریں کہ گھر آنے کی فرصت نہیں ملتی۔"

14 "مجھے خوشی ہوتی ہے؟"

"جب ہر ترکی ڈرامے کے لیے مجھے ہی بلایا جاتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کی آواز تو ترکی ڈراموں میں نگینے کی طرح فٹ آتی ہے۔"

15 "میرے مشہور ترکی ڈرامے؟"

"نور' یہ ہے میری کہانی' انتہا' آسی' ٹوٹے بکھرے خواب' خورم' انتقام' بیرن ساعت' عشق ممنوع" اور "میرا سلطان" خاص طور پر شامل ہیں۔

16 "میں چاہتی ہوں کہ؟"

"فن کی دنیا میں ہمیشہ سدا بہار رہوں۔"

17 "ایک کردار جو کرنا چاہتی ہوں؟"

"ایک نہیں بہت سے کردار کرنا چاہتی ہوں۔ ایسے کردار جو ایک عام اور غریب لڑکی سے تعلق رکھتے ہوں۔"

18 "میرا پہلا پیار؟"

قہقہہ "اسکول کے زمانے میں "فزکس" کے سر سے پیار ہو گیا تھا۔ بہت اچھے لگتے تھے وہ مگر میں چھوٹی تھی اس لیے اظہار نہ کر سکی۔"

19 "میرا ایمان ہے کہ؟"

"کسی کو محبت اور عزت دو گے تو محبت اور عزت پاؤ گے۔"

20 "نیند نہ آئے تو کیا کرتی ہوں؟"

"ٹی وی لگا کر اچھا سا پروگرام دیکھتی ہوں یا کچھ پڑھنے لگتی ہوں۔"

21 "کن زبانوں پر عبور حاصل ہے؟"

"انگریزی' اردو اور عربی۔ بلاوجہ کوئی زبان نہیں بولتی جو جس زبان میں بات کرتا ہے اس سے اسی زبان میں بات کرتی ہوں۔"

22 "زندگی کے لیے میرا فلسفہ؟"

"زندگی چلتے رہنے کا نام ہے جو کسی کے آنے یا جانے سے نہیں ٹھہرتی نہ تھمتی ہے نہ رکتی ہے۔"

23 "انسان کا کون سا روپ پسند ہے؟"

"ماں کا کیونکہ خدا نے ماں کے پیروں کے نیچے جنت رکھی ہے۔"

24 "مرد کا کون سا روپ برا لگتا ہے؟"

"جب وہ بلاوجہ اپنے مرد ہونے کا احساس دلاتے ہیں۔"

25 "بچت کرتی ہوں؟"

"گولڈ کی شکل میں استعمال میں بھی مزا آتا ہے اور قیمت بھی بڑھتی رہتی ہے۔"

26 "کیا عشق اور پیار ایک ہی ہوتا ہے؟"

"نہیں دونوں میں بہت فرق ہے۔"

27 "پارٹیز میں جانا کیسا لگتا ہے؟"

"ضروری ہو تو جاتی ہوں ورنہ نہیں' کیونکہ بلاوجہ تقریبات میں جانا مجھے پسند نہیں ہے۔"

28 "شوبز کی برائی میری نظر میں؟"

"مطلبی اور منافق لوگوں سے بھری پڑی ہے یہ فیلڈ۔"

29 "ناشتا کرنے کی میری پسندیدہ جگہ؟"

"میری کار۔ صبح اٹھتی ہوں' تیار ہوتی ہوں۔ ناشتا لیتی ہوں اور شوٹ کے لیے روانہ ہو جاتی ہوں اور راستے میں ناشتا کرتی ہوئی جاتی ہوں۔"

30 "اپنی شکل میں کیا اچھا لگتا ہے؟"

"اپنے ہونٹوں کے نیچے تل۔"

31 "غصے کا ری ایکشن؟"

"ری ایکشن یہ ہوتا ہے کہ کھانا پینا چھوڑ دیتی ہوں اور آپ یقین کریں کہ دو دو دن کھانا نہیں کھاتی۔۔۔ اور زندہ بھی رہتی ہوں' ہے نا کمال کی بات۔"

32 "کس پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ لڑکوں پر یا لڑکیوں پر؟"

"کسی پر بھی نہیں صرف اور صرف اپنے اوپر۔۔۔ آپ کی ذات آپ کے لیے بہترین دوست ہے۔"

33 "گھر آتے ہی دل چاہتا ہے کہ۔۔۔؟"

"جلدی سے واش روم جاؤں اور فریش ہو جاؤں۔ پھر اطمینان سے کھانا کھاؤں۔"

34 "گہری نیند سے اٹھنا کیسا لگتا ہے؟"

"بہت برا اور میرا مزاج بہت چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ مگر چونکہ سامنے امی ہوتی ہیں تو پھر غصہ جلدی ٹھنڈا بھی ہو جاتا ہے۔"

35 "کوئی اچانک سامنے آ جائے تو کیا دیکھتی ہوں؟"

"کوئی لڑکا یا مرد ہو تو بات چیت کا انداز دیکھتی ہوں اور لڑکی یا خاتون ہو تو ہاتھ پیروں کو دیکھتی ہوں اور ایسا ارادتاً نہیں ہوتا بلکہ خود بخود نظریں اٹھ جاتی ہیں۔"

36 "کن چیزوں پر فضول خرچی کرتی ہوں؟"

"جوتوں' بیگز اور کپڑوں پر۔"

37 "سائنس کی بہترین ایجاد؟"

"موبائل فون۔"

38 "چھٹی کے دن کیا کرتی ہوں؟"

"مجھے کوکنگ کا شوق ہے تو کوکنگ کرتی ہوں۔ گھر کی صفائی ستھرائی کرتی ہوں۔ اپنا کمرہ صاف کرتی ہوں' مگر ان کاموں سے پہلے دیر تک سوتی ہوں۔"

39 "میری عادت ہے کہ؟"

"کہ میں زیادہ عرصہ کسی سے ناراض نہیں رہ سکتی۔"

40 "ایک دیرینہ خواہش؟"

"کہ لمبے عرصے کے لیے ورلڈ ٹور پہ جاؤں۔"

41 "جھوٹ بولتی ہوں؟"

"بالکل بولتی ہوں مگر مصلحتاً بولتی ہوں۔"

PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

42 "فیوچر پلاننگ کرتی ہوں؟"
"نہیں ہرگز نہیں۔۔۔ کیونکہ ہمیں تو اگلے لمحے کا پتا نہیں کہ کیا ہونے والا ہے اس لیے بھی پلاننگ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

43 "لوگ ڈرتے ہیں؟"
"موت سے' مگر میں نہیں ڈرتی' کیونکہ اس نے تو آنا ہی ہے۔"

44 "مسائل شیئر کرتی ہوں؟"
"صرف اور صرف اپنی امی سے۔ ویسے زیادہ تر اپنے مسائل خود ہی حل کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔"

45 "بہت افسوس ہوتا ہے؟"
"جب میں لوگوں کے لیے بہت کچھ کروں اور اس کے باوجود مجھے کوئی نہ سمجھے اور میرے احساسات کو بھی محسوس نہ کرے تو بہت افسوس ہوتا ہے۔"

46 "کچھ چیزیں جو میرے ساتھ لازمی ہوتی ہیں؟"
"سیل فون' والٹ' بیگ اور سب سے بڑھ کر امی کی دعائیں۔"

47 "اور کچھ چیزیں جو سونے سے پہلے ساتھ ہوتی ہیں؟"
"ڈرائی فروٹ' لوشن' روز واٹر بوتل' موبائل فون' کوئی کتاب' جب تک میں جاگتی ہوں۔ میرے استعمال میں رہتی ہیں۔"

48 "اگر کسی کو قتل کرنا پڑے تو؟"
"توبہ کریں۔۔۔ میں تو لال بیگ کو نہیں مار سکتی تو بندہ کیسے ماروں گی۔"

49 "زندگی بری لگتی ہے جب؟"
"جب بہت کچھ کرنا چاہوں اور کر نہ سکوں۔ تو پھر بہت غصہ آتا ہے کہ جب کچھ کر نہیں سکتی تو کیا فائدہ جینے کا۔"

50 "کوئی لڑکا مسلسل گھورے تو؟"
"تو اگنور کرتی ہوں۔ بھئی گھورتا ہے تو گھورتا رہے۔ میرا کیا جا رہا ہے۔ اس کے اطراف والے ہی اسے پاگل کہیں گے۔"

51 "فقیروں کو دو کچھ کر کتنا دینے کو دل چاہتا ہے؟"
"دل تو بالکل بھی نہیں چاہتا کیونکہ زیادہ تر فقیر ہٹے کٹے ہوتے ہیں مگر پھر بھی اللہ کے خوف سے کچھ دے ہی دیتی ہوں۔"

52 "میری ایک بات جس سے اب سب واقف ہیں؟"
"ہر وقت ہاتھوں پیروں میں لوشن لگانے کی اور جوس پینے کی اور یہ کام میں سیٹ پر بہت کرتی ہوں۔"

53 "فریش ہوتی ہوں تو کیا کرتی ہوں؟"
"میوزک سنتی ہوں اور ٹی وی دیکھتی ہوں۔"

54 "غلطی ہو جائے تو؟"
"تو اعتراف کرلیتی ہوں۔ میرے نزدیک اس میں کوئی شرم کی بات نہیں ہے۔"

55 "کچھ الفاظ جو اکثر بولتی ہوں؟"
"ویل' آئی مین' او کے وغیرہ۔"

56 "کب بہت آرام سے سو جاتی ہوں؟"
"جب بہت تھکی ہوئی ہوتی ہوں۔"

57 "میری بری عادت؟"
"جلدی برا مان جاتی ہوں اور ہر بات کو دل پہ لے لیتی ہوں۔ خواہ کوئی مذاق کے رنگ میں ہی کیوں نہ کہہ رہا ہو اور جلدی غصے میں آجاتی ہوں۔"

58 "اکثر نقصان اٹھاتی ہوں؟"
"دوسروں پر جلدی بھروسہ کرکے اور پھر جب بھروسہ ٹوٹتا ہے تو بہت کچھ گنوا چکی ہوتی ہوں۔"

59 "گھر میں کہاں سکون ملتا ہے؟"
"اپنے کمرے میں اور اپنے بیڈ پر۔۔۔ دنیا کی بہترین جگہ ہوتی ہے اپنا بیڈ۔"

60 "زندگی کب بدلی؟"
"زندگی تو ہر لمحہ بدلتی رہتی ہے۔ آج آپ کچھ ہیں کل آپ کچھ ہوں گے اور کل آپ کچھ اور تھے۔۔۔ تو یہ سب کچھ تو چلتا رہتا ہے۔"

☆ ☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

سالگرہ نمبر

قصے کہانیاں اور پھول

شاہین رشید

"کرن" کا ذکر محمود بابر فیصل کے بغیر ادھورا ہے۔ محمود بابر فیصل کا مشن تھا صاف ستھرا تفریحی ادب بہنوں تک پہنچانا کہ باتوں باتوں میں ان کی اصلاح بھی ہو جائے اور روزمرہ زندگی کے شعور سے آگاہ ہو جائیں اور کرن اس طویل مدت میں وقت کے تقاضوں سے پوری طرح ہم آہنگ رہا۔ کرن کی سالگرہ کے موقع پر ہم نے قارئین اور مشہور شخصیات سے "کرن" کے متعلق کچھ سوالات کیے ہیں۔

سوالات

1۔ آپ کرن میں کیا تبدیلی دیکھنا چاہتی ہیں؟
2۔ "کرن" میں شائع ہونے والے افسانے سلسلے وار ناول اور مکمل ناول کیا قارئین کی بہتر تربیت رہے ہیں یا بگاڑ کا سبب بن رہے ہیں؟

آیئے دیکھیں قارئین و دیگر مشہور شخصیات نے ان سوالات کے کتنے دلچسپ جوابات دیے ہیں۔

حرا رشید... طالبہ ایم بی اے

1 میں یہ تبدیلی دیکھنا چاہتی ہوں کہ میگزین میں کچھ ورائٹی آنی چاہیے۔ ایک زمانے سے ایک ہی طرح کے ٹوٹکے اور ترکیب چلی آ رہی ہیں بلکہ دوہرائی جا رہی ہیں۔ جنہیں پڑھ پڑھ کر ہم تھک چکے ہیں۔ اس کے علاوہ سب بہت اچھا ہے۔ ہر سلسلہ جاندار ہے۔

2 جہاں تک تربیت کی بات ہے تو مجھے لگتا ہے کہ ڈائجسٹ میں شائع ہونے والے ناولز اور افسانے اس معیار کے نہیں ہوتے جو آج کل کے حساب کے مطابق ہونے چاہئیں۔ کمپیوٹرائز دور میں مطالعہ ویسے ہی بہت کم ہو گیا ہے اور جو رہ گیا ہے اس میں بھی عشق و محبت کے قصے اور افسانے تو لڑکیوں پر اچھا اثر پڑنے کی بجائے برا ہی اثر پڑ رہا ہے۔ کیونکہ لڑکیاں بھی خوابوں کی دنیا میں رہتی ہیں اور پھر "گھوڑے پہ شہزادے" کی آمد کی منتظر ہو جاتی ہیں یا پھر گھر سے نکل جاتی ہیں اور غلط راہ پہ چل پڑتی ہیں۔ اگر میرے اختیار میں ہو تو میں کبھی کسی کم عمر لڑکی کو یہ ناولز پڑھنے کا مشورہ یا اجازت نہیں دوں گی۔ اس جانب توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ میں یہ نہیں کہوں گی کہ سب ناولز اور افسانے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ بہت اچھے بھی ہوتے ہیں مگر آپ سب جانتے ہیں کہ برائی میں کشش ہوتی ہے اور برائی کو ہی لوگ جلدی اپناتے بھی ہیں۔ اس لیے تھوڑی احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ آج کل کا جو ماحول ہے اس میں اچھائی کو پھیلانے کی زیادہ ضرورت ہے۔

سعدیہ سلیم (سابق ممبر سٹی ڈسٹرکٹ کونسل کراچی)

1 آپ جو انٹرویوز کرتی ہیں۔ وہ بہت اچھے ہوتے ہیں لیکن وہ تمام سلیبریٹیز کے ہوتے ہیں۔ میری یہ تجویز ہے کہ سلیبریٹیز سے ہٹ کر ایسے عام لوگوں کے انٹرویوز بھی کیے جائیں جنہوں نے کوئی خاص کام کیے ہوں۔ مگر وہ معاشرے کی نظروں سے اوجھل ہیں انہیں سامنے آنا چاہیے۔ انہیں آپ سیلیبرٹی بنائیں بلکہ سیلیبرٹی بنانے میں ان کی مدد کریں۔

2 ناولز' افسانے اور کہانیوں کے لیے میں سمجھتی ہوں کہ یہ تو جوانوں کو آگاہی دے رہے ہیں کہ دنیا میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ اب یہ قاری پہ منحصر ہے کہ وہ انہیں پڑھ کر اچھی بات سیکھ رہے ہیں یا بری۔ رائٹر نے تو دونوں پہلو سامنے رکھ دیے ہیں اور ہر رائٹر دونوں پہلو سامنے رکھ کر ہی کچھ تحریر کرتا ہے۔ اب فیصلہ تو جوانوں نے خود کرنا ہوتا ہے کہ ان کے لیے کون سا راستہ بہتر ہے۔

ماورا :۔ (اداکارہ)

1 جب تک میرا انٹرویو اس میگزین میں شائع نہیں ہوا تھا میں اس میگزین کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی تھی بس اس کا نام ضرور سنا ہوا تھا۔ مگر انٹرویو کے بعد جب میں نے اس کا مطالعہ کیا تو مجھے یہ کافی اچھا لگا اور میرے خیال میں اس میں خواتین کی پسند کی سب چیزیں ہوتی ہیں۔ اس لیے میرا نہیں خیال کہ اس میں کوئی تبدیلی ہونی چاہیے۔

2 ہمارے ٹی وی ڈراموں کی کہانیاں بھی آج کل ڈائجسٹ کی لکھاری ہی لکھ رہی ہیں جو کہ بہت پسند کی جاتی ہیں۔ تو یقیناً" ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی کہانیاں افسانے اور ناولز اس قابل ہوتے ہیں کہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

انہیں پڑھا جائے اور جب ڈرامے معاشرے میں بگاڑ کا سبب نہیں بن رہے تو بھلا یہ کیوں بگاڑ کا سبب بن رہے ہوں گے۔ یقیناً "یہ تربیت ہی کرتے ہوں گے۔

صبا قمر : ۔ (اداکارہ)

1 سچ بتاؤں جب تک اس فیلڈ میں نہیں تھی ان میگزین کو خرید کر پڑھتی تھی۔ بہت مزا آتا تھا۔ ہر سلسلہ اچھا لگتا تھا مگر شوبز میں آنے کے بعد کبھی کبھار ہی نظر سے گزرتا ہے تو شوبز کو سلسلے دیکھتی ہوں۔ اچھے سلسلے ہیں دیگر سلسلے بھی بہت اچھے ہیں۔ خاص طور پر "حسن و صحت" کیونکہ یہ ہمارے مطلب کا ہوتا ہے۔ ویسے اگر کسی ماہر بیوٹیشن کے حوالے سے یہ سلسلہ ہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔

2 ناولز اور افسانے تو کسی دور میں پڑھا کرتی تھی۔ یہ سب چیزیں یا تحریریں لڑکیوں کو حقیقی دنیا سے دور لے جاتی ہیں۔ جہاں ہیروئن کو تو ایسے دکھایا جاتا ہے جیسے وہ اس دنیا کی نہیں کسی اور ہی دنیا کی مخلوق ہو اور اس کا خوب صورت ہونا بھی لازمی ہوتا ہے اور ہیرو بھی کمال کا انسان ہوتا ہے۔ کبھی کبھی یہ کہانیاں تو حقیقت سے بہت دور لگتی ہیں۔ حقیقی دنیا میں سب کچھ حقیقت ہوتا ہے۔ فلموں اور افسانوں میں مبالغہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے نوجوان فلمیں دیکھنا اور افسانے پڑھنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔

ام فروا : ۔ (آفیسر بینک)

1 کرن میگزین ایک اچھا میگزین ہے۔ میری خواہش ہے کہ اس میں "شوبز" سے متعلق نیوز ضرور ہونی چاہئیں جس طرح خواتین اور شعاع میں ہوتی ہیں۔

2 میں باوجود مصروفیات کے آپ کے ادارے کے تینوں پرچوں کا مطالعہ کرتی ہوں۔ اس میں شائع ہونے والے افسانے 'ناولز بہت سبق آموز ہوتے ہیں جن سے کوئی نہ کوئی اچھا پیغام ضرور ملتا ہے۔ میرا نہیں خیال کہ ان کو پڑھ کر نوجوان نسل خراب ہو رہی ہوگی' بلکہ میں سمجھتی ہوں کہ یہ تحریریں بہت سے لوگوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوتی ہوں گی۔

سعدیہ جاوید : ۔ (ہاؤس وائف)

1 ویسے تو کرن اچھا ہے مگر پھر بھی اس میں کچھ کمی سی لگتی ہے۔ اصلاحی اور گھریلو مسائل اور ان کے حل اور مزاحیہ ٹائپ مختصر کہانیاں اور افسانے بھی ضرور ہونے چاہئیں۔

2 کرن ڈائجسٹ میں شائع ہونے والے افسانے' ناولز اور کہانیاں بگاڑ کا سبب تو نہیں ہیں۔ لیکن تھوڑی "کھلی ڈھلی" تحریریں ضرور ہوتی ہیں جن کو پڑھ کر عجیب سا محسوس ہوتا ہے۔ ہم تو اب ٹین ایج میں نہیں ہیں مگر ہماری بچیاں تو ہیں اس لیے تھوڑا اس بات کا خیال رکھا کریں کہ بچیوں پر کوئی برا اثر نہ پڑے۔ ویسے سب رائٹرز اپنا فرض بخوبی نبھا رہی ہیں۔

نزہت سمن : ۔ (اسکرپٹ ایڈیٹر)

1 کرن ڈائجسٹ میں جو مستقل سلسلے ہیں کم و بیش وہی سلسلے تمام دوسرے ڈائجسٹوں میں بھی ہیں اور برسوں سے چلے آرہے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ہر چیز میں تبدیلی لازمی ہے۔ اس لیے اب لکیر کے فقیر بننے کی بجائے کچھ نیا لانے کی کوشش کریں۔ جو لوگوں کو چونکائے اور نیا لطف دے۔ زندگی بہت بدل چکی ہے دنیا بہت آگے جا چکی ہے۔ اب آپ لوگ بھی سوال جواب اشعار' پکوان' نفسیاتی مسائل' آپ کی ڈائری سے باہر آکے وقت کے تقاضوں کے مطابق ایسے سلسلے شروع کریں جو لوگوں کو کم وقت میں کچھ معلومات رہنمائی اور زندگی کے تجربات سے روشناس کریں۔

2 افسانے 'کہانیاں اچھی ہوتی ہیں۔ معیاری اور سبق آموز بھی۔ صرف ان کی طوالت بے زار کرتی ہے۔ نوجوانوں کے لیے یہ تحریریں اصلاحی ہوتی ہیں۔

مگر آج کل کی نسل کتاب ہی نہیں پڑھتی تو پھر اتنی طویل تحریریں کہاں پڑھے گی۔ اگر اچھے اور سبق آموز موضوعات کو مختصر کرکے پیش کیا جائے تو نوجوان قاری بلکہ قارئین میں اضافہ ہوگا اور ان کی ذہنی تربیت بھی ہوسکے گی۔

انوشے عباسی (اداکارہ)

1 میرے اباجی زبیر عباسی خواتین کے ادارے سے نکلنے والے تمام ڈائجسٹ بہت شوق سے پڑھتے تھے اور ان کی وجہ سے ہمیں بھی ڈائجسٹ کے مطالعے کا شوق ہوا۔ چونکہ اباجی بہت معروف رائٹر تھے اس لیے وہ ہمارے لیے بھی خواہش رکھتے تھے کہ ہم بھی کچھ لکھیں۔ مگر ہمیں تو صرف پڑھنے کا شوق تھا۔ کرن میں مجھے نہیں لگتا کہ تبدیلی کی ضرورت ہے۔ سوائے اس کے کہ اگر شوبز کے سلسلوں کو کلرڈ میں دیا جائے۔ اس طرح انٹرویوز میں جان آجائے گی۔ اشعار اکثر پرانے ہوتے ہیں۔ یعنی بار بار دہرائے جاتے ہیں' باقی سب کچھ ٹھیک ہے۔

2 افسانے ناولز اچھے ہوتے ہیں اور ہمیں تو اس میں سے کوئی نہ کوئی کردار مل جاتا ہے کہ اگر یہ کردار کرنا پڑے تو کیسا رہے گا۔ کئی نئے کردار ملتے ہیں اور الفاظ کا ذخیرہ بھی۔ معاشرے میں ہونے والی خرابیوں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

اور ان سے بچنے کا طریقہ بھی بلعض تحریریں تو بہت سبق آموز اور موضوعات کے حساب سے نئی ہوتی ہیں اور دل میں اترتی ہیں۔

اقصیٰ اکرم :۔ (طالبہ)

1 کرن میں ہر سلسلہ اچھا ہے۔ شوبز سے لے کر صحت و تندرستی اور میری ڈائری سے لے کر اشعار تک بس تبدیلی یہ ضروری ہے کہ آپ لوگ خطوط شائع تو کردیتے ہیں مگر خطوط کے جوابات نہیں دیتے۔ اس طرح جب خط لکھنے والے کو اپنے خط کا جواب نہیں ملتا تو اسے مایوسی ہوتی ہے "آواز کی دنیا" کا سلسلہ اچھا ہے کیونکہ گاؤں دیہات میں زیادہ تر ریڈیو ہی سنا جاتا ہے اور ڈرائیونگ کے دوران بھی لوگ ریڈیو ہی سنتے ہیں۔

2 ناولز بہت اچھے ہوتے ہیں مگر ان کے لیے اگلی قسط کا انتظار رہتا ہے جو کہ کبھی کبھی بہت طویل لگتا ہے' مہینہ گزارنا مشکل ہوتا ہے کیونکہ کہانی بھی وہاں روک دی جاتی ہے۔ جہاں زیادہ سسپنس ہوتا ہے۔ افسانے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ اور انسان کی سوچ پر بہت مثبت اور گہرا اثر ڈالتے ہیں۔

کرن سلطان :۔ (ٹریول کنسلٹنٹ پی آئی اے + آر جے)

1 میرے نزدیک کرن ایک بھرپور اور مکمل ڈائجسٹ ہے۔ اس کے تمام سلسلے بہترین ہیں۔ اس لیے اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے۔

2 کرن ڈائجسٹ میں شائع ہونے والے افسانے اور ناولز نوجوانوں کی اچھی تربیت کررہے ہیں۔ نہ صرف یہ اخلاقیات سے بھرپور ہوتے ہیں بلکہ معاشرے میں ہونے والی برائیوں کی بہترین عکاسی بھی کرتے ہیں اور ان سے بچنے کے طریقے بھی بتاتے ہیں ہر کہانی' ناول اور افسانوں میں نوجوانوں کے لیے ایک اچھا پیغام بھی ہوتا ہے۔ سالگرہ کے موقع پر پوری ٹیم کو بہت بہت مبارک دوں گی کہ معاشرے کی بھلائی کے لیے خاص طور پر گھروں میں رہنے والی لڑکیوں کے لیے خاموشی سے اپنا کردار ادا کررہی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید کامیابیاں عطا کرے۔

رخ چودھری :۔ (رائٹر+ڈرامہ نگار)

1 کرن ڈائجسٹ سے میری وابستگی کہنے کو تو سالوں پر محیط ہے' مگر مجھے تو صدیوں کا ساتھ لگتا ہے۔ رہی تبدیلی کی بات تو کرن ڈائجسٹ قارئین کے ذوق سلیم کے لیے وہ سب کچھ پیش کرتا ہے جو وہ چاہتے ہیں اس لیے کسی قسم کی تبدیلی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

2 یہ ہمارا اپنا میگزین ہے اس میں شائع ہونے والی تمام تحریریں اتنی پر اثر ہوتی ہیں کہ بڑے بڑے ڈائریکٹرز نے ان تحریروں کو لیا اور ڈرامائی شکل میں پیش کیا کرن شعاع اور خواتین ڈائجسٹ ہم رائٹرز کی پہچان بنے ہیں اور انہی ڈائجسٹوں نے ہمیں ٹی وی کی دنیا تک پہنچایا ہے۔

سوہائے علی ابڑو :۔ (ٹی وی + تھیٹر' اداکارہ)

1 جی کرن میری نظر سے گزرتا رہتا ہے۔ پہلے تو آپ اس کی سالگرہ پر مبارک باد قبول کیجیے۔ تبدیلی کی گنجائش تو نہیں ہے لیکن اگر شوبز کے سلسلوں میں ایک آدھ کا اضافہ کردیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں' خبروں کو بھی جگہ دیں جو کہ سچ پر مبنی ہوں۔ اسکینڈلز نہ ہوں۔ اس سے ہم فنکاروں کو بہت تکلیف ہوتی ہے ۔

2 آج کل تو ہم آپ کی رائٹرز کے ڈراموں میں کام کرتے ہیں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تحریریں بہت جاندار ہوتی ہیں سچی بات تو یہ ہے کہ افسانے اور ناولز کو پڑھنے کا موقع تو نہیں ملتا' کیونکہ مصروفیات بہت ہوتی ہیں البتہ ڈراموں سے اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ اچھائی اور برائی کو بہت اچھے انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔

سنبل شاہد :۔ (فنکارہ)

1 نوجوانی اور پھر جوانی میں یہ میگزین یا ڈائجسٹ بہت پڑھے ہیں اور اب بھی نظر سے گزرتے رہتے ہیں۔ سب کچھ بہت اچھا ہے۔ ظاہر ہے لوگ پسند کرتے ہیں تو یہ سب سلسلے جاری ہیں' کبھی کبھی ذائقہ بدلنے کے لیے ٹی وی پروگراموں پر بھی ایک کالم ہونا چاہیے۔ پتا تو چلے کہ ناظرین کیا پسند کررہے ہیں اور شوبز میں کیا ہورہا ہے۔

2 جیسا کہ میں نے بتایا کہ نوجوانی میں یہ ڈائجسٹ بہت پڑھے اور افسانے اور ناولز کو پڑھ کر خود کو اسی کی طرح ہیروئین سمجھنے لگتے تھے ہم اور ویسے ہی ہیرو کا انتظار کیا کرتے تھے۔ ویسے ہی پائیں باغ میں جاکر دوپٹہ لہرانے اور اچانک نمودار ہونے والے ہیرو کا انتظار ہوتا تھا۔ مگر ایسا حقیقی دنیا میں کہاں ہوتا ہے اور یہ چیزیں جب حقیقت میں نہیں ہوتیں تو پھر لڑکیاں بچیاں احساس کمتری کا شکار ہوجاتی ہیں۔ تو میں یہ کہوں گی کہ اتنی ماورائی کہانیاں نہ دیا کریں۔ ہمیں تو اپنی اصل زندگی میں بھی ایک اچھا شہزادہ یا انسان مل گیا مگر سب کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا۔ لڑکیوں کو حقیقت کا رنگ ضرور دکھایئے۔ آج کل کے دور میں تو لڑکیاں اپنے شہزادے کو پانے کے لیے گھر سے بھاگنے سے بھی نہیں گھبراتیں تو بس ذرا تصوراتی دنیا سے باہر آجایئے۔

ثمینہ ہمایوں سعید :۔

1 جی آپ کے ڈائجسٹ ماشاء اللہ نوجوانوں میں بہت مقبول ہیں۔ کیا تبدیل ہونا چاہیے کیا نہیں یہ تو وہ زیادہ بہتر بتاسکتے ہیں۔ میرے خیال میں تو دلچسپی کی سب ہی چیزیں ہوتی ہیں۔

2 ہماری نظر تو اچھے ناولز پر ہوتی ہے تاکہ ہم انہیں ڈرامہ سیریل کے طور پر پیش کرسکیں اور آپ نے دیکھا بھی ہوگا کہ آپ کے ڈائجسٹوں کی بہت سی لکھاری ہمارے لیے بھی کام کرتی ہیں۔ تو ماشاء اللہ سب بہت اچھا لکھ رہی ہیں اور معاشرے کے نوجوانوں کی تربیت میں معاون ثابت ہورہی ہیں۔

☆ ☆

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

سالگرہ نمبر

آواز کی دنیا سے

محمد نعمان شیخ

شاہین رشید

باصلاحیت لوگ مشکل حالات میں بھی اپنی جگہ بنا ہی لیتے ہیں۔ آر جے محمد نعمان شیخ نے بھی ایک ایسے ماحول میں پرورش پائی جہاں تعلیم کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ مگر انہوں نے اپنی صلاحیت سے اپنے آپ کو منوایا اور آج وہ ڈیرہ اسماعیل خان ایف ایم ریڈیو 91 کے معروف آر جے ہیں انہوں نے یہ مقام کس طرح حاصل کیا آیئے ان سے گفتگو کر کے معلوم کرتے ہیں۔

* "کیسے ہیں جی نعمان شیخ صاحب؟"

❁ "جی اللہ کا شکر ہے۔"

* "کبھی ہمارے ڈائجسٹ آپ کی نظر سے گزرے؟"

❁ "جی جب میں میٹرک میں تھا تو آپ کے ڈائجسٹ پڑھا کرتا تھا پھر مصروفیات بڑھ گئیں تو پڑھنا چھوڑ دیا۔۔۔ لیکن میری کزن جو کہ شہر میں رہتی تھیں وہ اکثر ڈائجسٹ وغیرہ پڑھتی تھیں اور ان کے لیے میں ہی میگزین لے کر آیا کرتا تھا۔ یہ میں اپنے بچپن کی بات بتا رہا ہوں' تو میں ان کے لیے کرائے پہ میگزین لایا کرتا تھا جس کا کرایہ ایک روپیہ یا دو روپے ہوتا تھا تو میں خود بھی پڑھ لیتا تھا اور کزن وغیرہ بھی پڑھتی تھیں۔"

* "اچھا ایک روپیہ یا دو روپے؟ کہاں سے لے کر آتے تھے اتنے کم کرائے پہ اور یہ کس سن کی بات ہے؟"

❁ "بک اسٹال سے لے کر آتا تھا۔ بات ہے 1998ء کی پھر 2003ء تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔"

* "بڑی بات ہے۔۔۔ اب کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟"

❁ "میں 18 اکتوبر 1990ء کو ٹانک میں پیدا ہوا میں بنیادی طور پر ٹانک (Tank) سے تعلق رکھتا ہوں اور یہ ڈیرہ اسماعیل خان سے ایک گھنٹے کی مسافت پر ہے میری دو بہنیں اور ہم تین بھائی ہیں میرا نمبر تیسرا ہے بھائیوں میں۔ ایک مڈل فیملی سے میرا تعلق ہے اور بہت نیچے سے اوپر آئے ہیں ہم لوگ۔ یعنی بہت غربت میں زندگی گزاری ہے ہم نے۔ لیکن پھر اللہ نے اپنا کرم کر دیا اور اس نے زمین جائیداد سب کچھ دے دیا۔ میٹرک تک میں نے Tank میں پڑھا میری زندگی میں بہت نشیب و فراز آئے۔ میرے ابو پڑھائی کے خلاف تھے کیونکہ وہ خود پڑھے لکھے نہیں تھے تو انہیں پڑھائی کی اہمیت کا احساس نہیں تھا۔ جب میں دوسری جماعت میں پڑھتا تھا تو میرے ابو نے مجھے ماموں کے ساتھ مکینک کے کام پہ لگا دیا۔ لیکن جب میرے ٹیچر نے مجھے مکینک کا کام کرتے دیکھا تو میرے ابو سے سفارش کی کہ آپ بے شک تعلیم کے لیے فیس وغیرہ نہ دیں لیکن بچے کو پڑھنے کی اجازت دے دیں۔ تو پھر دوسری جماعت سے لے کر دسویں جماعت تک فرنٹیئر چلڈرن اکیڈمی جو کہ ٹانک میں ہی ہے میں ۔۔۔ تعلیم حاصل کی اور میں سمجھتا ہوں کہ میری زندگی کو بنانے سنوارنے میں میرے پرنسپل سر محمد شعیب کا بہت عمل دخل ہے۔ میٹرک میں میرے بہت اچھے مارکس آئے اور میرا دل چاہا کہ میں مزید تعلیم حاصل کروں اور آگے پڑھائی کرنے میں میری امی نے میرا بہت ساتھ دیا اور میرے ابو کو بڑی مشکل سے راضی کیا کہ اس کو مزید پڑھنے کی اجازت دے دیں۔ ابو راضی ہوئے تو میں ڈیرہ اسماعیل خان میں آ گیا۔ جہاں ابو کے ایک دوست مل گئے' میں ان کے پاس کام بھی کرنے لگا اور تعلیم کا سلسلہ بھی شروع کر دیا اور کالج میں داخلہ لے لیا۔"

* "والد پڑھائی کے کیوں خلاف تھے' کیا ان کے خیال میں پڑھ لکھ کر بچے بگڑ جاتے ہیں؟"

❁ "ابو سمجھتے تھے کہ پڑھائی اس لیے نہیں کرنی چاہیے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے ان کا کہنا تھا کیونکہ ہنر سے ہی انسان آگے بڑھتا ہے۔ میرے دو بھائی ہیں انہوں نے دو تین جماعتیں پڑھیں ابو نے انہیں اسکول جانے سے منع کر دیا کیونکہ ان کی خواہش تھی کہ وہ حافظ قرآن بنیں تو ماشاء اللہ ایک بھائی بہت اچھا قاری ہے اور دوسرا حافظ قرآن ہے وہ وہیں Tank میں ہی ہوتے ہیں۔ ابو اس بات سے روشناس نہیں ہیں کہ اچھی زندگی تعلیم کے بل بوتے پر ہی گزاری جا سکتی ہے۔"

* "اب جبکہ آپ بڑے ہو گئے ہیں تو آپ کے خیال میں ہنر زیادہ بہتر ہے یا تعلیم زیادہ بہتر ہے؟"

❁ "میں تو تعلیم کو ہی اہمیت دیتا ہوں اور میں تو تعلیم کا پیاسا ہوں زندگی میں کچھ ایسے واقعات آ گئے تھے کہ میں تعلیم سے تھوڑا دور ہو گیا تھا اور یہ بات ہے میٹرک کے بعد کی' لیکن تعلیم کی تڑپ اور لگن مجھے ہر وقت محسوس ہوتی رہی۔ کچھ مسائل ایسے ہوئے کہ مجھے تعلیم کی کمی کا بہت احساس ہوا۔ تعلیم کے بغیر تو انسان ادھورا ہے بلکہ کچھ بھی نہیں ہے۔"

* "تو پھر کہاں تک تعلیم حاصل کی آپ نے؟"

❁ "ابھی تو میں بی اے فائنل کا طالب علم ہوں اور کوئی پرابلم ... اس لیے نہ لے سکا تعلیم میں کہ میرا ویژن نہیں تھا مجھے کوئی گائیڈ کرنے والا نہیں تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے کس فیلڈ میں جانا چاہیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اصل تعلیم تو میں نے میٹرک تک ہی حاصل کی ہے جہاں کے ٹیچرز نے مجھے ویژن دیا۔ کالج کے اساتذہ تو طالب علموں کے ساتھ زیادہ کلوز نہیں ہوتے نہ ہی طالب علموں کے ساتھ سر کھپاتے ہیں اور نہ ہی دل لگا کر پڑھائی کرواتے ہیں کہ طالب علم کا ویژن کلیئر ہو۔ تو اس بات کی آج بھی کمی ہے اور کل بھی کمی تھی۔ اللہ کرے یہ کمی جلد پوری ہو۔"

* "گلوبل ایف ایم 91 تک کیسے آئے آپ؟"

❁ "ایف ایم میں آنے کا اتفاق بھی بڑے عجیب انداز میں ہوا۔ میں صبح کالج جاتا تھا شام میں ایک دکان پہ پارٹ ٹائم جاب کیا کرتا تھا۔ دوکان کے مالک کے تعلقات ایف ایم ریڈیو کے ڈائریکٹر سے بہت اچھے تھے جن کا نام جہاں زیب خٹک ہے۔ انہیں ان دنوں چینل آپریٹر کی ضرورت تھی چنانچہ میں نے ریڈیو پہ چینل آپریٹر کی جاب کر لی۔ میں آر جے کو پروگرام کرتے ہوئے دیکھتا رہتا تھا اور مجھے اندازہ ہوا کہ سب کا اپنا اپنا انداز ہوتا ہے بولنے کا۔ مجھے بھی شوق ہوا کہ میں بھی پروگرام کروں اور ایک دو پروگرام کر کے دکھائے تو مجھے باقاعدہ پروگرام کرنے کے لیے کہا گیا اور یوں 2007ء میں میرے ریڈیو کے کیریئر کا آغاز ہوا۔"

* "پروگرام کرنے کی پیش کش ہوئی تو کیا تاثرات تھے؟"

❁ "میں سرائیکی فیملی سے تعلق رکھتا ہوں اور ہماری مادری زبان سرائیکی ہے تو ٹانک میں پٹھان بھی بہت زیادہ ہیں۔ پشتو میں بھی مہارت ہو گئی تو ہوا یہ کہ ایف ایم میں ایک پروگرام کی دو گھنٹے کی ریکارڈنگ کسی پارٹی کو بھیجنی تھی۔ تو پہلے دو پروگرام میں نے پشتو میں کیے اور پشتو سے ہی میرے کیریئر کا آغاز ہوا۔ اور پہلے پروگرام کے لیے تاثرات تو بہت اچھے تھے خوشی بھی بہت تھی۔ مگر نروس بہت تھا اور آواز میں بھی کپکپاہٹ تھی تو وہ دو پروگرام تو کبھی نہیں بھول سکتا۔"

* "پھر اردو میں کیا ہوا؟ کیونکہ اردو آپ کی مادری زبان نہیں ہے؟"

❄ "جب میں اسکول میں پڑھتا تھا تو اسکول کے کوئز پروگرام میں اور دیگر پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا۔ تقریریں کرنا ڈرامے اور خاکے لکھنے میں میرے ٹیچر بہت مدد کیا کرتے تھے۔ ان کی وجہ سے ہی آج میں سب کچھ ہوں۔ تو جب اردو پروگرام شروع کیے تو ٹیچرز کی ہی مہربانی میرے کام آئی۔"

* "سرائیکی اردو اور پشتو کے پروگرام الگ الگ کیے یا ایک ہی پروگرام میں بارہ مسالوں کی چاٹ پیش کی؟"

❄ "سب پروگرام الگ الگ کیے ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب لائیو کالز لیتے ہیں تو سرائیکی، پنجابی، اردو اور پشتو بولنے والوں کے بھی فون آجاتے ہیں تو پھر میں انہی کی زبان میں کبھی کبھی جواب بھی دے دیتا ہوں۔ ہمارا ایک پروگرام ہے "میوزک آن ڈیمانڈ" اس میں مختلف زبانوں کے لوگ ہمیں کالز کرتے ہیں۔"

* "پھر تو آپ سب کے پسندیدہ آر جے ہوں گے کہ آپ سب کو ان کی زبان میں جواب دے دیتے ہیں؟"

❄ "جی بالکل، سامعین بہت خوش ہوتے ہیں جب میں ان کی زبان میں ان سے بات کرتا ہوں۔"

* "آپ کو کسی اور ایف ایم سے بلاوہ آیا؟"

❄ "نہیں جی۔۔۔ اور نہ ہی میں نے کبھی سوچا ہے کہ اپنے ایف ایم کو چھوڑ کر کہیں اور جاؤں۔ کیونکہ مجھے یہیں پر کام کرنا اچھا لگتا ہے۔ مگر میرا یقین ہے کہ میں پاکستان کے کسی بھی ایف ایم پر چلا جاؤں کامیاب ہو جاؤں گا اور مجھے کام کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔"

* "کبھی سوچا تھا کہ ۔۔ ریڈیو پہ کامیاب ہو کر آر جے بن جاؤں گا آپ کی آواز ہر طرف گونجے گی اور لوگ آپ کو پسند کریں گے؟"

❄ "نہیں ایسا کچھ نہیں سوچا تھا۔ مجھے کچھ آئیڈیا نہیں تھا کہ پروگرام کیسے کرتے ہیں ہاں جب میں دوسروں کو پروگرام کرتے دیکھتا تھا تو میرے دل میں خواہش ہوتی تھی کہ میں بھی پروگرام کروں کیونکہ اسکول کالج کے زمانے میں مائیک کے سامنے پروگرام کرتا تھا تو مجھ میں جھجک نہیں تھی۔ اس لیے مجھے اندازہ تھا کہ میں آسانی سے پروگرام کرلوں گا اور اللہ کا شکر ہے کہ میں کامیاب ہوا۔"

* "گھر والوں نے حوصلہ افزائی کی یا برا منایا؟"

❄ "جس طرح میں ایف ایم ریڈیو سے ناواقف تھا اس طرح میرے گھر والے بھی نہیں جانتے تھے اور پہلے دو سال تو انہیں پتا ہی نہیں چلا کہ میں کیا کرتا ہوں ایف ایم ریڈیو پہ۔ البتہ میں اپنی چھوٹی بہن کو بتایا بھی کرتا تھا اور ریکارڈنگ بھی سنایا کرتا تھا تو اس کے ذریعے پھر گھر والوں کو پتا چلا کہ میں ایف ایم ریڈیو پہ کام کرتا ہوں۔"

* "معاوضہ اچھا ملتا تھا؟"

❄ "اس زمانے میں تو معاوضہ اچھا نہیں ملتا تھا۔ اس وقت میری Pay دو ہزار سے ڈھائی ہزار تک تھی جو کہ ماہانہ ہوتی تھی اور اب تو اللہ کا شکر ہے کہ بہت اچھی سیلری ملتی ہے اور اپنے چینل گلوبل ایف ایم 91 میں میں ایڈمن بھی رہ چکا ہوں اور آج کل مارکیٹنگ کے شعبے سے وابستہ ہوں۔ تو اب تو بات بہت آگے تک نکل چکی ہے۔ اب تو کافی کام کر رہا ہوں میں ریڈیو کا۔"

* "مثلاً؟"

❄ "آر جے تو میں ہوں ہی پھر مارکیٹنگ کے شعبے میں بھی ہوں۔ پروڈکشن کے جتنے بھی کام ہوتے ہیں خواہ ایڈ پروڈکشن ہو یا پروگرام پروڈکشن ہو۔ بہت سے پروگرام میں نے پروڈیوس کیے ہیں جونیئر آر جے کو بہت سے پروگرام پروڈیوس کر کے دیے اور میرے ویژن میں بہت سے پروگرام ہیں جو مجھے کرنے ہیں جن میں خواتین کے کوکنگ شو سے لے کر ہر طرح کے پروگرام شامل ہیں جو خواتین کے مسائل اور خواتین کی دلچسپی کے ہوں گے اور اب چونکہ میں اس فیلڈ میں کافی عرصے سے ہوں تو میں کچھ نہ کچھ کرنے کی لگن میں رہتا ہوں۔"

* "کبھی دل چاہا کہ کسی بڑے شہر کے ریڈیو ایف ایم

میں کام کریں؟ جیسے کراچی لاہور وغیرہ؟"

❁ "بڑے شہر میں کام کرنے کو ہرگز دل نہیں کرتا۔ اس لیے کہ بڑے شہر کے لوگوں کا ٹرینڈ ہی کچھ اور ہے وہاں اپنے اسلاف کے کارناموں اور اچھی باتیں بتانے کے بجائے کچھ اور ہی کیا جا رہا ہے۔ بڑوں کو عزت نہیں دی جاتی اور نہ ہی ان کی بات کو اہمیت دی جاتی ہے۔ ہاں وہاں کے ایف ایم کے جو غزل ٹائم پروگرام ہوتے ہیں وہ بہت اچھے ہوتے ہیں۔"

* "ریڈیو کی جاب کے علاوہ بھی آپ جاب کرتے ہیں ٹی وی پہ جانے کا شوق ہے؟"

❁ "ریڈیو کی فل ٹائم جاب ہے اور ساتھ ساتھ میں پڑھائی بھی کرتا ہوں ریڈیو کے ساتھ کام کرتے ہوئے مجھے سات سال ہو گئے ہیں اور اب میری خواہش ہے کہ میں جرنلزم میں ماسٹرز کروں اور پھر لاء بھی پڑھوں اور اگر موقعہ ملا تو ٹی وی پہ ضرور جاؤں گا اور نیوز کے شعبے میں جاؤں گا اور کرنٹ افیئرز کے پروگرام کرنا چاہتا ہوں اور صحافت کی دنیا میں میرے آئیڈیل طلعت حسین ہیں۔"

* "آج کل کیا پروگرام کرتے ہیں آپ ریڈیو پہ۔۔۔ اور میوزک اپنی پسند کا لگاتے ہیں؟"

❁ "آج کل دو پروگرام کرتا ہوں۔ ایک "دل سے دل تک" ہے اور دوسرا پروگرام غزلوں کا ہے۔ جس کا نام "بکھری یادیں" ہیں اور ان سات سالوں میں میں نے بے شمار پروگرام کیے ہیں اور بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں اور میں میوزک اپنی پسند کا لگاتا ہوں۔ مجھے ہر طرح کی میوزک پسند ہے لیکن پرانے گیتوں سے والہانہ عشق ہے لتا منگیشکر، میڈم نور جہاں وغیرہ۔"

* "کبھی ایسا ہوا کہ پروگرام کرنے کا دل نہیں چاہ رہا مگر آپ کو مجبوراً "کرنا پڑا ہے؟"

❁ "میں اپنے سارے جذبات کو اپنے سارے مسئلے مسائل کو ایک طرف رکھ کر پروگرام کرتا ہوں۔ بے شمار ایسے موقع آئے ہیں کہ پروگرام کرنے کا دل نہیں چاہا مگر پھر بھی پروگرام کیے ہیں اور کسی کو محسوس بھی نہیں ہوا۔ کیونکہ ہمارے موڈ سے سننے والوں کا کیا تعلق اور میرا پروگرام تو ہر عمر کے لوگوں میں بہت پسند کیا جاتا ہے مگر نوجوان زیادہ پسند کرتے ہیں۔ میں ڈبنگ اور وائس اوور بھی کرتا ہوں۔"

* "شادی ہوئی؟"

❁ "نہیں جی شادی نہیں ہوئی اور نہ ہی ابھی کرنے کا ارادہ ہے کیونکہ فی الحال تو مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔ ابھی میں نے پڑھنا ہے اور اپنی قوم کی خدمت کرنی ہے۔ ریڈیو کے ذریعے۔"

* "غصے کے تیز ہیں یا نرم ہیں اور پسند سے شادی کریں گے؟"

❁ "مزاج کا تو یہ حال ہے کہ جب چھوٹا تھا یا لڑکپن تھا تو مجھے غصہ بہت آتا تھا اب تھوڑا کم آتا ہے۔ آج کل کم آتا ہے مگر آتا ضرور ہے۔ پسند سے کروں گا یا نہیں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جو اللہ پاک کو منظور ہو گا وہی ہو گا۔ جو اللہ میرے لیے پسند کرے گا میں بھی اسے پسند کروں گا۔"

* "فارغ اوقات میں کیا کرتے ہیں؟"

❁ "فارغ اوقات میں فیس بک استعمال کرتا ہوں اور اب دوبارہ سے شوق ہوا مطالعہ کا۔۔۔ مسلمانوں کی ہسٹری پڑھ رہا ہوں۔۔۔ آج کل مسلمان جن حالات سے گزر رہے ہیں اسے دیکھ کر شدت سے احساس ہوتا ہے کہ ان میں تعلیم اور تربیت کی بہت کمی ہے صرف کتابیں پڑھ لینا تعلیم نہیں ہے"

* "گھر کب جاتے ہیں؟"

❁ "تقریباً" تین چار ماہ بعد۔۔۔ کیونکہ میری زندگی تو مسافر والی زندگی ہے ڈیرہ اسماعیل خان میں ہی ہوتا ہوں اور ریڈیو اور تعلیم کی وجہ سے گھر جانے کا موقعہ کم ہی ملتا ہے اور انٹرویو کے آخر میں میں ایک بات کہنا چاہوں گا کہ مشہور ہے کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے عورت کا ہاتھ ہوتا ہے تو خواتین سے میں کہوں گا کہ اگر آپ اس چیز کو مان لیں کہ معاشرے کی ترقی کا دارومدار آپ پر ہے تو بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں اور دوسری یہ کہ اپنی حفاظت کریں کیونکہ آج کا دور بہت خراب دور ہے۔"

کرن احمد چیمہ

ادارہ

س آپ کا پورا نام گھر والے پیار سے کیا پکارتے ہیں؟

ج کرن احمد چیمہ، گھر والے پیار سے "کرناں" "گڑیا" بھی کہتے ہیں۔

س آئینے نے آپ سے یا آپ نے کبھی آئینے سے کچھ کہا؟

ج آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ مجھے مکمل شخصیت کے روپ میں پیدا کیا۔

س آپ کی سب سے قیمتی ملکیت؟

ج "احمد" میری مما جان کے ساتھ گزرے دن۔ جب زندگی ہر طرف مسکراتی تھی۔ ان کی آغوش میں دنیا کا کوئی غم کبھی نزدیک نہیں آیا۔ انگلینڈ میں گزرا سارا تعلیمی دور جب عصمی کے ساتھ مل کر بہت انجوائے کیا'

س اپنی زندگی کے دشوار لمحات بیان کریں؟

ج وہ قاتل لمحہ جب میں نے ہسپتال سے واپس آکر دیکھا تو میری مما جان کو بالکل ٹھیک ٹھاک چھوڑ کر گئی وہ نہیں تھیں۔ وہ قاتل لمحہ میری پوری زندگی پر بھاری ہے۔ جس کے بعد میں پوری دنیا میں بالکل اکیلی رہ گئی ہوں۔

س آپ کے لیے محبت کیا ہے؟

ج محبت میرا قیمتی اثاثہ ہے اگر اسے زندگی سے نکال دوں تو میرے پاس کچھ نہیں بچتا۔ انگلینڈ میں ایک بزرگ نے پیش گوئی کی تھی کہ میری زندگی میں ایک ایسی ہستی آئے گی جس کو اتنا چاہوں گی کہ اپنی ذات کی نفی کر دوں گی اور میرے ساتھ بالکل یہی ہوا اب کرن تو کہیں نہیں ہے بس ہر طرف وہی ہے۔

س مستقبل قریب کا کوئی منصوبہ جس پر عمل کرنا آپ کی ترجیح میں شامل ہو؟

ج میں پیشے کے لحاظ سے تو ڈاکٹر ہوں پر مجھے ہسٹری سے بہت دلچسپی ہے مستقبل میں 'میں' ہسٹری کے میدان میں ان شاء اللہ بہت کچھ کروں گی۔

س پچھلے سال کی کوئی کامیابی جس نے آپ کو مسرور کیا ہو؟

ج نہیں 2013ء میرے لیے اچھا ثابت نہیں ہوا۔ آنسوؤں میں ڈبو گیا مجھے بری طرح ٹوٹ کر بکھر گئی ہوں۔

س اپنے گزرے کل اور آنے والے کل کو ایک لفظ میں واضح کریں؟

ج گزرا کل ناکام اور آنے والا کل صرف اور صرف "احمد" سے محبت اور خدمت خلق۔

س اپنے آپ کو بیان کریں؟

ج بہت رحم دل، حساس، ٹوٹ کر محبت کرنے والی ہر کسی کے دکھ پر رو پڑنے والی۔

س کوئی ایسا ڈر جس نے آج بھی پنجے آپ میں گاڑے ہوں؟

ج نہیں کوئی ڈر نہیں مجھ میں الحمدللہ بہت حوصلہ اور برداشت ہے۔

س آپ کی کمزوری اور طاقت کیا ہے؟

ج میری طاقت اللہ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے محبت اور کمزوری صرف اور صرف "احمد" سے محبت۔

س آپ خوش گوار لمحات کیسے گزارتی ہیں؟

ج میری زندگی کا ہر وہ لمحہ خوش گوار ہوتا ہے جب میں "احمد" سے بات کرتی ہوں۔ ان کے ساتھ ہوتی ہوں ان کا انتظار کرتی ہوں۔

س آپ کے نزدیک دولت کی اہمیت؟

ج دولت کی اہمیت سے تو انکار ہو ہی نہیں سکتا اگر اسے ضرورت مندوں پر خرچ کریں تو جو روحانی تسکین ملتی ہے وہ الفاظ میں ممکن نہیں۔

س گھر آپ کی نظر میں؟

ج جنت ہے اگر آپ اس کے ساتھ ہوں جو آپ کے دل کا مکین ہونے کے ساتھ ساتھ زندگی کا ہم سفر بھی ہو تو۔

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

س کیا آپ بھول جاتی ہیں اور معاف کر دیتی ہیں؟

ج جو مجھے جتنا بڑا دکھ دیتا ہے میں اتنی جلدی اسے معاف کر کے بھول جاتی ہوں۔ کبھی دل میں بغض نہیں رکھتی۔

س اپنی کامیابیوں میں کسے حصے دار ٹھہراتی ہوں؟

ج میری ہر کامیابی اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی میرے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کا صدقہ اور میری مما جان کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے۔

س کامیابی کیا ہے آپ کے لیے؟

ج جب دکھی دل مجھ سے تسکین پا کر آنکھوں میں آنسو لیے کپکپاتے ہاتھوں اور لرزتے ہونٹوں سے میرے لیے دعا کرتے ہیں تو میں سمجھتی ہوں میں ہر طرح کامیاب ہوں۔

س سائنس نے ہمیں مشینوں کا محتاج کر دیا ہے کیا یہ ترقی ہے؟

ج سائنس نے مجھ جیسے نکمے لوگوں کا کام بہت آسان کر دیا ہے جیسے مجھے روٹی بنانی نہیں آتی تو بریڈ پلانٹ زندہ باد۔

س کوئی عجیب خواہش یا خواب؟

ج میری خواہش ہے کہ میں احمد کے ساتھ ورلڈ ٹور پر جاؤں اور مجھے جب بھی موت آئے تو میرا سر ان کی آغوش میں ہو اور میں ان کو دیکھتے دیکھتے مر جاؤں۔

س برکھا رت کو کیسے انجوائے کرتی ہیں؟

ج بارش گرمی کی ہو یا سردی کی مجھے دیوانہ کر دیتی ہے فوری لانگ ڈرائیو پر نکل جاتی ہوں۔

س آپ جو ہیں وہ نہ ہوتیں تو کیا ہوتیں؟

ج اگر میں ڈاکٹر نہ ہوتی تو ماہر آثار قدیمہ ہوتی کہ مجھے ہسٹری سے بہت لگاؤ ہے۔ کھنڈرات، پرانی قبریں، سکے، مورتیاں مجھے دیکھ کر بھی ڈر نہیں لگتا۔

س آپ کو کیا چیز متاثر کرتی ہے؟

ج شمالی علاقہ جات کے حسین مناظر مجھے بہت متاثر کرتے ہیں۔

س کیا آپ نے زندگی میں وہ سب پا لیا جو آپ پانا چاہتی تھیں؟

ج انسان جب تک زندہ رہتا ہے۔ اس کی خواہشات ختم نہیں ہوتیں۔ میری ایک خواہش جو پوری ہو ہی نہیں سکتی پر پھر بھی میرے دل میں مسلسل سسکتی ہے میری آنکھوں کو سدا نم رکھتی ہے احمد آپ کو تو پتا ہے نا وہ خواہش کیا ہے۔

س آپ کی ایک خوبی اور خامی جو آپ کو مطمئن یا مایوس کرتی ہے؟

ج میں بہت رحم دل ہوں اس وجہ سے بہت دکھ اٹھائے ہیں آپ اسے خوبی کہہ لیں یا خامی۔

س متاثر کن کتاب مصنف، مووی؟

ج قرآن مجید، مووی "تیرے نام"۔

س آپ کا غرور؟

ج مجھ میں بہت عاجزی ہے اور غرور تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی چادر ہے، ہم حقیر انسان غرور کیسے کر سکتے ہیں۔

س کوئی ایسی شکست جو آج بھی آپ کو اداس کر دیتی ہے؟

ج نہیں نہیں ایسا کبھی کچھ نہیں ہوا۔

س کوئی ایسی شخصیت یا کسی کی حاصل ہوئی کامیابی جس نے آپ کو حسد میں جلا کیا ہو؟

ج نہیں کبھی کسی کی کامیابی پر مجھے حسد نہیں ہوتا بلکہ خوشی ہوتی ہے۔

س مطالعہ کی آپ کی زندگی میں اہمیت؟

ج نشے کی حد تک مطالعہ کا شوق ہے۔

س آپ کے نزدیک زندگی کی فلاسفی کیا ہے، جو آپ اپنے علم، تجربہ اور مہارت میں استعمال کرتی ہیں؟

ج میرے نزدیک زندگی کی فلاسفی اپنے لیے جینے کا نام نہیں بلکہ دوسروں کے کام آنے کا نام ہے میں اپنے لیے نہیں دوسروں کے لیے جیتی ہوں۔

س آپ کی پسندیدہ شخصیت؟

ج حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صرف اور صرف احمد، عصمی اور عبداللہ جن کے بغیر میں نامکمل ہوں۔

☼ ☼
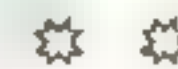
تاحد نظر پھیلا یہ ایک چٹیل میدان تھا۔ جہاں چار سو زمین 'آسمان سے گلے ملتی دکھائی دے رہی تھی۔ جس کی چمکتی ریت پیروں کو ہی نہیں آنکھوں کو بھی جھلسا رہی تھی۔ جبکہ عین اوپر سورج قہر بنا تپ رہا تھا' جس کی قسمت میں وہ بپھرا ہوا ہجوم 'جھلساتی ریت' اور تپتے سورج سے بے نیاز گویا کار ضروری انجام دینے کے لیے سمایا ہوا تھا۔ اور جس کے عین درمیان میں تختہ دار پر مجبور و مختصر۔ زخم زخم ایک سانس لیتا وجود لٹکا تھا۔

"مارو۔ اسے مار ڈالو۔ یہ قابل نفرت ہے' یہ زندہ رہنے کے لائق نہیں' ختم کرو اس کو۔" لوگ چلا رہے تھے' کف اڑا رہے تھے۔ اس وجود پر غیض و غضب کے ساتھ جھپٹ رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میدان حشر سجا دیا گیا ہو۔ اور ناخداؤں نے اپنی مرضی کے فیصلے صادر کر دیے ہوں۔

چیتھڑے چیتھڑے ہوئے اس خون آلود وجود پر پتھر برسائے جا رہے تھے' جوتیاں پھینکی جا رہی تھیں۔ چابک مارے جا رہے تھے جیسے شیطان پر کنکریاں مارنے والوں میں سبقت کی دوڑ لگی ہوتی ہے۔ ویسے ہی ایک اعزاز' ایک ثواب کے طور پر سنگ باری ہو رہی تھی۔ کوئی تھک رہا تھا نہ ہانپ رہا تھا۔

وہ وجود۔ خطاکار نہیں گناہ گار تھا۔ اور ایسے وجود بوجھ ہوتے ہیں۔ سو ان کا صفحہ ہستی سے مٹ جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔ اس کو مٹایا جا رہا تھا۔ اور وہ بخوشی' بہ رضا و رغبت سنگسار ہو رہا تھا کیونکہ وہ حق دار تھا۔ مستحق تھا ان سب کا معتوب تھا۔

یہ عدالت اس کے ضمیر کی عدالت تھی۔ یہ روز لگتی تھی۔ سوتے' جاگتے' ہر لمحہ تاحیات۔

☼ ☼ ☼

تقدیر اگر انسان لکھنے لگے تو شاید ایسا ہی کچھ ہو جیسا ان کے ساتھ ہوا۔ دنیا معتوب اور مطلوب لوگوں سے بھر جائے۔ لوگ سزاوار کم نہیں۔ تقدیر لکھنے والوں کی مرضی کی بھینٹ زیادہ چڑھائے جائیں۔ جیسا کہ انہیں چڑھایا گیا۔ ایک نہیں کیتوں نے ان کی تقدیر کی ڈور ہلائی۔ جہاں سے اور جن سے امید تھی۔ وہاں سے تو دفعات کے حکم ملے ہی اور جہاں سزا کا سدباب ہونا تھا یا ہونے کی توقع تھی وہاں سے بھی "زبان بندی" کی دفعہ لگا دی گئی۔

"یہ کیا تو یہ ہوا تو' ایسا نہ کیا تو تو۔" اور اس "تو" کا نتیجہ کیا اس سے بھی بھیانک ہوتا تھا جواب ہوتا چلا جا رہا تھا؟ شاید نہیں مگر زبان بند کرنی پڑی۔ اپنے لیے بھی تو سزا مقرر کرنی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کیا۔؟" اور "مگر کیوں۔؟" کا جواب نہایت مختصر اور قدرے مبہم ملا۔ اور اس کے بعد فون بند۔ وہ دیوانہ وار ری ڈائل کرتے کرتے تھک گئی۔

"بنا کسی اطلاع' کسی مشورے کے۔ نہ پوچھا نہ بتایا۔ اور منہ اٹھائے۔" اویس اس وقت اسپتال میں تھا۔ کال ملانے پر فوراً "دستیاب" ہو گیا۔ اس نے دل کی بھڑاس اس پر نکال لی۔ مگر جلن تھی کہ بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی۔

"میں پوچھنا چاہتی تھی کیوں کیا ضرورت آن پڑی؟ یہاں کیوں؟ پاکستان میں صرف یہی ایک جگہ بچی تھی کیا؟ کہیں اور کیوں نہیں؟؟ مگر حال دیکھو۔ فون بھی آف کر دیا۔ مذاق ہے کوئی؟" وہ بپھری ہوئی چیختی رہی۔ اویس کی ٹھنڈا کرنے کی کوششوں پر تیل چھڑکتی درحقیقت تو وہ خود بھی ششدر رہ گیا تھا۔

"تم سوچو۔ ہوگا کیا؟ سب اتنا آسان ہے کیا۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"تم Calam رہو۔ اتنا بڑا ایشو نہیں جتنا تم سمجھ رہی ہو۔ اور نہ ہی دنیا اتنی فارغ ہے کہ۔"

مگر دنیا اتنی فارغ ہی تو تھی۔ سن گن ملتے ہی اگلی شام ایس کی ممی اور بہنیں آگئیں۔ تحریم زہر کے گھونٹ

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

بھرتی ان کے پاس بیٹھی رہی۔ گو کہ انہوں نے کسی بھی نئی بات کا اشارہ تک نہ دیا لیکن اس کی ساس کے بار بار ماتھے تک جاتے ابرو۔ ماہر رقاصاؤں کی طرح کبھی دایاں چڑھا لیتیں اور کبھی بایاں۔ اور پھر معنی خیز تاثرات سے لبالب بھری آنکھیں۔ تحریم کا دل چاہ رہا تھا دو حرف بھیجے ان پر اور جا کر بیڈ روم میں چھپ جائے۔ مگر اویس کی خاطر مجبوراً" ہی سہی وہ صوفے سے لگی رہی اویس البتہ سمجھ چکا تھا کہ گفتگو کے اس آخری گھنٹے میں تحریم کا مزاج 'ماحول سے غیر موافق ہوتا جا رہا ہے۔ ممی اور رانیہ لوگ مزید پندرہ منٹ بھی بیٹھ گئیں تو تحریم موت بقول بھال یہاں سے اٹھ جائے گی۔

بھلا ہو ممی کا جو مزید پندرہ منٹ نہ بیٹھیں۔

"بعد میں ایک لمبی دعوت کریں گے سب کو لے آنا۔" وہ ترکش کا آخری تیر جاتے جاتے چلا گئیں وہ دانت پیستی بیڈ روم کی طرف بھاگی تھی اور اویس ان لوگوں کو سی آف کرنے گیٹ تک 'واپس آیا تو لاؤنج میں صرف اس کی خوشبو باقی تھی وہ خود نہیں۔

"بیگم صاحبہ اپنے کمرے میں ہیں۔" ملازمہ کی پوری بات سنے بغیر وہ بیڈ روم کی طرف بڑھا تھا۔

دروازہ ہلکا سا بجا کر جھانکا۔ وہ بیڈ پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھی تھی۔ حسین کشادہ پیشانی پر پھیلی شکنیں اور سکڑی ہوئی بھنوؤں سے زمانے بھر کی ناراضی عیاں تھی۔

"جانی۔" وہ اندر آچکا تھا۔

"پلیز مت آؤ میرا موڈ نہیں بات کرنے کا۔" وہ بہت خراب موڈ میں لگ رہی تھی۔

"تمہارے موڈ کی ایسی کی تیسی۔" اس کا مزاج آشنا 'اس کے موڈ کے ہر رنگ سے واقف۔ بنا اثر لیے اس کے پہلو سے جڑ کر بیٹھ گیا۔

"مجھ سے تو کرو۔"

"تم سے بھی نہیں کرنی۔"

"بات نہیں کرو گی۔ بھئی سناؤ گی نہیں تو سکون میں کیسے آؤ گی؟" اویس اس کے چہرے پر آئے بالوں کو کان کے پیچھے اڑستا بولا وہ چند ثانیے خاموش رہنے کے بعد پوچھنے لگی۔

"تم نے بتایا اپنی ماں چالباز کو؟"

"ہش۔ میری ماں ہیں یار وہ۔" اویس نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر گویا تنبیہہ کی۔

"تم نے بتایا نا؟"

"May be منہ سے نکل گیا ہو۔" اور تحریم کا بس نہیں چلا کیا کرے وہ اس کے ساتھ۔

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے تم مجھ سے مخلص نہیں ہو۔"

"یہ تم زیادتی کر رہی ہو۔ اور ممی تو ویسے ہی آئی تھیں۔ آج تو انہوں نے ایک لفظ بھی ایسا نہیں کہا جو ممنوع ہو۔"

"تم ساتھ تھے نا اس لیے۔ لیکن ان کے چہرے سے ظاہر تھا وہ کسی مقصد کے لیے آئی ہیں۔ ان کی آنکھوں سے تیر نکل رہے تھے۔"

"یار ایک تو تم فیس ریڈر کمال کی ہو ایسا کچھ مجھے کیوں نہیں نظر آتا؟"

"کیسے نظر نہیں آتا؟ جان بوجھ کر اگنور کر دیتے ہو۔ ظاہر ہے ان سے خون کا رشتہ ہے تمہارا مجھ سے نہیں۔"

"بے وقوف۔" اویس نے گھورا تھا۔

"خون کے رشتے بھی اپنی جگہ لیکن پندرہ سالہ رفاقت بھی معنی رکھتی ہے۔ بالخصوص جب رفیق اپنی پسند کا

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

ہو۔"

"اویس۔" اویس کا میٹھا لہجہ اس کی ناراضی قدرے کم کر گیا تھا۔

"ان کو تکلیف ہماری پسند کی شادی سے بھی ہے۔"

"بری بات جان۔ ساس ہیں وہ میری۔" اویس نے بے اختیار ٹوکا۔

"حالانکہ اب تو مدت ہو گئی۔" تحریم کا اشارہ اپنی شادی کے ماہ و سال کی طرف تھا۔

"یہ بھی غلط۔" اویس نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے تو کل ہی کی بات لگتی ہے۔"

"مجھے اور زوہا کو عجیب کھا جانے والی نظروں سے دیکھتی ہیں۔ میری حد تک تو بات سمجھ میں آتی ہے لیکن زوہا تو اولاد کی اولاد ہے۔ اس سے سوتیلوں جیسا سلوک کیوں۔"

"سب دہم ہیں تمہارے۔"

"دیکھتی ہوں حازق کے کب تک لاڈ اٹھاتی ہیں۔" اس نے تلخی سے اپنے دس ماہ کے بیٹے کا نام لیا۔ جو زوہا کے بعد خاص دعاؤں اور دواؤں سے پیدا ہوا تھا۔

"مگر کبھی کبھی لگتا ہے سب ٹھیک ہیں۔ صرف میں ہی ان فٹ ہوں۔"

"ناؤ انف۔ تم مجھے بور کرنے لگی ہو۔" گفتگو اس نہج پر جانے لگی تھی کہ جہاں تحریم کی یاسیت اس سے اگلے کئی گھنٹوں تک یہ رونا رلواتی۔ سو اویس کو سختی سے کہنا پڑا۔ تحریم خاموش ہو گئی تھی۔

"آل رائٹ' تمہاری ممی آئندہ میرے گھر کبھی نہیں آئیں گی۔ میری طرف سے ڈن۔"

"یار۔ میری ممی کبھی کبھی تو آتی ہیں۔" اویس مصنوعی منمناہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

"اور یہ کبھی بھی ناک ناک کر آتا ہے۔ مجھے تکلیف دینے والا۔" اس نے تھک کر اویس کے کندھے پر سر ٹکا لیا تھا۔

"بہت بچکانہ مزاج کی ہو یار' کون کہہ سکتا ہے تمہاری ایک چودہ سال کی بیٹی بھی ہے جو تمہارے جتنی ہی لگتی ہے۔"

"میرا دس ماہ کا بیٹا بھی ہے۔" اس نے آنکھیں موندے موندے گویا یاد دلایا۔ اب ایسی ویسی سب ممنوعہ باتیں بھولنے لگی تھیں' کچھ سکون محسوس ہونے لگا تھا۔ اویس کی محبت' قربت ایسی ہی جادو اثر تھی۔

"جی جی ماشاء اللہ۔ اور تم اسی دس ماہ کے بیٹے کی ماں لگتی ہو۔ زوہا کو میری پہلے گھر کی بیٹی بتایا کرو۔"

"شٹ اپ۔ بدتمیز۔" تحریم نے زوردار گھونسا رسید کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

صبح کی نرم دھوپ کمرے میں آجانے کا مطلب تھا ٹائم آٹھ سے اوپر ہو چکا۔ وہ جو پہلے ہی خود ساختہ پریشانی میں مبتلا ناشتا لیٹ ہونے کی کئی تاویلیں سوچ چکی تھیں۔ آٹھ بیس بجتے پہ ہمت ہار بیٹھیں۔ غذا ٹائم پہ نہ ملنے کا مطلب تھا ان کی خود سے یا کسی کی ان سے دشمنی۔ دونوں صورتوں میں نقصان صرف ان ہی کا تھا۔ سو فی الحال پریشانی سوار کر کے انتظار کرنے سے بہتر ڈائننگ ہال میں چلے جانا تھا۔ ایسا وہ شاذ ہی کرتی تھیں عموماً" کھانا ناشتا یا کچھ بھی ان کے کمرے تک پہنچا دیا جاتا تھا۔ مگر آج والی صورت حال بھی اکثر پیش آجاتی تھی۔ یعنی ان کی ضروریات کے لیے انہیں انتظار کی سولی پر لٹکا رہنا۔ ایک دو بار تو ان کی حالت کافی خراب ہو گئی تھی ان کی شوگر بہت ہائی تھی اور توجہ مانگتی تھی۔ مگر جب بیٹے لاپروائی برتتے تھے تو بہوؤں یا پوتے پوتیوں سے کیسی امید۔؟ گھڑی کی سوئی مزید آگے سرک چکی تھی۔ آج کی لاپروائی بھی نرگس اور صفورا کی نااہلی کم اور بہو رانیوں کی

مصروفیات کا نتیجہ زیادہ ہو سکتی تھی۔ انہوں نے دو ڑیں لگوا رکھی ہوں گی ملازماؤں کی۔ ابھی منہ اٹھا کر ڈائننگ ہال میں چلے جانے سے پہلے حالات کا جائزہ لینا زیادہ ضروری تھا۔ بہوویں لحاظ کرنے کی عادی نہیں تھیں۔

سو وہ آہستگی سے چلتی قد آدم کھڑکی کے پاس آگئیں۔ لیکن بے سود۔ کہ ان کا کمرہ گھر میں ایسی جگہ پر چن کر منتخب ہوا تھا جہاں کوئی ان سے کم ہی ڈسٹرب ہو سکے سو ڈائننگ ہال کی سرگرمیاں ان کی آنکھوں سے دور رہیں۔

"چلی ہی جاؤں۔" اب جبکہ ہاتھوں کے ساتھ ساتھ ٹانگیں بھی رعشہ زدہ ہونے لگی تھیں۔ مزید پندرہ منٹ سرکتے تو شاید دورے کی کیفیت پیدا ہو جاتی' انہوں نے جی کڑا کر کے چلے جانا مناسب سمجھا۔

☼ ☼ ☼

انہیں آہستہ روی سے ناشتے کی میز کی طرف آتا دیکھ کر نرگس کو کسی کام کا کہتی نورین کا پارہ ایک دم سے ساتویں آسمان تک گیا تھا۔

"آپ؟"

"میری طبیعت خراب ہونے لگی تھی دلہن۔ مجھ سے برداشت نہیں ہوا تو۔"

"یوں کہیں چھاپا مارنا تھا۔ جیسے ہم یہاں من و سلویٰ کھا رہے ہوں اور آپ کو سوکھی روٹی پہ گزارہ کرنا پڑتا ہو۔" عموماً" نورین کی یہ عادت نہیں تھی۔ کسی سے بھی اظہار ناراضی کرنا ہو۔ وہ طنز کے شیرے میں ڈبو کر سنایا کرتیں صاف کہہ کر اپنے امیج کا ستیاناس بھی نہ کرتیں اور سامنے والے کا کام بھی تمام کر دیتیں۔ معیز نے انہیں ایسے ہی نہیں "میٹھی چھری" مشہور کر رکھا تھا۔

"میں۔ وہ۔" کریٹی کی رنگت مزید زرد ہوئی۔ نورین کی غیر معمولی بلند آواز نے کہیں قریب ہی موجود عنیزہ اور زینب کی توجہ بھی کھینچ لی تھی۔ دونوں حاضر ہو گئیں۔

"کیا ہوا؟" سامنے کرسی پر مرے مرے انداز میں نوالے لیتی کریٹی کو دیکھ کر کچھ کچھ اندازہ تو ہو گیا تھا پھر بھی رسماً" پوچھا گیا۔

"ہونا کیا ہے۔ بڑی بی اپنے کمرے سے یہاں تک آگئیں۔ ارے چار منٹ دیر کیا ہوئی انہیں دورہ پڑنے لگا۔" یہ کچھ زیادہ ہو گیا تھا' زینت اور عنیزہ کریٹی پر تو کیا ہی حیران ہوتیں۔ نورین کے لہجے اور طیش پر ہکا بکا ہٹ کا شکار ہو گئیں۔

"شام میں پھر جب بیٹے آئیں تو ہائے وائے کر رہی ہوتی ہیں' اور برے ہم بن جاتے ہیں۔"

"بھابھی۔ آپ بیٹھ جائیے۔ تھوڑی دیر Calam ہوں۔ پھر بات کرتے ہیں۔" زینب کا مشورہ انہوں نے فی الفور مانا اور ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئیں۔ عنیزہ اور زینب بھی وہیں بیٹھ گئی تھیں۔ کریٹی نے زہر مار کر ہی سہی ناشتا کر لیا تھا۔ اور اب یہاں سے غائب ہونے کے لیے پر تول رہی تھیں۔

"نرگس' تم نے کریٹی کا ناشتا کیوں لیٹ کیا۔" گو کہ کسی کو بھی کریٹی کے کسی بھی کام سے اتنی دلچسپی نہیں تھی کہ خود سے توجہ دیتا' پھر نہ ہی اس گھر میں کوئی اتنا فارغ رہتا تھا لیکن پھر بھی بازپرس کرنی پڑی کہ روزانہ کریٹی کا وجود یہاں میز پر برداشت کرنا دوبھر ہو جاتا۔ جب تینوں بیٹے ماں کے آگے لوازمات پیش کر رہے ہوتے۔

"وہ جی۔" نرگس نورین کی طرف دیکھتی ہاتھ موڑتی ہکلائی۔ "غلطی ہو گئی۔" سر جھکا کر بالآخر اعتراف جرم کرنے میں بھلائی جانی گیا کہتی کشف سے ناشتے کا پوچھنے آئی تھی وہ میز پر ہی نورین کے ساتھ الجھ رہی تھی نرگس کو بحث ختم ہونے تک اسٹیچو بن کے انتظار کرنا پڑا۔ اور روٹین کے سب کام اس انتظار کی زد میں آگئے کشف غصے کی بہت تیز تھی۔ ایک بار پہلے بھی نرگس کو اپنا کوئی کام ڈیلے کر دینے پر جھاڑ چکی تھی۔ نرگس میں ہمت نہیں تھی صبح

صبح ہی ڈانٹ کھانے کی۔ سو گریبی کا ناشتے کچھ ڈیلے کر دیا۔

"اچھا اگر لیٹ ہو بھی گیا تھا تو ایسی بھی کیا بے صبری۔ بیل بجا دیتیں۔"

گریبی سے کہا نہیں گیا بیل بجا بجا کر بھی ان کا ہاتھ شل ہو گیا تھا۔

"ایک تو انہیں بن کن لینے کا بھی عجیب چسکہ ہے۔" عنیزہ بظاہر منہ میں بدبدائی تھیں۔ مگر اتنی زور سے کہ جملہ حاضرین با آسانی مستفید ہو گئے۔ گریبی کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ نرگس اس دوران میز صاف کر چکی تھی۔ ڈائننگ ہال میں کچھ دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ پھر عنیزہ زوردار جمائی لیتی کھڑے ہوتے ہوئے بولیں۔

"چلیں پھر۔ میری تو بھئی آج پارلر میں اپائنمنٹ ہے۔ اسکن بہت رف ہو رہی ہے اور مجھے مینی کیور' پیڈی کیور بھی کروانا ہے۔ آپ میں سے کوئی آرہا ہے؟"

"نہیں بھئی۔ میں تو امی کی طرف جا رہی ہوں۔ بھابھی کی انوشہ کی طبیعت اس کا پوچھ آؤں۔" زینب بھی کھڑی ہو گئی تھیں۔

"اصولاً" تو ہمیں بھی جانا چاہیے تمہاری بھابھی کی طرف۔ لیکن آج میں نہیں جا سکتی۔ طبیعت کا مسئلہ ہے۔"

"کیا مطلب آپ کلب نہیں جا رہیں؟" نورین کے تھکے تھکے لہجے نے زینب اور عنیزہ دونوں کو چونکایا۔ وہ اپنی این۔ جی۔ او کے حوالے سے بہت حساس تھیں۔ اب جبکہ خواتین کے کسی ایشو پر اسی ہفتے سیمینار ہونے جا رہا تھا۔ وہ گھر بیٹھ رہی تھیں۔

"نہیں آج تو نہیں' سر بھاری ہو رہا ہے۔" ان کی تو آواز بھی بھاری ہو رہی تھی۔

"اوہ۔" عنیزہ بظاہر تشویش دکھائی مگر۔ زینب کے ساتھ معنی خیز نظروں کا تبادلہ کرنا نہ بھولیں۔ نورین کا تو مزاج بھی اپ سیٹ نظر آرہا تھا۔

"او کے آپ ریسٹ کریں۔ موسم بھی بہت ٹھنڈا ہو چلا ہے۔ معیز کو بھی کل رات سے فلو ہو گیا۔ اسی لیے میں نے اسے آج اسکول نہیں جانے دیا۔"

کچھ ہی دیر میں تینوں آگے پیچھے یہاں سے اٹھ گئیں گریبی شکست خوردہ سی وہیں بیٹھی رہیں۔ نرگس اور صغورا بھی وہاں کی صفائی سے فارغ ہو گئیں۔ وہ تب بھی نہ اٹھیں۔

یہاں تک کہ ناک اور آنکھیں سرخ لیے معیز اندر داخل ہوا۔

"ارے۔ میری حسین و جمیل گریبی' آج آپ یہاں کیسے؟" ویسے تو پوتے پوتیوں کو ان سے بات کرنے میں کوئی خاص شغف نہیں تھا۔ معیز میں قدرے انسانیت اور احترام آدمیت کے جراثیم موجود تھے۔ وہ آتے جاتے ان کا حال احوال بھی پوچھ لیا کرتا اور دو گھڑی پاس بیٹھ بھی جایا کرتا۔ ابھی بھی گریبی اسے دیکھ کر کھل سی گئیں۔ بانہیں وا کیے بوسہ لینے کو بھی بے قرار ہوئیں مگر معیز نے دور کھڑے کھڑے "نہ۔ نہ" کہہ کر ان کے ارادے کو کنٹرول کیا۔

"ہوائی بوسے پر گزارہ کریں۔ آج طبیعت ناساز ہے۔ آپ کو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔" پندرہ سالہ معیز انہیں یونہی باتوں باتوں میں بھلا چنگا کر دیا کرتا۔ ابھی بھی وہ مسکرا دی تھیں۔

"یار گریبی ہنستی رہا کریں' آئی سوئیر لیڈی ڈیانا بھی اسمائل دیتے ہوئے اتنی حسین نہیں لگتی ہو گی جتنی آپ لگتی ہیں۔" اور گریبی مزید کھل کر مسکرائیں۔

"یہ ہوئی نا اچھے بچوں والی بات۔" معیز نے سراہا۔ "اب میں آپ کو اپنے کمرے تک پہنچا آؤں۔" کہتے ہی اس نے ہانک لگائی۔

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

"نرگس۔ نرگس صاحبہ۔" اور نرگس ہونٹ بگاڑتی آگئی۔

"مجھے معلوم ہے مارننگ شو مس ہو جائے گا۔ بٹ آپ گریبی کو روم میں لے جائیں تو احسان ہو گا۔" معیز نے طنزیہ کہا۔ نرگس کے منہ کے زاویے بگڑے رہے۔

اسے واقعی مزے کے پوائنٹ پر مارننگ شو چھوڑ کے آنا پڑا تھا۔ وہاں اینکر مہمانوں کے ساتھ مل کر مہندی کے فنکشن کے لیے رقص کر رہی تھی اور یہاں ٹی وی کے سامنے نرگس 'مجبوراً' اسے معیز کی ماننی پڑی۔ گریبی "جیتے رہو' خوش رہو' سلامت رہو۔" کا ورد کرتی نرگس کے ہمراہ ہوئیں۔ اور معیز میز بجاتا "صغورا ناشتا صغورا ناشتا" چلانے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

پتا نہیں۔ لاہور اتنی دور تھا یا سفر ہی اتنا لمبا ہو گیا تھا۔ بیٹھے بیٹھے اس کی کمر' ٹانگیں' پاؤں ہر عضو درد کرنے لگا تھا۔ اوپر سے جمیلہ کی گاڑی سے بھی زیادہ تیز چلتی زبان۔

"اچھا تو یہ ہے ملتان۔" جواب میں اماں کو اپنی علمیت جھاڑنے کا موقع مل گیا۔ ملتانی ہونے کی تصدیق کے بعد ملتان کا جغرافیہ' حدود اربعہ اور تاریخ تب تک کھنگالی جب تک اگلا شہر نہ آگیا۔ پتا نہیں وہ کب ان راستوں سے گزری تھیں۔ ایک ایک چیز ایک ایک جگہ کے بارے میں تفصیلی معلوم تھا ان کو۔ حالانکہ اس نے اپنی پوری زندگی میں انہیں کہیں سفر پہ جاتے نہیں دیکھا تھا۔

"یہ چیچہ وطنی۔ آگے ساہیوال نے آنا ہے۔ خانیوال پہلے تھا یا اب آئے گا؟" جمیلہ ذرا جو چپ ہوئی ہو۔

"اف یہ جمیلہ۔۔۔!!!" اس نے صحیح معنوں میں کان میں انگلی ٹھونس لی۔ جمیلہ کی زبان تھکی تھی نہ جسم اتنے گھنٹوں سے ابھی بھی تر و تازہ بیٹھی تھی۔

"ویسے باجی۔ میں کسی زمانے میں لاہور آچکی ہوں۔ جب میں جج صاحب کے گھر کام کرتی تھی تب کی بات ہے' وہ سیر کرنے آئے تو مجھے بھی لے آئے۔ انہوں نے ساہیوال آکر ایک ہوٹل پہ کچھ دیر کے لیے گڈی روکی تھی۔ بڑا کوئی پیارا ہوٹل تھا۔ ہم لوگ رات کا کھانا کھا کر وہاں سے لاہور کے لیے نکلے تھے۔"

چلو جی ساہیوال آگیا اور اماں نے عین اس ہوٹل کے سامنے گاڑی رکوا بھی دی۔ جمیلہ کی تو پرانی یادداشتیں تھیں۔ نامعلوم اماں کس خوشی میں اتریں وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

"چلو آؤ میرا بچہ۔" اماں باہر نکل کر دروازے میں سر دیے اس سے کہہ رہی تھیں۔ جو اترنے کے موڈ میں ایک فیصد بھی نہیں تھی۔

"بھوک لگ رہی ہو گی' آؤ شاباش کھانا کھا کر پھر باقی کا سفر کرتے ہیں۔"

"نہیں اماں نہیں۔" ٹانگیں اتنی اکڑ چکی تھیں کہ اب بس لاہور اتر کر سیدھی ہونی تھیں۔ "مجھے نہیں اترنا' مجھے بھوک بھی نہیں لگ رہی۔" مگر اماں ہی کیا جو مان کر دیں۔

"لو لڑکیاں سفر انجوائے کرتی ہیں اور میری بچی آدھی ہو گئی۔ میری جان" آجاؤ شاباش' ٹانگیں سیدھی ہو جائیں گی۔" اسے گاڑی سے نکلتے ہی بنی وہ نہیں جانتی تھی اماں کا یہاں رکنا اور یہاں سے کھانا کھلوانا صرف اس کے لیے تھا' وہ چاہتی تھیں اسے بور نہ ہونے دیں۔ نئی چیزوں نئی جگہوں سے متعارف کرائیں۔

"او نابی' دیکھو نا۔ اتنا محل جیسا ہوٹل ہے اندر سے۔" جمیلہ ابھی تک ہوٹل میں اٹکی تھی۔

اسے ہوٹل سے کیا دلچسپی ہونی تھی۔ چپ چاپ اماں اور جمیلہ کے پیچھے چلنے لگی۔ ڈرائیور ایک طرف سگریٹ پینے کھڑا ہو گیا تھا۔ سردی اور ہوٹل کی ٹھنڈی فضا اور ارد گرد موجود مرد۔ اس پہ خوامخواہ کپکپی طاری ہوئی اپنے گرد

لپٹی ہوئی چادر کو مزید لپیٹا تھا۔ یہ زندگی کا پہلا تجربہ تھا کہ وہ اتنے لمبے سفر پر نکلی تھی۔ اور اب ایک ہوٹل کا منہ بھی دیکھ رہی تھی۔ جہاں اگرچہ رش بالکل نہیں تھا لیکن پھر بھی مردوں کی موجودگی بدحواس کیے جا رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سب اسے گھور رہے ہوں۔ اس کا خیال تھا دیہات کی چھاپ جو ان کے منہ پر لگی ہے۔ نہ بتانے پر بھی سب کی نظروں میں آرہی ہے۔ اگرچہ اماں بڑی رکھ رکھاؤ اور طریقے سلیقے والی خاتون تھیں۔ پتا نہیں لگنے دیتی تھیں کہ وہ کسی چھوٹے سے قصبے کی پروردہ ہیں اور معمولی سے گھر میں رہتی آئی ہیں۔ ان کا حلیہ ان کا وقار۔ ان کے بہت خاص ہونے کی چغلی کھاتا تھا۔ اسے ہمیشہ سے لگتا اگر ملکہ نور جہاں کی خیالی تصویر بنائی جائے تو بالکل اماں جیسی بنے۔ کیا ملکاؤں جیسی تمکنت تھی ان میں۔

مگر یہاں اسے اپنی اور جمیلہ کی فکر تھی۔ اس کے چہرہ کا ہونق پن اور جمیلہ کے الٹے سیدھے' دائیں بائیں پڑتے قدم۔ ساتھ ہی قینچی جیسی زبان۔ وہ دونوں یقیناً "اپنے" "اصل" کا بتا رہی تھیں۔

"منہ ہاتھ دھو کر تازہ دم ہو لیا گیا تو محض اس کی ضد پہ کھانے کا آرڈر کینسل کروایا گیا۔ چائے منگوائی گئی وہ بھی اس نے نہیں پی۔

ساہیوال یاترا' جو اس کے نزدیک سراسر جمیلہ کی خواہش و خوشی کا نتیجہ تھی۔ کا اختتام ہوا تو گاڑی پھر سے منزل مقصود کی طرف رواں ہوئی۔

"اب تک لاہور پہنچ بھی چکے ہوتے۔" اس نے اکتاہٹ کے ساتھ سوچا تھا۔ "پتا نہیں لاہور آ کیوں نہیں رہا۔"

لاہور تو جتنی دور تھا سو تھا ڈرائیور بھی کم محتاط نہیں تھا پھر سونے پہ سہاگہ اماں کی ہدایتیں۔

"بیٹا آہستہ۔"

"بیٹا سامنے۔"

"بیٹا ہارن۔" اور بیٹا ایسا فرماں بردار کہ جو جو اماں نے کہا مانتا چلا گیا۔ اسی آہستہ روی کا نتیجہ تھا کہ گیارہ بجے کے چلے وہ ابھی تک لاہور نہیں پہنچے تھے۔ رات بھی سر پہ آن کھڑی ہوئی تھی۔

"لاہور آ گیا۔" بالآخر کانوں نے سنا۔ جمیلہ نے نعرہ مارا تھا اس کا بس نہیں چلا "لاہور" جس پر لکھا تھا اس سائن بورڈ کو چوم آئے۔ "میں جب پہلے آئی تھی۔ لاہور کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ شہر شروع ہو گیا پر پھر بھی ہمیں گھر تک جاتے جاتے گھنٹے لگ گئے۔ کوئی اتنا بڑا شہر ہے۔ ہمارے جیسے پانچ شہر ملا کر تب لاہور بنے۔ اب دیکھنے کو تو لاہور آ گیا ہے۔ پر اندر آتے آتے بھی گھنٹہ لگ جاتا ہے۔"

"ایک گھنٹہ اور۔" شیشے سے ناک چپکائے وہ دہل ہی تو گئی۔

"ہاں جمیلہ یہ تو ہے۔ آبادی بڑھنے پر شہر تو پھیلتے ہی ہیں۔"

"کبھی کبھی میں سوچتی ہوں۔" جمیلہ کے اندر کی بقراط جاگی تھی۔ "آبادی اسی طرح بڑھتی گئی تو پھر پاکستان کو بھی پھیلانا ہو گا۔"

"ہاہاہا۔" اماں نے حسب عادت قہقہہ لگایا تھا جبکہ اس کی عادت نہیں تھی ورنہ فوراً" پوچھتی "اچھا کہاں تک روس کے اندر تک۔ یا انڈیا تک۔"

"جمیلہ۔ تم بھی نا۔" اس طرح ہنسنے سے اماں کی آنکھیں پانی پانی ہو جاتی تھیں۔ وہ چادر سے آنکھیں پونچھنے لگیں اور وہ ناک شیشے سے چپکائے بے زاری کی آخری حدود تک جا پہنچی۔

"کیا ضروری تھا اتنی دور آنا۔ اس صورت میں جب گھر کے علاوہ کوئی دوسری جگہ دیکھی بھی نہ ہو۔ کجا کہ دوسرا شہر۔ وہ بھی آخری سرے پر۔ جہاں پہنچتے پہنچتے زندگی کا انت ہونے لگا۔

"میں کیسے رہوں گی میں کیسے جیوں گی۔" اماں کے دل کے تار ضرور اس کے دل کے تاروں سے ملتے تھے' اس کی چپ اور تھکاوٹ محسوس کر کے انہوں نے اسے خود سے لگا لیا تھا وہ ان کے جگر کا ٹکڑا تھی۔ اس کا اظہار وہ عموماً" بے ساختہ کردیا کرتیں۔ ابھی بھی ان کے نرم گرم لمس نے جادو سا اثر دکھایا۔ وہ جمیلہ کی کراری کونجتی آواز کے باوجود سو گئی' اب جبکہ منزل دو گام پر تھی۔

☼ ☼ ☼

"نام کیا ہے تمہارا؟" لال چوڑیوں سے بجی اس کی خوب صورت کلائی بڑی جرات سے پکڑی گئی تھی۔ وہ بھونچکا رہ گئی۔

"آ آپ۔" مارے حیرت کے اس سے بولا ہی نہ گیا۔

"نام بتاؤ۔" اس کی گہری بھوری آنکھوں میں بھی یہی سوال رقصاں تھا۔

"ہاتھ چھوڑیں میرا۔" اس نے کلائی آزاد کروانے کے لیے ٹھیک ٹھاک طاقت آزمائی تھی مگر بے سود۔

"نام؟"

"ہاتھ چھوڑیں میرا۔" وہ غرائی تھی۔

"پہلے نام؟"

"بدتمیز۔" اس نے بری طرح سے دانت پیسے تھے۔

"یہ نام تو نہیں۔"

"آپ بدتمیز ہیں۔" اچھی مصیبت گلے پڑی تھی۔

"غلط میں دلیر ہوں۔"

"بے شرم۔" وہ دل جلانے والی ہنسی ہنستا چلا گیا۔

"ہاتھ چھوڑیں نہیں تو میں شور مچادوں گی۔" یہ دھمکی کارگر جاتی مگر وہ اطمینان سے بولا تھا۔

"بصد شوق۔" عجیب ڈھیٹ' بے شرم انسان تھا اور سچ میں بے خوف بھی۔

"تم نام نہیں بتاؤ گی میں ہاتھ نہیں چھوڑوں گا۔ سوچ لو میرے لیے اس میں بھی خسارہ نہیں۔"

"فروغ ماہ۔" بہت بے دلی سے ناچار اس نے بتایا تھا۔

"کیا؟" وہ جان بوجھ کر بولا تھا یا اسے واقعی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

"فروغ ماہ۔"

"یہ کیسا نام ہے؟" گرفت ڈھیلی ہوئی تھی۔ اس نے سرعت سے کلائی چھڑوالی۔

"آپ سے مطلب؟" کلائی آزاد ہو گئی تھی' اس کی خود اعتمادی لوٹ آئی۔

"بولتے ہوئے زبان تین بار تو غوطے کھاتی ہے۔"

"نہ بولیں۔"

"کس نے رکھا؟"

"آپ سے مطلب؟"

"ایسا ویسا۔" وہ شریر ہوا تھا۔ آنکھیں نئی کہانیاں سنانے لگی تھیں۔

"بدتمیز۔" قبل اس کے کہ وہ ان کہانیوں کی اسیر ہوتی۔ تیزی سے پلٹ کر دروازے کی طرف بڑھی۔

"سنو۔" وہ دروازے کے قریب تھی جب آواز آئی اس کے قدم خود بخود تھمے تھے۔

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

"تمہارا نام بہت خوب صورت ہے۔ تمہاری طرح جیسے صرف تمہارے لیے ہی بنا ہو تم ماہتاب ہو' تم چاندنی ہو۔ دل و روح کو منور کرنے والی' آنکھوں کو اسیر کرنے والی۔ فروغ ماہ۔" بھاری آواز' دل نشیں لہجہ' نئی دنیا سے روشناس کرانے جارہا تھا۔ وہ چند ثانیوں تک تو ساکت ہی رہ گئی۔

"میں بتاؤں گی بھائی کو۔" وہ کہتے ہوئے تیزی سے دروازہ پھلانگ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

گھر کی ظاہری حالت اتنی خراب نہیں تھی جتنے ان کو وسوسے ستا رہے تھے' اشتیاق خوامخواہ ہی انہیں دہلاتا رہا تھا۔

"باجی نواز نے دیکھے جانے بغیر خرید ڈالا۔ جی بہت کام ہونا ہے مالکوں نے ایسے ہی تو اتنے سستے داموں نہیں دیا۔ میرا مشورہ مان لیتیں' خود دیکھتیں تب خریدتیں۔" وہ اور نواز ایک دو مہینوں سے گھر کی ضروری مرمت کے بعد یہاں سامان سیٹ کروانے کے لیے آتے رہے تھے۔

اور اب خود بنفس نفیس آکر اندازہ ہوا حالات اتنے بھی خطرناک نہیں تھے جتنے اشتیاق نے بتائے تھے۔ تھوڑا بہت کام اشتیاق اور نواز کی مہربانی سے ہو گیا تھا۔ دونوں ہمسایوں کے لڑکے تھے۔ اور بھلے وقت میں کام آگئے تھے کچن میں کچھ درستگی ہونا باقی تھی' فرش کہیں کہیں سے اکھڑا ہوا تھا لیکن گزارہ ہو سکتا تھا' البتہ قلعی ہو جاتی تو کافی نکھار آجاتا۔

"چلو پہلا کام کچن اور دوسرا قلعی کا۔" انہوں نے فوراً" ارادہ بھی باندھ لیا۔

گیراج اچھا خاصا تھا' دو گاڑیاں تو لازما" کھڑی کرنے کی جگہ بن جاتی تھی' دو صحن معقول سے۔ جن کا فرش ماربل کا تھا۔ چوڑے سے برآمدوں میں انٹرنس اور پھر چار کمرے۔ درمیان میں لاؤنج کو چھوڑ کر ایک جمیلہ کے تصرف میں رہنا تھا۔ ایک میں وہ ماں بیٹی رہتیں۔ ایک ڈرائنگ روم بن جاتا تھا۔ بچنے والا گیسٹ روم کے طور پر بچ جاتا اسٹور الگ سے تھا۔

"ہم تینوں کے حساب سے کافی بڑا ہے۔" اماں اور جمیلہ نے دکھاوے کا بھی آرام نہیں کیا۔ گھوم پھر کر گھر دیکھنے کے بعد وہ اب لاؤنج میں تھیں جہاں وہ نڈھال سی پرانے گھر سے لائے لکڑی کے صوفہ پر لیٹی ہوئی تھی۔ گھر کے حساب سے سامان بہت کم تھا۔ اماں اور جمیلہ نیا کیا کچھ خریدنا ہے یہ تک ڈسکس کر چکی تھیں۔

"جمیلہ... کیسا ہے؟" وہ مطمئن تھیں اور اب جمیلہ سے بھی اطمینان چاہ رہی تھیں۔

"بہت اچھا ہے باجی... بالکل ٹھیک ہے۔ میرے ذہن کو سکون مل گیا۔ بڑے ڈراؤنے خیال آرہے تھے۔"

"اچھا... وہ کون سے۔"

"میری ایک سہیلی ہوتی تھی پرانے وقتوں کی بات ہے۔" پرانے وقتوں پر اماں حسب عادت ہنسی تھیں۔

"اس کی شادی ہوئی تو بیاہ کر لاہور آگئی پھر جب میں جج صاحب کے ساتھ یہاں آئی تو وہ بھی مجھ سے ملنے آئی اور اپنے ساتھ گھر لے گئی تھی۔ اللہ جھوٹ نہ بلوائے باجی... کسی 'کابک' میں چلی گئی تھی میں' چڑیا گھر میں بندروں کے پنجرے بھی ان سے بڑے ہوتے ہیں اور زیادہ حیرانی آئی کل کمرے۔ کمرہ' کمرے پہ کمرہ اور اوپر پردوں والی چھت۔ صحن شعن کا رولا ہی نہیں گھر مانو صابن دانی تھا' میں نے جو دو گھنٹے وہاں گزارے۔ اللہ جانتا ہے بڑے عذاب میں گزارے' سانس تک نہیں آرہی تھی توبہ۔" جمیلہ کی یادداشتوں پر اماں کے اونچے اونچے قہقہے گونجے تھے۔

"یہ تو جنت جیسا گھر ہے باجی۔ دیکھنا اپنی بلی بھی خوش رہے گی۔"

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

"بلی۔۔" اور تب اماں کو اس کا خیال آیا۔ فوراً" اس کی طرف پلٹیں۔ وہ صوفے پر دراز تھی نڈھال اور قدرے ناخوش۔ اماں جانتی تھیں پاس بیٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی نہایت نرمی و محبت سے بولیں۔

"عقیدت۔۔ میری چندا۔" وہ کسلمندی سے اٹھ بیٹھی۔ کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا گھر اور نہ پاس بیٹھی اماں۔

"بھوک لگ رہی ہوگی تمہیں' چلو جمیلہ میری بیٹی کو کچھ ہلکا پھلکا سا بنا دو۔" جمیلہ جانتی تھی باجی عقیدت کے لیے گھر پر ہی کچھ بنوائیں گی سو تھکے ہونے کے باوجود وہ کچن میں چلی گئی۔ جہاں جو کچھ اماں نے لکھوایا تھا۔ اشتیاق اور نواز نے وہاں پہلے سے لا رکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

زہا اور حازق کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد وہ اپنے بیڈ روم میں آگئی۔ اویس کسی کتاب میں گم تھا' اسے دیکھتے ہی کتاب بند کردی اور بازو پھیلا لیا۔ وہ خاموشی سے آکر اس کے پھیلے بازو میں سما گئی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" اویس کو اس کی سردسی خاموشی الجھانے لگی تھی۔

"کچھ بھی نہیں۔" اس نے کہہ تو دیا مگر اویس نے اس کی آنکھوں سے دل کا حال جان لیا تھا تب ہی بولا

"بلاوجہ پریشان ہو رہی ہو۔"

"پاگل ہوں نا۔" وہ برا مان گئی تھی۔

"نہیں۔۔ بلکہ بے وقوف ہو۔" اویس نے مسکرا کر شرارت بھری تصحیح کی۔

"بے وقوف اور پاگل ایک ہی بات ہے۔"

"خود سوچو۔۔" گہری سانس بھر تا وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

"تمہیں آسانی ہو جائے گی۔ کہیں آؤ جاؤ۔۔ جم' پارٹیز۔۔ پیچھے زہا اور حازق کو اکیلے چھوڑنے کا پرابلم نہیں رہے گا۔ تم انہیں۔۔"

"ان کی میڈ ہے اویس۔" وہ بات کاٹ کر بلند آواز میں بولی۔ "اور وہ ان کی بہت اچھی طرح سے کیئر کرتی ہے۔ مجھے ایرے غیروں کی ضرورت نہیں۔۔"

"ایرے غیروں۔" اویس نے افسوس کے ساتھ سرگوشیانہ دہرایا تھا۔

"اوکے۔۔ لیکن یار بچے خوش ہوں گے سن کر۔۔"

"زہا بالکل بھی خوش نہیں ہوگی۔" اس نے گویا زہا تک خبر پہنچادی تھی۔

"تم نے اس کے مائنڈ میں کیا بھر دیا؟" پہلی مرتبہ اویس کو ناگواری کا احساس ہوا۔ تحریم سے کوئی بعید نہیں تھا وہ کیا کچھ کہے اور کیا کچھ کر ڈالے۔ وہ جب آپے سے باہر ہوتی تھی تو تہذیب' تمیز سب کو لپیٹ کر رکھ دیتی۔

"میں نے کچھ نہیں بھرا وہ خود ایسی ہے' Attitude ہے اس میں۔ بہت کم کسی سے فرینک ہوتی ہے۔"

"یار۔۔" اویس زچ سا ہوا۔ "اس کے سامنے "کسی" کو ڈیفائن کرکے بتاؤ ہر انسان "کسی" کے خانے میں نہیں آتا۔ کچھ بہت خاص بھی ہوتے ہیں اور انہیں ان کی خصوصیت کے لحاظ سے ہی اہمیت دینی پڑتی ہے۔"

"ہاں تو ہیں نا اس کے خاص اس کے ممی پاپا اس کی دنیا اس کا سب کچھ۔۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ تم بہتر سمجھتی ہو کیا بہتر ہے اس کے لیے؟" اویس مایوس سا کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔ تحریم کی سائیکی اس کی سمجھ سے بالاتر تھی اور وہ کبھی کبھی بہت اجنبی بہت دور محسوس ہوتی۔

☼ ☼ ☼

"میں ایسی کیوں ہوں اماں' اتنی ڈرپوک' اتنی بزدل اور گونگی' جمیلہ غلط نہیں کہتی۔ میں ہوں' ہاں اور نہیں بھی بولنا چھوڑ دوں تو میرا گونگوں میں شمار ہونے لگے۔ میں کیا کروں میں Expressive کیوں نہیں ہوں۔ میرے دل میں جو کچھ ہوتا ہے۔ میری پسند ناپسند' میری خواہش' میں وہ سب آپ سے کیوں نہیں کہہ پاتی؟ آپ مجھ سے اتنی محبت کرتی ہیں' دنیا میں سب سے زیادہ صرف مجھے اہمیت دیتی ہیں' لیکن میں پھر بھی آپ سے بے تکلف نہیں یا پھر ہم دونوں ایک دوسرے سے بے تکلف نہیں! میں آپ کے سامنے اپنا آپ کھول کر بیان کیوں نہیں کرسکتی؟ میرے دل کی میرے دل میں کیوں رہ جاتی ہیں؟

مجھے یہاں آنے کی کوئی خواہش نہیں تھی۔ میرے لیے میرا وہی گھر اور چھوٹا سا شہر بہت کچھ تھا۔ وہ شہر جہاں میں اپنے گھر' اپنی گلی کے علاوہ کسی اور جگہ سے واقف نہیں تھی' مگر پھر بھی۔۔ وہ مجھے پیارا تھا' میں یہاں نہیں رہ پاؤں گی۔ میں ہجوم سے ڈرتی ہوں' لوگ مجھے خوف زدہ کردیتے ہیں' مجھے آپ کی انگلی پکڑ کر چلنے کی عادت ہے۔ میں کیسے باہر کی دنیا میں آجاسکوں گی؟ پڑھائی اتنی ہی ضروری ہے کیا؟ میرا اپنے پیروں پہ کھڑا ہونا کیوں ضروری ہے؟ میں جیسے جی رہی ہوں مجھے ایسے ہی جینے دیں' میری زندگی مشکل مت بنائیں' مجھے اپنا عادی رہنے دیں۔۔ مجھے اس اجنبی جگہ غیر مانوس ماحول میں رہنے کی خواہش نہیں' مجھے نہیں سمجھ میں آتا ہم اپنی جڑیں کاٹ کر یہاں کیوں آگئے؟ کوئی اپنی جگہ سے اکھڑ کر کسی اجنبی جگہ کیسے زندہ رہ سکتا ہے؟ کاش ہم ایک دوسرے سے ڈسکس کرسکتے؟ کاش ہم بے تکلف ہو پاتے۔۔ کاش ہم واپس جاسکتے۔۔!"

ہمیشہ کی طرح وہ اپنے دل کی دل ہی سے کہہ رہی تھی۔ بے مہار خیالات کہاں کے کہاں منہ مار رہے تھے اس کی بلا سے۔ وہ اور اماں ایک ہی بیڈ پر سوئی ہوئی تھیں۔ اس نے اماں کی طرف سے رخ بدل کر کروٹ بدلی ہوئی تھی۔ بظاہر دونوں سوتی بنی ہوئی تھیں' لیکن دونوں ہی جانتی تھیں نیند ابھی نہیں آنی۔ اجنبی جگہ۔۔ پرانے مسکن سے دوری اور آنے والے دنوں کے آگے لگا سوالیہ نشان۔۔ نیند ابھی واقعی کئی راتوں تک مہربان نہیں ہونی تھی۔

اس کی سوچوں کے عجب گرداب تھے۔ اماں کی سوچوں کے الگ۔۔

دونوں آنکھیں کھولے ان ہی میں مدغم تادیر جاگتی رہیں۔

☼ ☼ ☼

صبح بڑی وحشت ناک قسم کی تھی۔

"کیا مجھے آج ہی کالج جانا پڑے گا؟" سانس بری طرح سے اٹک گئی۔ اماں اور جمیلہ کچن میں ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھی تھیں۔ چائے پی جارہی تھی۔ جمیلہ کی پرجوش اور اماں کی سنجیدہ صورت دیکھ کر اسے ہول آنے لگے۔

"ارے بلی۔۔" اسے دیکھتے ہی جمیلہ چہکی۔ "جاگ گئیں؟" وہ ست روی سے چلتی دونوں کے بیچ آبیٹھی۔

یوں منہ اٹھا کر کہیں بھی چلے جانا آسان ہوتا ہے' لیکن وہاں جاکر قدم جمانا اتنا ہی مشکل۔۔ لوگ رزق کی آس میں دبئی' امریکا تک جا پہنچتے ہیں' مگر قسمت کسی کسی کا ہی ہاتھ تھامتی ہے۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں جن کے نصیب میں ٹھوکریں کھائے بنا منزل پر پہنچنا لکھا ہوتا ہے۔ وہ بھی نئی زندگی' نئی منزل کی تلاش میں دربدر ہوئے تھے۔ قدم جمانا آسان ہے یا مشکل۔۔ فی الحال اماں اور جمیلہ کا یہی موضوع بحث تھا۔ اتنے بڑے شہر میں' تین عورتوں کا اکیلے رہنا اور سروائیو کرنا کیا اتنا ہی آسان تھا جتنا اماں نے سوچ کر ساں تک اڑان بھرلی تھی۔

"میرا تو خیال ہے باجی ہم۔۔"

"تم پہلے عقیدت کو ناشتا دے دو۔" اماں نے جمیلہ کو ٹوکا۔ وہ بخوشی عقیدت کے لیے ناشتا بنانے لگی۔ عقیدت کی تشویش زدہ نظریں اماں پر تھیں جنہیں چہرے کے تاثرات چھپانے میں ملکہ حاصل تھا' مگر فی الحال وہ ایسی کوئی

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

کوشش نہیں کر رہی تھیں۔ فکران کے چہرے سے عیاں تھا۔

"لو بلی۔ مزے کا ناشتا کرو۔ باباجی کے گھر سے آیا ہے۔ کھبے پاسے (بائیں طرف) والے ہمسائے۔" جمیلہ نے جب تک ناشتا سامنے نہیں رکھا وہ توجہ کے ساتھ اماں کا چہرہ پڑھتی رہی۔

"وہی میں کہہ رہی تھی۔" ناشتا دینے کے بعد جمیلہ نے سلسلہ کلام جوڑا تھا۔

"گڈی بغیر گزارا نہیں۔۔۔" عقیدت نے پہلے چونک کر اور پھر انتہائی ناگواری کے ساتھ عقیدت کو دیکھا تھا۔

"گڈی" نہ ہوئی منہ کا نوالہ ہو گیا اس نے کہا اور اماں نے لے لی۔ پہلے ہی نامعلوم کتنا جمع جتھا اس گھر کو خریدنے پر لگ چکا تھا۔ یہاں کوئی اتنی آمدنی تھوڑی آ رہی تھی کہ جو دل چاہا خرید لیا۔ جمیلہ اپنے مہنگے مشوروں سے اماں کو کنگال کر سکتی تھی۔ اسے جی بھر کر غصہ آیا۔

"گڈی تم چلاؤ گی؟" عادت کے برخلاف اس نے تلخ سا جملہ کہا تھا سن کر جمیلہ وہ ہنسی کہ الاماں۔

"سچی بلی تم سارا دن میں دو جملے بولتی ہو پر وہ دو جملے بھی بڑے مزے کے ہوتے ہیں۔"

"عقیدت صحیح کہہ رہی ہے۔ پہلے گاڑی پھر ڈرائیور کا انتظام سو باتیں ہیں بندہ کس کو سوچے مجھے بھی عرصہ ہوا گاڑی چلائے۔"

"عرصہ ہوا گاڑی چلائے۔" اماں کی بات کے بیچ میں اس نے دل میں دہرا کر حیرانی سے اماں کو دیکھا تھا۔

"پھر اگر دوبارہ سے سیکھ بھی لوں تو روزانہ کہاں میں یہ ڈیوٹی پوری کر سکوں گی کوئی ایک دن کی بات تو نہیں۔"

"اماں اور ڈرائیونگ۔۔۔" عقیدت نوالہ چبانا بھول گئی۔ ایسا کب ہوا ہوگا۔ شاید اس کی پیدائش سے بھی پہلے۔ اس نے تو اپنی اٹھارہ انیس سالہ زندگی میں کبھی اپنے آس پاس گاڑی کی شکل تک نہیں دیکھی تھی کجا کہ اماں کو گاڑی چلاتا دیکھتی نئی نئی باتیں معلوم ہو رہی تھیں۔

"بس تو پھر باجی مجبوری۔۔۔ بسوں میں آنا جانا پڑے گا یا پھر چنگ چی بچتا ہے' ایک تو کالج بھی شہر کے اس پار پہنچتے پہنچتے گھنٹہ لگ جائے اپنی بلی کو منہ اندھیرے جاگنا پڑے گا تب پہنچ پائے گی کیا ہی اچھا ہوتا گھر وہاں قریب مل پاتا بلی مزے سے آتی جاتی۔" عقیدت سے چائے کے گھونٹ بھرنا دوبھر ہو گئے۔

اماں کیوں اس کی پڑھائی کو زندگی موت کا مسئلہ بنا رہی تھیں۔ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

"یا پھر ہوسٹل۔۔۔ لوکی (لوگ) ایسا بھی کرتے ہیں۔ کالج دور ہو آنے جانے کا مسئلہ ہو تو ہوسٹل میں ڈال لیتے ہیں بچوں کو۔"

"اف۔۔۔ اماں جمیلہ کی کیوں سنے جا رہی ہیں۔" عقیدت کے کانوں میں سے دھواں نکلنے لگا۔ جمیلہ چن چن کر ناقابل عمل مشورے دے رہی تھی۔ پتا نہیں کون سی دشمنی چکا رہی تھی۔ عقیدت نے چائے کا آدھا بچا کپ قدرے زور سے ٹیبل پر پٹخا۔ بچت ہو گئی چائے نہیں گری۔

"اماں۔۔۔ میں آگے نہیں پڑھنا چاہتی۔" پھر جی کڑا کر کے اس نے کہا تھا کہاں تک سنتی جمیلہ کی۔

"آپ پلیز۔۔۔۔"

"تم چپ رہو عقیدت۔" انتہائی سختی اور کٹھور پن سے اماں نے اس کی بات کاٹی تھی۔ آنسو بلا تردد اس کی آنکھوں میں امڈے تھے۔ ایسا تو کچھ نہیں بولا تھا اس نے کہ اماں اتنی سخت ہو کر بولتیں۔ ہمیشہ کی طرح جسم میں سنسناہٹ سی ہونے لگی تھی۔ نرم مزاج اماں جب سختی پر آتیں تو حالت ایسی ہی ہو جایا کرتی۔

"جمیلہ تم نے جو کچھ کہا غلط نہیں' لیکن عقیدت کو میں ہوسٹل میں نہیں ڈال سکتی۔ اس کی وجہ سے میں مستقل یہاں رہنے آئی ہوں اور اب اسے گھر کی بجائے ہوسٹل بھیج دوں۔ فائدہ تو نہ ہوا اور بدری کا ڑی بات گاڑی خریدنے کی تو ابھی گنجائش نہیں۔ آگے اور بھی خرچے آنے ہیں۔"

"سچ کہا باجی۔۔۔ ڈاکٹری پڑھنا آسان اور سستا تھوڑی ہے۔ کتابوں کا خرچہ' فیس' پھر بلی کے کپڑے بھی تو لینے پڑیں گے کالج کے حساب سے۔ پرانے کپڑے تو اس جوگے (لائق) کہاں' وہ کہتے ہیں نا جیسا دیس ویسا بھیس تو اچھا ہو گا اگر۔۔۔"

"جمیلہ۔۔۔ کپڑے ضروری نہیں۔" شکر اس بار اماں نے جمیلہ کو ٹوک ہی دیا۔ انہوں نے گویا اسے در پردہ جتلایا کہ وہ سدا اوقات میں رہنے والی ہیں چاہے یہاں رہیں چاہے لندن۔۔۔ کسی کی دیکھا دیکھی اپنی چال خراب کر لینے سے کیا حاصل' جمیلہ نے تابعداری سے سر ہلایا اور عقیدت کے آگے سے ناشتے کے برتن اٹھانے لگی۔ لگ رہا تھا اس وقت کی گفتگو کا دورانیہ تمام ہوا۔ یہی اچھا تھا اس کے حلق میں کب سے چھپے آنسوؤں کے نمکین گولے کو راستہ چاہیے تھا۔ وہ اٹھ رہی تھی جب جمیلہ بولی۔

"ویسے تو باجی۔۔۔ آپ اس طرف دماغ لگا نہیں رہیں۔"

اماں نے ناسمجھی سے جمیلہ کو دیکھا تھا۔

"ورنہ سب مسئلوں کا حل چٹکی بجانے میں نکل آتا ہے۔" جمیلہ نے اپنی بات کو معنی خیز انداز میں لمبا کھینچا۔

"نہیں جمیلہ۔۔۔" اماں سمجھ گئیں اس کا اشارہ کس طرف ہے فی الفور شدت سے انکاری ہوئیں۔

"دوبارہ نہ کہنا نہ سوچنا ہم خود کچھ نہ کچھ کر لیں گے۔ اللہ ہے نا۔۔۔"

"جی باجی۔۔۔" جمیلہ نے آہستگی سے کہا اور برتن دھونے میں لگ گئی۔

اس کی آنکھیں بس برسنا چاہتی تھیں۔ وہ تیزی سے کچن کا دروازہ عبور کر گئی۔ اماں نے بہت گہری نظروں سے اسے باہر جاتا دیکھا تھا اس نے کہیں بھی چھپ کر اب آنسو بہانے ہیں یہ اماں جانتی تھیں۔ لیکن جان بوجھ کر پیچھے نہ گئیں کہ وقت آگیا تھا اسے زمانے کے سرد گرم کا مقابلہ کروانے کا۔

☼ ☼ ☼

وہ اورنج رنگ کے کپڑوں والی کوئی ساتویں بار اس کے سامنے آ رہی تھی' اٹھلاتی' بل کھاتی اور دعوت دیتی آنکھوں سے بے باک اشارے کرتی۔ کوفت کے مارے اس کا برا حال ہو گیا۔

"مان نہ مان۔۔۔ یہ تیرے پہ لٹو ہو گئی ہے۔" ہارون بھی باخبر تھا بڑی شرارت سے آنکھ مار کر اس نے یہ سب کہا سنعان کا حلق بھی کڑوا ہو گیا۔

"تو اپنی خیر منا۔ اس گھٹیا سی جگہ پر کیا سوچ کر لایا ہے مجھے؟" خانم آنٹی بار بار ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ دو چار "گاہکوں" کو نمٹانے کے بعد نظریں اس پر جمائے ہارون سے مخاطب ہوئیں۔

"لگتا ہے پہلی بار آیا ہے یہ۔۔۔"

"یہ۔۔۔" ہارون نے سنعان کی طرف دیکھا۔

"مطلب تو۔۔۔" اس نے بڑی صداقتی نظروں سے خانم کو دیکھ کر لفظ چبائے "کہہ تو یوں رہی ہے جیسے مجھے ہر دوسرے مہینے یہاں دیکھتی ہو۔"

"جیسی ڈیمانڈ کرو گے ویسا ہی آئٹم ملے گا۔ آپ بس حکم کرو۔" خانم کو شاید سنعان بہت لبھا رہا تھا مرکز نگاہ اسے بنائے اس نے کہا تو ہارون کو ہچکی سی لگ گئی۔

"تم۔۔۔" اس نے سنعان کے چہرے سے نظریں چراتے ہوئے حلق تر کر کے کہا۔

"آئٹم دکھانا جاری رکھو ہم جب تک سوچ لیں۔" خانم دلربائی سے مسکرائی تھی۔ اس کے "آئٹم" تو کیا ادائیں دکھانے میں ماہر تھے۔ جتنی وہ خود تھی۔

بڑے سے کمرے میں ایک ہی ٹائپ کی نظر آتی لڑکیاں خوامخواہ آجا رہی تھیں شوخ رنگ کے تنگ کپڑے پہنے جسم کے پیچ و خم نمایاں کرتی گویا نمائش پہ لگی تھیں ایسا کچھ بھی دیکھنے کا تجربہ پہلی بار ہو رہا تھا سنعان کو ابکائی سی آنے لگی۔

"تم نے مجھے یہاں لانے کی جرات کیسے کی؟" ناقابل برداشت ماحول نے اس کے دماغ کی چولیں تک ہلا ڈالیں۔

"ارے احسان کرنے کا زمانہ ہی نہیں رہا۔ تیری اجڑی بوتھی دیکھ کر خیال آیا تھا تجھے فریش کروں اور تو۔"

"تو مجھے فریش کرنے کے لیے اس جگہ لے آیا؟" سنعان کو یقین کرنا محال ہو رہا تھا۔

"نہ تو کیا مجلس سنانے لے جاتا؟" ہارون جل کر رہ گیا۔

"اچھا دیکھ تو ذرا۔ کیسی کیسی آفتیں ہیں ادھر۔ بتا تیرے لیے کون سی والی کا آرڈر دوں؟ یہ مالٹے والی تجھ پر ریجھ گئی ہے۔ کہو تو یہ۔ نہیں تو پھر وہ جامنی جوڑے والی یا یہ جو۔"

"مجھے معاف کر۔ تو اپنے لیے بکنگ کرا۔ میں چلتا ہوں۔" وہ اٹھنے کی کرنے لگا۔

"ابے۔" ہارون نے فوراً اسے بازو سے پکڑ کر بٹھایا تھا۔

"بہت لو اسٹینڈرڈ ہے تیرا انتہائی چیپ۔" اس نے بیٹھتے ہی دانت پیسے۔

"تو میں نے کون سا یہاں کے آ آ کر دروازے توڑ ڈالے۔" ہارون نے منہ پھلایا تھا۔

"میں بھی آج پہلی بار آرہا ہوں۔ وہ صدر الدین نہیں ہے اپنا لنگوٹیا۔ اس نے یہاں کا پتا دیا تھا یہ کہہ کر ڈپریشن کا توڑ موجود ہے یہاں میں نے کہا تو سال کے بارہ مہینے ڈپریشن میں رہتا ہے کچھ یہاں کے رنگ دیکھے گا تو ہرا بھرا ہو جائے گا۔"

"یہ رنگ دیکھ کر آنکھیں چندھیا گئی ہیں میری۔" اس کے جل کر کہنے پر ہارون ڈھٹائی سے ہنسا تھا۔

"سچ کہہ رہے ہو میری بھی۔ پتا نہیں یہ کس قسم کے لوگوں کے لیے Catchy ہوتی ہیں میں تو اندھا ہو رہا ہوں۔" وہ دونوں خانم کو حیرت زدہ چھوڑ کر بظاہر شریفوں کے اس گھر سے باہر آگئے تھے۔ اندر خانے جہاں کی داستان رنگین ہی نہیں سنگین بھی تھی۔

دونوں نے گاڑی پہچان لیے جانے کے ڈر سے کافی فاصلے پر کھڑی کی تھی سو اب پیدل مارچ ہو رہا تھا۔

"خانم بڑی حسرت بھری نظروں سے تمہاری طرف دیکھ رہی تھی۔ ایک قیمتی شکار اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ کروڑپتی۔"

"میرا باپ کروڑپتی ہے۔ میں نہیں۔" اس نے سنجیدگی سے وضاحت کی۔

"ایک ہی بات ہے۔" ہارون نے کندھے اچکائے۔

"ایک ہی بات نہیں ہے۔"

"تو۔ اوا کلوتا وارث ہے ان کی جائیداد کا۔" ہارون نے ازراہ مذاق بحث جاری رکھی۔ دونوں گاڑی کے قریب آ چکے تھے۔

"چینج دا ٹاپک یار۔" وہ بوریت کا شکار ہوا فرنٹ سیٹ پر آبیٹھا۔

"گھر چھوڑ دوں؟" ریورس کرتے ہوئے ہارون نے پوچھا تھا اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں۔ اپنے گھر لے چل۔" وہ ایک بار پھر شکست خوردہ سا نظر آنے لگا تھا۔ ہارون نے کلائی موڑ کر وقت دیکھا ایک بج رہا تھا۔

"نہیں۔ میں تمہیں تمہارے گھر لے چلتا ہوں آنٹی اکیلی ہیں، تمہیں ان کے پاس ہونا چاہیے۔" اس نے

ہارون کی بات برداشت کیے بیٹھے تھے۔

"وہ تمہارا انتظار کررہی ہوں گی۔" ہارون نے گویا اسے غیرت دلانی چاہی تھی۔

"واٹ آ جوک۔" وہ تلخی سے ہنس دیا۔

"نہیں نہ تو میری فکر رہتی ہے نہ انتظار۔ وہ صرف اپنے شوہر سے مخلص ہیں اور ان ہی کے غم پالتی رہتی ہیں چاہے وہ انہیں جوتی کی نوک پر ہی کیوں نہ رکھیں۔"

"شٹ اپ سنعان۔" ہارون نے بے حد ناراضی سے کہا۔

"لمٹ مت کراس کیا کرو۔ انکل کے ساتھ تمہارے اختلاف اپنی جگہ۔ آنٹی کو تم ٹیز نہیں کرسکتے۔ انہوں نے زندگی میں ویسے بھی بہت غم دیکھے اور ابھی بھی دیکھ رہی ہیں۔"

"اپنی خوشی سے۔" وہ تلخ ہوا تھا۔ "کسی نے انہیں مجبور نہیں کیا یہ سب سہنے کو۔"

سنعان۔" اپنے گھر کی طرف گاڑی ڈالتے ہوئے ہارون نے ٹھوس لہجے میں کہا تھا۔ "اپنا رویہ بدلو۔ کم از کم آنٹی کی حد تک۔"

یہاں بحث بہت لمبی ہوجاتی تھی۔ وہ خود پر بدقت کنٹرول کیے سامنے دیکھنے لگا۔ ہارون نے بھی مزید چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔

☼ ☼ ☼

وہ جب گھر پہنچا ڈیڑھ بج رہے تھے۔ چوکیدار گاڑی رکنے کی آواز پر فوراً مستعد ہوا تھا۔ وہ ہارون کو الوداعی ہاتھ ہلاتا گھر کے اندر آگیا پورا گھر سناٹے کی زد میں تھا۔ اس کو تکلیف ہوئی۔ گویا کوئی ذی روح ادھر نہ بستا ہو۔

"بیش بہا پیسہ۔ لمبی لمبی گاڑیوں سے بھرا گیراج اور یہ محل نما کوٹھی۔ بس کیا زندگی گزارنے کے لیے یہی لوازمات چاہئیں؟ ہاں۔ تو پھر تشنگی کیوں؟"

لیونگ روم کی لائٹس آن کیے رضوانہ مستعد تھی۔ برسوں سے اس کے کھانے پینے کی ڈیوٹی پر معمور۔

"کھانا گرم کرآؤں صاحب۔" بے چاری نیند قربان کرکے کھڑی تھی۔ اسے افسوس ہوا۔

"نہیں۔ تم سو جاؤ۔" ہارون کی مہربانی سے آج عرصے بعد برابر ڈنر کیا تھا اس نے رضوانہ اس کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد شاید سونے چلی گئی۔ اس نے بھی رخ سیڑھیوں کی طرف پھیرا مگر کچھ سوچ کر بے ساختہ قدم تھمے تھے۔

"اپنا رویہ بدلو۔ کم از کم آنٹی کی حد تک۔" ہارون کی آواز کہیں آس پاس گونجی تھی۔ وہ گہری سانس کھینچتا چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا فائزہ کے بیڈروم کی طرف بڑھنے لگا۔ گلاس ونڈو سے پردے ہٹے ہوئے تھے اور بیڈ پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھی مما واضح نظر آرہی تھیں۔

"او گاڈ۔" اسے عجیب سا محسوس ہوا۔

آہستگی سے دروازہ بجایا جو محض رسمی تھا کہ فائزہ نے اس جانب توجہ کہاں دی ہوگی۔ وہ اندر داخل ہوا۔ فائزہ اس کی آمد سے بے خبر جوں کی توں بیٹھی رہیں۔ چہرہ پر ایک عالم کی اذیت لیے ہوش و خرد سے بے گانہ۔ لاتعلق اور قطعی غائب دماغ سنعان نے پہلے کھڑکی کے پردے گرائے پھر ان کے تکیے برابر کرنے کے بعد انہیں آہستگی سے بیڈ پر لٹانے میں مدد دی وہ کسی ڈمی کی طرح عمل پیرا ہوئی تھیں۔ سلانے کے بعد اس نے لحاف ان پر پھیلا دیا۔ وہ آنکھیں کھولے چھت کو گھور رہی تھیں۔ سنعان ہونٹ بھینچے کتنی ہی دیر تک انہیں تکتا رہا۔

"ہارون صحیح کہتا ہے ماما۔ مجھے اپنی حالت کا انتقام آپ سے نہیں لینا چاہیے۔ آپ تو خود قابل رحم حالت

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

میں ہیں۔ مجھے آپ کو ٹیز کرنے کا کوئی حق نہیں اور مجھے آپ کو مزید تکلیف نہیں دینی۔ آپ ٹھیک ہوجائیں گی ماما۔ ان شاء اللہ آپ ٹھیک ہوجائیں گی۔" وہ بیڈ کے پاس کھڑا نئے عہد باندھ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

دسمبر کی نرم گرم دھوپ ٹیرس پر پھیلی ہوئی تھی۔

وہ آندھی کی طرح آئی اور دھپ سے کرسی پر گر گئی بھاری دل ہلکا کرنے کے لیے یہاں ہی آنا تھا کہ نیچے اماں اور جمیلہ کے چھاپے بہت پڑتے تھے جہاں دیکھتیں وہ رو رہی ہے۔ دونوں سر پر پہنچ جاتیں یہاں سکون بھی تھا اور تنہائی بھی وہ جی کھول کر رونے لگی۔

اماں کی پریشانی۔ پھر ضد بھی۔

"نہیں تم یہ چانس مس نہیں کروگی۔ میرٹ بنا ہے تمہارا اسے اتنی آسانی سے کھو دوگی کیا؟ عقیدت۔ میں چاہتی ہوں تم ڈاکٹر بنو۔ تم اپنا سہارا خود بنو۔"

"میں ہی کیوں۔ اماں میں ہی کیوں؟" رونے میں ایسا انہماک کہ اسے جمیلہ کی زبان میں کھبے پاسے (بائیں طرف) والے ہمسائے کا بھی خیال نہیں آیا۔ وہ ابھی جب اوپر آئی تھی اپنے چھوٹے سے لان میں چائے پیتے باباجی کی اڑتی نظر اس پر پڑی تھی اس وقت سے وہ نہ صرف اسے دیکھے جارہے تھے بلکہ تین بار ہاتھ لہرا کر متوجہ کرنے کی کوشش بھی کرچکے تھے۔ وہ ہوتی اس پوزیشن میں تو چھٹی حس باباجی تک رسائی ضرور کروا ڈالتی مگر ابھی آنسوؤں کی دھند نے ہر منظر دھندلا دیا تھا

کافی دیر بعد بھاری دل ہلکا ہوا تو آنکھیں اور ناک دوپٹے سے پونچھنے کے دوران "باباجی" بھی نظر آہی گئے۔ جو اسے دیکھنے کے بعد کہیں اور توجہ دیکھنا ہی بھول گئے تھے۔ فوراً مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلا کر ہیلو کہا وہ بری طرح سٹپٹا گئی۔ زندگی میں پہلی بار۔ انجان اور وہ بھی آدمی یوں اپنی طرف مسکرا کر متوجہ کررہا تھا اس کے حقیقتاً "ہاتھ پیر کانپنے لگے ہیلو کا جواب تو کیا دیتی سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے ایسی بھاگی کہ "باباجی" بھی حیرت زدہ رہ گئے۔

☼ ☼ ☼

"حبہ سلمان" کے ٹاک شو میں الوداعی کلمات کہے جارہے تھے۔

"تو ہماری آج کی گفتگو کسی حد تک یہ ثابت کرتی ہے کہ بہت سے معاملات میں عورت ہی عورت کی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ وہ عورت ساس بھی ہوسکتی ہے 'بہو بھی' آستین کے سانپ دیکھنے ہوں تو ایسی دشمن عورت سہیلیوں میں بھی مل جائے گی اور بہنوں میں بھی۔ بہت شکریہ آپ سب کا۔" حبہ سلمان کی خوب صورت آواز لیونگ روم میں گونج رہی تھی۔ خود وہ معیز اور شانزے کے ساتھ فلور کشنز پر بیٹھی کا جو کھاتی ناقدانہ اپنا آپ ٹی وی میں دیکھ رہی تھی۔

"بہت اچھے۔ آج کا پروگرام پچھلے پروگرامز کی نسبت زیادہ بہترین تھا۔" سلمان صاحب سب سے پہلے رطب اللسان ہوئے۔ برہان اور ارمغان بھی اپنی اپنی بیگمات کے ہمراہ یہیں موجود تھے۔ وجہ حبہ سلمان کا ٹاک شو ہو یا نہ ہو۔ کریٹی کی یہاں موجودگی ضرور تھی۔ وہ ویک اینڈ کی ان دو راتوں میں حبہ کا پروگرام دیکھنے کے لیے آ بیٹھتی تھیں 'تو' ماحضوری باقی افراد بھی اکٹھے ہوجایا کرتے۔

"سمجھا کریں آپی۔ تعریف آپ کے پروگرام کی نہیں گیسٹ کی ہورہی ہے۔ آج بہار رنگین ماحول تھا آپ کے شو کا" تایا جان خلاف معمول اونگھ نہیں رہے تھے۔" معیز کی شرارت بھری سرگوشی پر حبہ نے مصنوعی آنکھیں دکھائیں۔

"بدتمیز۔" ہلکی سی چپت بھی اس کے سر پر رسید کی تھی آج اس کے پروگرام میں خواتین پارلیمنٹرین مہمان تھیں اس نے انفرادیت یوں دکھائی کہ سیاسی گفتگو کے بجائے ایک الگ ہی موضوع پر ان سب کو بحث میں الجھایا۔

"عورت عورت کی دشمن۔" پر بڑے انکشافات اور دلائل سننے کو ملے۔

"ناظرین و سامعین... میں لیٹ تو نہیں ہو گیا؟" دفعتاً حارث نے انٹری ماری تھی۔ بند ہوئے ٹی وی نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ لیٹ ہو گیا ہے۔

"سیڈ... میں واقعی لیٹ ہو گیا۔" اس نے حبہ کے قریب فلور کشن پر قبضہ جماتے ہوئے کا جو ٹونگے۔

"آپ کو ہرجانہ بھرنا ہے۔ رات میں یہ شو جب ری پیٹ ہو آپ نے تب دیکھنا ہے۔" یہ معیز تھا۔

"ٹھیک ہے بھئی دیکھ لیں گے۔ ہرجانہ منظور۔" عفیرہ نے ناگواری سے بیٹے کی طرف دیکھا۔

"ویری گڈ... رشتہ گھر سے ہی بڑھنی چاہیے۔" علیزہ نے گویا کزن ہونے کا حق ادا کیا۔ عفیرہ نے اسے بھی گہری نظروں سے دیکھا تھا۔ حبہ سے چھوٹا عاشر اور کشف خال خال ہی آج کے دن یہاں نظر آتے اور ان کے دونوں بچے بک اپ کرنے کے لیے سب سے آگے بیٹھے ہوتے رات کے بارہ بجا دینے والا حارث بھی آٹھ بجے آموجود ہوا تھا۔ انہیں ٹھیک ٹھاک کھل رہی تھی یہ بات۔

"میں نے اپنے کالج میں سب کو بتا رکھا ہے کہ حبہ سلمان میری تایا زاد ہیں۔" علیزہ کے لہجے میں فخر اور حسرت دونوں جھلکے۔

"اور میں نے کسی کو بھی نہیں..." ملیکہ نے بے تاثر لہجے میں کہا تھا۔ عفیرہ نے ایک بار پھر علیزہ کو غیرت دلاتی نظروں کے ساتھ دیکھا تھا مگر وہ ان کی جانب متوجہ ہی کہاں تھی۔ ہوتی بھی تو اس میں اتنی عقل کہاں تھی کہ نظروں کی زبان سمجھ پاتی۔

"ارے بھئی یہ کیا بات ہوئی۔ تم نے کیوں نہیں بتا رکھا؟" سلمان صاحب نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔

"کیوں کہ کوئی ٹاک شوز کے بارے میں بات ہی نہیں کرتا۔ اتنے زیادہ اور اتنے بورنگ اور Copied آ رہے ہیں کہ کوئی دیکھتا بھی نہیں اور مجھے بتا کر کرنا کیا ہے؟ کالج فیلوز کو امپریس کرنے کے لیے میری اپنی ذات کافی ہے۔" سلمان اور نورین نے بڑی ہی ستائشی نظروں سے ملیکہ کو دیکھا تھا۔ ان کے چاروں بچوں میں بھرپور اعتماد موجود تھا اور شاید کچھ زیادہ ہی موجود تھا۔ عفیرہ ابھی بھی اندر ہی اندر جل بھن گئیں۔

"ہاں لیکن میرا پروگرام بھیڑ چال کا حصہ نہیں اس کے موضوعات میں انفرادیت ہوتی ہے اور ہر پروگرام ورائٹی لیے ہوئے ہوتا ہے۔" حبہ نے اپنا دفاع خود کیا۔

"میں سوچتی ہوں اگر آپ پاکستان کے بجائے کہیں اور ہوتیں تو شاید اس فیلڈ میں ٹک نہ سکتیں۔"

"کیوں؟" حبہ نے بھنویں سکوڑلیں۔

"پاکستان میں آئے روز خبریں، ہنگامہ، آپ لوگوں کو مواد مل جاتا ہے ہفتے بھر کا۔" علیزہ کچھ زیادہ ہی صاف گو تھی۔ بہن کی صلاحیتوں کا اعتراف کرنے کے بجائے تیسرا پوائنٹ بیان کر رہی تھی۔

"یہ بھی درست۔" برہان متاثر ہوئے تھے۔

"اگر آپ کے پاس صلاحیتیں نہیں تو آپ یہاں بھی نہیں ٹک سکتے چاہے کتنا بھی مواد مل جائے۔"

"لیکن یہ بات ماننے کی تو ہے کہ ہمارے ملک میں آج کل نیوز چینل والوں کی دال خوب گل رہی ہے۔"

"کہہ سکتے ہیں۔" ارمغان کی بات پر حبہ نے کندھے اچکائے تھے۔ "یہاں حالات ہی اس ٹائپ کے ہو گئے ہیں کہ صبح گھر سے نکلتے ہوئے آپ کے پاس دو نیوز ہوتی ہیں رات کو گھر آتے وقت پانچ اور مل جاتی ہیں بس اسی وجہ

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

سے ہمارا روزگار چل رہا ہے۔

"یعنی فی الحال آپ لوگوں کا چولہا ٹھنڈا ہونے کے آثار نہیں۔" حارث نے بھی بات برائے بات کی۔ حبہ نے

"میرا خیال ہے اب ٹاپک کلوز ہونا چاہیے۔ اور نیا ٹاپک اسٹارٹ کرنا چاہیے۔"

"کون سا۔" علیزہ نے ناک پر پھسلتی عینک کو دوبارہ آنکھوں پر فوکس کیا تھا۔

"ڈنر کا۔" معیز کی بات پر بے ساختہ مسکراہٹ گریجی سمیت اکثر کے چہروں پر امڈی۔

"بہت بھوک لگ رہی ہے۔ ٹاک شو سے پیٹ نہیں بھرتا۔ سن لیں۔"

"میں صغرا سے کہتی ہوں ٹیبل لگائے۔" زینب کچن کی طرف ہولی تھیں۔

"گریجی کو بھی ان کے کمرے میں چھوڑ آؤ۔ بیٹھے بیٹھے تھک گئی ہوں گی۔" نورین نے گویا گریجی سے آج کی عیاشی چھیننی چاہی۔ انہوں نے ہراساں ہو کر سلمان صاحب کی طرف دیکھا تھا۔

"نورین کہہ تو ٹھیک رہی ہیں۔ آپ تھکی ہوئی ہیں تو اپنے روم میں چلی جائیں۔ صغرا چھوڑ آتی ہے آپ کو۔" وہ اپنی شوگر کی وجہ سے کھانا کھا چکی تھیں۔ لیکن سب کے بیچ بیٹھنے میں گویا زندہ ہو جایا کرتیں۔ ابھی بھی اتنی جلدی کمرے میں بند ہو جانے کا مطلب تفارات کو اور زیادہ طویل کرنا۔ اور خود کو مزید آزردہ کرنا۔

"میں ابھی نہیں تھکی بیٹا۔ کچھ دیر بیٹھوں گی۔" انہوں نے دانستہ کسی کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ نورین نے دانت بھینچ ڈالے تھے۔

گریجی اپنے بے ضرر وجود کے ساتھ کچھ نہ کہہ رہی ہوتیں تو بھی بہوؤں کو کھٹکتی تھیں۔ ابھی بھی تینوں بہوؤں کو ان کا یہ خوامخواہ کا لاڈ تاؤ دلا گیا۔ بیٹوں کے سامنے وہ ہمیشہ سہمی بچی بن جایا کرتی تھیں۔ یہاں درد ہے، سینہ جلن کرتا ہے۔ فلاں چیز گیس کرتی ہے۔ یہ اور ان جیسی مزید بیماریاں ہوتے پوتیوں کو ان کی موجودگی، غیر موجودگی سے کوئی غرض نہیں تھی وہ سامنے کہیں نظر آجاتیں تو سلام دعا کر لی جاتی ورنہ یہ فریضہ ان کے کمرے میں جا کر نبھانے کی توفیق کوئی نہ کرتا۔ معیز کبھی کبھی شکل دکھا دیتا تھا۔ اور آج کا مزے دار ڈنر گریجی کی موجودگی سے بدمزہ ہو کر رہ

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

گیا تھا۔

٭ ٭ ٭
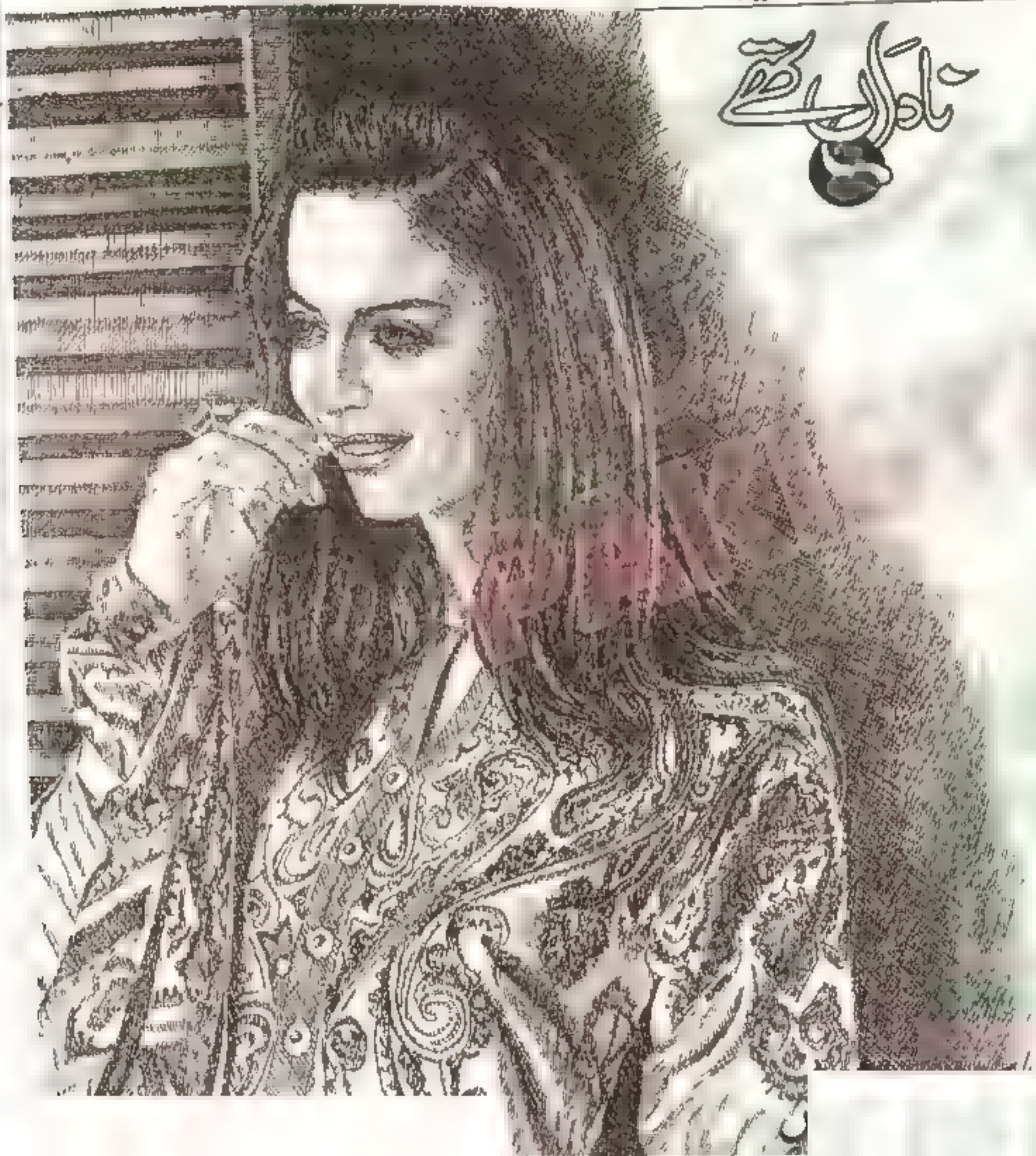
"نی اک پھل موتیے دا مار کے جگا سوہنیے۔"
رکت چاچا کے ریڈیو کی تان حویلی کی بغل میں موجود بیٹھک سے اٹھ کر بند پھاٹک عبور کرتے حویلی کے اندر تک بکھر رہی تھی۔

کوئی اور دن ہوتا۔ مٹی کے چولہے پر توا رکھتی۔ روٹیاں پکاتی شاداں سر دھن رہی ہوتی۔ مگر ابھی اس کا ارتکاز بھٹک رہا تھا۔ گلی والی دیوار کے ساتھ ذرا سی چھاؤں رہتی تھی۔ چولہا یہیں پر بنایا گیا کہ سردیوں گرمیوں میں کام دے سکے۔ ان دنوں بھی گو کہ دسمبر تھا۔ سردیوں کی دھوپ نرماہٹ لیے ہوئے تھی لیکن تب تک جب تک سورج ابھی مشرق کی اور ہی رہتا۔ جوں سورج آسمان کے بیچوں بیچ آتا۔ دسمبر کی دھوپ بھی کاٹنے لگتی۔

شاداں پھاٹک کے سامنے والے صحن میں روٹیاں پکا رہی تھی۔ حویلی کا دوسرا صحن پیچھے کی طرف تھا۔ کمروں کی سمت اس طرح رکھی گئی کہ سامنے کے صحن میں دھوپ آزادانہ پڑتی' اور سردیوں گرمیوں دونوں موسموں میں ناقابل برداشت لگتی۔ ایسے میں گھر کے مکینوں کی چہل پہل پچھلے صحن کی طرف ہی رہتی۔ پھر بھی آنے جانے کے لیے یہی اکلوتا پھاٹک نما گیٹ ہی زیر استعمال رہتا۔ اور یہی بات شاداں کا خون خشک کیے جا رہی تھی۔ کوئی آ جاتا اور۔؟

سحر بی کھانا پکا کر اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ ان کا سالن پک جاتا تب شاداں روٹیاں پکاتی تاکہ تازی رہیں۔ کمرے میں گھسی سحر نے اب شاید ہی باہر نکلنا تھا۔ شاداں اپنے کام سے فارغ ہو کر روٹیاں اندر لے جاتی۔ سحر کھانے کے ٹائم پر کھا لیتی اور شاداں کو دینے کے لیے کھانا باندھ دیتی۔ شاداں دوپہر اپنے گھر گزارتی اور شام میں پھر برتن دھونے اور روٹیاں پکانے کے لیے آ جاتی۔

سحر کھانا کھا کر خود بھی سو جاتی اور اپنے دو سالہ بیٹے سجاول کو بھی سلا دیتی۔ تب تک نہ جاگتی جب تک سجاول نہ جاگ جاتا۔ اور سجاول ایسا شریف بچہ کہ گھنٹوں سویا رہتا۔!!!

شاداں کے لیے عام طور پر سحر کی یہ روٹین کسی اعتراض کا باعث نہیں بنتی تھی۔ اس کی بلا سے سحر رات گئے تک سوتی رہتی۔ لیکن آج نہیں۔

کمروں کا رخ سامنے ہونے کی وجہ سے دھوپ سارے صحن میں تنی ہوئی تھی۔ سورج عین سر پر چمک رہا تھا۔ بے شک سردیاں تھیں لیکن دھوپ چبھ رہی تھی۔

اور وہ دھوپ کی شدت اور تمازت سے جھلستا۔ سر جھکائے' رال ٹپکائے' صحن کے بیچوں بیچ رکھی بڑی سی چارپائی کے پائے سے زنجیر کے ساتھ بندھا بیٹھا تھا۔!!!

بے شک وہ ایک معذور اور لاچار انسان تھا۔ عقل کی حد سے کوسوں دور موسموں کی شدت محسوس نہ کر سکتا ہو۔ لیکن وہ انسان تھا۔ متاثر ہو سکتا تھا۔ جیسا کہ ابھی بھی اس کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔

اسے پسینہ آ رہا تھا۔ دھوپ نے اس کی رنگت کو سیاہ کر دیا تھا۔ کوئی بھی محسوس کر سکتا تھا اسے بے چینی ہو رہی ہے۔ لیکن۔ معمولی سی نوکرانی کیا کر سکتی تھی جبکہ مالکن اندر سکون سے سو رہی تھی۔ وہ اگر کھول بھی لیتی تو کیا پتا سزا کے طور پر اسے بھی یوں ہی باندھ دیا جاتا۔ کاش کہ سحر بی جاگ جاتیں اور اس کی سزا معاف ہو جاتی۔

٭ ٭

(باقی آئندہ)

وہ جب سے میر احمد کے سنگ بیاہ کے اس گھر میں آئی تھی تب سے ہی "سکینہ بھابھی" کے نام کی تکرار اس کے ذہن و قلب پہ سوار تھی ساس' دیور' نند مسر یہاں تک کہ اس کے شوہر نامدار بھی ہر دم سکینہ بھابی کی محبت خلوص کا دم بھرتے نظر آتے تھے ایسے میں ایک واحد زرینہ بھابی ہی تھیں جنھوں نے موقع پاتے ہی اسے خبردار کرنا ضروری سمجھا تھا۔

سمیرا غزل صدیقی

نادار رشتے

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

"دیکھو سکینہ بھابی سے دور رہنا انہوں نے خوش اخلاقی و کام کا لیبل اپنے ماتھے پہ سجا کے ہر اک کو اپنی مٹھی میں کر رکھا ہے وہ اپنے آگے تمہاری دال سسرال میں کبھی گلنے نہیں دیں گی میری مثال تمہارے سامنے ہے۔" دو دن کی دلہن نے نا سمجھی سے یہ بات سنی تھی ـــــ شادی کی اولین رات کو ہی اس کے مجازی خدا نے اسے یہ بات باور کرادی تھی۔

"میرے باپ نے بہت محنت کر کے ہمیں پالا پوسا ہے ان کا ہمیشہ احترام کرنا اور سکینہ بھابی کی طرح بن کے رہنا ان کی کبھی دل آزاری نہ کرنا۔" بس جب سے یہ بات گانٹھ کی طرح اس کے دل میں بیٹھ گئی تھی کہ چاہے جو ہو جائے وہ سسرال میں سکینہ بھابی کی جگہ لے کر رہے گی۔

میر احمد کا نمبر بہن بھائیوں میں تیسرا تھا ان سے بڑے تیمور احمد جو کہ زرینہ بھابی کے شوہر تھے اور ان سے بڑے جہانگیر احمد جو سکینہ بھابی کے شوہر تھے پھر میر احمد سے چھوٹے نواز احمد تھے اور پھر ان کی اکلوتی بہن اور گھر بھر کی لاڈلی حرا تھی۔ سکینہ بھابی کی شادی کو پانچ سال کا عرصہ ہو چکا تھا اور اس عرصے میں وہ گھر بھر کو اپنے سلیقے و خلوص سے اپنا گرویدہ کر چکی تھیں گھر کا ہر چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا فیصلہ ان کی مشاورت سے کیا جاتا صبح سے لے کر شام تک وہ سب کی خدمت میں گویا کسی مشین کی مانند خندہ پیشانی سے جتی رہتیں ان کی تین سالہ بیٹی عبیرہ گھر بھر کی لاڈلی تھی۔ اس کے بعد زرینہ بھابی تھیں جن کی شادی کو ڈیڑھ سال کا عرصہ گزرا تھا اور اس ایک سال میں ہی وہ الگ ہو کے اوپر کے پورشن میں شفٹ ہو چکی تھیں

بقول ان کے سکینہ بھابی کے ہوتے ہوئے وہ سسرال میں ایڈجسٹ نہیں کر سکتی تھیں۔ اور یہ بات انہوں نے اسما میر احمد کو بھی باور کرادی تھی یہ وہی تھیں جو دھیرے دھیرے سکینہ بھابی کے خلاف اس کے کانوں میں زہر انڈیلتی رہتی تھیں اور اسماء کسی کچی ڈور کی مانند ان کی شاطرانہ باتوں میں پھنستی چلی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے آج تمہیں اپنی ماں کی اس طرح خدمت کرتے دیکھ کے تم واقعی بہت اچھی اور معصوم ہو۔" اس رات وہ اپنی ساس فاخرہ بیگم کے پاؤں دبا رہی تھی جب میر احمد نے اس کے وہاں سے اٹھتے ہی محبت سے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی اور اس کا انگ انگ کھل سا اٹھا تھا یہی تو وہ چاہتی تھی پیار محبت سے اپنی جگہ اپنا رتبہ سکینہ بھابی سے بلند کرنا' اس وقت وہ آرام کر رہی تھیں اور وہ ساس کے پاؤں دبا کے ان کی اور اپنے میاں کی محبتیں وصول کر رہی تھی اس کی آنکھوں میں فاتحانہ سی چمک اتر آئی تھی یہ اس کی پہلی جیت تھی پھر یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا۔

کبھی وہ نند کو بیوٹی ٹپس سے نواز رہی ہوتی تو کبھی سسر اور دیور کے ساتھ سیاسی و سماجی امور پر بحث و مباحثہ کر کے انہیں اپنی صلاحیتوں و غور و فکر کا گرویدہ کر رہی ہوتی ابھی اس پہ کچن کی ذمہ داری عائد نہیں ہوئی تھی پھر جب باقاعدہ اس کی کھیر پکائی کی رسم ادا کر دی گئی تو اس نے خود کو زیادہ سے زیادہ کچن میں مصروف رکھنا ضروری سمجھا یہی تو وہ دوڑ تھی جس میں وہ ہر حال میں سکینہ بھابی سے آگے رہنا چاہتی تھی مگر اس بار اسے یہاں ناکامی کا سامنا ہوا تھا جب بھی وہ کوئی کام خود سے کرنے کی کوشش کرتی سکینہ بھابی اسے فوراً" روک دیتیں۔

"ارے تم کیوں کر رہی ہو چندا مجھے کہہ دیا ہوتا ابھی تمہارے دلہناپے کے دن ہیں تم خود کو یوں ہلکان نہ کرو انجوائے کرو۔" اسماء ان کی اعلا ظرفی کو مکاری سے تشبیہ دے کر کلس کر رہ جاتی یہاں ساس بھی سکینہ بھابی کی مزید گرویدہ ہو جاتیں۔

"اسماء بیٹا تم بہت لکی ہو کہ تمہاری بھابی تمہارا بڑی بہن کی طرح خیال رکھتی ہیں ان کی ہمیشہ قدر کرنا۔" وہ دل ہی دل میں ان کی چالاکی پر جل کے رہ جاتی مگر چہرے پہ ظاہری مسکان سجائے ساس کی تائید کرتی۔ دل و دماغ کا فساد بڑھنے لگا تھا اس پل اسے زرینہ بھابی سے ہی

اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کا خیال آیا سو وہ شام میں ہی فراغت پا کے ان کے پاس چلی آئی تھی۔

"یہ سکینہ بھابی ہمیشہ سے ایسی ہی ہیں کیا؟"

"ہاں نا اور نہیں تو کیا میں تو نا سمجھی میں ماری گئی انہوں نے کبھی میری جگہ بننے نہیں دی ہر جگہ خود ہی چھائی رہتی ہیں ہم چاہے جتنی بھی محنت کر لیں کچھ بھی کر لیں کامیابی کا کریڈٹ ہمیشہ ان کے سر ہی جاتا ہے بس اس لیے میں نے تو الگ ہونے میں ہی عافیت جانی مجھ سے نہیں سہی جاتیں ان کی یہ ناز برداریاں۔" زرینہ بھابی بھلا کہاں پیچھے رہتیں ان کی برائی میں اسماء کی ساری ہمدردیاں ان کے ہی ساتھ تھیں۔ اس نے افسوس کرتے ہوئے کمرے میں طائرانہ نگاہ دوڑائی پورا کمرہ ان کی بدسلیقگی و پھوہڑپن کا مظہر تھا زرینہ نے بے ساختہ اسماء سے نظریں چرائی تھیں۔

"ارے یہ تو علی تنگ کر کے رکھتا ہے ساری رات سونے نہیں دیتا اس لیے تھکن سے آج میں صفائی وغیرہ نہیں کر پائی تم بیٹھو میں چائے بنا کر لاتی ہوں تمہارے لیے۔" انہوں نے ننھے علی کو بیڈ پہ لٹایا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ارے نہیں بھابی رہنے دیں یہ بھی آنے والے ہوں گے میں چلوں گی بس آپ آرام کریں۔" اسماء کو انہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہ لگا۔

"جیسے تمہاری مرضی آتی رہنا اور ہاں دعا کروں گی کہ تمہارے ساتھ میری طرح نہ ہو۔" اس کا گال تھپتھپا کے وہ مسکرائی تھیں اور وہ دل پہ مزید سکینہ بھابی کے دوغلے پن کا بوجھ لیے نیچے چلی آئی جہاں صوفے پہ دراز میر احمد مسلسل بے چینی سے پہلو بدل رہے تھے۔ اسے امید نہیں تھی کہ وہ آج اتنی جلدی لوٹ آئیں گے ورنہ وہ اوپر نہ جاتی۔

"دیکھو اسماء میں نے تمہیں منع کیا تھا نہ کہ زیادہ اوپر مت جایا کرو پھر تم کیوں گئیں۔" نہ سلام نہ دعا اسے دیکھتے ہی انہوں نے فوراً" اسے ٹوکا۔

"میں تو بس بھابی کی خیریت پوچھنے گئی تھی آخر آپ کیوں منع کرتے ہیں آج بتا ہی دیں۔" اسے ان کا ٹوکنا ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔

"تم نہیں جانتیں اسماء کہ زرینہ بھابی کی وجہ سے ہمارا ہنستا بستا گھر لڑائی جھگڑوں کا گڑھ بن گیا تھا انہوں نے آتے ہی سکینہ بھابی سے بلاوجہ کا بیر پال لیا آئے دن گھر میں جھگڑے ہونے لگے تھے ان کی وجہ سے امی بہت پریشان تھیں۔ اس کا ایک ہی حل تھا کہ انہیں اوپر شفٹ کر دیا جائے انہیں اپنے رویے پر کوئی شرمندگی تک نہ تھی مجھے وہ کچھ خاص پسند نہیں۔ اس لیے میں نہیں چاہتا کہ تم جاؤ شاید امی اور سکینہ بھابی کو بھی اچھا نہ لگے۔" اپنا مدعا بیان کر کے میر احمد نے التجائیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا اور وہ کسی صورت میں بھی میر احمد یا گھر والوں کے سامنے اپنی پوزیشن خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"جیسے آپ کی مرضی آپ بیٹھیں میں چائے لاتی ہوں۔" ان کے یقین پر وہ اقرار کی مہر ثبت کر کے مسکرا کے اٹھی تھی میر احمد کے دل میں اس کے لیے عزت مزید بڑھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

کچھ دن بعد وہ لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی پہ مارننگ شو دیکھ رہی تھی جب ہی اس کے کانوں میں سکینہ بھابھی کی پریشان حال آواز آئی تھی۔

"نہیں امی میں کیسے آسکتی ہوں عبیرہ کی پڑھائی کا حرج ہو گا وہ بہت چھوٹی ہے ابھی ابھی اس کا ایڈمیشن کروایا ہے ایسے میں اس کی چھٹیاں اور مشکل کھڑی کر دیں گی اور پھر گھر کے کام وغیرہ کا بھی مسئلہ ہو گا۔" سکینہ بھابی نے اتنا کہہ کر فون بند کر دیا تو وہ ان کے قریب چلی آئی۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے بھابی اگر آپ کی امی بلا رہی ہیں تو آپ بے فکر ہو کر چلی جائیے یہاں میں ہوں نا میں سب سنبھال لوں گی آپ عبیرہ کی بھی ٹینشن نہ لیں۔" اسماء نے ان کو تسلی دی۔

"ارے چندا تم کیسے سنبھالو گی سب اور یہ عبیرہ

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

بھی تو اتنا تنگ کرتی ہے میری امی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ بس وہ ضد کرنے لگی تھیں میرا جانا اتنا ضروری بھی نہیں ہے ابھی تم ٹینشن نہ لو۔" اس کی آفر کو انہوں نے فوراً مسترد کیا تھا۔

"جانا کیوں ضروری نہیں ہے آپ جائیے ضرور جائیے اور پھر میں تو آپ کی بہن ہوں نا آپ کو اپنی بہن پہ بھروسہ نہیں اور پھر امی اور حرا بھی ہیں کوئی مسئلہ ہوگا تو مل کے دیکھ لیں گے کیوں امی صحیح کہہ رہی ہوں نا میں؟" اسماء نے کمرے سے نکلتی ساس کو بھی شریک گفتگو کرنا چاہا۔

"ہاں بیٹا تم آج ہی چلی جاؤ یہ اسماء ہے نا تم فکر نہ کرو اور اپنی امی کو میری طرف سے بھی پوچھ لینا۔" مدعا جان کر انہوں نے بھی اسماء کی تائید کی تھی نہ صرف تائید بلکہ ان کی آنکھوں میں اسماء کے لیے ستائش تھی اس سمجھداری پر۔

"ٹھیک ہے جیسے آپ لوگوں کی مرضی۔" وہ مسکراتی ہوئی تیاری کرنے چلی گئی تھیں اور اسماء نے احساس تشکر سے دل میں کلمہ پڑھا تھا۔

"اف یہ سکینہ بھابی انسان ہیں یا مشین ایک دن میں اتنا کام کیسے کر لیتی ہیں۔" رات کو دن بھر کے کاموں کی طویل فہرست سے فارغ ہو کے لیٹی تو اس نے دل ہی دل میں سکینہ بھابی کی ہمت کو داد دی تھی وہ تو کل شام ہی چلی گئی تھیں نتیجتاً" صبح سے ہی اسماء نے ان کی ڈیوٹی سنبھال لی تھی سب کی پسند کا الگ الگ ناشتا پھر ساس کے لیے پرہیزی کھانا الگ اور سب کی پسند کا مینو ترتیب دینا گھر کی صفائی ستھرائی ساس کی دوا عبیرہ کی دیکھ بھال کے چکر میں آج وہ صحیح معنوں میں تھکن چکر بن کر رہ گئی تھی اسے اس وقت شدت سے سکینہ بھابی کی یاد آ رہی تھی۔

"کیا واقعی وہ اتنا سب کچھ صرف اور صرف ویلیو بنانے کے لیے یا دکھاوے کے لیے کرتی ہیں مگر کوئی اتنا کیوں کرے گا صرف دکھاوے کے لیے۔" دل نے سوال اٹھایا تھا اور وہ سوچوں میں غرق تھی چہرے پہ تھکن کا عنصر نمایاں تھا۔

"آج تو بہت تھک گئی ہیں مادام آپ سچ میں تمہارے آنے سے بھابی کو بھی کافی آرام ہو گیا ہے ورنہ حرا کو تو اپنی لف پڑھائی سے فرصت کہاں جو وہ ان کی مدد کرواتی مگر اب مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہو رہی کہ تم نے میرا مان رکھا اتنے کم وقت میں تم نے اس گھر کو اپنا سمجھا یہاں کے طور طریقوں کو اپنایا اور گھر کی ذمہ داریوں کو سمجھا رئیلی آئی ایم پراؤڈ آف یو۔" اس کی دن بھر کی روٹین کو سراہتے ہوئے میر احمد نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"یہ تو میرا فرض ہے اور یہ گھر تو میرا اپنا ہی ہے اور رہے گا۔" دھیمے سے اپنا اقرار سونپ کے اس نے اس کے کندھے پہ سر ٹکا دیا تھا ساری تھکن پل میں کافور ہو گئی تھی اک شمع تھی بہت روشن جس کی جوت سے اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"حدیث مبارکہ کا ترجمہ ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔"

میری پیاری بہنوں ہم اچھا یا برا جو بھی عمل کرتے ہیں اس کی نیت کو دیکھ کر ہمیں اس کا اجر ملتا ہے مثال کے طور پر آپ روڈ پہ کسی معصوم و مسکین شخص کی مدد اگر صرف میڈیا یا دنیا کو دکھانے کے لیے کرتے ہیں تو ایسی نیکی کا اللہ عزوجل کی بارگاہ میں کوئی اجر نہیں جبکہ اگر آپ کے دل میں واقعی اس معصوم کی مدد کرنا مقصود ہے تو اس کا اجر اللہ عزوجل کے ہاں بے پناہ و بے حساب ہے اس لیے ہم خلوص دل سے جو بھی عمل کرتے ہیں اس کا اجر ہمیں ہماری نیتوں کے بل بوتے پر ہی ملتا ہے اور اگر ہم سب صرف اپنی نیتوں کو پاک کر لیں تو اللہ کی رحمتیں بے پناہ و بے حساب ہیں۔"

وہ جب سے برابر والی رشیدہ خالہ کے ہاں سے میلاد سے لوٹی تو معلمہ کی باتیں اس کے ذہن میں گونج رہی تھیں آنسو تھے کہ پلکوں کی باڑھ توڑ کے متواتر بہہ رہے تھے وہ کب سے ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی اپنا احتساب کر رہی تھی۔

بے شک اس نے جو کیا وہ اچھا کیا وہ خلوص سے پیش آئی سب کے ساتھ مگر اس خلوص کے پیچھے جو مقصد تھا وہ تو فقط سکینہ بھابی سے زیادہ جگہ بنانا تھا وکھلوا ہی تھا اگر اس کی نیت کا اس کے مجازی خدا اور سب گھر والوں کو علم ہو جاتا تو کیا وہ سب اس کی اسی طرح عزت کرتے جیسے ابھی کرتے ہیں کئی سوچوں نے اس کا احاطہ کیا ہوا تھا جو بھی تھا اس نے بروقت سمجھ لیا تھا اک عزم تھا جو اس نے دل میں ابھی کیا تھا اور اس عزم کے پیچھے اس کی نیت بالکل صاف و شفاف تھی ابھی تو اس نے اس رب باری تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرنا تھا کہ جس نے اسے ہدایت کی راہ دکھائی ورنہ یہ احساس رقابت حرص اس سے سب کچھ چھین لیتی۔

موتیا' بیلا' پھول' کلیاں
دیکھو یاروں شاد ہیں نا
آج تمہاری سالگرہ ہے
دیکھو ہم کو یاد ہے نا۔
جلتی شمعیں' روشن چہرے
کاسنی لڑیاں' نازک سہرے
نرگس' بیلا' موتیا' گلالا
جوہی' چمپا اور بنفشہ
ہر کوئی یاں پہ شاد ہے نا
آج تمہاری سالگرہ ہے
دیکھو ہم کو یاد ہے نا۔
ہم تو صرف دعا کو لوگ
خاک و مہر کا کیا سنجوگ
پاس رہیں یا دور رہیں
وحشت سے رنجور رہیں
محفل تو آباد ہے نا
آج تمہاری سالگرہ ہے
دیکھو ہم کو یاد ہے نا!

کارڈ پہ لکھی نظم نے اس کے لبوں پہ مسکراہٹ کے پھول بکھیر دیے تھے صبح ہی صبح گلاب و موتیے کی دلفریب مہک سے اس کی آنکھ کھلی تھی اور اس نے آنکھ کھلتے ہی اپنے سرہانے رکھے اس کارڈ کو بار بار پڑھا تھا پھر مسکرا کر پھول دیکھے تھے اسے تو خود اپنی سالگرہ یاد نہیں تھی آج سامنے ہی میر احمد کھڑے مسکرا رہے تھے۔

"آپ کو یاد تھی میری سالگرہ۔" وہ اس کے قریب آئے تو اس نے پوچھا۔

"یاد کیسے نہ ہوتی اور ویسے بھی یہ تمہاری تمہارے ہم سفر کے ہمراہ پہلی سالگرہ ہے۔" انہوں نے دھیرے سے اس کی نازک ناک دبائی تھی۔

"چلو فریش ہو جاؤ نیچے سب انتظار کر رہے ہوں گے۔" مسکراتے ہوئے انہوں نے اسے یاد دہانی کرائی تھی پھر جب وہ تیار ہو کے نیچے آئی تو دنگ رہ گئی ڈائننگ ٹیبل پہ کیک و دیگر لوازمات سجے تھے اور تمام گھر والے اس کی خوشیوں میں شریک تھے اتنا اچھا سرپرائز اسے پہلے کبھی نہ ملا تھا اسے تو ہمیشہ یہی لگا تھا کہ سسرال میں اس کی سالگرہ کسی کو یاد نہ ہوگی۔

"سالگرہ مبارک ہو چندا اللہ تمہیں ایسی ہزاروں خوشیاں نصیب کرے۔"

سب سے پہلے سکینہ بھابی پھر کیک کے بعد دیگرے تمام گھر والوں نے اسے نیک خواہشات سے نوازا تھا۔

"ارے بیٹا ہمیں تو یاد بھی نہ تھا یہ سکینہ نے ہی تمہاری سالگرہ تمہاری بہن سے پوچھ رکھی تھی۔ اسی نے سارا انتظام کیا ہے۔" سکینہ بھابی کے ہاتھوں سے بنا کیک کاٹنے کے بعد اس کی ساس نے کہا تھا۔ میر احمد سمیت وہ بھی مسکرا دی تھی۔

"شکریہ بھابی۔۔۔ آپ بہت عظیم ہیں۔" اتنے خوش گوار سرپرائز کا شکریہ ادا کرتے ہوئے وہ ان کے گلے لگی تھی اور اب۔۔۔ اس کے دل میں کوئی میل نہ تھا اس نے بے ساختہ نظر اٹھا کے اوپری منزل کی طرف دیکھا تھا جو اپنے مکینوں کے دل کی طرح ویران ہی تھا اپنی نادانی میں اگر وہ زرینہ بھابی کی باتوں میں آ جاتی تو آج یہ خوشیاں اس کا نصیب نہ ہوتیں۔

☼ ☼

عائشہ نصیر

اسے گھر واپس آئے دو دن ہوئے تھے مگر ان دو دنوں میں ہی گھر میں ہو رہے شادی کے ہنگامے اور شور و غل نے اسے اس قدر عاجز کر دیا تھا کہ اسے اپنے آنے پر پچھتاوا سا ہونے لگا تھا۔ ابھی بھی سر میں ہونے والے شدید درد کے باعث وہ اریبہ سے چائے کا کہنے اس کے کمرے کی طرف آیا تو وہاں حریم کو دیکھ کر مایوسی سے واپس پلٹنے کو تھا کہ حریم نے اسے دیکھ لیا۔

"سالار بھائی۔۔" اس نے جلدی سے اسے پکارا تھا وہ ٹھہر کر اسے دیکھنے لگا۔

"کوئی کام تھا آپ کو؟" خود پر جمی اس کی نظریں محسوس کر کے اس نے پوچھا۔

"ہاں۔۔ میں اریبہ سے چائے کا کہنے آیا تھا۔"

"ارے۔ تو میں بنا دیتی ہوں نا۔۔ آپ تو بنا بتائے ہی پلٹنے لگے تھے۔" حریم نے یہ سنتے ہی کپڑوں کا ڈھیر ایک طرف کیا جو وہ استری کر رہی تھی اور پلنگ نکل لیا۔ وہ جانتی تھی سالار اتنا با تکلف اور ریزرو انسان ہے کہ اپنے گھر میں بھی چند ایک کو چھوڑ کر کسی سے فرمائشیں نہیں کر سکتا اب اپنی بہن اور ماں سے نہیں کہہ سکتا تو بنا چائے کے رہ لے گا مگر کسی اور سے کہے گا نہیں۔

"ٹھیک ہے میں اپنے کمرے میں ہوں۔" وہ بتا کر نکل گیا تھا۔ اور تھوڑی دیر بعد جب وہ رائٹنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا ڈائری کے صفحات پلٹ رہا تھا ہلکی سی دستک دے کر وہ اندر داخل ہوئی۔ اس نے چونک کر دیکھا۔

"بابا کی طبیعت اب کیسی ہے؟" وہ چائے ٹیبل پر رکھ کر پلٹ رہی تھی جب اس کی بھاری گمبھیر آواز اس بوجھل سی فضا میں ابھری۔ وہ اپنے باپ کی طبیعت اس سے پوچھ رہا تھا اس کا مطلب تھا وہ ابھی تک ان سے نہیں ملا تھا۔

حریم نے بمشکل اپنی حیرت چہرے پر جھلکنے سے روکی۔

"ٹھیک ہیں۔" دو لفظوں میں جواب دے کر وہ دروازے کی طرف بڑھنا چاہ رہی تھی کہ اس نے اگلا سوال داغ دیا۔

"ہسپتال سے کب ڈسچارج ہوئے؟"

"تین دن پہلے۔۔ ویسے اب وہ بالکل ٹھیک ہیں اور انہوں نے شادی کے انتظامات میں حصہ لینا شروع کر دیا ہے۔" وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ وہ تایا جی کی طرف سے کسی تشویش کا شکار ہو نہ کسی قسم کے احساس جرم کا۔

"ہوں۔" اس نے ایک ہنکارا بھرا۔

"کیا وہ اس وقت اپنے کمرے میں ہوں گے؟" وہ

اپنی رسٹ واچ دیکھ رہا تھا۔

"ہاں یقیناً" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ڈاکٹرز نے انہیں زیادہ چلنے پھرنے سے منع کیا ہے۔ اس لیے وہ جب سے اسپتال سے آئے ہیں اس وقت آرام ضرور کرتے ہیں۔"

"فاریہ کی رخصتی کب ہے؟" سالار شاید پورا سوال نامہ تیار کر کے بیٹھا تھا اس قطعی غیر متعلق سوال پر حریم کو ایک بار پھر حیران ہونا پڑا۔

"کل۔"

"ٹھیک ہے تم جا سکتی ہو۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ عام سے الفاظ میں مگر حریم کو اس کا انداز گیٹ آؤٹ کہتا محسوس ہوا تھا اور وہ "فوراً" ہی ایک لمحے کی تاخیر کیے بنا باہر نکل گئی تھی۔

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

"فاریہ! تم ٹھیک سے تو بیٹھی ہو نا۔ تکیہ دوں تمہیں؟" یہ کمرہ فاریہ کا تھا اور وہ اس وقت اپنی مہندی لگوانی کزنز کے بیچ بیٹھی تھی۔ مایوں کے زرد جوڑے میں ملبوس' کچھ اداس اور مضمحل سی۔ اس کے سوال پر نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں بس۔۔۔ چائے پلا دو مجھے۔۔۔ سر میں درد ہو رہا ہے۔"

"اچھا۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ میں ابھی کسی سے کہتی ہوں۔ تم یہ تکیہ لو اور ٹیک لگا کر بیٹھ جاؤ اور ہانیہ۔۔۔ یہ مہندی کہنیوں تک لگانے کی ضرورت نہیں ہے' ویسے بھی اس کے برائیڈل ڈریس کی آستینیں فل ہیں۔" فاریہ کی پشت کے پیچھے تکیہ رکھتے ہوئے اریبہ نے ہانیہ کو تاکید کی تھی۔ آج مہندی تھی' مگر کوئی گرینڈ فنکشن نہیں تھا۔ دو دن کی تقریبات پر مشتمل یہ شادی بہت سادگی سے کی جا رہی تھی۔ ان کے یہاں ویسے بھی لڑکی کی شادی پر زیادہ دھوم دھڑکا کرنے کا رواج نہیں تھا۔ بس آج اور کل کا دن۔۔۔ لڑکے والوں کی طرف سے ولیمہ دو دن بعد تھا۔

"تو آپ یہاں ہیں' ذرا میں آپ کو پورے گھر میں ڈھونڈ رہا ہوں۔ آپ بھی ناکمال ہیں اری۔۔۔ بھابھی۔" جواد اسی لمحے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اریبہ پر نظر پڑتے ہی لہجے میں شرارت سی گھلی۔ اس کا نام ایک خاص انداز میں لیتے ہوئے وہ صوفے پر پڑا کپڑوں کا ڈھیر ہٹاتے ہوئے براجمان ہوا۔

"کیا۔۔۔ کیا کام تم نے۔۔۔ اریبہ بھابھی؟" چہرے پر کلینزنگ کرتی ایک طرف بیٹھی اس کی کزن چونکی۔

"اپنے کانوں کی صفائی کروالو۔ میں حیران ہوا تھا کہ اریبہ بھی یہاں ہے۔" اس نے فوراً "پینترا بدلا۔ اریبہ مڑ کر اسے گھورنے لگی۔

"بکواس کرنے کی تمہاری عادت جائے گی نہیں نا۔۔۔ کیوں آکر بیٹھ گئے ہو لڑکیوں کے بیچ۔۔۔ نکلو یہاں سے ورنہ ابھی چچی کو بلاتی ہوں۔" اسے غصہ آیا تھا کچھ عرصہ پہلے تک جواد کی ایسی ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ پر اس کی گلابی رنگت لو دینے لگتی تھی' مگر اب آنکھوں سے اضطراب مترشح ہو جاتا۔

"چلا جاتا ہوں بھئی۔۔۔ دھمکیاں دینے کی کیا ضرورت ہے۔" اس نے مصنوعی خفگی سے منہ پھلایا۔

"میں تو یہ کہنے آیا تھا کہ میں نے اپنا کرتا شلوار کا سوٹ آپ کو دیا تھا اگر پریس کر دیا ہو تو دے دیں۔"

"ارے وہ۔۔۔" یاد آتے ہی اریبہ نے بے اختیار ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"وہ تو میں نے حریم کو دیا تھا۔ شاید اس نے ابھی تک پریس نہیں کیا' رکو۔۔۔ میں دیکھتی ہوں۔" وہ تیزی سے باہر کی جانب لپکی تھی۔

"لو۔۔۔ یہ تو حد ہو گئی۔ یہ تو حد ہی ہو گئی۔" جواد جھلا کر رہ گیا۔

"صبر کرو بچے۔۔۔ ابھی تو پوری شام پڑی ہے۔" مہندی لگانے میں مصروف ہانیہ نے شرارت آمیز انداز میں اسے صبر کی تلقین کی تو لڑکیوں کی دبی دبی ہنسی گونج اٹھی۔

"شٹ" وہ پاؤں پٹختا باہر نکل گیا تھا۔

اریبہ حریم کو دیکھنے آئی تھی مگر کمرے کے دروازے پر ہی فرہاد کو ایستادہ دیکھ کر اس کے قدم تھم سے گئے۔ وہ باہر آتے آتے شاید کوئی بات کہنے کو رکا تھا۔ نیوی بلیو شلوار قمیص میں ملبوس ہلکی بڑھی ہوئی شیو اور اپنی بوجھل پپوٹوں والی گہری آنکھوں میں سرخی لیے وہ بہت تھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اس پر پڑنے والی ایک نظر ہی اس کے وجود کا اضمحلال سمیٹ کر لائی تھی وہ اریبہ کو سرتاپا نڈھال کر گئی۔ اس کا دل چاہا کہ جس طرح اس کی آنکھیں اس کا ایک ایک نقش چرا کر دل پر ثبت کرتی ہیں اسی طرح وہ اس کی تھکن بھی چرا لے۔ وہ اس پر ایک سرسری سی نگاہ ڈال کر اس کے پاس سے گزر گیا تھا مگر اس ایک نگاہ میں بھی اریبہ کو جو اجنبیت جو سرد مہری محسوس ہوئی اس نے اسے فریز کر کے رکھ دیا۔ وہ بڑی مشکل سے خود کو کمپوز کر کے حریم کے پاس آئی تھی۔

"تم نے جواد کے کپڑے استری کیے؟"

"نہیں۔۔۔ ابھی کر رہی ہوں۔۔۔ یہ تمہیں کیا ہوا؟" وہ اس کی صورت دیکھ کر چونکی۔

"بس ایسے ہی۔۔۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے کچھ۔" اس نے اپنے ادھ کھلے بالوں کو سمیٹا۔

"طبیعت۔۔۔ وہ تو آج کسی کی بھی ٹھیک نہیں ہے۔ فرہاد بھائی کو دیکھا تم نے' میں کلرز لینے آئے تھے کہ ان کے ذمے ابھی بہت سے کام ہیں اور وہ آرام کرنے کی عیاشی نہیں کر سکتے۔" حریم مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی۔ اسے اپنے حلق میں پھندا سا لگتا محسوس ہوا۔ اس سے اپنے آنسو چھپانے کو وہ کمرے میں بکھرا پھیلاوا سمیٹنے لگی۔

"یہ شادی بھی کسی جھمیلے سے کم نہیں ہوتی۔۔۔ یہ ہمارے گھر کی پہلی شادی ہے وہ بھی لڑکی کی۔ پھر بھی سب کا یہ حال ہے تو جب اتنے سارے لڑکوں کی شادیاں ہوں گی تب کیا ہو گا۔ مجھے تو ابھی سے ہی سوچ کر وحشت ہو رہی ہے۔" صدا کی آدم بے زار حریم کو ابھی سے فکر ہونے لگی تھی۔

"فاریہ کے لیے چائے بنانے جا رہی ہوں' تم پیو گی؟" جواد کا استری شدہ سوٹ ہینگر میں لگاتے ہوئے اریبہ اس سے پوچھنے لگی۔

"نہیں۔۔۔ ابھی سالار بھائی کے لیے چائے بناتے ہوئے میں نے اپنے لیے ایک کپ چائے نکال لی تھی۔" اس نے بتایا۔

"وہ مجھ سے تایا جی کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ شاید ابھی گئے ہوں ان سے ملنے۔" اس کا انداز سرسری تھا۔

وہ جاتے جاتے پلٹ آئی۔ "کیا واقعی۔ کیا کہہ رہے تھے تم سے۔"

"یہی کہ ان کی طبیعت اب کیسی ہے اور وہ گھر پر ہیں یا نہیں۔"

"اوہ۔" اس نے اضطراب سے پیشانی مسلی۔

"خدا کرے سب خیر رہے۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس شادی کے ختم ہونے تک ان سے ملتے۔"

"کیوں۔۔۔ تم ایسا کیوں چاہتی تھیں؟" حریم نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"جانتی تو ہو تم۔۔۔ سالار بھائی کے لیے بابا کا غصہ اور ناراضی۔۔۔ اور بھائی بھی تو ایسے ہی ہیں اپنی کہنے پر آتے ہیں تو پھر کوئی لحاظ نہیں رکھتے۔ کچھ دن پہلے کا ہوا ہنگامہ دوبارہ ہوا اس شادی والے گھر میں۔۔۔ تو بہت پرابلم ہو جائے گی۔" وہ پریشانی سے کہہ رہی تھی۔ حریم کو بھی احساس ہوا معاملے کی سنگینی کا۔

"یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔" وہ بڑبڑائی۔

"اتنے سارے مسئلوں کے بیچ یہ ایک اور ٹینشن۔۔۔ میں تو عاجز آگئی ہوں۔" تھکے ہوئے لہجے

خواتین ڈائجسٹ
دیمک زدہ محبت
قیمت -/300 روپے
صائمہ اکرم چوہدری
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

میں کہتے اس کے چہرے پر تفکر نمایاں تھا۔ حریم صرف اسے دیکھ کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

سالار ساجد تایا جی کے بڑے صاحبزادے تھے اور تھے بھی بالکل ان ہی کی طرح نہ صرف شخصیت میں بلکہ مزاج اور عادات و اطوار میں بھی۔ کچھ ضدی، کچھ حاکمیت پسند اور حد سے زیادہ پرفیکشنسٹ اور اپنے بابا کے تو وہ سب سے چہیتے بیٹے تھے اپنے ہر کام میں، ہر فیصلے میں اور کسی کو شامل کرتے نہ کرتے سالار کا مشورہ ضرور لیتے تھے اور سالار بھی اگر کسی کو سب سے زیادہ مانتے تھے تو وہ بابا ہی تھے۔ مگر مسئلہ سارا اس وقت شروع ہوا جب گھر میں واسع چچا کی بیٹی فاریہ کی رشتے کی بات چلنے لگی۔ بابا اسے بہو بنانے کے خواہشمند تھے اور انہیں یقین تھا کہ سالار بھی ان کے اس فیصلے کی عزت کرے گا۔ ویسے بھی فاریہ میں ایسی کوئی خرابی نہیں تھی کہ کوئی بھی ذی ہوش انسان اسے ٹھکرانے کی بے وقوفی کرتا۔ بے حد خوب صورت، سمجھ دار اور پڑھی لکھی فاریہ سالار کے ساتھ گھر میں پلی بڑھی تھی۔ سالار کے انکار کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

سالار پر اندھے بھروسے کے ساتھ انہوں نے چھوٹے بھائی سے بات بھی کرلی اور سالار کو تب بتایا جب وہ اپنے تئیں یہ رشتہ پکا کر چکے تھے۔ سالار بہت ہی گہرا اور متحمل مزاج انسان تھا۔ بڑی سی بڑی بات پر بھی وہ اپنے اعصاب کنٹرول میں رکھتا تھا اور اتنا پرسکون رہتا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو اور اس دن بھی اس نے اپنے تاثرات و خیالات کا اظہار صرف ایک جملے میں کیا تھا۔

"مجھے اس رشتے سے انکار ہے۔ صاف انکار۔"

بابا ساکت و جامد ہو کر رہ گئے۔ انہیں یقین نہیں آیا تھا ان کا لاڈلا بیٹا ان کے مان اور بھروسے کو اس طرح بھی ان کے منہ پر مار سکتا ہے۔ یہ صرف ایک جملہ نہیں تھا جو سالار کے منہ سے نکلا تھا۔ یہ اس کا آخری اور حتمی فیصلہ تھا جو اس نے سنایا تھا۔ اتنا تو وہ جانتے ہی تھے اپنے بیٹے کو کہ وہ کبھی وقتی جذباتیت کے تحت کوئی بات نہیں کہتا۔ وہ بنا سوچے سمجھے کبھی نہیں بولتا اور جب کچھ بولتا ہے تو پھر کبھی اس سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ وہ اسے کیسے معاف کردیتے جس نے انہیں اپنے چھوٹے بھائی سے نظریں ملانے کے لائق نہیں چھوڑا تھا۔ ان کی عزت دو کوڑی کی کردی تھی۔ انہوں نے فاریہ سے شادی نہ کرنے کی صورت میں اسے عاق کرنے کی دھمکی دے دی۔ ایسا وہ صرف اپنی انا کو قائم رکھنے کے لیے کر رہے تھے ورنہ واسع چچا نے سالار کے انکار کا سنتے ہی فاریہ کی بات اپنے دوست کے بیٹے سے طے کردی تھی۔ ویسے بھی وہ بہت سمجھدار اور سلجھے ہوئے انسان تھے اور زبردستی کے باندھے گئے رشتوں کے قائل نہیں تھے مگر یہ بات وہ اپنے بڑے بھائی کو سمجھا نہیں سکے تھے۔ ادھر سالار بھی انہی کا بیٹا تھا ان کی دھمکی میں تو نہیں آیا مگر کچھ دنوں کے لیے گھر سے دوری ضرور اختیار کرلی اور وہ ششدر رہ گئے۔

اسی دوران فاریہ کی شادی کی تاریخ بھی طے ہوگئی۔ اس کی اجازت خود انہوں نے ہی واسع چچا کو دی تھی جب وہ ان سے پوچھنے کے لیے آئے تھے مگر خود وہ اندر ہی اندر گھل رہے تھے۔ ایسے ہی ایک دن ان کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی اور انہیں اسپتال پہنچا دیا گیا۔ سالار انہیں دیکھنے اسپتال آیا تھا، مگر وہ اس سے ملے نہیں۔ ان کے ڈسچارج ہو کر آنے کے بعد وہ بھی واپس آگیا تھا۔ بابا کی حالت بگڑنے کے بعد اب اسے کچھ شرمندگی سی ہونے لگی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ فاریہ اسے ناپسند تھی یا اس کی زندگی میں کوئی اور تھا، مگر سچ تو یہ تھا کہ اس نے کبھی فاریہ کے بارے میں اس طرح سے سوچا بھی نہیں تھا اور پھر۔۔۔ سوچ بچار کے بعد اس کا فیصلہ مختلف ہو سکتا تھا، اگر اس سی صورت حال میں رشتہ طے کرنے سے پہلے بابا ایک بار اس سے پوچھ لیتے اس کے انکار کی ایک بڑی وجہ اس کا اندرونی اشتعال بھی تھا کہ کیوں اس سے پوچھے بغیر اس کی زندگی کا ایک اہم فیصلہ کرلیا گیا تھا اور اب وہ گھر تو آگیا

تھا، مگر مضطرب، بے چین اور پریشانی کی سی کیفیت میں تھا۔ اسے یہی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ ہمیشہ فرماں برداری سے ان کا ہر حکم بجالاتے ہوئے اچانک سے ان کی اتنی بڑی نافرمانی کرنے کے بعد وہ انہیں کیسے راضی کرسکتا ہے۔

☼ ☼ ☼

"میں جانتا ہوں بابا۔ آپ مجھ سے بہت ناراض ہیں اور۔۔۔ آپ کی یہ ناراضی بجا بھی ہے۔ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں آپ کی بات اس طرح رد کروں گا اور میں کبھی ایسا نہ کرتا اگر یہ فیصلہ میری زندگی کا نہ ہوتا۔ یہ کوئی ایک دو دن کی بات نہیں تھی بابا۔ ساری عمر کا معاملہ تھا اس کی بھی اور میری بھی میں کیسے اس رشتے کے لیے ہاں کہہ دیتا جس کے لیے میرے ذہن و دل بالکل بھی راضی نہیں تھے۔" وہ اس وقت ان کے سامنے بیٹھا تھا سر جھکائے دھیمے مگر مضبوط لہجے میں اپنا موقف بیان کرتے ہوئے۔

"میں نے فاریہ کے لیے کبھی اس طرح نہیں سوچا۔ وہ بہت اچھی ہے مگر اپنی پوری زندگی کسی کے ساتھ گزارنے کی میری اپنی کچھ ترجیحات ہیں۔ ایسے ان چاہے رشتے میں بندھ کر میں اپنی اور اس کی زندگی عذاب نہیں کرنا چاہتا تھا اسی لیے میں نے انکار کیا۔ میں نے کچھ غلط نہیں کیا بابا پھر بھی میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ آپ کی خفگی میرے لیے انتہائی تکلیف دہ ہے۔ پلیز میری بات سمجھنے کی کوشش کیجیے۔" اس کے لہجے میں بے بسی در آئی تھی۔ وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے نظریں کسی غیر مرئی نکتے پر جمائے بیٹھے تھے اس کی بات ختم ہونے پر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"تو تم واقعی میری ناراضی ختم کرنا چاہتے ہو۔ یہ جاننے کے باوجود کہ جو تم نے کیا وہ میرے نزدیک کسی بھی طور قابل معافی نہیں۔" وہ سپاٹ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں بابا ایسا آپ کو لگتا ہے۔ میرا جرم اتنا بھی بڑا

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

قیمت =/100 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف =/100 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- =/250 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- =/350 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آرڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32735021

نہیں کہ معاف نہ کیا جاسکے پھر بھی میں چاہتا ہوں۔" اس نے کہتے کہتے ذرا توقف کیا۔

"میں واقعی چاہتا ہوں آپ مجھے معاف کردیں۔ میرے لیے اس دنیا میں آپ سے بڑھ کر کوئی نہیں، میں بہت مشکل میں ہوں بابا۔" وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ جانچنے والی نظروں سے گویا اس کی جذباتی کیفیت کی سچائی پرکھنا چاہ رہے ہوں۔

"میں تمہیں معاف کردوں گا سالار۔ میں اپنی ناراضی ختم کروں گا۔" انہوں نے کہا تھا وہ سر اٹھا کر بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگا۔ ان کا انداز بے حد سرد تھا مگر ان کے الفاظ۔

"حریم سے شادی کرلو۔" اپنے اگلے جملے سے اسے جھنجوڑتے ہوئے وہ بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

"یہ۔۔۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بابا۔" اسے لگا اسے سننے میں کچھ غلطی ہوئی ہے۔

"یہ میری ناراضی ختم کرنے کی آخری اور قطعی شرط ہے۔" وہ اس کے رد عمل سے بے نیاز تھے دو ٹوک لہجے میں کہتے ہوئے وہ اس کے سامنے آکھڑے ہوئے۔

"اچھی طرح سوچ کر جواب دینا۔ مجھے کوئی جلدی نہیں ہے اور کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے یہ بات ضرور ذہن میں رکھنا کہ اس بار گھر چھوڑ کر جانے کا فیصلہ تمہارا تھا' اگلی بار میرا ہوگا۔ میں نہیں دیکھنا چاہوں گا اپنی کسی نافرمان اولاد کو اپنی نظروں کے سامنے اب تم میری شرط مانتے ہو یا پھر ہمیشہ کے لیے اس گھر اور اس گھر کے لوگوں سے دور ہونا چاہتے ہو۔ یہ تم پر منحصر ہے۔"

انہوں نے اسے بالکل اسی طرح حیران کردیا تھا جس طرح کچھ دنوں پہلے سالار نے انہیں کیا تھا۔ وہ کچھ نہیں کہہ پایا زبان گنگ ہوگئی تھی ذہن و دل آندھیوں کی زد میں تھے وہ ان کے کمرے سے نکل آیا کہ اب مزید ٹھہرے رہنے کی اس کی حالت ہی نہیں رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"حریم! یہاں دیکھو میری طرف۔" وہ لپ اسٹک کے شیڈز چیک کررہی تھی اریبہ کی آواز پر اس طرف دیکھنے لگی۔

"میں کیسی لگ رہی ہوں؟" وہ نروس سے انداز میں پوچھ رہی تھی۔ حریم نے سرتاپا اس کا جائزہ لیا۔ ریڈ کلر کی پشواز میں چوڑی دار پاجامے اور بڑے سے دوپٹے کے ساتھ وہ اس لمحے واقعی غضب ڈھارہی تھی۔

"تمہیں تو اچھی طرح پتا ہوتا ہے کہ تم کس لمحے کیسی لگ رہی ہو۔ یہ بات پوچھنے کے لیے تو تم نے کبھی آئینے کو بھی زحمت نہیں دی پھر مجھ سے پوچھنے کا خیال کیوں آگیا۔" حریم نے کچھ طنز بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"میری تعریف نہیں کرسکتیں تو طعنے بھی مت دو۔" وہ خفا ہوگئی۔

"ٹھیک ہے نہیں دیتی۔ اب مجھے تیار ہونے دو۔ بارات کے آنے میں کچھ ہی دیر ہے اور میں امی سے اپنی شامت نہیں بلوانا چاہتی۔" حریم نے گویا اسے باہر جانے کے لیے کہا تھا۔

"تم کتنی خود غرض ہو حریم' تمہیں میرا ذرا احساس نہیں۔"

"ارے! کیا کردیا ہے میں نے؟" وہ ہکا بکا سی ہوگئی اس کی روتی صورت دیکھ کر۔ "اب کیا میں تیار بھی نہ ہوں۔ میرے کہنے کا مطلب تھا کہ تم اتنی خوب صورت لگ رہی ہو کہ تمہیں کسی تعریفی سرٹیفکیٹ کی ضرورت نہیں سچ۔" اس کی خوب صورت آنکھوں میں آنسو دیکھ کر حریم نے جلدی سے اس کی تعریف کی۔ اسے حیرت ہورہی تھی کہ اریبہ کبھی اپنی تعریف سننے کے لیے اتنی جذباتی ہوتی تو نہیں تھی۔

وہ چند لمحے ہونٹ کاٹتی رہی پھر بھیگی آواز میں بولی۔

"میں نے تمہیں پریشان کردیا آئم سوری۔"

"نہیں پریشان تو مجھے تم لگ رہی ہو۔ میں جانتی ہوں' تم یہ بات پوچھنے کے لیے یہاں نہیں آئی تھیں۔ تمہارے دل میں کوئی اور بات ہے بتاؤ مجھے؟" حریم

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

اس کی کیفیت کچھ کچھ سمجھ گئی تھی۔ اس لیے پاس آکر نرم سے لہجے میں دریافت کیا تھا اور اس کے آنسو بہہ نکلے اس کے اس ہمدردانہ انداز پر۔

"حریم۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ فرہاد۔" امڈ آنے والے بے تحاشا آنسوؤں کے سبب اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"فرہاد بھائی نے کچھ کہا ہے تم سے۔" حریم کو حیرت کا جھٹکا لگا مگر اریبہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"میں تو چاہتی ہوں کہ وہ مجھ سے کچھ کہیں بھلے ہی مجھ پر غصہ ہوں۔ مجھ پر چلائیں مجھے برا بھلا کہیں مگر حریم وہ تو مجھے ایک نظر دیکھتے ہی نہیں۔ میں کیا کروں حریم؟ میں کیا کروں؟" وہ رو پڑی تھی۔ حریم ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں فرہاد بھائی تو ایسے ہی ہیں۔ سب جانتے ہیں ان کا مزاج اور تم بھی تو اچھی طرح جانتی تھیں نا۔" حریم نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا تو اس نے نظریں چرائی تھیں۔

"پھر بھی تم نے اپنی من مانی کی اور اب رو بھی رہی ہو۔ تمہیں تو اس کے لیے تیار رہنا چاہیے تھا۔" اریبہ تھکے تھکے سے انداز میں کرسی پر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر پہلے کیے گئے میک اپ کو آنسو پھر سے دھونے لگے تھے۔

"مجھے لگتا تھا۔ وہ مجھ سے اتنا پیار کرتے ہیں کہ۔۔۔ کہ۔۔۔ وہ کبھی مجھ سے اس طرح ناراض رہ ہی نہیں سکتے۔ وہ کبھی مجھ سے نفرت نہیں کرسکتے مگر اب مجھے احساس ہورہا ہے کہ میں غلط تھی۔ ان کے لیے تو سب سے بڑھ کر ان کی انا ہے۔ میں تو بہت بعد میں آتی ہوں۔"

"تم ان کے جذبات پرکھ رہی تھیں اریبہ۔ اور انہیں تمہارے پیار پر مان تھا۔ نہ تم نے ان کا مان رکھا اور نہ ہی اب وہ تمہیں معاف کرپارہے ہیں۔ بہتر ہوگا۔ تم سب کچھ وقت پر چھوڑ دو۔ شاید وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تمہارے لیے ان کی ناراضی ختم ہوجائے۔" وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ اریبہ نے چونک کر اسے دیکھا پھر کہنے لگی۔

"مجھے تو ریزائن کیے ہوئے بھی ایک مہینہ ہونے کو آرہا ہے۔ میرا خیال تھا کہ جب انہیں پتا چلے گا کہ میں نوکری چھوڑ چکی ہوں تو وہ مجھے معاف کردیں گے مگر۔"

"کیا تم ان سے معافی مانگنے گئیں؟" حریم نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔ وہ چپ سی رہ گئی پھر کچھ دیر بعد دھیرے سے کہا۔

"میری ہمت نہیں ہوئی کیا۔۔۔ کیا میں جاؤں ان سے معافی مانگنے؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"پتا نہیں کیا کہوں۔" وہ الجھ کر انگلیاں چٹخانے لگی۔ فرہاد کے مزاج کا تو اسے بھی صحیح اندازہ نہیں تھا۔ اس کا رعب اتنا زیادہ تھا کہ حریم نے کبھی اس کے سامنے اونچی آواز میں بات تک نہیں کی تھی۔ اریبہ سے دو سال چھوٹی ہونے کے باوجود حریم کی اس سے بہت اچھی دوستی تھی مگر آٹھ سال بڑے بے حد سنجیدہ مزاج اور کم گو سے فرہاد بھائی کے بارے میں وہ کوئی بھی بات دعوے سے نہیں کہہ سکتی تھی۔

"دس منٹ میں ہال کے لیے نکل رہے ہیں۔ اگر تب تک آپ دونوں باہر نہیں نکلیں تو پھر کوئی شکوہ مت کیجیے گا۔" جواد نے کمرے میں جھانکتے ہوئے جتنی بلند آواز میں کہا وہ دونوں ہی اچھل پڑیں۔ اریبہ نے منہ پھیر کر اپنا بھیگا چہرہ چھپایا۔

"اچھا ٹھیک ہے ہم بس آرہے ہیں۔" حریم اسے روانہ کرکے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اٹھو اریبہ چھوڑو یہ باتیں۔ فاریہ ویٹ کررہی ہوگی ہمیں اس وقت اس کے پاس ہونا چاہیے نا۔" رسان سے کہتے ہوئے اس نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ وہ ان سوچوں سے دامن چھڑاتے ہوئے ایک گہری سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

بے حد خوبصورت اور نرم و نازک سی اریبہ کو اس نے ہمیشہ اپنی بھابھی کے روپ میں دیکھا تھا اور سب سے زیادہ خوشی اسے تب ہوتی تھی جب اریبہ کو دیکھتے ہی وہ اپنے اکھڑ اور غصہ ور سے فرہاد بھائی کے آنکھوں میں دیے جلتے دیکھتی تھی ورنہ تو اسے یہی لگتا تھا کہ فرہاد بھائی جیسے سخت مزاج انسان کو پیار و محبت جیسی

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

چیزوں سے آشنائی ہی نہیں ہے۔ ابھی باضابطہ اعلان نہیں ہوا تھا مگر بڑوں کے درمیان ان کی بات بہت پہلے طے ہو چکی تھی۔ اس معاملے میں اریبہ خود کو خوش قسمت گردانتی تھی۔ محبت یکطرفہ ہو یا رسائی سے بہت دور ہو تو زندگی میں کسی دوسرے روگ کی گنجائش نہیں رہتی۔ مگر وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ جس طرح وہ اس کے عشق میں پور پور ڈوبی ہے وہ بھی اس کے لیے اپنی ذات بھلا دینے کا جذبہ رکھتا ہے۔ اس نے کبھی لفظوں میں اس بات کا اظہار نہیں کیا تھا مگر بے خیالی میں اس پر اٹھتی اس کی اک نگاہ' بے اختیاری میں پکارا گیا اس کا نام۔ اریبہ کو اقرار کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی ـــــ سب کچھ اسی طرح چلتا رہتا مگر پھر اچانک ہی ان کی اس خاموش محبت میں تلاطم برپا ہوا تھا۔ جب اریبہ ایم کام کرنے کے بعد ایک بینک میں جاب کرنا چاہ رہی تھی۔ تایا جی اکلوتی بیٹی کی خوشی میں خوش تھے۔ سالار اور عدیل کو بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔ مگر فرہاد نے یہ سنتے ہی کافی شدید ری ایکشن دیا تھا۔

"تم یہ جاب نہیں کرو گی؟" ایک شام جب وہ اسے چائے دینے آئی تھی۔ وہ اس کے سامنے آکھڑا ہوا انتہائی خراب تیوروں کے ساتھ۔ اس کے ہاتھ پیر کانپنے لگے اسے تو ویسے بھی فرہاد کے غصے سے بہت ڈر لگتا تھا اور آج تو اس کی کیفیت ہی کچھ اور تھی۔

"تم نے سنا اریبہ میں نے کیا کہا؟" اس کی خاموشی پر اس کا لہجہ مزید تند ہوا۔

"مجھے لڑکیوں کا نکلے کی نوکری کے لیے گھر سے نکلنا پسند نہیں اور تمہارا تو بالکل بھی نہیں۔ کس چیز کی کمی ہے تمہیں ایسی کون سی ضرورت ہے تمہاری جو پوری نہیں ہو رہی۔"

"بات ضرورت کی نہیں ہے فرہاد۔ یہ۔ یہ میرا شوق ہے۔" کپکپاتے لہجے میں اس نے بڑی مشکل سے کہا تھا۔

"شوق۔" اس نے طنزیہ لہجے میں دہرایا۔ "ایسے اوٹ پٹانگ شوق تم ترک ہی کر دو تو بہتر ہے۔ مجھے پسند نہیں ہے اریبہ کہ میں اپنی بات بار بار دہراؤں تمہارا یہ صبح و شام گھر سے نکلنا' مردوں کے درمیان بیٹھ کر کام کرنا۔ ان کی نظریں سہنا۔ اپنے شوق کی خاطر تم برداشت کر سکتی ہو مگر میں نہیں۔"

"آپ دقیانوس ہو رہے ہیں۔" اس میں نجانے کہاں سے اتنی ہمت آگئی کہ اس نے فرہاد کے منہ پر یہ کہہ دیا۔

"اگر میری غیرت مند سوچ کو تم دقیانوسیت کہتی ہو تو میں دقیانوسی ہی سہی۔ میری ایک بات کان کھول کر سن لو اریبہ۔" فرہاد نے اس کے قریب آکر اسے شانوں سے جکڑا۔ اریبہ کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

"تمہیں شاید اندازہ نہ ہو۔ میں اپنی چیزوں کو لے کر بہت پوزیسیو ہوں اور تم پر تو میں کسی کی میلی نظر بھی برداشت نہیں کر سکتا اسی لیے تم اپنی یہ بے وقوفانہ ضد چھوڑ دو تو اچھا ہو گا۔" اس کی بے حد گہری دہکتی بادامی آنکھیں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔ اریبہ کو اپنی سانسیں رکتی محسوس ہوئیں۔ "اگر تم نے یہ جاب کی تو میں سمجھوں گا۔ تمہاری زندگی میں میں کہیں نہیں ہوں۔ تمہارے لیے صرف تمہاری اپنی ذات اہم ہے پھر میں نہیں آؤں گا تمہارے کسی بھی معاملے کے بیچ۔"

اریبہ حیران سی اسے دیکھ رہی تھی۔ فرہاد نے اپنے ہاتھ اس کے شانوں سے ہٹا لیے تھے۔ دوسرے ہی پل وہ بھاگ کر اس کے کمرے سے نکل گئی تھی۔

اور پورے ہفتے شدید کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد جب اریبہ نے آفس میں پہلے دن جانے کے لیے کپڑے پریس کرنے کے لیے نکالے۔ حریم حیرت اور تاسف سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"تم۔ تم جا رہی ہو اریبہ بھائی کے نہ چاہنے کے باوجود۔" اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

"ہاں جا رہی ہوں۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔

"اور اپنے بھائی کا نام میرے سامنے نہ ہی لو تو بہتر ہے۔ ان کے فضول نظریات' ان کی تنگ ذہنیت کی وجہ سے میں اپنا دل نہیں مار سکتی۔ ویسے بھی یہ میرے کیریئر کا سوال ہے۔" اس لمحے اریبہ نے جذباتی پن کی انتہا کر دی تھی۔

"تمہارا دل۔ تمہارا کیریئر اور فرہاد بھائی کی جگہ کیا ہے تمہاری زندگی میں؟" حریم نے تلخی سے استفسار کیا تھا۔ اس نے جواب نہیں دیا۔

"تم بہت پچھتاؤ گی اریبہ مت کرو ایسا۔" اسے پریشانی ہونے لگی اریبہ کے اس اٹل انداز پر اور کچھ فرہاد کے ری ایکشن کا سوچ کے۔

دوسرے دن رات کے کھانے پر جب سب ہی موجود تھے۔ تایا جی نے اریبہ سے پوچھا تھا کہ اس کا آفس کا پہلا دن کیسا گزرا؟ فرہاد اس دن لیٹ آیا تھا اس لیے اسے خبر نہیں تھی کہ وہ اس کے پیار' اس کے مان کو قدموں تلے روند کر جاب جوائن کر چکی ہے۔ اسی لیے تایا جی کے اس سوال پر اس کی آنکھوں میں جتنی بے یقینی پھیلی تھی۔ اریبہ کو کچھ ہوا تھا۔ دوسرے ہی پل وہ کرسی دھکیلتا ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ سب ہی حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔ مگر وہ کچھ بھی کہے بغیر طوفانی رفتار سے ڈائننگ ایریا سے باہر نکل گیا اور اریبہ کو یوں لگا جیسے وہ اس کی زندگی سے بھی نکل گیا ہو۔

تب اسے صحیح معنوں میں احساس ہوا کہ جذبات میں آکر در حقیقت اس سے کیا غلطی سرزد ہو چکی ہے۔ حریم نے اس سے کہا تھا۔ وہ پچھتائے گی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس پر یہ وقت اتنی جلدی آنے والا ہے۔ اس نے فرہاد جیسے انسان کے دل کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ جو ہر معاملے میں بلا کا شدت پسند تھا۔ غصے میں ضد میں' انا میں محبت میں اور۔۔۔ نفرت میں بھی۔

اور اب حال یہ تھا کہ وہ اسے ایک نظر دیکھنے کا روادار نہ رہا تھا۔ اس کے انداز میں اریبہ کے لیے اتنی بیگانگی آگئی تھی کہ اس کا ہر پل سلگتے ہوئے گزرنے لگا تھا وہ اس بات کے لیے اسے قصوروار بھی نہیں ٹھہرا سکتی تھی کہ یہ سب اس کا اپنا ہی تو کیا دھرا تھا جواب اسے بھگتنا تھا۔

"اریبہ۔ کیا کر رہی ہو تم۔ باہر آکر بیٹھو نا سب کے درمیان۔"

وہ رات کے کھانے کے بعد اٹھ کر فوراً" اپنے کمرے میں چلی آئی تھی اور جب کافی دیر تک باہر نہیں نکلی تو حریم کو اسے ڈھونڈتے ہوئے اس کے کمرے تک آنا ہی پڑا "مجھے لگا تھا آجاؤ گی تم تھوڑی دیر میں۔ اسی لیے میں چائے بنانے بھی نہیں اٹھ رہی تھی۔" تیز سے لہجے میں کہتے ہوئے وہ کشن گود میں لے کر اس کے سامنے آبیٹھی۔

"تو تم نے چائے نہیں بنائی؟" اریبہ نے حیران ہو کر دریافت کیا۔

"نہیں بنا تو دی مگر فاریہ کا فون آگیا تھا۔ اس سے بات کرنے کی وجہ سے تھوڑی تاخیر کیا ہوئی کہ سب نے وہ سنائی ہیں کہ الاماں۔"

"فاریہ کیا کہہ رہی تھی' خوش تو ہے؟" اس نے پوچھا۔

"بہت۔" اس کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ "حسن بھائی بہت اچھے ہیں۔ مجھے تو یہی بتایا ہے ہنی مون پر جانے والے ہیں نا تو کہہ رہی تھی۔ شاید کل چکر لگائے گی۔۔۔ اوے۔ یہ تمہیں کیا ہوا؟" کہتے کہتے اس کی توجہ پھر سے اس نے کھینچی۔

"کچھ نہیں بس سر میں درد تھا ذرا سا۔" وہ ناخن کترنے لگی۔

حریم نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ "بس کرو اریبہ یہ بہانہ بہت پرانا ہو گیا ہے سچ سچ بتاؤ کیا ہوا ہے؟"

"میری آج کل صرف ایک ہی ٹینشن ہے اور وہ تم بھی جانتی ہو۔" اس کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ بکھر رہی تھی۔ حریم اسے دیکھتی رہی۔

"فضول میں خود کو ٹینشن دے رہی ہو اریبہ۔ مت سوچا کرو اتنا کچھ وقت گزرنے دو' سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کچھ ٹھیک نہیں ہو گا۔ جیسے جیسے وقت گزرے گا میرے لیے اس کے جذبات پر مزید گرد بیٹھتی چلی جائے گی اور پھر ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ اس کے دل میں میری کوئی جگہ بچے گی ہی نہیں۔" اس کی پلکیں بھیگنے لگی تھیں۔ حریم نے بے اختیار اس کے

ہاتھ تھامے۔ جتنی نرم و نازک اریبہ خود تھی اتنا ہی نازک و حساس اس کا دل بھی تھا۔

"تم کہو تو میں بھائی سے بات کروں؟"

"تم میں اتنی ہمت ہوگی؟" اریبہ نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "نہیں ہوگی مجھ میں بھی ہمت نہیں ہے اس سے معافی مانگنے کی۔ مجھے ڈر ہے۔ وہ مجھے کچھ ایسا نہ کہہ دے کہ میں جینے کی امید ہی چھوڑ دوں۔"

"پاگل ہوگئی ہو اریبہ۔"

وہ اس سے ہاتھ چھڑا کر کھڑی ہوگئی۔ "کیا وہ گھر پر ہے؟"

"تمہیں ان سے بات کرنی ہے؟" حریم بھی گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں چھٹکارا چاہتی ہوں اس خوف سے۔ میری برداشت جواب دے رہی ہے مجھے اس سے بات کرلینی چاہیے اب۔"

"ٹھیک ہے۔ مگر ذرا ٹھہر جاؤ۔ ابھی وہ لاؤنج میں سب کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ کمرے میں جائیں تو چلی جانا۔" حریم اس کا ہاتھ دبا کر بولی تھی اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

پھر اس کے فرہاد سے بات کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ کچھ دیر انتظار کے بعد وہ لاؤنج میں چلی آئی تھی جہاں سالار کے علاوہ سب ہی موجود تھے فرہاد جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تھا کہ تایا جی چچا جی کے ہمراہ وہاں آگئے۔

وہ دونوں کافی دیر سے چچا کے کمرے میں کسی گفتگو میں مصروف تھے۔ سب یہی سمجھ رہے تھے کہ معمول کی گپ شپ ہوگی۔ مگر جب تایا جی نے چچا جی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑے پرجوش انداز میں اپنی بات شروع کی تو وہاں موجود سب ہی لوگوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ اریبہ نے ایک نظر فرہاد پر ڈالی' اس کی پیشانی پر ناراضی و ناگواری کی سلوٹیں صاف دیکھی جاسکتی تھیں۔

"اس ہفتے کو باقاعدہ منگنی کی رسم ادا کردیں گے۔ زیادہ لوگ نہیں ہوں بس گھر ہی میں ایک چھوٹی سی تقریب رکھ لیتے ہیں۔" مسکراتے ہوئے کہتے تایا جی کے انداز سے لگ نہیں رہا تھا کہ انہوں نے یہ فیصلہ اچانک کیا ہے اور تب ہی اریبہ کو یہ احساس ہوا کہ صرف وہی بے خبر تھے ورنہ امی' چچی ان کے چہرے بھی نارمل تھے گویا انہیں پہلے سے پتا تھا۔ اس نے حریم کی تلاش میں نظریں دوڑائیں مگر وہ کہیں نہیں تھی۔ فرہاد بنا کچھ کہے انتہائی خراب موڈ کے ساتھ وہاں سے نکلا۔ چچا کے چہرے پر گھبراہٹ پھیل گئی۔

"لگتا ہے اسے اپنی رائے نہ پوچھے جانے پر غصہ ہے۔" تایا جی کے چہرے کی مسکراہٹ پل میں غائب ہوئی تھی وہ فوراً" سنجیدہ ہوگئے۔

"ہم سے غلطی ہوئی۔ وہ بڑا بھائی ہے' ہمیں اسے بھی بٹھا کر پوچھ لینا چاہیے تھا۔"

"کوئی بات نہیں بھائی جان۔ میں بعد میں خود اس سے بات کرلوں گا۔" چچا نے تسلی دی تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی بھلا۔" اس کے پاس سے گزرتے ہوئے جواد کی حیرت زدہ بڑبڑاہٹ اس نے واضح طور پر سن لی۔ کسی کے چہرے پر بھی وہ خوشی نظر نہیں آرہی تھی جو ہونی چاہیے تھی۔ سوائے تایا جی کے وہ کسی ایسے بچے کی طرح خوش نظر آرہے تھے جس کی کوئی ضد بڑی مشکلوں سے پوری ہوئی ہو۔

"یہ کیا کیا بابا آپ نے۔" وہ بے چین ہو کر وہاں سے نکل آئی۔ فرہاد سے تو بات کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جس قدر غصے میں وہ لگ رہا تھا ممکن تھا اسے سننے سے ہی انکار کردیتا اور اب تو اس کا ارادہ بھی بدل گیا تھا۔ اس وقت وہ صرف اور صرف سالار کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ دروازے پر ہونے والی ہلکی سی دستک پر اس طرف دیکھا۔

"فرہاد!" ابو دروازے میں کھڑے بغور اسے دیکھ رہے تھے۔

"آئیے ابو" اس نے ایک گہری سانس لے کر خود کو نارمل رکھنے کی کوشش کی۔

"مجھے بلا لیا ہوتا۔"

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

"نہیں۔ بات مجھے کرنی تھی تو آنا بھی مجھے ہی تھا۔ بیٹھو۔" اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ خود بھی آکر پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"میں جانتا ہوں۔ میں نے غلط کیا تم سے نہ پوچھ کر۔"

لب بھینچے قدرے تناؤ کی سی کیفیت میں اس نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔ "اگر آپ مجھ سے پوچھ لیتے تو میں کبھی اس رشتے کے حق میں رائے نہ دیتا اور شاید اسی لیے آپ نے مجھ سے پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ آپ کو اپنے بھائی کی خوشی زیادہ عزیز ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ آپ کی اولاد کیا چاہتی ہے۔" وہ بھرا بیٹھا تھا عام سے الفاظ میں سخت سا انداز لیے۔

"حریم ایک سیدھی سادی بچی ہے فرہاد۔ اس کے لیے وہی مناسب ہوگا جو ہم اس کے لیے بہتر سمجھیں گے۔" ان کے لہجے میں ہلکی سی برہمی در آئی۔

"تمہارے اعتراض کی وجہ کیا ہے۔ میں جانتا ہوں مگر۔ میں بھائی جان کے بے حد مان سے کی گئی اس خواہش کو رد نہیں کر سکتا تھا۔ اس بار وہ سالار کی رضامندی پانے کے بعد ہی میرے پاس یہ درخواست لے کر آئے ہیں۔ مجھے انکار کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ کیا کہوں میں ان سے۔ ایک بار بیٹے نے انہیں مایوس کیا تھا۔ اس بار میں کردوں۔" ان کے سنجیدہ سے لہجے میں بے بسی کی آمیزش تھی۔

"سالار کو جتنی اچھی طرح میں جانتا ہوں آپ نہیں جانتے۔ ویسے تو مجھے سو فیصد یقین ہے کہ اس بار بھی تایا نے ہی اسے اس رشتے پر ہامی بھرنے کے لیے مجبور کیا ہوگا۔ مگر بالفرض سالار اپنی دلی رضامندی کے ساتھ بھی آکر مجھ سے میری بہن کا ہاتھ مانگتا تو اپنی ایک بہن کے ٹھکرائے جانے کے بعد میں کبھی اسے اپنی دوسری بہن کا ہاتھ نہ دیتا۔" دوٹوک لہجے میں کہتے ہوئے اس کے چہرے پر چٹانوں کی سی سختی تھی' وہ اسے دیکھتے رہ گئے۔

"اور اب تو ایسا ہے بھی نہیں۔" وہ اپنی بات مکمل کرنے لگا۔ "مجبوری کے اس رشتے میں بندھ کر وہ حریم کو کیسے خوش رکھ سکتا ہے۔ آپ کو اس پر سوچنے کی ضرورت ہے۔ مجھ سے آپ کیا توقع کر رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا لیکن اگر آپ حریم کی زندگی ایک غیر یقینی صورتحال کے حوالے کرتے ہوئے سالار جیسے شخص کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ دیں گے تو مجھے اس سارے معاملے سے الگ پائیں گے۔" وہ ان پر اپنا موقف واضح کرتے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"یہ کیسی ضد ہے فرہاد۔" ان کی آنکھوں میں تحیر کی جگہ اب تاسف نے لے لی تھی۔

"یہ ضد نہیں ہے۔ بڑا بھائی ہونے کی حیثیت سے اپنی بہن کے لیے میری فکر مند سوچ ہے۔ میں صرف حریم کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں اور آپ اپنے بھائی کو ہماری سوچوں کا یہ تضاد ہمیں کبھی اس نکتے پر متفق نہیں کر سکتا۔ اسی لیے یا تو آپ میری بات مانیے یا پھر صرف اپنے من کی کیجیے۔"

"کیا فضول کی ہانک رہے ہو تم۔ تمہیں کیا لگتا ہے مجھے حریم کی خوشیوں کی کوئی پروا نہیں ہے' میں اس کا دشمن ہوں' صرف تمہیں ہی اس کی فکر ہے؟" انہیں حقیقتاً" غصہ آگیا اس کی اس بات پر۔ وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ "تم بڑے ضرور ہوگئے ہو مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میرے فیصلے یوں رد کرنے لگو۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں میرے بچوں کے لیے کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔ محض تمہاری انا کے لیے میں اپنے بھائی کو انکار کی یہ سبکی نہیں دے سکتا۔" ان کا انداز حتمی تھا۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے لب کاٹتے ہوئے بے بسی سے انہیں دیکھتا رہا۔

"تو ٹھیک ہے پھر جب میری رائے کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے تو آپ مجھ سے کہنے کیا آئے ہیں جو جی میں آئے وہ کیجیے۔ میں کچھ نہیں کہتا مگر میں آپ کے اس فیصلے میں شامل نہیں ہوں یہ بات یاد رکھیے گا۔"

خاموشی سے چند لمحے اسے دیکھتے رہنے کے بعد وہ کافی غصے بھرے انداز میں کمرے سے نکل گئے تھے۔ وہ ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

اگر تایا جی کو من مانی کرنے کی عادت تھی تو ابو کون سا کسی سے کم تھے۔ فرہاد جانتا تھا اب اگر وہ فیصلہ کر چکے تھے تو انہیں روکنا ناممکن ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"مبارک ہو آپ کو کھونٹے سے باندھنے کا بندوبست ہو گیا ہے۔" کھڑکی سے ٹیک لگائے اس کی نظریں نیم تاریک لان میں ٹہلتی حریم کے بے چین قدموں پر تھیں۔ عدیل کی آواز پر اس نے چونکے بغیر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا آپ کچھ کہیں گے نہیں؟" ہلکے سے مسکراتے ہوئے عدیل سنگل صوفے پر آبیٹھا۔

"چچا جی نے کیا کہا؟" وہ سپاٹ لہجے میں پوچھنے لگا۔

"ظاہر ہے بات پکی ہو گئی ہے۔ تب ہی تو آپ کو مبارکباد دینے آیا ہوں۔" اس نے قدرے حیرت سے جواب دیا۔ "ویسے آپ تو چھپے رستم نکلے بھائی کبھی کچھ محسوس ہی نہیں ہونے دیا۔" اس کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"اور کسی نے کچھ کہا؟" اس کی نظر ایک بار پھر چاند کی مدھم سی روشنی میں زرد لباس میں ملبوس حریم پر گئی۔

"فرہاد بھائی کچھ زیادہ خوش نہیں ہیں؟" وہ سنجیدہ ہوا بتاتے ہوئے۔

"ہونا بھی نہیں چاہیے۔" سالار دھیرے سے بڑبڑایا۔ "اور باقی سب کی کیا رائے ہے؟"

"باقی سب" عدیل نے زیرلب دہرایا۔ "آپ صاف الفاظ میں کیوں نہیں پوچھ لیتے کہ حریم نے کیا کہا؟"

"تو بتادو۔" وہ اس کی طرف مڑا۔

عدیل کی آنکھوں میں لحہ بھر کو حیرت ابھری پھر وہ کندھے جھٹکتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے ابھی اس سے پوچھا ہی نہیں گیا۔"

"کیا یہ عجیب بات نہیں ہے۔" سالار کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

"پتا نہیں مگر حریم کیا کہے گی۔ یقیناً" وہ راضی ہی ہوگی۔" عدیل کے انداز میں عجیب طرح کا فخر تھا جیسے کہہ رہا ہو۔ آپ کو بھلا کون انکار کر سکتا ہے۔

"فرہاد کیا کہتا ہے؟"

"انہوں نے کسی کی بات نہیں سنی۔ بس غصے میں نکل گئے تھے۔ ہو سکتا ہے چچا نے بعد میں ان سے بات کی ہو۔ ابھی تو وہ خاموش ہیں مگر ان کے رویے سے آپ نے بھی اندازہ لگا لیا ہوگا۔ کتنے اکھڑے اکھڑے سے تھے آج پورا دن۔"

سالار نے بے اختیار پیشانی مسلی۔ فرہاد کزن اور متوقع سالا ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا بہت اچھا دوست بھی تھا۔ مگر اب سالار کو لگ رہا تھا جیسے ان کے درمیان بننے والا یہ نیا رشتہ ان کے پہلے اور پرانے تعلق کو بہت پیچھے دھکیل دے گا۔ کسی سوچ میں الجھا وہ بے اختیار دروازے کی طرف بڑھ آیا۔

"کہیں جا رہے ہیں؟" عدیل اٹھ گیا۔

"بابا کے کمرے میں۔" وہ جواب دے کر باہر نکل آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"حریم! سو رہی ہو کہ جاگ رہی ہو۔" بھڑے ہوئے دروازے کو دھکیل کر اریبہ نے نائٹ بلب کی ہلکی سی روشنی میں اسے کمبل اوڑھے بیڈ پر دراز دیکھا تو دھیرے سے پکارا۔

"جاگ رہی ہوں آجاؤ۔"

"دیکھو تو پرسوں رات تم میرے پاس آئی تھیں اور اب مجھے تمہارے پاس آنا پڑا ہے۔" وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

حریم کے چہرے پر اضطراب نمایاں تھا پر وہ خاموش رہی۔

"خوش نہیں ہو حریم؟" اریبہ نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"پتا نہیں۔ خوش ہونا چاہیے یا فکر مند۔ وہ مجھ میں کبھی انٹرسٹڈ نہیں رہے۔ میں جانتی ہوں۔ اور خود میں نے بھی کب ان کے بارے میں اس طرح سے سوچا

WWW.PAKISTANWEB.PK

تھا۔ پھر اس رشتے کا مطلب کیا ہے اریبہ۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کچھ تلخی سے پوچھنے لگی۔

"میں نے بھائی سے بات کی تھی۔ انہوں نے خود بابا کو اپنی رضامندی دی ہے۔" اریبہ نے نظریں جھکائے دھیمے سے کہا۔

"اور یہ غیر ضروری باتیں ہیں کہ تم نے ایسا نہیں سوچا۔ وہ انڈرسٹڈ نہیں ہیں، پر شادی کسی طوفانی قسم کے عشق کا نتیجہ نہیں ہوتی ہے۔ بعض رشتے دھیرے دھیرے اپنی جگہ بناتے ہیں، جذبے کھلتے ہیں، انڈر اسٹینڈنگ ہوتی ہے اور پیار ہو جاتا ہے اور یہی مناسب بھی ہے۔ انسان نارسائی کی اذیت تو نہیں سہتا۔ جسے چاہتا ہے وہ دسترس میں ہوتا ہے بنا کسی خوف اور اندیشے کے۔" اریبہ کی گلابی رنگت کسی نامعلوم حدت سے تمتما گئی تھی۔ جھکی پلکوں میں ستارے سے سمٹ آئے تھے۔

"ہاں مگر کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ زندگی گزر جاتی ہے۔ پیار تو دور آشنائی تک نہیں ہو پاتی اور پھر سالار بھائی جیسا شخص۔ معاف کرنا اریبہ مجھے تو لگتا ہے میری عمر گزر جائے گی مگر میں کبھی ان کی قلعہ بند ذات تسخیر نہیں کر پاؤں گی۔"

"ایسا نہیں ہے حریم تم سراسر غلط سوچ رہی ہو۔ سالار بھائی اوپر سے کتنے بھی سخت مزاج نظر آئیں مگر دل کے بہت اچھے ہیں۔ جذبات کا اظہار نہ کرنا الگ بات ہے اور جذبات نہ رکھنا الگ بات۔ بھائی کی بھی یہی خرابی ہے کہ انہیں ظاہر کرنا نہیں آتا۔"

حریم نفی میں سر ہلاتے ہوئے بیڈ سے اتر آئی۔

"جانتی ہو اریبہ۔ جب انہوں نے فاریہ سے شادی سے انکار کیا تھا تو مجھے بہت برا لگا تھا۔ مگر پھر میں نے سوچا۔ یہ ان کی زندگی ہے۔ ان کی مرضی ہے۔ کسی پر زبردستی اپنے فیصلے مسلط نہیں کیے جا سکتے۔ حالانکہ فاریہ میں کوئی خرابی نہیں تھی۔ بلکہ وہ ہر طرح سے مجھ سے بڑھ کر ہی تھی تو پھر اب ایسا کیا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے ہی فیصلے کی نفی کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں استفسار کر رہی تھی۔ اریبہ نے کئی لمحے خاموشی کی نذر کر دیے۔

"فاریہ میں کوئی خرابی نہیں تھی۔ وہ بہت اچھی ہے اور مجھے یقین ہے بھائی کے انکار کی وجہ فاریہ کی کوئی شخصی کمزوری ہرگز نہیں رہی ہو گی۔ وہ اس قسم کی باتوں کو اہمیت دینے والے انسان ہیں ہی نہیں مگر تمہاری بات الگ ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ۔ اس بار وہ اپنے دل کے چاہنے پر یہ رشتہ جوڑنا چاہ رہے ہوں۔" دھیرے سے کہتے ہوئے اریبہ کی آواز آخری جملے پر مزید دھیمی ہوئی۔ حریم ایک دم سے چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ اپنی بات مکمل کر رہی تھی۔

"میں اس بارے میں زیادہ نہیں جانتی ہوں حریم۔ مگر میں تمہیں یقین دلاتی ہوں سالار بھائی اپنے فیصلے نبھانے والے شخص ہیں۔ تمہیں ان کے ساتھ کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم مجھے صرف یقین دلا سکتی ہو۔ کوئی ضمانت نہیں دے سکتیں۔ کوئی بھی نہیں دے سکتا۔" اسے جاتے ہوئے دیکھتے اس نے یاسیت سے سوچا تھا۔

☼ ☼ ☼

اتوار کی ایک سہانی سی شام میں حریم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سالار کے نام کر دیا گیا وہیں اگلے مہینے رخصتی کی ڈیٹ بھی فکس کر دی گئی۔ مگر اس بار کسی نے کوئی نعرہ اعتراض بلند کرنے کی زحمت نہیں کی۔ جب سب کچھ پہلے سے ہی ہو چکا ہو تو واویلا کرنے سے کیا حاصل۔ فرہاد تو پہلے ہی ایک جانب ہو چکا تھا۔ اس کا شادی میں شریک ہونے کا بھی کوئی ارادہ نہیں تھا۔ آفس میں اس کے ٹرانسفر آرڈر آ چکے تھے۔ اگلے ہفتے اسے لاہور میں اپنی کمپنی برانچ میں رپورٹ کرنی تھی اس ٹرانسفر کے لیے اس نے تب ہی سے کوششیں شروع کر دی تھیں جب دل کے ساتھ اس کی انا بھی مجروح ہوئی وہ

یہاں سے جانا چاہتا تھا اور اب تو اسے ایک اور جواز مل گیا تھا۔ وہ جانتا تھا یہ ٹھیک نہیں تھا مگر ٹھیک تو وہ بھی نہیں تھا کہ جب دوبارہ اس کی ذات کی نفی کی گئی تھی۔ جب اس کی، اس کی رائے کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی

تو چاہے وہ شادی میں شریک ہوتا یا نہ ہوتا کیا فرق پڑتا تھا۔ اس نے ابھی تک اس بارے میں کسی کو کچھ بتایا بھی نہیں تھا۔ خالی الذہنی کی سی کیفیت میں سب کے مسکراتے چہرے دیکھتے ہوئے وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا جب ایک مانوس، دلفریب سی مہک اس کی سانسوں میں اترتے ہی وہ چونکنے پر مجبور ہوا۔ وہ اس کے سامنے ذرا سی جھک کر کولڈ ڈرنک کا گلاس رکھ رہی تھی۔

سبز رنگ کے نفیس سے لباس نے اس کے دلکش سراپے کی رعنائیوں کو مزید اجاگر کر دیا تھا۔ ادھ کھلے بالوں کے ساتھ وہ شانوں سے ڈھلکتا آنچل سنبھالتی سیدھی ہوئی تو فرہاد کی نظریں اس کی زلفوں کے پیچ و خم میں الجھتی اس کی نظروں سے جا ٹکرائی تھیں۔ ایک بے اختیار سا تاثر تھا جس سے بندھ کر وہ سانس تک لینا بھول گیا تھا۔ کتنے ہی لمحے سرک گئے کہ اچانک ہی اطراف میں گونجتی کسی تیز آواز سے اس کے اعصاب مرتعش ہوئے تھے اس نے دفعتاً ہی نظروں کا زاویہ بدلا اور اگلے ہی پل وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ بنا اس کی طرف دیکھے وہ جس تیزی سے وہاں سے نکلا۔ پیچھے کھڑی اریبہ کو اپنا آپ خاردار تار کی باڑھ میں جکڑا محسوس ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

"فرہاد!" وہ اپنی گاڑی کا لاک کھول رہا تھا۔ سالار کی آواز پر پلٹ کر دیکھا وہ اس طرف آتا دکھائی دیا۔

"کیا حال ہیں؟ دکھائی ہی نہیں دیتے آج کل۔" اس تمہیدی جملے سے بات کا آغاز کرتے ہوئے اس کا انداز کافی دوستانہ تھا۔

پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے ہوئے فرہاد نے ایک گہری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔ اتنا تناؤ ان کے درمیان تب بھی نہیں آیا تھا جب سالار نے فاریہ سے شادی سے انکار کیا تھا۔

"ٹھیک ہوں تم سناؤ؟" وہ چاہ کر بھی اپنے لہجے میں پہلے کی سی گرمجوشی نہیں لا پایا۔ حالانکہ اب تو بہنوئی ہونے کے ناتے وہ اس کا حقدار بھی تھا۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے کیا ہم باہر کہیں چل کر بیٹھ سکتے ہیں؟" پلٹ کر ایک نظر گھر پر ڈالتے ہوئے وہ اس سے مخاطب ہوا تھا۔

اسے کچھ حیرت سی ہوئی۔ کندھے جھٹکتے ہوئے سر ہلا کر گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

"تو تم خوش نہیں ہو؟" کیفے میں اس کے سامنے بیٹھتے ہی سالار نے بڑی سنجیدگی سے سوال کیا۔ فرہاد کی نظریں ٹیبل پر تھیں۔ اس کی بات پر اس نے پہلو بدلا۔

"تمہیں اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے جب کسی اور کو نہیں پڑا۔"

"تو تمہیں ایسا لگتا ہے کہ تمہاری ناراضی سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"جہاں تک میں دیکھ رہا ہوں تو نہیں۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔

"تمہیں اس سے کیا غرض۔ خوش تو تم بھی نہیں تھے مگر نکاح کر لیا۔" فرہاد کے طنزیہ لہجے پر اس کی کشادہ پیشانی پر کئی بل پڑ گئے۔

"تم سے کس نے کہا کہ میں خوش نہیں ہوں۔" سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے سالار کا لہجہ انتہائی سنجیدہ تھا۔

"اگر اس رشتے میں میری مرضی شامل نہ ہوتی تو درحقیقت مجھے تمہاری لاتعلقی سے بھی کوئی غرض نہیں تھی جیسا کہ تم نے کہا میں دوسری بار بھی انکار کر سکتا تھا۔ کچھ باتیں ایسی ہیں جن کی وضاحت دینا مشکل ہے۔ تم سمجھ لو میرا پہلا اٹھایا گیا قدم بھی ایسی ہی ایک بے وقوفی ہے جس کی توجیہہ دوسروں کو تو کیا میں خود کو بھی نہیں دے سکتا۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔ اس کے لیے فرہاد کو یہ یقین دلانا ضروری تھا، ان دونوں کے مابین جو رشتہ بن گیا تھا وہ اتنا نازک تھا کہ ذرا سی غلط فہمی بھی برداشت کرنے کا متحمل نہیں تھا۔

"تو تم حریم سے شادی اپنی پہلی غلطی کے ازالے

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

کے طور پر کر رہے ہو؟" فرہاد کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

"نہیں ایسا نہیں ہے۔" سالار نے اس کی نظروں کی بے یقینی محسوس کرلی۔

"میں نے کہا نا۔ میرے لیے اس کی وضاحت دینا مشکل ہے۔ ہمیں پچھلی باتوں کو بھول کر آگے کا سوچنا چاہیے۔ میں نے حریم سے نکاح کیا ہے میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں اسے کبھی بھی کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔ اور میں تمہیں اس بات کا بھی یقین دلاتا ہوں کہ ایسا میں نے صرف اور صرف اپنی مرضی اور خوشی سے کیا ہے۔ میرے اس فیصلے میں کسی کی بھی کوئی زور زبردستی شامل نہیں۔"

"تم جو چاہے کہتے رہو مگر میں یہ کہتے ہوئے کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ میں اس رشتے سے' اس شادی سے بالکل بھی خوش نہیں ہوں اور نہ کبھی ہوسکتا ہوں۔ میں خوش فہمیاں پالنے والا انسان نہیں ہوں' اس لیے مجھے اس بات میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ جسے تم اب اپنی مرضی' اپنی خوشی قرار دے رہے ہو' کچھ ہی دنوں بعد اسے بھی اپنی بے وقوفی گرادنے لگو اور جسے تم نے اب اپنی بے وقوفی کہا ہے میرے نزدیک وہی تمہارا صحیح فیصلہ تھا جس پر تم اب بھی قائم رہتے تو بہتر ہوتا۔" سالار نے بات چھیڑی تھی اور فرہاد نے اسے اختتام تک پہنچایا تھا بنا کسی رعایت کے دو ٹوک اور صاف لہجے میں۔

ٹھوڑی سہلاتے ہوئے سالار کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ ابھری۔

"ٹھیک ہے۔ میں شاید اس صورت حال میں تمہیں اپنا یقین نہیں دلا سکتا۔ میرے الفاظ ہی میری ضمانت ہیں۔ میں اور کیا کہوں۔ یہ اب تمہیں آنے والا وقت خود بتادے گا۔"

"یقیناً!" استہزا سے کہتے ہوئے فرہاد اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

کھڑکی کے پاس پڑے کاؤچ پر نیم دراز وہ دھیرے دھیرے ٹانگیں ہلا رہی تھی اور قریب ہی کارپٹ پر بیٹھی پیروں کا مساج کرتی حریم نے اسے کوئی پانچویں بار ٹوکا تھا۔

"کیا کر رہی ہو یار مت کرو۔" کاؤچ سے ٹیک لگائے اس کی کوفت کی وجہ نمایاں تھی۔

"مسئلہ کیا ہے تمہارا؟" تندی سے کہتے ہوئے حریم نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔ چہرے کے اطراف میں بکھری لٹوں سے کھیلتے ہوئے اریبہ اپنی سوچوں میں اس قدر گم تھی کہ اس کا سوال بھی نہیں سنا۔

"اریبہ!" اس بار اس پکار میں تنبیہ تھی۔

"کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں۔" وہ پہلی بار چونکی۔

"پھر ایسے کیوں بیٹھی ہو گم سم سی؟"

"بس دل چاہ رہا ہے۔" وہ سادگی سے بولی۔

"چھوڑو یہ بتاؤ تم نے کلر سلیکٹ کیا؟" سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے اس نے بات بدلی تھی۔

"کہاں یار۔" حریم کے چہرے پر بے زاری بکھر گئی۔ "فاریہ کہتی ہے ریڈ کلر ٹھیک رہے گا۔ مگر وہ تو اتنا کامن ہے۔ تم بتاؤ نا میں کیا کروں؟" وہ اس سے مشورہ مانگنے لگی آج کل برائیڈل ڈریس کا کلر اس کے لیے مسئلہ بنا ہوا تھا۔

"میرے خیال میں بھی ریڈ ہی ٹھیک رہے گا آگے تمہاری مرضی۔" وہ اپنی رائے دے کر کھڑی ہو گئی۔

"اریبہ!" حریم نے کچھ سوچ کر اسے پکارا۔

"ہوں۔" دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔

"تم نے بھائی سے بات کی؟" اسے نجانے یہ پوچھنے کا کیوں خیال آیا۔ اریبہ اپنی جگہ ساکت سی ہو گئی۔

"نہیں۔" اس کی آواز دھیمی ہوئی تھی۔

"کیوں؟" حریم نے اس کی آنکھوں میں بھری نمی کو بغور دیکھا۔

"دل نہیں چاہا۔ وقت نہیں ملا۔ ہمت نہیں ہوئی۔ اب اس میں جو بھی وجہ تمہارے دل کو لگے وہی سمجھ لو۔" پلٹتے ہوئے اس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔

"جانتی ہو اریبہ۔ میں نے فیصلہ کیا اور مطمئن ہو گئی۔ نتائج کیسے بھی ہوں دو راہے پر کھڑے رہنے سے کوئی ایک راستہ چن لینا بہتر ہوتا ہے تم تو مستقل خسارے میں ہو۔ کوئی فیصلہ کرو نتائج دیکھو اور خود کو اس اذیت سے نجات دلاؤ۔ یہ مسلسل اضطراب تمہیں ختم کر رہا ہے۔" وہ تفکر بھری سنجیدگی سے کہہ رہی تھی اریبہ نے مڑ کر دیکھے بغیر ہی سر ہلایا۔

"کوشش کروں گی۔" آنسوؤں کو رخساروں پر پھسلنے سے پہلے ہی سختی سے آنکھوں کو رگڑ کر وہ باہر نکل آئی تھی۔

"اریبہ۔ کہاں ہو تم۔ کب سے آوازیں دے رہی ہوں کچھ ہوش ہے کہ نہیں شادی میں اتنے کم دن بچے ہیں ڈھیروں ڈھیر خریداری کرنی ہے اور تم لوگوں کو تو جیسے کوئی فکر ہی نہیں ہے۔" لاؤنج میں آتے ہی امی کو اسے دیکھ کر کام یاد آگئے۔ چچی بھی پاس ہی بیٹھی تھیں اور زرق برق چمکیلے ملبوسات بکھرے پڑے تھے۔ وہ پیشانی سہلاتے ہوئے تھکے تھکے انداز میں انہیں دیکھنے لگی۔

"کس کے ساتھ جائیں گے گھر پر کوئی بھی نہیں ہے آپ نے پہلے بتایا ہوتا تو عدیل کو روک لیتی۔" وہ بے زاری کی حدوں پر تھی۔

"ارے۔ کیوں کوئی نہیں ہے۔ فرہاد تو گھر پر ہی ہے۔ میں جا کر اس سے کہہ دیتی ہوں وہ لے جائے گا۔" چچی نے سنتے ہی مسئلے کا حل نکالا تھا اریبہ نے جز بز ہو کر ان کی صورت دیکھی۔

"رہنے دیں چاچی۔ کل چلے جائیں گے۔"

"کل بھی جانا پڑے گا یہ شادی کی خریداری کوئی ایک دن میں مکمل نہیں ہو جاتی۔ تم جا کر تیار ہو جاؤ میں فرہاد سے کہہ دیتی ہوں۔" چچی حکمیہ انداز میں کہتی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ ہونٹ بھینچ کر رہ گئی۔

"اریبہ۔ یہاں آؤ۔" امی نے بغور اس کا انداز دیکھا تھا۔ اریبہ آکر ان کے قریب بیٹھی۔

"کیا ہوا ہے؟ طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟" وہ کئی دنوں سے اسے الجھا ہوا محسوس کر رہی تھیں۔ بھائی کی شادی کا کوئی جوش و خروش کوئی خوشی دکھائی ہی نہیں دے رہی تھی اس کے چہرے پر۔

"نہیں۔ ٹھیک ہوں کیا ہونا ہے؟" وہ سر جھکائے انگلیاں چٹخانے لگی۔

"پھر اتنی بجھی بجھی کیوں رہنے لگی ہو۔" انہوں نے پیار سے پوچھا تھا۔

"وہم ہے آپ کا۔ کچھ نہیں ہوا مجھے۔" اس نے بمشکل دل کو سنبھالا جو امی کے ہمدردانہ لہجے پر پھر سے بھر آیا تھا۔

وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہیں پھر سر ہلایا تھا۔

"ٹھیک ہے نفیسہ اس شادی میں تمہاری اور فرہاد کی منگنی کا بھی سوچ رہی ہے۔ میں نے ان سے کہہ دیا ہے شادی کے لیے انہیں تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔ میں اپنی بچی کو اتنی جلدی وداع نہیں کرسکتی۔" وہ پیار سے اس کے بال سہلا رہی تھیں اور اریبہ ان کے انکشاف پر لرزتے وجود کے ساتھ آنکھوں میں بے یقینی لیے یک ٹک انہیں دیکھ رہی تھی۔

تو کیا فرہاد مان گیا کیا اس کی ناراضی محض ایک دکھاوا تھی۔ کیا وہ بھی اتنی ہی شدت سے اس کا منتظر تھا۔ اسے ان سے کچھ پوچھنے کی مہلت ہی نہیں ملی کیونکہ اسی وقت چچی چلی آئی تھیں اور ہمراہ وہ بھی تھا بلیک پینٹ اور گرے کلر کی شرٹ میں کف ذرا سے فولڈ کیے وہ سامنے کے صوفے پر گر سا گیا تھا۔

"کون کون جا رہا ہے؟" آنکھوں میں اضطراب کی عجیب سی کیفیت لیے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اس نے بنا کسی کو مخاطب کیے پوچھا تھا۔

"حریم اور اریبہ ہی جائیں گی۔ اٹھو بھی اریبہ۔ جا کر حریم کو بلا لاؤ تم ابھی تک یہیں بیٹھی ہو۔" چچی نے اسے ہنوز بیٹھا دیکھ کر قدرے ڈپٹا تھا وہ سوچ رہی تھی۔ فرہاد کوئی بہانہ بنا کر جانے سے انکار کرسکتا ہے' مگر وہ کتنے آرام سے مان گیا تھا۔ اس کا دل پھر سے خوش فہم ہو چلا۔

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

"میں دو گھنٹے سے زیادہ ٹائم نہیں دے پاؤں گا۔ مجھے ایک ضروری کام سے کسی سے ملنے بھی جانا ہے۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر بات کرنا چھوڑ چکا تھا۔ پتا نہیں اپنے سیل اسکرین پر نظریں جمائے اس نے یہ بات کس سے کہی تھی۔

"کاش... میں بھی تمہیں اسی طرح نظر انداز کر پاتی... جس طرح تم مجھے کرتے ہو۔" دل میں بھرتا دھواں آنکھوں تک پہنچا تھا وہ بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اور پھر اسی دن اسے اپنے ہر سوال کا جواب مل گیا۔ جب شاپنگ کے دوران اس نے مسلسل فرہاد کے سپاٹ چہرے اور سرد رویے سے اپنا ہر ایک احساس جتنا محسوس کیا۔ وہ جان گئی۔ فرہاد بے خبر ہے مگر اسے اتنی تسلی ضروری تھی۔ وہ بے گانگی برت سکتا ہے۔ ناراضی جتا سکتا ہے مگر سالوں سے ہوئے اس طے شدہ عہد کو... قلب سے جڑے اس رشتے کو نہیں توڑ سکتا۔

☼ ☼ ☼

وہ اس وقت فون پر حیدر سے اپنی رہائش کے سلسلے میں بات کر رہا تھا حیدر اس کا بہترین دوست تھا اور اسی نے لاہور میں اسے اپنے ساتھ اپارٹمنٹ شیئر کرنے کی آفر کی تھی۔ اسے کچھ دنوں تک چلے جانا تھا مگر وہ پریشان تھا کہ ابھی تک گھر میں کچھ بتا نہیں پایا تھا اور حیدر سے بات کر کے وہ ابو کے پاس جانے کا سوچ ہی رہا تھا کہ امی خود چلی آئیں۔ وہ حیران ضرور ہوا مگر ظاہر نہیں کیا۔

"فارغ ہو تو کچھ بات کرنی ہے تم سے۔" انہوں نے چھوٹتے ہی کہا تھا۔

"بولیں۔" وہ ان کے سامنے آبیٹھا۔

"شادی میں کچھ ہی دن بچے ہیں۔ سوچا پہلے سے تمہیں بتا دوں کہیں عین وقت پر کوئی فساد نہ کھڑا کر دو۔ تمہاری اکھڑ مزاجی سے تو میں ویسے ہی عاجز ہوں۔" انہوں نے بات جس انداز میں شروع کی اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"ڈانٹنے آئی ہیں مجھے۔"

"نہیں بھئی۔" انہوں نے سر ہلایا۔ "تمہارے ابو چاہ رہے ہیں شادی میں تمہاری منگنی کی رسم بھی ادا کر دی جائے۔ یہی کہنے آئی تھی۔"

"کس کے ساتھ؟" اس کے لبوں کی مسکراہٹ یکلخت غائب ہوئی۔ سپاٹ لہجے میں پوچھتے ہوئے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی چھائی تھی۔

"حد کر دی ہے فرہاد... یہ بھی کوئی پوچھنے والا سوال ہے۔ اریبہ سے اور کس سے۔" تحیر اور غصے سے کہتے ہوئے وہ بری طرح بگڑ گئیں۔

وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "تو جا کر کہہ دیں ابو سے... میں بیٹا ہوں ان کا بیٹی نہیں ہوں۔ میری زندگی کا فیصلہ وہ اپنے ہاتھ میں نہ لیں۔" اس کا لہجہ بے حد سرد تھا۔ انہوں نے بوکھلا کر اس کی صورت دیکھی۔

"کیا مطلب ہے فرہاد؟ کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں اریبہ سے منگنی کرنا چاہتا ہوں نہ شادی۔ یہ ہے میرا مطلب" اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیا تھا "ابو نے حریم کا رشتہ کرتے ہوئے مجھ سے نہیں پوچھا اگر پوچھتے تو میں اسی وقت انہیں بتا دیتا۔ میری بہن وہاں جا رہی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ان کی بیٹی کو بھی بہو بنا کر لے آئیں۔ میں ادلے بدلے کی شادی کے سخت خلاف ہوں۔ اسی لیے اب آپ میری طرف سے یہ رشتہ ختم سمجھیں۔" اس نے اپنا فیصلہ سنایا تھا اور ان کے جسم سے جیسے جان ہی نکل گئی تھی۔

"فرہاد تمہیں... تمہیں اندازہ بھی ہے۔ تم کہہ کیا رہے ہو۔ تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا۔ حریم کا رشتہ ابھی ہوا ہے۔ تمہاری بات تو سالوں پہلے طے ہو چکی ہے۔" انہوں نے جیسے اسے یاد دلانا چاہا۔

"تو یہ آپ کو سوچنا چاہیے تھا۔ نہ کرتے حریم کا رشتہ۔ قائم رہنے دیتے اس سے پہلے رشتے کو۔ ہر بار ہر فیصلہ آپ لوگوں کی مرضی کے مطابق نہیں ہو سکتا۔"

"تو اب تم ہمیں یوں سزا دو گے۔" وہ بے یقینی سے سر تھام کر بیٹھ گئیں۔

"سزا کیسی امی؟ کیا اب میں اپنی زندگی کا کوئی فیصلہ کرنے کا حق بھی نہیں رکھتا۔" وہ دھیمے سے کہتا ان کے قدموں میں آبیٹھا۔

"تمہارے ابو تو فاریہ کا رشتہ بھی سالار سے کرنے والے تھے تب تو تم نے یہ ادلے بدلے والی بات نہیں نکالی تھی۔" انہیں جیسے اچانک ہی کچھ یاد آیا تو تلخ لہجے میں پوچھا۔

"پہلی بات تو یہ کہ تایا جی نے صرف ابو سے بات کی تھی اور ابو نے اس وقت بھی مجھے اتنا ہی لاعلم رکھا تھا جتنا کہ اب رکھا۔ اور جب مجھے پتہ چلا تو اس سے پہلے کہ میں کوئی اعتراض کرتا۔ سالار میری بہن کو ریجیکٹ کر کے چلا گیا۔" اس کے لہجے میں عجیب سی کاٹ اتری تھی۔ وہ ششدر ہو کر اسے دیکھ رہی تھیں۔

"تو تم بدلہ لے رہے ہو؟"

"کیسا بدلہ! میں نے کہا نا میں وٹہ سٹہ نہیں چاہتا۔ بس اتنی سی بات ہے۔" وہ سر جھٹکتے ہوئے بولا۔

"یہ اتنی سی بات نہیں ہے فرہاد۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ کیسے بتاؤں گی میں انہیں جا کر۔ کتنا بڑا طوفان اٹھے گا۔ مت کرو بیٹا۔ اتنے سخت مت بنو۔ یہ غصہ یہ ضد انسان کو تباہ کر دیتا ہے۔" وہ منت بھرے لہجے میں گویا تھیں۔

"اریبہ بہت اچھی ہے امی۔ اسے کوئی بھی اچھا لڑکا مل جائے گا۔ وہ لوگ خفا تو ہو سکتے ہیں مگر کنارہ کش نہیں۔ ہم بھی نہیں ہوئے تھے۔ ہم نے تو خوشی خوشی دوسری بیٹی بھی پیش کر دی۔ ہماری اس اعلا ظرفی کی وہ اتنی قدر تو کر ہی سکتے ہیں۔" اس کے بھاری لہجے میں تلخی بھی تھی طنز بھی تھا اور تاسف بھی۔ "تمہارے ابو تمہیں کبھی معاف نہیں کریں گے۔" امی اسے خبردار کرنا چاہ رہی تھیں۔ "کر دیں گے۔ جب اریبہ کی شادی کسی اچھی جگہ ہو جائے گی تو سب لوگ... سب کچھ بھول جائیں گے۔" دانت پر دانت جمائے اس کا اندرونی انتشار جیسے اسے توڑنے کے درپے تھا۔ کنپٹیاں سہلاتا وہ کھڑکی میں آکھڑا ہوا۔

"تف ہے تم پر فرہاد احمد جس پر کسی غیر کی نظر بھی گوارا نہیں تھی اسے خود ہی کسی اور کے حوالے کرنے کی بات کر رہے ہو۔ کیا یہی ہے تمہاری نام نہاد غیرت۔"

اس کا ضمیر اس پر قہقہہ لگا رہا تھا اور دل نے کسی کونے میں منہ چھپا لیا تھا۔

"میرا ٹرانسفر لاہور ہو گیا ہے۔ اگلے ہفتے تک میں وہاں چلا جاؤں گا۔" قدرے توقف سے اس نے انہیں اطلاع دی تھی۔ وہ ایک بار پھر حیران ہو کر اس کی صورت تکنے پر مجبور ہو گئیں۔

"میں آپ لوگوں کو پہلے بتانا چاہتا تھا مگر موقع نہیں ملا۔ میری رہائش کا بندوبست بھی ہو گیا ہے ہفتے کو میری روانگی ہے۔" وہ بے تاثر لہجے میں بتا رہا تھا۔

"اب بھی بتانے کی کیا ضرورت تھی فرہاد جا کر اطلاع دے دیتے۔" وہ بے پناہ صدمے میں آگئی تھیں۔ اس نے نظریں چرائیں۔

"کہا نا موقع نہیں ملا۔"

"موقع نہیں ملا یا بتانا ہی نہیں چاہتے تھے۔ ہمیں کس بات کی سزا دے رہے ہو فرہاد آخر کوئی وجہ بھی تو ہو۔ ہمارا نہیں تو اپنی بہن کا ہی کچھ خیال کر لیا ہوتا۔"

"میں شادی پر آنے کی کوشش کروں گا۔" اس کے کھوکھلے لہجے میں کہے گئے اس جھوٹے بہانے پر وہ کچھ نہیں کہہ پائیں۔

"حریم سے تم خود بات کرو گے اور اپنے باپ کو بھی خود ہی بتاؤ گے اپنا انکار اپنا اعتراض، اپنا جانا اور جانے کی وجہ بھی۔" ناراض سے لہجے میں قطعی انداز اپناتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ فرہاد انہیں دیکھ کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

گھر میں طوفان نہیں آیا تھا بلکہ سب کے حواس و اعصاب سکتے میں آگئے تھے۔ برہمی و ناراضی تو دور

کوئی احتجاج کا ایک لفظ تک نہیں کہہ پایا تھا۔ فرہاد نے اس کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی تھی۔ اس نے اپنا انکار' اپنا موقف کچھ ایسے بیان کیا تھا کہ ان کے لبوں پر قفل پڑ گئے تھے اور جب ابو نے کچھ کہنے کی کوشش کی تو تایا جی نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔

"نہیں واسع اگر فرہاد یہ رشتہ نہیں چاہتا تو ہم زبردستی نہیں کریں گے۔"

"کمال ہے آپ بھی ایسا سوچ سکتے ہیں۔" کب سے خاموش بیٹھے سالار نے اندر ہی اندر کھولتے ایک تلخ نگاہ ان پر ڈالی تھی۔

"لیکن بھائی رشتے غیروں میں مسئلہ بنتا ہے اپنوں میں نہیں۔ بلکہ ہمارے ذہنوں میں تو دور دور تک ایسی کوئی بات تھی بھی نہیں۔" وہ سخت شرمندہ تھے۔ وہ چاروں ہی اس وقت اسٹڈی روم میں بیٹھے تھے۔ تایا نے فرہاد کے انکار کا پتا چلتے ہی اس سے روبرو بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ مگر پچھلے ایک گھنٹے سے جاری ان کی اس بات چیت کا کوئی نتیجہ نہیں نکل سکا تھا۔

"میرے ذہن میں تھی اور میں نے اس لیے آپ کو حریم کا رشتہ کرنے سے منع کیا تھا۔" فرہاد نے واضح الفاظ میں جتایا۔ ان کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔

سالار بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اتنا تو وہ اب تک سمجھ ہی چکا تھا کہ فرہاد یہ سب رد عمل کے طور پر کر رہا ہے اور اب اس نے خود ہی اس بات کا اعتراف بھی کر لیا تھا۔ فرہاد مصلحتاً بھی جھوٹ کا سہارا لینے کا قائل نہیں تھا۔

بابا کے ستے ہوئے چہرے پر ایک نظر ڈال کر وہ تیزی سے باہر نکل آیا تھا۔

شدید دکھ اور بے بسی سے اس کا رواں رواں سلگ رہا تھا۔ فرہاد نے پینترا ایسے وقت میں بدلا تھا جب شادی بالکل سر پر آ گئی تھی اور اس کے ہاتھ بندھ گئے تھے۔ اگر وہ پہلے سے ذرا سا اشارہ بھی کر دیتا تو سالار نتائج کی پروا کیے بغیر خود ہی اس شادی سے انکار کر دیتا۔ اسے اندازہ تھا کہ قلبی تعلق نہ بھی ہو تو بھی بدلتوں سے طے اس رشتے نے اریبہ کے ذہن و دل پر انمٹ نقوش چھوڑے ہوں گے اس کی تکلیف کا عالم کیا ہو گا۔ وہ کس ذہنی اذیت سے گزر رہی ہو گی اس کے لیے یہی سوچ سوہان روح تھی۔

اس وقت بھی اسٹڈی روم سے نکل کر وہ اس کے پاس جانے کا سوچ رہا تھا کہ حریم کو اس کے کمرے کی طرف بڑھتا دیکھ کر اپنی جگہ رک گیا۔ جب سے شادی کے دن قریب آئے تھے وہ اس کے سامنے آنے سے کترانے لگی تھی۔ اب بھی نجانے کتنے دنوں بعد ان کا آمنا سامنا ہوا تھا۔ ٹی پنک کلر کے لباس میں اس کے گلابی روپ پر اضمحلال کا رنگ نمایاں تھا۔ وہ اسے دیکھ کر کچھ حیران سی نظر آئی مگر اگلے ہی پل نظروں کا زاویہ بدلتے ہوئے وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی اور سالار ایک گہری سانس بھرتا پھر سے پلٹ گیا۔

☼ ☼ ☼
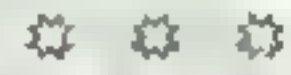
وہ کل رات اس کے کمرے میں آئی تھی۔ اپنی حالت' اپنے حال سے بے پروا دیوانوں کی طرح اس کے انکار کا سنتے ہی وہ اپنا نسوانی غرور' اپنی انا' اپنی عزت نفس اس کے قدموں میں ڈال کر اس سے اپنی محبت کی بھیک مانگ رہی تھی اور فرہاد ششدر سا اسے دیکھ رہا تھا۔

"ایسا مت کرو خدا کے لیے ایسا مت کرو۔ میری ایک غلطی کی مجھے اتنی بڑی سزا مت دو۔ میں مر جاؤں گی فرہاد میں سچ مچ مر جاؤں گی۔" وہ رو پڑی تھی۔ اس کا نازک وجود ہچکیوں سے لرز رہا تھا۔ اس کے بھیگے تمتماتے چہرے کو دیکھتے ہوئے فرہاد نے بے اختیار اسے شانوں سے تھاما۔

"ریلیکس ہو جاؤ اریبہ!" بھاری لہجے میں کہتے ہوئے اسے اپنی بے اختیاری کا احساس ہوا تو فوراً" اس کے شانوں سے ہاتھ ہٹا کر پشت پر باندھ لیے۔ وہ اس کی تھی اس کے سامنے کھڑی تھی مگر اس نے خود ہی اپنے حق سے دستبرداری منظور کر لی تھی۔ خود ہی دھڑکنوں کا دل کا منقسم ہونا گوارا کر لیا تھا۔

"میں نہیں ہو سکتی ریلیکس' میں کیسے ریلیکس ہو جاؤں۔" وہ چلائی تھی۔

"کیا میرا قصور واقعی اتنا بڑا ہے۔ ایسا بھی کیا کر دیا ہے میں نے کہ تم مجھے اپنی زندگی سے نکالنے پر تل گئے ہو۔ بولو!"

"اریبہ!" دبے دبے تنبیہی لہجے میں کہتے ہوئے اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔ اس کی بلند آواز سب کو ہی اس جانب متوجہ کر دیتی۔

"کیوں کر رہے ہو میرے ساتھ یہ سب۔" اس کی ٹانگیں بے جان ہوئی تھیں وہ روتی ہوئی وہیں بیٹھ گئی۔ ان لمحات میں فرہاد کو اپنے ضبط کی طنابیں چھوٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس کے قریب پنجوں کے بل بیٹھتے ہوئے اس نے بہت دھیرے سے اسے پکارا۔

"اریبہ میری بات سنو میں تمہیں کوئی سزا نہیں دے رہا۔ یہ میرا ایک ذاتی فیصلہ ہے۔ ایک ایسا فیصلہ جس میں تم سمیت سب ہی کی بہتری ہے۔ میں تمہیں اپنی زندگی سے نہیں نکال رہا مگر میں تمہیں اپنی زندگی میں شامل بھی نہیں کر سکتا۔" فرہاد جانتا تھا وہ کوئی بھی وجہ دیتا' کوئی بھی سبب تراشتا اس کی ہر بات اریبہ کے لیے بے معنی ہی تھی۔

"کیوں؟ کیوں؟" اس کی سمت نگاہیں اٹھاتے اس کے دھیمے لہجے میں بے بسی ہی بے بسی تھی۔

"تم کہتے ہو تم مجھ سے ناراض نہیں ہو۔ تم نے مجھ سے بات کرنا چھوڑ دیا ہے' مجھے دیکھنا چھوڑ دیا ہے۔ میں نے تمہاری بات نہیں مانی تھی۔ میں مانتی ہوں میں نے تمہیں بہت ہرٹ کیا ہے۔ مجھے اس کا بھی اعتراف ہے مگر پھر میں نے تمہارے لیے ریزائن بھی کر دیا۔ میں نے کئی بار تم سے معافی مانگنے کی کوشش بھی۔"

"مگر تم نے مجھے میری اوقات تو یاد دلا دی نا۔" اس کے لبوں پر بے ساختہ یہ شکوہ مچلا تھا۔ اریبہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ٹھیک ہے تم میرے ساتھ جیسا چاہے سلوک کرو۔ مجھے جو سزا دینی ہے دے لو۔ میں اف تک نہیں کروں گی مگر مجھے ایسے چھوڑ کر مت جاؤ مجھے اپنی زندگی سے مت نکالو فرہاد۔ مجھے اپنے پاس رہنے دو میرے ساتھ رہو۔" گلوگیر لہجے میں منت کرتے ہوئے وہ اس کے سارے ارادے متزلزل کرنے لگی تھی۔ وہ اس کے جذبوں سے آگاہ تھا مگر ان جذبوں کی شدت اور تڑپ اس پر آج آشکار ہوئی تھی۔ ورنہ کچھ عرصے پہلے اریبہ نے جس طرح اسے درخور اعتنانہ جانتے ہوئے اپنی من مانی کی تھی۔ اسے لگنے لگا تھا۔ وہ اس کے لیے کچھ بھی نہیں ہے اس راہ شوق میں وہ اکیلا ہے۔ اسے اکیلے چلنا ہے اور اکیلے ہی جلنا ہے۔ مگر اب سنجیدہ اور کم گو سی اریبہ کو یوں روتے بلکتے دیکھ کر اس پر فہم و ادراک کے عجیب ہی در وا ہو رہے تھے۔

"میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتا اریبہ! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو ہمارا رشتہ اب پہلے جیسا نہیں رہا۔ میری بہن تمہارے گھر آ رہی ہے اور کچھ پتا نہیں کہ اس کی آگے کی زندگی کیسی ہو گی۔ اس کی خوشیوں کی میرے پاس کوئی گارنٹی نہیں ہے۔ بہت ممکن ہے ایسی صورت حال میں میں خالصتاً" اس کا بھائی بن کر سوچنے لگوں۔ میں بھول جاؤں اپنا اور تمہارا رشتہ' مجھے صرف اپنی بہن یاد رہے بتاؤ سہہ پاؤ گی! رہ لو گی ایک بدلے ہوئے فرہاد کے ساتھ؟" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے تلخی سے پوچھنے لگا۔

"ہاں رہ لوں گی۔" اس نے جواب دینے میں لمحہ بھر کی بھی دیر نہیں کی۔ "مجھے ہر حال میں رہنا قبول ہے مگر صرف تمہارے ساتھ۔ تمہارے نزدیک' تمہارا مجھے چھوڑ کر جانا میری بھلائی ہے تو مت کرو میرے ساتھ ایسی بھلائی۔ تم مجھے جیسا رکھو گے میں رہوں گی۔ لیکن۔۔۔ لیکن اگر۔۔۔ تم نے مجھے چھوڑنے کی کوشش کی تو میں نہیں رہ پاؤں گی فرہاد میں واقعی نہیں جی پاؤں گی۔"

"یہ کیا پاگل پن ہے اریبہ۔" وہ جھنجلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ پاگل پن ہے تو پاگل پن ہی سہی۔ تم اپنے یہ جھوٹے بہانے مجھے مت سناؤ میں بے وقوف بننے والی

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

نہیں ہوں۔" اس کی آواز پھر سے بلند ہوئی تھی۔

"میرا فیصلہ نہیں بدلے گا اریبہ جاؤ یہاں سے۔" سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے وہ بالآخر سخت انداز اپنانے پر مجبور ہوا۔ اریبہ کی آنکھوں میں بے یقینی ابھری ہے۔ کچھ دیر یونہی اس کی سمت دیکھتے رہنے کے بعد وہ اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"ٹھیک ہے مگر مجھے صرف اتنا بتادو تم مجھے چاہتے ہو یا نہیں؟"

"نہیں۔" اس نے بنا ہچکچائے جواب دیا تھا۔

"میری قسم کھا کر کہو۔" اس کی حالت بکھرتی جارہی تھی۔

"جاؤ۔" اس نے ان سنا کرتے ہوئے آگر دروازہ کھولا تھا۔ اریبہ کے چہرے پر زلزلے کے سے آثار نمودار ہوئے۔

"تم ٹھیک نہیں کررہے فرہاد تمہیں پچھتانا پڑے گا۔ میرے مان' میری محبت کو ٹھوکروں میں اڑا کر تم کبھی خوش نہیں رہو گے مجھے نامراد لوٹا کر تمہیں بھی کبھی چین نصیب نہیں ہوگا۔ تم تڑپو گے۔ بہت پچھتاؤ گے مگر میں تمہیں ملوں گی یاد رکھنا۔ میں تمہیں کبھی نہیں ملوں گی۔" بنا لب کھولے اس کی لہو رنگ آنکھوں نے جو اس سے کہا تھا۔ فرہاد کو اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے تھے۔

وہ اس کے پہلو سے ہو کر باہر نکل گئی تھی۔ وہ دروازہ بند کرکے بیڈ پر گر سا گیا۔

"تم نے کر دکھایا فرہاد تم فاتح ٹھہرے ورنہ کون ہوگا ایسا جو اپنی انا کی خاطر اپنی زندگی ہار دے۔ تم واقعی مبارکباد کے مستحق ہو کیونکہ ایسا صرف تم ہی کرسکتے ہو۔" کمرے کے در و دیوار جیسے اس پر ہنس رہے تھے اور اس کے اندر تک ویرانیاں' خاموشیاں اور وحشتیں پھیلتی جارہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

وہ بھولتا نہیں تھا اس کی یہی بڑی خرابی تھی۔ اس کی زندگی میں بہت سے اتار چڑھاؤ آئے مگر اسے وہ کٹھنائیاں اور ان کٹھنائیوں کا سبب بننے والے لوگ زیادہ شدت سے یاد رہتے تھے۔ نسبت خوشگوار یادوں کے' اس نے اریبہ کو چاہنا شروع کیا تو اسے ادراک ہوا کہ اس کی فطرت میں تو تسلط پسندی بھی ہے' شدت پسندی بھی اور خود سے وابستہ ہر چیز کو صرف خود ہی تک محدود رکھنے کی عادت بھی۔ یہ اس کی خوش قسمتی ہی تھی کہ اس کی خواہش منہ سے نکلنے سے پہلے ہی اریبہ اس کی کردی گئی۔ مگر اس کی حساسیت میں پھر بھی کوئی کمی نہیں آئی اور جب اس کے جاب کرنے پر ان دونوں کے درمیان تلخی پیدا ہوئی تب بھی یہ یقین اس کی ڈھال بنا رہا کہ وہ اس کے مان' اس کے بھروسے کو روند کر نہیں جاسکتی۔ مگر اس کا یہ یقین بہت بری طرح ٹوٹا تھا۔ اپنی ذات سے آگے کسی اور کو نہ دیکھنے کی' صرف اپنا فیصلہ سنانے کی اس بار اس نے بہت بڑی قیمت چکائی تھی۔ اور یہ سب کیا بھی کس نے جسے وہ اپنی زندگی' اپنی ذات کا اٹوٹ حصہ مان چکا تھا ابھی دل میں یہ آگ سلگ ہی رہی تھی کہ سالار کے فاریہ کو ریجیکٹ کرنے اور پھر تایا جی کے حریم کا رشتہ مانگنے نے جیسے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ اس کی چوٹ کھائی انا پر ایک اور کاری وار' یہ اس کے ضبط کی آخری حد تھی۔ ہتک اور توہین کے احساس نے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی سلب کروالی تھی۔

ایسا کیوں تھا کہ ہر بار انہیں ہی جھکنا پڑتا تھا۔ تایا جی اپنے فیصلے' اپنے احکامات صرف اپنی اولاد تک محدود رکھتے تو ٹھیک بھی تھا۔ ان کے گھر ان کی زندگیوں پر اثر انداز ہونے کا حق انہیں کس نے دیا؟ کیا ان کی کوئی عزت نفس نہیں تھی؟ کیا وہ اتنے گرے پڑے تھے کہ لوگوں کا جب جی چاہتا قبول کرلیتے جب جی چاہتا ریجیکٹ کردیتے۔ یہ اس کے اندر کا غم و غصہ ہی تھا جس نے اسے تایا جی کو آئینہ دکھانے پر اکسایا تھا۔ وہ تایا جی کو بتانا چاہتا تھا کہ ان کا ہر حکم حرف آخر کا درجہ نہیں رکھتا۔ وہ انسان ہیں اور انسانوں کو سب کچھ سہنا پڑتا ہے۔ اریبہ سے محبت اپنی جگہ مگر اس کی ایک نادانی اور اس کے باپ اور بھائی سے وابستہ ان دیگر

محرکات نے اسے جو فیصلہ کرنے پر مجبور کیا تھا اب اس سے پیچھے ہٹنا خود اس کے لیے بھی ناممکن ہوگیا تھا۔

☼ ☼ ☼

حریم کو شدید قسم کا غصہ تھا۔ وہ اتنی ناراض تھی کہ فرہاد سے بات بھی نہیں کرنا چاہ رہی تھی مگر جس وقت فرہاد کی روانگی تھی وہ خود اس کے کمرے تک چلا آیا تھا رخصت لینے۔

"میری بہن مجھ سے ناراض ہے۔" اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے جس انداز میں کہا حریم کی پلکیں بھیگتی چلی گئیں۔

"کیا نہیں ہونا چاہیے؟" تلخی سے پوچھتے ہوئے حریم نے اس کی سمت دیکھا۔

"فکر مت کرو حریم میں تمہیں رخصت کرنے ضرور آؤں گا۔" بدقت مسکراتے ہوئے وہ اس کے سامنے آبیٹھا۔ "اور اگر نہ آپایا تو... جواد تو ہے ہی۔"

"آپ نہیں آئیں گے میں جانتی ہوں۔" آنسو اس کے رخساروں پر ڈھلک آئے۔

"اس لیے کم از کم مجھے تو یہ جھوٹے بہلاوے مت ہی دیجیے۔" اس نے کبھی فرہاد سے ایسی بات نہیں کی تھی مگر اب دل جتنا افسردہ تھا اسے اپنی کہی ہر بات' اپنا سخت انداز حق بجانب لگ رہا تھا۔ "محض دو ہفتے بعد آپ اس طرح سے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جارہے ہیں۔ میرا نہ سہی ابو کے بارے میں ہی سوچ لیتے انہیں اکیلا کررہے ہیں آپ۔"

"ابو اکیلے نہیں ہیں حریم ان کا بھائی ہے ان کے ساتھ' بھتیجے ہیں۔ میری تو شاید کبھی انہیں ضرورت ہی نہیں تھی۔" اس کا لہجہ دھیما پڑا تھا۔

حریم نے تاسف سے اس کے چہرے پر چھائی تلخی دیکھی۔ "تو اس سب میں میرا کیا قصور ہے۔ آپ میری شادی چھوڑ کر نہیں جارہے بھائی' آپ مجھ سے تعلق توڑ کر جارہے ہیں۔ آپ نے ٹھان لی ہے آپ سوچ چکے ہیں آپ کی صرف ایک ہی بہن ہے۔"

"ایسا نہیں ہے۔" وہ تیزی سے بول اٹھا۔

"تو پھر کیا ہے؟" وہ رونے لگی۔ "میں نہیں جانتی آپ دونوں کے بیچ کیا مسئلہ ہے مگر آپ جانتے ہیں نا یہ شادی مجھ سے پوچھ کر' میرے چاہنے پر نہیں ہورہی پھر آپ مجھے کس بات کی سزا دے رہے ہیں۔ جو شخص آپ کے لیے اتنا ناپسندیدہ ہے تو آپ آئندہ بھی اس سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے اور جب اس سے نہیں رکھیں گے تو مجھ سے کیسے رکھ سکتے ہیں۔ میں بھی تو اس کی زندگی کا حصہ بننے جارہی ہوں نا۔"

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ میرے اور سالار کے بیچ میں کوئی مسئلہ نہیں ہے میرا ٹرانسفر کمپنی کی جانب سے ہوا ہے اور میرا جانا ضروری ہے حریم۔ تم میری سب سے پیاری بہن ہو میں تمہیں چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔" فرہاد کے لیے اسے بہلانا مشکل ہونے لگا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے سر ہلا کر آنسو صاف کیے۔ "آپ میری شادی میں شریک مت ہوں مگر اپنا دوسرا فیصلہ واپس لے لیجیے۔"

"کون سا فیصلہ؟" وہ ایک دم سے چونک گیا۔

"آپ جانتے ہیں۔"

"میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا حریم۔" اس کی ان کہی بات کو سمجھتے ہی فرہاد کا انداز یکایک ہی بدل گیا اور وہ اس کے دوٹوک لہجے پر اسے دیکھتی رہ گئی۔

"مجھے دیر ہورہی ہے اپنا خیال رکھنا۔ میں تمہیں فون کرتا رہوں گا بلکہ کوشش کروں گا شادی میں آجاؤں۔" اس نے مزید اسے کچھ کہنے کی مہلت دیے بغیر ہی اٹھتے ہوئے الوداعی کلمات کہے تھے۔ حریم بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔

"اریبہ سچ کہتی ہے آپ کو کبھی اس کی محبت کی قدر نہیں ہوسکتی۔"

فرہاد نے اسے ساتھ لگا کر اس کے سر پر بوسہ دیا اور وہ ایک بار پھر خود پر اختیار کھو بیٹھی تھی۔

وہ دونوں ایک ساتھ باہر آئے تھے۔ امی' جواد اور عدیل سمیت تائی بھی وہاں موجود تھیں۔ وہ مرکزی

دروازے کے قریب پہنچا تو سیڑھیاں اترتی اریبہ نے اس کے قدموں کو ساکت کردیا تھا۔ اس کا خیال تھا وہ نہیں آئے گی مگر براؤن کلر کے لباس میں ستا ہوا چہرہ لیے شاید اس پر ترس کھا کر چلی آئی تھی۔

"شادی میں تو آؤ گے نا فرہاد۔" سب سے ملتے ہوئے تائی جی کے اس سوال پر وہ قدرے ٹھٹکا۔

"شاید۔" زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر لاتے ہوئے اس کے لب ذرا سے ہلے تھے۔

"آپ لوگوں کو باہر تک آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہیں سے خدا حافظ کہہ دیں۔" مسکرا کر انہیں منع کرتے ہوئے وہ جواد کی ہمراہی میں باہر نکل آیا۔ پورچ میں کھڑی گاڑی کے پاس آکر جب وہ فرنٹ ڈور کھول رہا تھا۔ اریبہ کی آواز نے اسے پلٹنے پر مجبور کردیا۔

"خدا حافظ۔" سامنے ہی کھڑی وہ اس کی تاکید پر عمل نہیں کرپائی تھی۔ خاموش نظروں سے اسے تکتے ہوئے وہ نجانے کتنی ہی دیر زادِ راہ سمجھ کر اس کا سراپا دل میں سمونے نگاہوں میں قید کرنے کی سعی کرتا رہا۔

"بھائی۔" جواد کی آواز پر بھی وہ نہیں چونکا۔ جب تک کہ وہ واپس مڑ نہیں گئی۔ اس کی نظروں نے اوجھل ہونے تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

دن بہت تیزی سے گزرے تھے۔ شادی کے ہنگامے شروع ہوگئے تھے مگر اس کے باوجود ایک محسوس کی جانے والی اداسی اور بوجھل پن تھا گھر کی فضا میں۔ سالار تو ویسے ہی ان دنوں سب سے کتراتا پھرتا تھا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا اپنی زندگی کے اس اہم ترین موقع پر اس کی بے دلی و بے حسی کا یہ عالم ہوگا۔

وہ پرجوش اور جذباتی قسم کا انسان کبھی بھی نہیں رہا تھا مگر ایسا بھی نہیں تھا کہ جب اس کی زندگی نیا موڑ لینے جارہی تھی اسے کوئی امنگ، کسی قسم کی کوئی مسرت تک نہیں تھی۔ کہیں جو دل میں کسی جذبے نے سر ابھارنا شروع بھی کیا تھا اب اس نئی صورت حال کے پیش آتے ہی وہ بھی دھوئیں میں تحلیل ہوگیا اور دل نے بالکل ہی لاتعلقی کی چادر اوڑھ لی تھی۔

شادی سے ایک دن پہلے مہندی کے مشترکہ فنکشن میں محض تھوڑی دیر کو اپنی حاضری لگا کر اس نے پھر سے جیسے اس ہنگامے اور رونقوں سے پیچھا چھڑاتے ہوئے باہر کی راہ لی اور رات گئے جب وہ واپس آیا تو اپنے بیڈروم سے ملحق لیونگ روم میں بابا کو ٹہلتے پایا۔ دل میں بیک وقت تاسف اور ناراضی کی ملی جلی لہر اٹھی۔ سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے وہ دروازے میں ہی ٹھہر کر انہیں دیکھنے لگا۔ ان کی پریشانی ان کی اڑی ہوئی نیندیں۔ وہ سمجھ سکتا تھا مگر کچھ کرنا اس کے بس میں یوں نہیں تھا کہ یہ پریشانی ان کی اپنی مول لی ہوئی تھی۔

"سالار!" بابا کی اس پر نظر پڑ گئی۔

"اندر آجاؤ۔" بھاری لہجے میں پکارتے ہوئے انہوں نے اسے بلایا۔

"کوئی مسئلہ ہے؟" سنگل صوفہ پر بیٹھتے ہوئے اس نے ان کا متفکر چہرہ دیکھا جہاں اس کی بات پر افسردہ سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"میں تمہاری لاتعلقی کی وجہ سمجھ سکتا ہوں مگر ناراضی کے اظہار کا یہ طریقہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔" وہ اس پر چوٹ کررہے تھے۔

اس نے بے اختیار ایک گہری سانس لے کر چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ "مجھے خوشی ہے کہ پہلی بار آپ نے مجھے سمجھنے کی کوشش کی مگر میرے خیال میں اس وقت مسئلہ میری ناراضی کا نہیں ہے۔" وہ بھی جتائے بغیر نہ رہ سکا۔

"اریبہ کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے۔" ان کی آواز پست ہوئی۔

"جانتا ہوں۔" سالار کا چہرہ سپاٹ ہوچلا۔

"فرہاد نے یہ حرکت کرکے نہ صرف میرے دل کو ٹھیس پہنچائی ہے بلکہ میرا یقین میرا اعتبار جس طرح توڑا ہے وہ اب تاعمر بحال نہیں ہوسکتا۔"

"میرے نزدیک یہ اس کا ردعمل تھا جس کے لیے

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

وہ خود کو حق بجانب سمجھتا ہے۔" ان کے لہجے کی رنجیدگی و افسردگی نے اسے سچ کہنے پر اکسایا۔

انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیسا ردعمل؟ کیا ہوگیا تھا ایسا کون سا ظلم ہوگیا تھا اس کے ساتھ؟" ان کے انداز سے برہمی چھلکی تھی۔

"آپ جانتے ہیں۔ حریم کے رشتے میں اس کی مرضی شامل نہیں تھی بلکہ اس کا سب سے بڑا اعتراض ہی یہی تھا۔ اپنی بہن کے حوالے سے وہ مجھ سے رشتہ بنانے کے حق میں بالکل نہیں تھا۔ وٹہ سٹہ تو محض ایک بہانہ ہے۔ اس کا مقصد ہمیں نیچا دکھانا تھا جو وہ دکھا چکا۔ اب لکیر پیٹنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ آپ کو آگے کا سوچنا چاہیے۔"

"میں اریبہ کو ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے دیکھنا چاہتا تھا۔" ان کا یہ قلق کبھی ختم ہونے والا نہیں تھا۔

وہ اٹھ کر ان کے قریب آگیا۔

"بابا زیادہ اسٹریس مت لیں پلیز۔ یہ آپ کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔" ان کے جھکے ہوئے کندھوں کو تھام کر وہ دھیمے سے بولا۔

"اس طرح پریشان ہونے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ آپ کوئی اچھا سا رشتہ دیکھیے اور اریبہ کی شادی کردیجیے بلکہ اگر خالہ ابھی بھی خواہش مند ہیں تو تیمور میں بھی کوئی برائی نہیں ہے۔ آپ ان سے بات کرسکتے ہیں۔"

اس کی اس بات پر وہ حیران سے ہو کر اسے دیکھنے لگے۔

"اریبہ کی شادی اب جلد ہی ہوجانی چاہیے بابا۔ اس نے اس بات کا بہت اثر لیا ہوگا۔ اس کا خود پر یقین بحال کرنے کے لیے اس کا رشتہ کسی اچھی جگہ ہونا بہت ضروری ہے اور میرے خیال میں خالہ کا گھر اور ان کی فیملی اریبہ کے لیے بہترین ہے۔" وہ جانتا تھا بابا کرتے وہی تھے جو ان کا دل چاہتا تھا مگر پھر بھی اس وقت سالار اپنی رائے دینے سے باز نہ رہ سکا۔ اٹھتے ہوئے اس نے ایک نظر ان پر ڈالی۔ وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہوگئے تھے۔ شاید سالار کی رائے ان کے لیے اتنی بھی ناقابل غور نہیں تھی۔ وہ انہیں یونہی سوچ میں ڈوبا چھوڑ کر باہر نکل آیا تھا۔

شادی کا دن بھی آپہنچا تھا اور حریم ڈھیروں اندیشے، وسوسے اور خوف آنچل میں سمیٹے ایک نہ مٹنے والی خلش کے ساتھ سالار کی زندگی میں چلی آئی تھی۔ رخصتی کا یہ عمل جتنا مختصر تھا اتنا ہی مشکل بھی تھا وہ آخری وقت تک فرہاد کا انتظار کرتی رہی تھی مگر اس نے ایک بار پھر ثابت کردیا کہ اس کے لیے اس کی انا، اس کی ضد سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ حریم کو زندگی میں پہلی بار اس سے اتنا شدید قسم کا گلہ ہوا تھا کہ وہ آئندہ کے لیے اس سے کوئی بھی رابطہ کوئی بھی تعلق نہ رکھنے کا تہیہ کرگئی تھی۔ اور اس وقت جب اریبہ نے اسے اس کے روم تک پہنچایا تو اس کے کمرے کے در و دیوار پر نظر پڑتے ہی اس کا دبا ہوا خوف پھر سے عود کر آیا تھا۔

"اریبہ!" وہ ذرا سی جھکی اس کا دوپٹہ ٹھیک کررہی تھی کہ اس نے دھیرے سے پکارا۔

"بولو!" اس نے سیدھے ہو کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"بہت مس فٹ لگ رہی ہوں نا میں اس کمرے میں۔" مکمل سولہ سنگھار کیے اس کے حسین چہرے پر اضطراب و تفکر نمایاں تھا۔

"حریم! کیا سوچ رہی ہو تم؟" نرمی سے کہتے ہوئے وہ بیڈ کے کنارے ٹکی وہ ان لمحات میں اس کی کیفیت سمجھ رہی تھی۔ "تم یہاں ہو کیونکہ یہاں تم کو ہی ہونا چاہیے تھا۔ نکالو ساری فضول باتوں کو ذہن سے۔"

"نہیں نکل پارہی کیا کروں؟" اس کا دھیما لہجہ لرزا۔

"تھوڑا سا انتظار کرلو۔ سالار بھائی آئیں گے نا تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔" ہلکے سے مسکراتے ہوئے اس نے بات کو شرارت کا رنگ دیا۔ "ٹھیک ہے اب میں چلتی ہوں۔ اچھا اچھا سوچو اور خبردار جو اپنے ذہن کو بھٹکایا تو۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ حریم خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔

میرون کلر کے خوبصورت لباس میں بالوں کی چوٹی

پاندھے، ہلکی پھلکی جیولری پہنے وہ اتنی دلکش لگ رہی تھی کہ حریم کے دل کو عجیب سے ملال نے آگھیرا۔

"کتنی خوبصورت لگ رہی ہو آج۔ کاش کہ بھائی تمہیں دیکھ پاتے۔" تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے وہ یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

اس کے جاتے ہی اس نے قدرے ایزی ہوتے کمرے پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی تو عدیل کی بات یاد آگئی جس نے منہ بناتے ہوئے اطلاع دی تھی کہ سالار نے اپنے کمرے میں کسی بھی قسم کی ڈیکوریشن اور چینجز کرنے سے صاف منع کردیا ہے انتہائی سادہ اور کسی بھی قسم کی سجاوٹ سے عاری۔ حجلہ عروسی کے نام پر پھولوں کا ایک گلدستہ تک نہیں تھا یہاں۔

"میں اس طرح سج سنور کر اس کا انتظار کرنے کی بے وقوفی کیوں کررہی ہوں جب اسے اپنے کمرے میں ہونے والی معمولی سی تبدیلیاں بھی قابل قبول نہیں تو ان تبدیلیوں کا سبب بننے والی ذات کیسے قبول ہوگی۔" اس نے حقیقت پسندی سے سوچا تو اپنے انتظار کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آئی۔ اگلے ہی پل وہ بیڈ سے اتر آئی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آکر اس نے کچھ دیر اپنے عکس کو دیکھا اور پھر ایک ایک کرکے سارے زیور اتارنے لگی۔

اسے آنے میں زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی مگر جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو وہاں چھائی نیم تاریکی کو دیکھ کر اسے ایک جھٹکا ضرور لگا۔ کچھ دیر تو دروازے کے پاس ہی کھڑا وہ اپنی کوفت دور کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس نے یہ تو ضرور سوچا تھا کہ اس نے کہنا کیا ہے مگر یہ بالکل نہیں سوچا تھا کہ ایسی سچوئیشن میں اسے کرنا کیا ہے۔

جہازی سائز بیڈ پر دائیں جانب بڑے سے کمبل کے پیچھے اس کا نازک سا وجود غیر واضح نظر آنے ہونے کا پتا دے رہا تھا۔ ان لمحوں میں اسے حقیقتاً" اپنی توہین محسوس ہوئی۔

"ایک طرف بھائی اکڑ دکھاتا ہے تو دوسری طرف بہن۔ کیا ان کے نخرے اٹھانے کے لیے ایک میں ہی رہ گیا ہوں۔" سلگ کر سوچتے ہوئے وہ بیڈ کے قریب آیا۔ اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ سو رہی ہے یا جاگ رہی ہے مگر سچ تو یہ تھا کہ اسے کوئی پروا بھی نہیں تھی۔ ہاتھ بڑھاتے ہوئے اس نے ایک جھٹکے سے اس پر سے کمبل کھینچا تھا۔ کمبل کے ہٹتے ہی وہ جس طرح تڑپ کر اٹھ بیٹھی تھی۔ اس سے پتا چل گیا تھا کہ وہ سو نہیں رہی تھی۔

بکھری ریشمی زلفوں کے ساتھ گلاب چہرے پر گھبراہٹ اور کاجل پھیلی آنکھوں میں سراسیمگی لیے وہ سالار کو بت بنا گئی۔

سر جھکائے اس نے جلدی سے بیڈ سے اترنا چاہا تھا مگر سالار کی بے اختیاری نے اس کی یہ کوشش ناکام بنادی' اس کے رخسار کو چھوتے ہوئے سالار نے جس طرح اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ اسے حیران ہونے کی بھی مہلت نہیں ملی تھی۔

صبح سالار نے کافی جلدی کمرہ چھوڑ دیا تھا اور اس وقت وہ اپنے لانبے گھنے بالوں میں برش کرتے ہوئے بالکل بے دھیانی کے سے عالم میں تھی جب اریبہ نے دروازہ ہلکے سے بجا کر اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

"میں اندر آجاؤں؟"

"اتنی فارمل کب سے بن گئی ہو۔" اسے دیکھتے ہی اس نے بالوں میں الجھے برش کو جھنجلا کر دور پھینکا۔

"ظاہر ہے اب یہ بھائی کا کمرہ رہا ہے نہ سہیلی کا۔ احتیاط تو کرنی پڑے گی۔" وہ مسکراتے ہوئے اندر آئی۔

"ویسے کیا ہوا؟ موڈ کچھ اچھا نہیں لگ رہا ہے؟" بغور اس کا چہرہ جانچتے ہوئے اس نے دھیرے سے پوچھا۔

حریم کے چہرے سے اس کی بددلی واضح تھی۔

"پتا نہیں۔" وہ نظریں چرا کر اٹھ گئی۔

"سب ٹھیک رہا نا؟" اریبہ کا انداز سوالیہ تھا اور الفاظ مبہم۔

حریم نے چونک کر ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔

"ہاں ٹھیک تھا۔" اندر کہیں بہت گہرا احساس زیاں جاگا تھا وہ اب صرف دوست نہیں رہی تھی جس سے

جو جی میں آتا بول دیتی۔ اب تو اس سے دل کا حال کہتے ہوئے بھی حریم کو سو سو بار سوچنا تھا۔

"میں تمہیں ناشتے کے لیے بلانے آئی تھی۔ آرہی ہو یا یہیں پر کرنا ہے؟"

"نہیں یہاں تو نہیں کرنا۔" اس کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ آئی۔

"ٹھیک ہے پھر ویسے کتنا بڑا فائدہ ہے نا۔ میکا اور سسرال ایک ہونے کا۔ تمہیں تو محسوس بھی نہیں ہوگا کہ تم شادی شدہ ہوگئی ہو۔" ہلکے پھلکے لہجے میں کہتے ہوئے اریبہ نے اسے برش پکڑایا۔

"چلو پہلے تیار ہوجاؤ۔ اس کے بعد کمرے سے نکلنے کی سوچنا۔"

"ضرورت کیا ہے تیار ہونے کی۔" وہ بے زار ہوئی۔

"ضرورت ہے شادی کا دوسرا دن ہے۔ ہمارے لیے نہیں تو گھر میں موجود مہمانوں کے لیے ہی تھوڑی لیپا پوتی کرلو کیا سوچیں گے سب۔" اریبہ نے ڈپٹا تھا وہ چپ ہو رہی۔

رات تک وہ سب کے ساتھ ہی رہی تھی۔ کزنز کے درمیان... ہنسی مذاق... باتوں باتوں میں رات گہری ہونے کا پتا بھی نہیں چلا تھا اور تب اس نے اس بڑے سے بیڈ روم کے بجائے اپنے چھوٹے سے کمرے میں ہی آجانا بہتر سمجھا۔

"تم یہیں سوؤگی؟" تھوڑی دیر بعد ہی اریبہ آکر حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

"کیوں...؟ کوئی مسئلہ ہے؟" تکیہ ٹھیک کرتے ہوئے اس نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"یہ تو مجھے تم سے پوچھنا چاہیے۔ لگتا ہے تم سچ مچ بھول گئی ہو کہ تمہاری شادی ہوگئی ہے۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

"بہت دیر ہوگئی تو میں نے سوچا یہیں سوجاتی ہوں۔ کیا فرق پڑتا ہے؟" وہ وضاحت دینے پر مجبور ہوئی۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔" اریبہ سمجھ گئی۔

ان کے درمیان ایک نامحسوس حد حائل ہوچکی ہے جسے وہ چاہے تو بھی نہیں پھلانگ سکتی۔

"اف۔" اس کے جاتے ہی چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ بیڈ پر گر سی گئی۔

حریم اسے بالکل نہیں بتا سکتی تھی جو وہ اس وقت محسوس کررہی تھی۔

"میں نہیں جانتا اور نہ مجھے کوئی پروا ہے کہ تم کیا سوچتی ہو مگر میں تم پر اپنا پوائنٹ آف ویو واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ خواہش اور رضامندی دو مختلف چیزیں ہیں۔ یہ شادی میری رضامندی سے ضرور ہوئی ہے اسی لیے میں اس رشتے کے حوالے سے تمہارے حقوق اور اپنے فرائض پورے کرنے کا خود کو پابند پاتا ہوں مگر اس میں کبھی بھی میری خواہش شامل نہیں رہی اسی لیے افسوس کے ساتھ' شاید میں تمہاری توقعات پر پورا نہ اتر سکوں۔ میری ذمہ داری اور میرے جذبات کبھی یکجا نہیں ہوسکیں گے اور یہ بات تم جتنی جلدی سمجھ جاؤ اتنا ہی تمہارے لیے اچھا ہے۔"

وہ جس لمحاتی کمزوری سے مغلوب ہوا تھا اسے فرض اور حق کا نام دے کر بڑی آسانی سے دامن بچا گیا تھا۔ حریم جانتی تھی صورت حال مختلف ہوتی تو اس کے الفاظ بھی مختلف ہوتے اس نے کوئی توقعات وابستہ نہیں کی تھیں اسی لیے اسے کوئی جھٹکا بھی نہیں لگا تھا۔ بس ایک ان چاہا ہونے کا احساس تھا جو ہر احساس پر حاوی ہوگیا تھا اور اسے کسی پل چین نہیں لینے دے رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

تصویر کا ایک کونا پکڑے اس کی نظریں دیوانہ وار اس کے چہرے کے ایک ایک نقش پر بھٹک رہی تھیں۔ وہ پاس ہوتی تھی تو اس پر اٹھتی ایک نظر کے لیے بھی اسے خود کو کتنی تاویلیں دینی پڑتی تھیں۔ اپنی مردانہ اکڑ، اپنی ضد' انا کو بہلانے کے لیے کیا کیا جواز تراشنے پڑتے تھے۔

اپنے بیگ سے کپڑے نکال کر وارڈروب میں سیٹ

WWW.PAKISTANWEB.PK

WWW.PAKISTANWEB.PK

کرتے ہوئے یہ تصویر نکل کر نیچے جاگری تھی۔ وہ شدید حیرت کا شکار ہوا تھا۔ تصویر خود سے تو چل کر بیگ میں آنہیں سکتی تھی یقیناً" اسے کسی نے رکھا تھا اور جب فرہاد نے اس بارے میں سوچا تو سب سے پہلا نام ذہن میں حریم کا ہی آیا۔ وہ ایسا کر سکتی تھی اور ایسا کرنے کے پیچھے اس کا جو مقصد تھا۔ فرہاد اس کو بھی باآسانی پا گیا تھا۔ وہ کشمکش میں گھر جائے۔ اذیت سہے۔ ہر لمحہ ہر پل اس کے بارے میں سوچے اور آخر کار کمزور پڑ جائے اگر ایسا تھا تو حریم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی تھی۔

رسٹ کلر کے لباس میں کھلے بالوں کے ساتھ ستون سے ٹیک لگائے وہ نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ یہ تصویر فاریہ کی شادی پر کھینچی گئی تھی شاید۔ فرہاد سمجھ گیا تھا اس کے سنجیدہ' اداس چہرے کا سبب۔ وہ ان دنوں اسے مکمل طور پر نظرانداز کیے ہوئے تھا۔

ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے وہ تصویر ٹیبل پر رکھ کر کھڑکی میں آکھڑا ہوا۔ وقتاً "فوقتاً" آنکلنے والے جھونکوں میں ڈھلتی رات میں خنکی اتر آئی تھی۔ اس کے سینے میں بھرا حبس کچھ کم ہونے لگا۔

"کیا میں کبھی تمہارے روبرو آکر یہ اعتراف کرپاؤں گا کہ میری دنیا میں تمہارے سوا کچھ بھی نہیں.... میری زندگی تمہارے بنا کچھ بھی نہیں.... تمہارے بغیر میرا مرنا آسان ہے اور جینا مشکل.... تمہیں کھو کر میرے پاس کچھ نہیں بچا۔" کسی غیر مرئی نکتے پر نظریں جمائے ذہن میں موجود ہر خیال اسی کا تھا۔ یہی اس کی زندگی کی حقیقت تھی جو وہ خود کو سمجھا رہا تھا۔ اس میں وہ ہمیشہ کامیاب رہتا تھا' مگر آج.... جانے کیوں اس کی ہر تدبیر الٹی پڑ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

ہیر برش کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے اس کی توجہ اچانک ہی اپنے عکس کے پس منظر نے کھینچی اور ایسا بے سبب نہیں ہوا تھا۔ بیڈ کی سائیڈ پر کھڑی حریم اپنے دائیں کان میں بندہ ڈالنے کی کوشش میں تھی اور اس کی کراہیں بتا رہی تھیں کہ وہ خاصی تکلیف کا شکار ہے۔

"اگر نہیں پہنا جا رہا تو چھوڑ دو۔" وہ چند لمحے دیکھتے رہنے کے بعد بولا تو حریم ایک دم سے چونک گئی۔ ایک نظر ہاتھ میں پکڑے بندے پر ڈال کر اس نے دوسرے ہاتھ کو دیکھا۔ کان کی لو سے رستے خون نے پوریں سرخ کر دی تھیں۔ وہ بنا کچھ کہے دوسرے کان سے بھی بندہ اتار کر ڈریسنگ ٹیبل کے پاس آئی۔ اور ذرا جھک کر بندے ٹیبل پر پھینکے۔ فاصلہ ہونے کے باوجود اس کی کھلی گھنیری زلفوں سے اٹھتی خوشبو نے سالار کی نظریں اور دھیان پھر سے بھٹکا دیا۔ دوبارہ اسے دیکھنے کی خواہش پر قابو پاتے ہوئے وہ بال برش کرنے لگا۔

اسی وقت اس کا موبائل بھی بج اٹھا۔

سیل اسکرین پر نگاہ پڑتے ہی اس کے لب بھنچ گئے۔ اگلے ہی پل اس نے سیل اٹھا کر بیڈ کے کنارے ٹکی حریم کے قریب پھینکا۔ وہ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"تمہارے بھائی کا فون ہے۔" روکھے لہجے میں جتاتے ہوئے اس نے پرفیوم کی بوتل اٹھائی۔

"آپ بات نہیں کریں گے؟" وہ مزید حیرت کا شکار ہوئی اگر فرہاد نے سالار کے سیل پر کال کی تھی تو مطلب وہ سالار سے ہی بات کرنا چاہتا تھا۔

"نہیں۔" اس کے انداز میں جتنی قطعیت تھی۔ حریم کچھ کہہ ہی نہیں پائی۔

"ہیلو بھائی!" اس نے کال ریسیو کر لی تھی۔ سالار نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"ٹھیک ہوں.... آپ کیسے ہیں؟" وہ بے چین سی نظر آنے لگی تھی۔ "ہاں.... وہ بھی ٹھیک ہیں' مگر گھر پر نہیں ہیں۔ جاتے ہوئے موبائل یہیں بھول گئے۔"

فرہاد کا سوال اس نے نہیں سنا تھا' مگر حریم کے جواب نے اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھیر دی۔

"بولتی رہو جھوٹ.... اب تمہیں ہمیشہ یہیں کرنا ہے۔" سائیڈ ٹیبل سے گاڑی کی چابیاں اٹھاتے ہوئے

وہ اس کے سامنے والی کرسی پر آبیٹھا۔ اسے باہر جانا تھا۔ مگر اس وقت اپنے موبائل کے مصروف ہونے کے باعث انتظار کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"آپ شادی میں نہیں آئے نا!" وہ نروس ہونے لگی۔ سامنے ایزی چیئر پر براجمان۔ ٹانگ پر ٹانگ رکھے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے سالار کی نظریں اس پر جمی تھیں۔ وہ بھی اس کی اضطرابی کیفیت باآسانی بھانپ گیا تھا۔ کچھ دیر کے انتظار کے بعد اس نے اپنی رسٹ واچ دیکھی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"خدا حافظ کہہ دو۔" اس کے قریب آکر اس نے دھیمے سے کہا۔ وہ اس کے تھوڑی دیر پہلے کہے گئے جھوٹ کا بھرم رکھنا چاہ رہا تھا۔

حریم مشکل میں پڑ گئی۔ اس کے لیے اچانک سے خدا حافظ کہنا مشکل تھا۔

"جلدی کہو ورنہ مجھے اپنی آواز اونچی کرنی پڑے گی۔" اسے تذبذب میں دیکھ کر خبردار کرنے سے بھی زیادہ اس کے انداز نے حریم کو سن کیا تھا جب وہ کہتے ہوئے ذرا سا جھک کر اس کے شانوں پر بکھرے' بالوں کے ریشمی ڈھیر کو ہتھیلیوں میں سمو کے پیچھے کر گیا تھا۔

"بھائی! آپ میرے سیل پر کال کریں گے پلیز.... اس پر دوسری کال آرہی ہے شاید۔" وہ از حد گھبرا گئی تھی اور پھر جیسے ہی اس نے کال ڈسکنکٹ کی موبائل اس کی جانب بڑھا دیا۔

"تھینک یو۔" ہلکے سے مسکراتے ہوئے اس نے دلچسپی سے اس کے چہرے پر جھلملاتے شبنم کے قطرے دیکھے۔

"آپ نے ان سے بات کیوں نہیں کی؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ وہ چونکا۔

"یہ سوال کچھ غلط ہو گیا.... تمہیں پوچھنا چاہیے تھا کہ میں نے تمہیں اس سے بات کیوں کرنے دی....؟" چند لمحوں پہلے کی نرمی کی جگہ آنکھوں میں اب پتھریلے تاثر نے لے لی تھی۔ "بٹ ڈونٹ وری.... اب ایسا بالکل نہیں ہوگا۔" اس نے حریم کے تاثرات دیکھنے کی زحمت نہیں کی بس اپنی کہہ کر باہر نکل گیا اور حریم کا دل دھک سے رہ گیا تو اب یہ بھی ہوتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"بھائی کی کال آئی تھی۔" حریم کی اس اطلاع پر اریبہ کے ہاتھ ساکت ہوئے۔

"اچھا۔" اس کا لہجہ دلچسپی سے عاری تھا' مگر حریم اس کے اس ظاہری انداز سے کیسے دھوکا کھا سکتی تھی۔

"سالار کے سیل پر آئی تھی مگر انہوں نے بات نہیں کی اور سیل مجھے پکڑا دیا۔" سینے پر ہاتھ باندھے اس نے واش روم کی بیرونی دیوار سے ٹیک لگائی۔

"بات کیوں نہیں کی؟" وہ تولیے سے چہرہ پونچھتے ہوئے باہر نکل آئی۔

"تمہیں پروا ہے؟" حریم نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

"بات میرے پروا کرنے یا نہ کرنے کی نہیں ہے' اگر وہ اپنے سالے سے بات نہیں کریں گے تو یقینی طور پر تمہیں برا لگے گا۔" اس نے رسانیت سے کہا تھا۔

"بات کیا ہوئی ہے؟" دھیرے سے پوچھتے ہوئے اریبہ بیڈ پر بیٹھی۔

"سالار بھائی نے تمہیں تو بات کرنے سے منع نہیں کیا نا؟"

"وہ مجھے منع کر بھی نہیں سکتے.... میں ان کے درمیان کی اس دشمنی کا ایندھن نہیں بنوں گی۔" تندو تیز لہجہ لیے وہ اریبہ کو حیران کر گئی۔

"دشمنی!" دہراتے ہوئے اس کی بلند آواز میں تعجب نمایاں تھا۔

"ہاں دشمنی.... اسے دشمنی ہی کہا جائے گا۔ تم کیا سمجھ رہی ہو۔ فرہاد بھائی بھی یہ رشتہ سالار کی وجہ سے ہی توڑ کر گئے ہیں اور اس کی جو وجہ انہوں نے نہیں بتائی ہے وہ ان کی زندگی کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔" وہ خود کو یہ کہنے سے نہیں روک پائی تھی۔ اریبہ کے چہرے پر دھواں سا بکھر گیا۔

"اگر انہیں میری' میری خوشیوں کی ذرہ برابر بھی پروا ہوتی تو وہ تم سے شادی ضرور کرتے کیونکہ ایسے

WWW.PAKISTANWEB.PK

تھیں کم ہی وہ واحد ذریعہ تھیں جو انہیں میری خوشیوں کی ضمانت دے سکتا تھا مگر نہیں۔۔۔ انہیں تو سالار سے صرف اپنی دشمنی نکالنی تھی سو نکال لی۔۔۔ اب سالار کی باری ہے۔ مجھے کوئی تعجب نہیں ہوگا اگر وہ مجھے اسی طرح چھوڑ دیں جس طرح بھائی تمہیں چھوڑ گئے ہیں۔" بڑی دل گرفتگی سے کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ریت سی چبھنے لگی تھی۔

"حریم۔۔۔ انہیں تمہیں چھوڑنا ہوتا تو کبھی اپناتے ہی نہیں۔" ساکت بیٹھی اریبہ کے لبوں میں ہلکی سی جنبش ہوئی تھی۔ "ان دونوں کا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔"

"تم کہہ سکتی ہو کہتی رہو مگر مجھے کوئی خوش فہمی نہیں ہے۔" تلخ لہجے میں کہتے ہوئے وہ اس پر ایک طنزیہ نگاہ ڈال کر نکل آئی تھی۔

"کاش کہ میں تمہاری یہ خوش فہمی دور کر سکتی اریبہ۔" اس لمحے اسے بے پناہ بے بسی کا احساس ہوا تھا۔ اس اتوار کو خالہ جان باقاعدہ طور سے اریبہ کا ہاتھ مانگنے آئی تھیں جو خواہش دل میں ہی دبالی تھی اب اس کے پورا ہونے کے آثار نظر آئے تو بنا دیر کیے چلی آئیں۔ تایا جی کے دل سے جیسے کوئی بھاری بوجھ اترا تھا وہ شاید رسمی طور پر بھی سوچنے کا وقت نہ لیتے اگر سالار انہیں اشارہ نہ کرتا۔ اپنے فیصلوں پر سے ان کا اعتبار اٹھ چکا تھا۔

اور یہ سب دیکھ کر حریم کے دل میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔ اسے اریبہ کا فیصلہ معلوم تھا مگر یہ لوگ۔۔۔ وہ سمجھ چکی تھی اب شاید ہی اس رشتے پر کوئی پس و پیش ہو۔ اس وقت وہ یہی سب سوچتے ہوئے شدید بے چینی کے عالم میں کھڑی کھڑکی کے پار کی تاریکی دیکھ رہی تھی جب سالار کمرے میں داخل ہوا اس نے گردن موڑ کر صرف ایک نظر اسے دیکھا پھر دوبارہ سے نظریں باہر جمادیں۔

"کیا ہوا؟" اسے نظر انداز ہونے کی عادت نہیں تھی اسی لیے بے اختیار پاس چلا آیا۔

"آپ لوگ ماننے والے ہیں نا؟" حریم وقت ضائع کیے بغیر پوائنٹ پر آئی تھی۔ سالار کے چہرے پر حیرت آمیز مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"یقیناً"۔۔۔ تمہیں کیا پریشانی ہے؟" وہ طنزیہ لہجے میں پوچھنے لگا۔

"میں اریبہ کے لیے پریشان ہوں" اس کا لہجہ دھیما ہوا۔

"اریبہ کے لیے پریشان ہونے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ اگر تم کسی قسم کی غلط فہمی کا شکار ہو تو نکل آؤ۔" وہ سرد لہجے میں بول اٹھا تھا۔

حریم نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "آپ کیا سمجھ رہے ہیں وہ آپ کے اس فیصلے کو مان لے گی۔"

"اور تم کس خوش فہمی کا شکار ہو نہیں مانے گی۔ ان معاملات سے دور رہو حریم یہ تمہارا درد سر نہیں ہے۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے ایک بار پھر جتایا۔

"ٹھیک ہے میں کچھ نہیں کہتی مگر کیا آپ اریبہ سے پوچھے بغیر ہی اس کی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کر لیں گے؟" حریم کو اس کے انداز ہولا گئے۔

"نہیں۔۔۔ مگر میں جانتا ہوں اس کے پاس انکار کی کوئی وجہ نہیں ہوگی۔ وہ ایک کم ظرف انسان کے لیے اپنی زندگی داؤ پر نہیں لگائے گی اگر وہ میری بہن ہے تو میرا سر نیچا نہیں ہونے دے گی۔" اس کا انداز بے پناہ سخت اور بے لچک تھا۔ حریم وہیں کاؤچ پر گر سی گئی وہ تھک گئی تھی یہ سب سنتے سنتے۔

"انا اور غیرت سے آگے بھی کئی چیزیں ہوتی ہیں سالار اور جذبات ان میں سب سے بڑھ کر ہیں۔"

"جب میرے جذبات کچلے جارہے تھے تب کسی کو ان باتوں کا خیال نہیں آیا تھا۔" سالار کی یہ بات اسے کسی تیر کی طرح لگی تھی۔ اس نے تڑپ کر سر اٹھایا۔

"کسی نے گن پوائنٹ پر مجبور نہیں کیا تھا مجھ سے شادی کے لیے۔ اسی وقت اسٹینڈ لے لیتے تو میری زندگی بھی بچ جاتی اور اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔۔۔ میرا بھائی راہ کھلی چھوڑ کر گیا ہے آپ کے لیے۔۔۔ مجھے آزاد کیجیے اور جان چھوڑیے میری۔" بے بسی اور غصے سے اسے رونا آگیا تھا تھکن کا ایک مستقل احساس تھا جو اسے گھلا گھلا کر ختم کر رہا تھا۔

"جان چھڑانے کا اگر کوئی طریقہ ہوتا تو بہت پہلے اس پر عمل کر چکا ہوتا ویسے بھی میں نے تمہاری نہیں جان تم نے میری جکڑ رکھی ہے۔" اس پر جھک کر اس کا چہرہ اٹھاتے ہوئے سالار نے کافی معنی خیزی سے کہا تھا۔

اور وہ اپنے چہرے پر بکھرتی اس کی سانسوں کی حدت محسوس کرتے اس کے اتنے قریب ہونے پر گھبرا کر اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ٹھیک ہے چھوڑ رہی ہوں آپ کی جان۔ اب مزید آپ کی ڈسٹربنس کا باعث نہیں بنوں گی آرام سے رہیے۔" اس سے پہلے کہ سالار کچھ کہتا۔ تلخی سے کہتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھی اور جب وہ کمرے سے نکل گئی تب سالار کو اس کی بات سمجھ میں آئی۔ مگر اب کسی ری ایکشن کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ حریم نے اتنی تلخی سے اور اتنا کھل کر بات کی تھی۔ نہ صرف بات کی تھی بلکہ رات کے اس پہر کمرہ بھی چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ یہ دوسری رات تھی جو وہ اپنے کمرے میں گزارنے والی تھی۔ بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے سالار کمرے میں ٹہل کر اپنی حیرت اور کوفت دور کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں بہت مشکل میں ہوں، بہت مشکل میں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا امی میں کیا کروں؟" دل میں پھیلا سارا درد حوصلے توڑتا زبان تک آپہنچا تھا اور وہ ان کی مہربان آغوش میں سر رکھ کر سسک اٹھی تھی۔

وہ ماں تھیں۔ بہت پہلے جان گئی تھیں اس کے دل کا حال۔ ان کا دل کٹا جارہا تھا اسے اس طرح بکھرتے دیکھ کر۔

"اریبہ میری جان تم پر کوئی زبردستی نہیں ہوگی بیٹا۔ تمہیں کوئی مجبور نہیں کر سکتا، تم جو چاہو گی وہی ہوگا۔" لرزتے لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے بے اختیار اس کی پیشانی پر لب رکھے۔

"میں جو چاہتی ہوں وہ نہیں ہو سکتا نا امی، وہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ ہی بتائیں۔" سر اٹھا کر انہیں دیکھتے ہوئے وہ بے بسی سے پوچھنے لگی تھی۔ انداز ایسا تھا جیسے کوئی بچہ کسی ناقابل حصول کھلونے کی خواہش کر بیٹھا ہو۔

وہ ساکت نظروں سے اس کی آنکھوں میں سرخی کے ساتھ بکھری اذیت دیکھتی رہیں۔

"میرے لیے تمہاری خوشی سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے اریبہ۔۔۔ میں تمہارے لیے ہر چیز بالائے طاق رکھ سکتی ہوں۔۔۔ میں خود جا کر فرہاد سے تمہاری خوشیاں مانگوں تو بھی مجھے کوئی عار نہیں ہوگا بس تم خوش رہو۔"

"امی۔" وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھی۔

"پلیز ایسا مت کہیے۔۔۔ میں مانتی ہوں۔ میں بہت کمزور ہوں اور اسی لیے۔۔۔ اسی لیے مجھے کبھی کبھی خود سے بھی نفرت ہونے لگتی ہے مگر پھر بھی۔۔۔ میں یہ نہیں چاہوں گی کہ میری محبت مجھے میرے اپنوں کی عزت نفس کی قیمت پر ملے۔ میری زندگی صرف آپ لوگوں سے وابستہ ہے۔"

"اور یہی تو میں چاہتی نہیں ہوں کہ ہماری وجہ سے تم اپنی زندگی کسی سمجھوتے کی نذر کرو۔ بات کرنے میں کوئی برائی نہیں ہے اریبہ۔۔۔ فرہاد وقتی غصے کا شکار ہے سمجھ جائے گا۔" اس کا چہرہ تھامتے ہوئے وہ بھاری ہوتے لہجے میں بولیں۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں امی۔۔۔ میں مشکل میں ہوں کیونکہ مجھے سمجھ میں نہیں آرہا میں اس کی محبت اپنے دل سے نکالوں یا پھر اس طرح ٹھکرا کر جانے کی سبکی بھولوں۔ میرے لیے اب اس کے ساتھ رہنا بھی ایک سمجھوتا ہی ہوگا اس لیے آپ کو ایسی کوئی بھی کوشش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آپ سے یہ بھی نہیں کہتی کہ مجھے سنبھلنے کے لیے وقت درکار ہے کیونکہ میں جانتی ہوں یہ صرف مجھ پر منحصر ہے

وقت اور حالات پر۔ میں نہ چاہوں تو یہ زندگی بھی کم ہے سنبھلنے کے لیے مجھے اب صرف اور صرف تھوڑی سی ہمت چاہیے اور کچھ نہیں۔" اس کی نم آواز بتدریج ہموار ہوتی جارہی تھی۔

"جلد بازی میں کوئی فیصلہ مت کرو اریبہ یہ زندگی بھر کا معاملہ ہے۔"

"نہیں میں نہیں کررہی مگر یہ سب اسی طرح ہونا ہے میں جانتی ہوں اور جب یہ بات طے ہے تو میرے پاس کوئی وجہ نہیں ہے انکار کی اور اعتراض کی۔۔۔ بابا جو بھی فیصلہ کرتے ہیں انہیں کرنے دیجیے۔ ان کے ہر فیصلے میں میری رضامندی شامل ہوگی۔" بے حد ضبط سے کہتے ہوئے وہ یہ کڑا مرحلہ بھی سر کرگئی تھی۔ انہوں نے اسے سینے سے لگالیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے کئی آنسو ٹوٹ کے ان کے دوپٹے میں جذب ہوئے تھے۔ اس کے نام کے یہ آخری آنسو تھے۔ اسے احساس ہوگیا دل برباد ہویا زندگی جینے کی ہر راہ پھر بھی کھلی رہتی ہے۔

☼ ☼ ☼

کچھ دنوں سے آفس میں کام بہت بڑھ گیا تھا اور اپنی مصروفیات میں وہ گھر فون بھی نہیں کرپایا تھا اور نہ ہی گھر سے کوئی فون آیا تھا ابو تو خیر ناراض تھے ان سے ایسی توقع بھی عبث تھی۔ مگر امی تو دن میں دو تین بار فون کرتی تھیں۔ جواد سے بھی اکثر بات ہوتی رہتی تھی۔ اس لیے اب ان کی جانب سے اس قدر خاموشی پر وہ کچھ حیران سا تھا کہ اگر اسے فرصت نہیں ملی تو اپنوں نے بھی اس کی خیریت دریافت کرنے کی زحمت نہیں کی۔ اس لیے اس دن آفس میں ہی گھر کال ملالی تھی۔

"کہاں ہو یار۔۔۔ کوئی خیر خبر ہی نہیں ہے تمہاری ۔۔۔ گھر میں سب ٹھیک ہے نا۔" جواد کی آواز سنتے ہی وہ کسی قدر برہم سا لہجہ لیے گویا ہوا تھا۔

"تو آپ ہی فون کرلیتے۔ یہاں تھوڑی مصروفیت ہوگئی تھی۔ میں سمجھ رہا تھا آپ اس لیے فون نہیں کر رہے۔ بات نہیں کرنا چاہتے ہوں گے اس لیے میں بھی ڈھیلا پڑ گیا۔" جواد کی بات نے اسے چونکا دیا تھا۔ وہ سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔

"کیا مطلب کیسی مصروفیت ہے؟"

"تو آپ کو نہیں پتا!" وہ حیران ہوگیا۔

"مجھے کیسے پتا ہو سکتا ہے جب میری اتنے دنوں سے کسی سے بات ہی نہیں ہوئی تو۔" اس کے انداز میں جھنجلاہٹ در آئی۔

"اوہ!" جواد نے ایک گہری سانس لے کر کچھ توقف کیا۔

"مجھے لگا تھا امی نے آپ کو بتادیا ہوگا کہ یہاں اریبہ آپی کے رشتے کی بات چل رہی ہے بلکہ اس سیٹرڈے کو ان کی تیمور بھائی سے بات بھی پکی ہوگئی ہے۔"

یہ اطلاع دیتے ہوئے جواد کو بے اختیار اس کا چہرہ دیکھنے کی خواہش ہوئی جو یہ سن کر کسی بت کی مانند ساکت رہ گیا تھا۔

جواد اس کی خاموشی محسوس کرگیا۔ "آپ کو فرق نہیں پڑنا چاہیے کیونکہ اگر تیمور بھائی نہ ہوتے تو کوئی اور ہوتا۔ آپ تو سب کچھ ختم کرکے جاچکے ہیں۔" وہ چاہ کر بھی اپنے لہجے کی تلخی چھپا نہیں پایا تھا۔ جسے ہمیشہ بھابی کے روپ میں دیکھا تھا جسے بھابی ہی پکارتا آیا تھا اسے کسی اور کے گھر کی رونق بنتے دیکھنا اس کی برداشت سے باہر تھا۔

"میں تم سے بعد میں بات کروں گا جواد۔ ابھی مجھے تھوڑا کام ہے۔" تن پڑتے اعصاب کو بمشکل سنبھالتے ہوئے اس نے دھیمے سے کہہ کر فون بند کردیا۔

"تو تم نے راستہ بدل ہی لیا۔" دونوں ہاتھوں کو بالوں میں پھنساتے ہوئے اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔ دل میں اٹھنے والے طوفان نے پورے وجود کا احاطہ کرلیا تھا۔ اسے لگنے لگا جیسے ضبط کی انتہائیں کہیں بہت پیچھے رہ گئی ہوں کتنی ہی دیر وہ آنکھیں بند کیے جسم و جاں میں برپا اس حشر کو ماند کرنے کی ناکام سی سعی کرتا رہا۔

"یہ کیا کررہا ہوں میں۔ اسے خود چھوڑ کر آیا ہوں۔ پھر کیوں اسے کسی اور کا ہوتے دیکھ کر زندگی روٹھتی ہوئی لگ رہی ہے۔" وہ بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اندر ہورہی اکھاڑ پچھاڑ نے اس کا سانس تک لینا دوبھر کردیا تھا۔ کھڑکی کے پاس آکر اس نے چند گہری گہری سانسیں لیں۔

"مان لو فرہاد احمد تم اس کے بنا نہیں جی سکتے۔ تم اسے کسی اور کا ہوتے نہیں دیکھ سکتے۔

تمہیں اس کے پاس جانا ہوگا۔ مزید یہ دوری کہیں اسے تم سے ہمیشہ کے لیے نہ چھین لے اس بار کچھ مت سوچو۔ توڑ دو اپنی انا کی خود ساختہ بیڑیاں۔ نکل آؤ اپنے زعم و غرور کے اس قلعے سے۔" دل نے ٹھان لی تھی صرف اپنی منوانے کی۔ وہ کمزور پڑچکا تھا۔ اسے ہتھیار ڈالتے ہوئے دیر نہیں لگی۔

☼ ☼ ☼

شام میں سب حسب معمول لاؤنج میں ہی براجمان تھے۔ سالار اسی وقت آفس سے آیا تھا چینج کرنے کے بعد وہ بھی وہیں چلا آیا۔ دو تین دن سے اس کی طبیعت کی بے زاری اپنے عروج پر تھی۔ سچ تو یہ تھا اس وقت بھی اس کا سب کے بیچ بیٹھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا مگر پھر بمشکل خود کو آمادہ کیا کہ کہیں کوئی اس کے اس طرح کتراتے رہنے کا سبب نہ پوچھ لے۔

بابا اور چچا جان میں سیاسی بحث گرم تھی۔ صوفے پر نیم دراز ہوکر دونوں ہاتھوں کو سر کے نیچے رکھتے ہوئے اس نے ایک نظر انہیں دیکھا اور لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ان دونوں بھائیوں کی محبت واقعی مثالی تھی۔ اتنا کچھ ہوگیا اتنی تلخیاں، اتنی بدگمانیاں کہ وہ دونوں کزنز ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کے بھی روادار نہیں رہے تھے مگر ان دونوں کے رشتے پر اس کا ذرہ برابر بھی اثر نہیں پڑا تھا۔ ان کی محبت ان کا اتحاد واتفاق پہلے کی طرح ہی قائم تھا۔ دھیرے سے پیشانی مسلتے ہوئے اس نے عدیل کی سمت نگاہ کی جو ٹی وی پر چل رہے کرکٹ میچ پر اس کی رائے مانگ رہا تھا۔

"کیا خیال ہے ہماری ٹیم یہ دوسرا میچ بھی ہار جائے گی؟"

"میں نے پہلا میچ نہیں دیکھا تو دوسرے کے بارے میں کیا کہوں۔" وہ مسکرایا۔

"پہلے آپ کوئی میچ مس نہیں کرتے تھے۔" اس نے جیسے شکوہ کیا۔

"ہاں مگر کسی خاص ایونٹ کا۔ مجھے سیریز میں کبھی دلچسپی نہیں رہی۔" اس کی غلط فہمی رفع کرتے ہوئے اس کی نظر چائے لاتی حریم پر پڑی اور وہیں ٹھہر گئی۔

"حری۔۔۔ بھابی بتاؤ کون جیتے گا؟" عدیل اس کا نام لیتے لیتے رک گیا۔ لفظ "بھابی" ابھی تک اس کی زبان پر نہیں چڑھ پایا تھا۔ وہ اس کی ہم عمر ہی تھی تقریباً۔ بچپن سے نام پکارتے پکارتے اب ایک دم سے بھابی کہنا مشکل تھا۔ مگر مجبوری تھی کہ سالار کے حوالے سے اس کا رشتہ اب اسی احترام کا متقاضی تھا جو وہ سالار کو دیتا آیا تھا۔

"مجھے بھابی مت کہو۔" وہ پہلے بھی کہہ چکی تھی اب دوبارہ ٹوک دیا۔ مگر اس بار سالار کی موجودگی کے باعث لہجے میں کچھ تندی آسمائی تھی۔ سالار نے سیاہ شال کے ہالے میں اس کے گلابی چہرے کو بغور دیکھا۔

"تو آپ لوگ فیصلہ کرلیں۔ میں کیا کہوں۔ نام لیتا ہوں تو امی ڈانٹتی ہیں بھائی گھورنے لگتے ہیں۔ بھابی کہتا ہوں تو تمہیں برا لگ جاتا ہے۔" وہ حقیقتاً چڑ گیا۔

"تو بھابی کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے میں تمہاری کزن بھی تو ہوں۔ نام ہی لیا کرو پہلے کی طرح۔" وہ ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے بولی۔

"یہ کیا بحث چل رہی ہے؟" امی اسی طرف چلی آئی تھیں۔ انہوں نے اس گفتگو کا آخری جملہ سن لیا تھا۔

"میں اسے بھابی کہوں یا نام لوں؟" عدیل نے ان ہی سے مدد مانگ لی۔

"ارے نام کیوں لوگے۔ بڑے بھائی کی بیوی ہے۔ بھابی کہو۔" انہوں نے سنتے ہی جھڑک دیا۔ عدیل نے

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

مسکرا کر کندھے اچکاتے ہوئے اسے یوں دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔ "سن لیا۔" وہ لب بھینچے انہیں چائے کے کپ پکڑانے لگی۔

سالار خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ کئی دنوں سے مستقل اس کے صبر کا امتحان لینے پر تلی ہوئی تھی اور اسی لیے جب وہ بابا اور چچا کو چائے دینے کے بعد اس کے پاس آئی تو اچانک ہی اس کی دبی ہوئی جھنجلاہٹ عود کر آئی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر کپ لیتے ہوئے اس نے جان بوجھ کر کپ کو جھٹکا دیا۔ گرما گرم چائے اچھل کر حریم کا ہاتھ تر کر گئی تھی۔ اس کی گلابی رنگت پل بھر میں سرخ ہوئی تھی۔ چہرے پر ابھر آنے والے اذیت ناک تاثرات بے اختیار تھے۔ کراہ کر ہاتھ جھٹکتے ہوئے اس نے بھر آنے والی آنکھوں میں ناراضی اور شکوے کی ملی جلی کیفیت لیے اسے دیکھا تھا۔ جو لبوں میں مسکراہٹ دبائے پھر سے ٹیک لگا کر نہایت اطمینان سے چائے کی چسکیاں لینے لگا تھا۔

"آج چائے کچھ زیادہ ہی اچھی بنی ہے۔" وہ ذرا بلند آواز میں گویا ہوا تھا۔

"اچھا میں نے تو ابھی تک ٹیسٹ نہیں کی۔" عدیل چونک گیا۔ "آپ کی بیگم نے بنائی ہے آپ کو تو اچھی لگے گی ہی۔" وہ سالار کی بات کا پس منظر جانے بغیر کہہ اٹھا۔ مگر حریم جان گئی تھی اسی لیے کافی غصے میں وہاں سے واک آؤٹ کر گئی، سالار کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"کیا ہوا؟" وہ فریج سے ٹھنڈا پانی نکال کر ہاتھ پر ڈال رہی تھی کہ جب کچن میں داخل ہوتی اریبہ نے اس کی سرگرمی دیکھ کر پوچھا۔ حریم نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں بس ذرا سی چائے گر گئی تھی ہاتھ پر۔" اس نے اپنے سرخ پڑتے ہاتھ کو پانی میں ڈبویا۔

"تمہاری چائے میں نے یہیں رکھی ہے۔ بلکہ جاتے ہوئے میری چائے بھی لے جانا۔ میں آتی ہوں تھوڑی دیر میں۔" اس نے تاکید کی تھی مگر اریبہ ہنوز کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

"کیا زیادہ جلن ہو رہی ہے؟" اس کی بھیگتی پلکوں سے اس نے یہی نتیجہ اخذ کیا۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ اب وہ اسے کیا بتاتی اسے رونا تکلیف سے نہیں غصے سے آ رہا ہے۔

"تم چھوڑو نا یہ پانی آؤ میں مرہم لگا دوں۔" پانی کی بوتل اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے وہ اسے کرسی پر بٹھا گئی۔

"دیکھنا رات تک یہ ٹھیک ہو جائے گا۔" مرہم لگاتے ہوئے اس کا انداز تسلی آمیز تھا۔ حریم مسکرا دی۔

"نہ بھی ٹھیک ہو تو کیا فرق پڑتا ہے۔"

"کیا مطلب ہے اس بات کا؟" اریبہ نے ٹھٹک کر اس کی صورت دیکھی۔

"میں اس ہاتھ سے کھانا کھا سکتی ہوں۔" اس نے جتایا۔

"مگر میرا مشورہ ہے مت کھانا بھائی سے کہہ دینا وہ کھلا دیں گے۔" وہ کہہ کر ہنسی تھی۔ اس کا چہرہ سپاٹ ہو گیا۔

"ایک بات پوچھوں اریبہ؟" اس نے کچھ تامل کیا تھا یہ سوال کرنے میں اریبہ اس کی نظروں سے بھانپ کر بھی خاموش رہی۔

"تم نے اس رشتے کے لیے ہاں کیوں کی؟" وہ ابھی تک اس بے یقینی سے نکل نہیں پائی تھی اور ابھی بھی یہ پوچھتے ہوئے اسے کہیں نہ کہیں یہ خوش فہمی سی تھی کہ اریبہ فوراً" سے پیشتر ہی اس کی نفی کرے گی مگر اس کے بالکل برعکس اریبہ نے کہا بھی تو کیا "میں ہاں کیوں نہ کرتی؟"

حریم تحیر سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"تم ابھی بھی صرف اپنے بھائی کا سوچ رہی ہو حریم۔ وہ مجھے ٹھکرا گیا ہے انتظار کرنے کا کہہ کر گیا ہوتا زندگی بھر کرتی۔" اس کے لہجے میں کانچ ٹوٹنے لگے تھے۔ حریم کو اپنا وجود نم محسوس ہوا۔ وہ پھر سے اس کے زخم کرید گئی تھی۔

"میں خوش نہیں ہوں مگر مجھے کوئی افسوس بھی نہیں ہے۔ میں یہ فیصلہ کر کے مطمئن ہوں۔ اور میرے لیے یہی ایک بات کافی ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا ہر شادی کسی عشق کا نتیجہ نہیں ہوتی اور اب میں نے یہ بات بھی سمجھ لی ہے کہ ہر محبت شادی پر منتج نہیں ہو سکتی۔ زندگی میں جو کچھ ہم پیچھے چھوڑتے ہیں آگے جا کر وہی چیزیں اس سے بہترین صورت میں ہماری دسترس میں ہوتی ہیں۔ میں اس کی محبت کو بہت پیچھے چھوڑنا چاہتی ہوں حریم۔ مجھے اب صرف آگے بڑھنا ہے۔ اتنا آگے کہ اس کی بھولی بسری یاد بھی میری گرد نہ پا سکے۔ مجھے سمجھنے کی کوشش کرو اور میرے لیے دعا کرو کہ کم از کم اس بار میری امید نہ ٹوٹے۔" گلوگیر لہجے میں کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"خدا نہ کرے کہ اس بار بھی ایسا ہو۔ ابھی تمہیں بہت خوشیاں دیکھنی ہیں ان شاءاللہ۔" اس نے صدق دل سے دعا کی تھی۔

☆ ☆ ☆
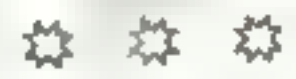
ڈھلتی رات کو بھگوتی موسم کی پہلی بارش کھڑکیوں پہ دستک دے رہی تھی اور وہ بوندوں کی موسیقی سنتے ہوئے متضاد کیفیات میں الجھا ٹھنڈ اور خنکی سے بے نیاز کمبل ایک طرف جھٹکے بیڈ پر نیم دراز تھا۔ دھیرے دھیرے بجتی اس کی تالیاں اس کے ذہنی اضطراب کی غماز تھیں۔ کروٹ لیتے خالی بیڈ کے اس حصے کا سونا پن پورے کمرے پر حاوی ہوتا لگ رہا تھا۔ اس کی بے چینی سوا ہو گئی۔ حالانکہ دن ہی کتنے ہوئے تھے وہ تو بالکل اچانک ہی اس کی زندگی کی شراکت دار بن بیٹھی تھی اور اب وہ حیران و پریشان تھا۔ اس کے تو گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اس کمرے پر، اس کمرے کی ایک ایک چیز پر حتیٰ کہ اس کی سوچوں تک پر اپنی اتنی گہری چھاپ چھوڑ جائے گی۔ وہ تو اسے نظر انداز ہی کرتا آیا تھا اور اسی میں خوش تھا۔ اسے احساس تک نہیں ہو سکا تھا اور وہ اس کے معمولات میں شامل ہو گئی تھی۔ صبح ہی صبح اس کے لگائے ہوئے الارم پر اس کی آنکھ بعد میں کھلتی۔ کمرے میں پھیلی اس کی سرسراہٹیں ادھر سے ادھر آتے جاتے اس کے گداز پیروں کی آہٹیں، فضا میں چکراتی پھرتی اس کے وجود کی خوشبو اس کے حواس پہلے بے دار کر دیتی۔ وہ بند آنکھوں سے ہی، بنا اسے دیکھے اس کی بھرپور موجودگی محسوس کرتا اور اسے بھی ایک معمول سمجھ کر نظر انداز کر دیتا۔ مگر پچھلے تین دنوں سے وہ جس طرح اس کمرے کا بائیکاٹ کیے ہوئی تھی حقیقی معنوں میں اس کی نیندیں اڑ گئی تھیں۔

عجیب سی حالت تھی جسے وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ بے چینی، اداسی جو اب بتدریج غصے اور جھنجلاہٹ کی صورت اختیار کرنے لگی تھیں۔ کبھی یہ جھنجلاہٹ خود پر ہوتی تو کبھی اس پر۔ اور شام میں اسی باعث وہ اسے کافی ہرٹ بھی کر گیا تھا۔ اس سے برداشت ہی نہیں ہو رہا تھا۔ جس طرح وہ اس سے گریز برت رہی تھی، اسے نظر انداز کر رہی تھی۔ صبح ناشتے کے وقت وہ اس کے سامنے ہی ہوتی۔ شام کی چائے، رات کا کھانا مگر اس کے بعد سالار انتظار ہی کرتا رہ جاتا۔ میکا اور سسرال ایک ہونے کا جو فائدہ وہ اٹھا رہی تھی وہی اس کے طیش کا سبب بن رہا تھا۔

اس کا تکیہ اٹھا کر منہ پر رکھتے ہوئے اس نے ایک گہری سانس لی۔ باہر بارش بدستور برس رہی تھی۔ اسے پہلی بار رات کی اس برسات سے بے زاری محسوس ہوئی۔ حالانکہ اسے رات کی بارش سے بڑھ کر کبھی کچھ خوبصورت اور رومانوی نہیں لگا تھا۔ مگر اب اس جل تھل کا بھی اس کے اندر کے خشک موسم پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اسی بے دلی و بے زاری سے آنکھیں بند کرتے ہوئے اس نے ایک بار پھر سونے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔

☆ ☆ ☆

دوسرے دن خالہ نے فون کر کے تیمور کی آمد کی اطلاع دی تو گھر بھر میں ہلچل سی مچ گئی۔ وہ آرمی آفیسر تھا اور ان دنوں اس کی پوسٹنگ کوئٹہ میں تھی۔ وہ چھٹیوں پر گھر آیا تھا اور وہ سمجھ گئے کہ جلد یا بدیر خالہ

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

جان شادی کی تاریخ مانگنے آپہنچیں گی۔

"تائی یہ بہت جلدی نہیں ہو جائے گی۔ ہم نے ابھی کچھ تیاری بھی نہیں کی اور ابھی کچھ دن پہلے ہی تو۔ میرا مطلب ہے۔" حریم کو الفاظ نہیں سوجھے۔ وہ کہنا چاہ رہی تھی کہ ایک شادی بھگتانے کے بعد دوسری شادی میں اتنی جلد بازی نہ کی جائے۔

"نہیں حریم سلطانہ نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تیمور کے آنے پر ہمیں شادی کی تاریخ دینی پڑے گی اور اسی وجہ سے اس نے منگنی بھی نہیں کی۔ تیاری کا کیا ہے ہو جائے گی ارادہ باندھنے کی دیر ہوتی ہے کرنا تو اللہ نے ہے۔" تائی نے رسان سے جواب دیا تھا۔ وہ بے بسی سے ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"آپ کو چند مہینوں کا وقت تو لینا چاہیے تھا کم از کم۔" یہ بات کرتے ہوئے اس کے تصور میں صرف اریبہ کا چہرہ تھا۔ وہ فرہاد کے بارے میں سوچنا چھوڑ چکی تھی مگر اب اسے صرف اریبہ کی فکر تھی۔

"تم سے کسی نے مشورہ نہیں مانگا۔ ان معاملات میں بولنے کے بجائے اپنے کام سے کام رکھو۔" اسی پل کمرے میں داخل ہوتے ہوئے سالار نے اس کی بات سن کر جو سخت تنبیہی لہجہ اختیار کیا حریم کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

تائی نے ایک حیرت بھری نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرے لیے ایک کپ چائے لے آؤ۔" اسے کمرے سے نکلتے دیکھ کر خواہش نہ ہونے کے باوجود وہ چائے کی فرمائش کر گیا۔ کیونکہ اس کی کیفیت دیکھ کر اسے لگ رہا تھا وہ پھر سے دن بھر کے لیے اس کی نظروں سے اوجھل ہونے والی ہے۔

"یہ کیا حرکت ہے سالار؟" اس کے جاتے ہی انہوں نے سنجیدگی سے اس سے دریافت کیا۔

"کیا؟" اس نے انجان بن کر انہیں دیکھا۔

"اسے اس طرح سے ٹوکنے کی کیا ضرورت تھی۔" ان کے لہجے میں برہمی در آئی۔

"تو آپ نے دیکھا نہیں۔ وہ کیا کرنے کی کوشش کر رہی تھی کیا وہ بچی ہے۔ کیا اسے اپنی پوزیشن کا ذرا بھی احساس نہیں۔ اس کے بولنے سے معاملات بگڑیں گے بنیں گے نہیں۔" وہ ناراضی سے بولتا چلا گیا۔

"فرہاد کی بہن ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم فرہاد کا غصہ اس پر اتارو۔ اسے اپنے معاملات سے علیحدہ رکھو۔ وہ اب تمہاری بیوی ہے اس گھر کی فرد ہے وہ۔ اور اسے بھی اپنی رائے دینے کا حق ہے۔"

"اگر مجھے فرہاد کا غصہ اس پر اتارنا ہوتا تو وہ اس وقت میری بیوی نہ ہوتی۔ میں فرہاد کے حوالے سے کوئی طعنہ سننا نہیں چاہتا۔ ان فیکٹ میں فرہاد کا نام ہی سننا نہیں چاہتا۔ آپ پلیز آئندہ میرے سامنے اس کا نام نہیں لیں گی۔" وہ یکایک ہی بپھر گیا تھا۔

وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔ "یہ نارمل طرز عمل نہیں ہے سالار۔"

"حالات بھی نارمل نہیں ہیں۔ میں اپنا بی ہیویئر نارمل رکھنا بھی چاہوں تو بھی نہیں رکھ سکتا۔ آپ مجھے پرسکون رہنے کا مشورہ دے سکتی ہیں کیونکہ آپ نہیں جانتیں ہمارے تعلقات کس نہج پر پہنچ چکے ہیں۔"

"تو کیا کرو گے رشتہ توڑ دو گے؟" انہیں غصہ آ گیا۔

"نہیں رشتہ نہیں توڑ رہا مگر مجھے اب اسے نبھانے میں کوئی دلچسپی بھی نہیں ہے۔ ایک بار نبھانے کی کوشش کر چکا ہوں اس کے پاس جا کے۔ اب اس کی باری ہے اور میں جانتا ہوں اس بار وہ ضرور آئے گا۔ اس لیے نہیں کہ اسے یہ بھائی چارہ بہت عزیز ہے بلکہ اس لیے کہ اس بار سوال اس کی بہن کا ہے۔" تلخی سے بھرپور لب و لہجہ لیے وہ انہیں بالکل ہی چپ کروا گیا تھا۔ وہ اس کا مزاج اچھی طرح جانتی تھیں۔ ان کے پاس الفاظ ہی نہیں رہے تھے کچھ کہنے یا سمجھانے کے لیے۔ اسی وقت چائے لیے حریم بھی چلی آئی۔ اور آتے ہی اس نے کمرے میں چھایا تناؤ محسوس کر لیا تھا۔ سالار کے چہرے کا دبا دبا غصہ اور تائی کی آنکھوں میں تفکر کی گہری پرچھائیاں۔ اسے نجانے کیوں وجہ اپنی ہی ذات لگی اور اس کا دل مزید تاسف میں گھر گیا۔

☼ ☼ ☼

رات کو کھانے کے دوران ہی جب وہ سب ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھے تھے۔ فرہاد کی غیر متوقع آمد ان سب کو ششدر کر گئی۔

"ارے فرہاد۔ اس طرح اچانک۔" تایا جی بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے وہ مسکراتا ان کے گلے آلگا تھا۔

باقی سب نے غیر ارادی طور پر ان کی تقلید کی تھی۔

"آئم سوری پہلے سے بتا نہیں پایا۔" وہ سب سے ملنے لگا۔

"بتانے کی ضرورت بھی کیا تھی اپنے گھر ہی تو آ رہے تھے۔" امی نے پیشانی چوم کر کتنی دیر ساتھ لگائے رکھا۔ اسے ایک گونہ راحت سی ملی تھی۔ ابو البتہ بہت سرد مہری سے پیش آئے۔

"سالار کہاں ہے؟" اریبہ کے دھیمے سے لہجے میں کیے گئے سلام کا جواب دیتے ہوئے وہ بڑی مشکل سے اس پر سے نظریں ہٹا پایا تھا۔

"وہ آج کچھ لیٹ ہو گیا ہے آجائے گا تھوڑی دیر میں تم تو بیٹھو۔" تائی اسے کھڑا دیکھ کر ٹوک گئیں۔ وہ عجیب سے احساس کے زیر اثر ان کے چہرے کی ملائمت ان کا نرم سا انداز دیکھتا رہا۔ ان کے چہرے ان کے رویے میں کوئی شکوہ کوئی تاسف ناراضی کی کوئی ہلکی سی پرچھائیں تک نہیں تھی۔

"نہیں۔ ابھی تو مجھے فریش ہونا ہے۔ آپ لوگ اپنا ڈنر جاری رکھیے۔ میں ایک دن اور اکیلے ڈنر کر لوں گا۔" وہ مسکراتے ہوئے بول اٹھا۔

امی اس کے ساتھ ہی کمرے تک آئی تھیں۔ اور اس کے جاتے ہی اریبہ کے سینے میں قید سانس آزاد ہوئی تھی۔ کھانے سے تو اس کا دل اچاٹ ہو ہی چکا تھا مگر اب اچانک سے اس کا اٹھنا سب کو متوجہ کر دیتا۔ اسی لیے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بیٹھی رہی۔

"اریبہ کی شادی ہو رہی ہے۔" کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب وہ لاؤنج میں بیٹھا جانے کا سوچ ہی رہا تھا۔ امی نے اطلاع دی۔ سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے وہ ان کے چہرے پر کوئی دوسرا تاثر ڈھونڈنے لگا۔

"مگر اس نے تو صرف اس کے رشتے کے متعلق سنا تھا۔" اس کے لبوں سے الفاظ رک رک کر ادا ہوئے تھے۔

امی نے بغور اس کا یہ انداز دیکھا۔ "ہاں مگر اب شادی بھی ہو رہی ہے تیمور چھٹیوں پر گھر آیا ہے۔ کچھ ہی دنوں میں وہ لوگ شادی کی تاریخ مانگنے آئیں گے۔ مجھے تو ابھی بھی یقین نہیں آتا۔ جسے میری بہو بننا تھا وہ کسی اور گھر چلی جائے گی۔" ان کے الفاظ سادہ تھے مگر لہجے میں جو حسرت اور تاسف چھپا تھا۔ فرہاد نگاہیں چرانے پر مجبور ہو گیا۔

"کوئی اور لڑکی ہوتی تو مجھے کبھی اتنا دکھ نہ ہوتا مگر اریبہ۔ اسے تو میں نے ہمیشہ فاریہ اور حریم کی طرح سمجھا تھا۔ دونوں بیٹیوں کو رخصت کرتے ہوئے بھی مجھے اتنی تکلیف نہیں ہوئی کیونکہ دل کو ایک تسلی تو تھی کہ میری ایک بیٹی ہمیشہ میرے پاس ہی رہے گی۔ مجھے کیا پتا تھا کہ مجھے اسے بھی رخصت کرنا پڑ جائے گا۔" کہتے ہوئے ان کا ضبط چھلک گیا۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"میرا یہ ملال کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے فرہاد۔ تمہاری ایک ضد کی وجہ سے۔ ایسا کرتے ہوئے تم نے کچھ تو سوچا ہوتا۔ اپنے بارے میں نہ سہی ہمارے بارے میں ہی سہی۔"

سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ وہ اضطرابی کیفیت میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اس کا رد عمل دیکھ کر خاموش ہو گئی تھیں۔

اور اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا ان سے کیا کہے۔ یہ کہ آپ کو پچھتانے کی افسوس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ آپ کی بہو ہے اور اسے اسی گھر آنا ہے کیا یہ سب کہنا اتنا آسان تھا۔ کیا یہ سب ابھی بھی صرف اسی کے ہاتھ میں تھا۔

"اگر درمیان میں حریم نہ ہوتی تو میں ان سے نظریں بھی نہ ملا پاتی۔ ہماری حریم وہاں اتنی خوش ہے

اور ہم نے کیا کیا۔؟" ان کا لہجہ متاسفانہ تھا۔ فرہاد چونک گیا۔

"حریم خوش ہے۔" اس کی زیر لب بڑبڑاہٹ میں حیرت تھی۔ امی اس کی شادی شدہ زندگی کی حقیقت سے ناواقف تھیں۔ انہیں جو نظر آتا تھا وہ حریم کے چہرے پر ہمہ وقت رہنے والی مسکراہٹ ہی تھی۔

"میں اریبہ کی جگہ بھی کسی اور لڑکی کو نہیں دے پاؤں گی۔ اسی لیے کم از کم مجھ سے تو تم کوئی امید مت رکھنا۔ جسے چاہو اپنی بیوی بنا کر اس گھر میں لے آؤ میں کچھ نہیں کہوں گی۔" وہ اپنا آخری فیصلہ بھی سنا کر اٹھ گئی تھیں وہ خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھتا رہ گیا۔ اسے امی کی اس درجہ ناراضی کا بالکل اندازہ نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

رات کو وہ کافی دیر سے گھر آیا تھا اور دیر سے سونے کے باعث الارم بجنے کے باوجود اس کی نیند کم ہونے میں نہیں آرہی تھی۔ کسلمندی سے بستر پر پڑے نیم غنودگی میں اس نے دروازہ کھلنے کی آواز پر بمشکل آنکھیں کھولیں تو وہ جھانک کر پلٹ رہی تھی۔ اس نے کروٹ بدل کر پھر سے آنکھیں موند لیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ آئی تھی۔ سالار اس کی موجودگی محسوس کر کے بھی سوتا بنا رہا مگر تیسری بار اس کے آنے پر سالار کے لیے بے نیاز بننا ممکن نہ رہا۔

"کیا مسئلہ ہے؟" وہ بے زار سے لہجے میں اسے مخاطب کر ہی گیا۔

"آفس نہیں جانا۔" وہ قدرے خائف سی ہو گئی تھی۔

"تم سے مطلب۔ میری پی اے نہیں ہو تم۔ جسٹ بیوی آکون۔" اس بے موقع غصے کا سبب اسے خود بھی معلوم نہیں تھا۔

وہ ہونٹ کاٹتی کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ "آپ کی بیوی ہونے سے آپ کی پی اے ہونا بہتر تھا۔"

تکیہ ایک طرف پھینک کر وہ اٹھ بیٹھا۔ "پی پی اے میں اپنے اسٹینڈرڈ اور اس کی قابلیت کے حساب سے رکھتا ہوں۔ تم تو اس کے لیے بھی ناموزوں ہو۔" اس کا طنزیہ لہجہ بے حد جتاتا ہوا تھا۔ حریم کا رواں رواں سلگ اٹھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن شدید بے بسی میں اسے خاموشی ہی اپنا سہارا لگی۔ وہ اس کا جائزہ لیتا رہا۔

"جلدی کہو۔ صبح ہی صبح تمہیں اس ریڈ زون میں آنے کا خیال کیسے آگیا۔" اس کا انداز سوالیہ تو نہیں، مگر کچھ جانچتا ہوا اور طنزیہ ضرور تھا۔ حریم واقعی جو کہنے آئی تھی اب اسے کہنے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے نفی میں سر ہلا گئی۔

"کچھ نہیں۔ بس دماغ خراب ہو گیا تھا۔" اسے اب اپنے آنے پر پچھتاوا سا ہونے لگا تھا۔

وہ اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا۔ حریم نے گھبرا کر کچھ حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیا بات ہے؟" اس کے مقابل آکر چہرے پر سنجیدگی لیے اس کا لہجہ اتنا گمبھیر تھا کہ حریم سمجھ گئی وہ پوری بات جانے بغیر اسے نہیں جانے دے گا۔

"رات کو بھائی گھر آگئے ہیں اور آپ کے بارے میں پوچھ بھی رہے تھے۔" دھیرے سے کہتے ہوئے اس نے سر جھکایا۔

"اوہ۔" اس کے تاثرات ایک دم بدلے تھے۔ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ ذرا پیچھے ہٹا۔ "تو تم چاہتی ہو... میں اس سے جا کے ملوں؟" اس نے سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر جمائیں جو اس کی سمت دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

"ایسا تو آپ کبھی نہیں کریں گے، میں تو بس اتنا چاہتی ہوں کہ جب وہ آپ سے ملیں تو آپ ان سے ٹھیک سے ملیے گا پلیز۔" اس کا لہجہ ملتجی ہو چلا۔ وہ ہنس پڑا۔

"تو تمہیں اس فکر سے رات بھر نیند نہیں آئی اسٹرینج۔" اس کے مضطرب چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ گویا لطف لینے والے انداز میں بولا تھا۔

"ڈونٹ وری اتنا بھی بدتہذیب نہیں ہوں میں۔ کم از کم اس کی طرح تو بالکل نہیں ہوں۔" اس کے قریب ہوتے ہوئے سالار نے اس کا جھکا چہرہ اٹھایا۔ سر پر جمے سیاہ دوپٹے سے جھانکتی سیاہ لٹیں اس کے چہرے کی ملیحائی میں اور بھی اضافہ کیے دے رہی تھیں۔ جھکی پلکوں میں رات کا سا گہرا پن چھپائے وہ اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے پلٹی مگر سالار اس سے پہلے ہی ہاتھ بڑھا کر دروازے کا لاک لگا چکا تھا۔

"اگر آپ کی یادداشت خراب ہے تو میں آپ کو آپ کی کچھ دیر پہلے کی کہی گئی بات یاد دلانا چاہتی ہوں۔" وہ تلملا کر اتنا ہی کہہ سکی۔

"کون سی بات؟" اس کا انداز دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

ایک پل کو حیران ہوتے ہوئے وہ دوسرے ہی پل سلگ اٹھی۔ یوں لگا جیسے وہ اس کا مذاق اڑا رہا ہو۔

"آپ مجھے سمجھتے کیا ہیں؟ چاہتے کیا ہیں آپ؟" چیخ کر کہتے ہوئے وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال گئی۔

"مجھے اس طرح ذلیل کرنے کا آپ کو کوئی حق نہیں ہے۔ آپ اپنی ناآسودہ خواہشات، اپنی ہار کا بدلہ مجھ سے نہیں لے سکتے۔ حق اور فرض کی بات کرنے اور خود پر صبر کرنے کے بجائے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجیے، میں اپنے سب حقوق آپ کو معاف کرتی ہوں، آپ بھی مجھے معاف کر دیجیے پلیز۔" دہکتے چہرے پر غیظ و غضب کا ملا جلا تاثر لیے حریم نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اور اگلے پل ہی آگے بڑھ کر دروازے کا لاک کھول دیا۔

"جاؤ۔ معاف کیا۔"

اس نے لمحہ بھر ٹھہر کر اسے دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کی اور دروازہ کھولتے ہوئے سرعت سے باہر نکل گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میں نہیں جانتی تم کیوں واپس آئے ہو مگر اتنا ضرور جانتی ہوں کہ اب تمہاری ذات میری کسی کمزوری کا باعث نہیں بنے گی۔ اس بار میرے قدم نہیں ڈگمگائیں گے۔ تمہاری محبت سے بھاگتے بھاگتے بے اختیاری بھی کہیں بہت پیچھے چھوٹ گئی ہے۔ تمہارا ہونا نہ ہونا اب بے معنی ہے فرہاد۔ تمہیں کھونے کے ساتھ ساتھ میں تمہارے لیے اپنا ہر احساس بھی کھو چکی ہوں۔" تپتے ہوئے چہرے کو دیکھتے وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کی کرسی پر گر سی گئی۔ دل میں ٹھہری ایک جامد ٹھنڈک کے سوا کچھ بھی نہیں تھا اور جسم کا ہر ایک عضو ایک بے نام سی آگ کی لپیٹ میں۔

"اریبہ۔ باہر آؤ نا پلیز۔ سب بلا رہے ہیں تمہیں۔" اسی وقت حریم نے آکر اسے پکارا۔ آج خالہ جان کی پوری فیملی یہاں موجود تھی۔ وہ شادی کی ڈیٹ فکس کرنے آئے تھے جو کہ امکان تھا کہ لے کر ہی جاتے۔ کیونکہ تایا جی کو اتنی جلدی شادی پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ اس نے چونکتے ہوئے ایک نظر اپنے عکس پر ڈالی۔ شفون کے کریم کلر کے ڈریس میں اس کے رخساروں میں آتشی رنگ نمایاں تھا۔ چہرے کو رگڑتے ہوئے وہ اٹھ کر اس کی طرف مڑی۔ حریم اس کی جانب دیکھ رہی تھی اس کی نظروں میں کچھ کھو دینے کا گہرا ملال صاف نظر آرہا تھا۔

"جانتی ہو اریبہ۔ کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے... میں تمہیں نہ دیکھوں۔" حریم نے جس انداز میں کہا تھا۔ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے اپنی جلتی ہوئی آنکھیں ٹھیک سے کھول کر اس کی بات سمجھنے کی کوشش کی۔ "جس طرح میں نے تمہیں دیکھا تھا جس طرح سے میں نے ہمیشہ تمہیں دیکھنا چاہا تھا۔ تم ویسی نہ رہو تو میں تمہیں کبھی نہ دیکھوں۔" کہتے ہوئے اس کی دھیمی آواز مزید دھیمی ہوئی۔ اریبہ سن ہو کر رہ گئی۔ کئی لمحوں پر محیط خاموشی کے ایک وقفے کے بعد اس نے بدقت لب کھولے اور لہجہ ہموار رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی۔

"تیمور بھی آیا ہے نا۔ تم نے دیکھا اسے۔" اس نے بات بدلی تھی۔ حریم نے لب بھینچے۔

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

"بہت ہینڈسم ہو گیا ہے نا؟ کیا خیال ہے میں اس کے ساتھ اچھی تو لگوں گی؟" اسے خود کو چھپانا آ گیا تھا یا پھر واقعی وہ سنبھل گئی تھی۔

"تم اس کے ساتھ کبھی بھی اچھی نہیں لگ سکتیں۔" یہ تلخ سی سوچ اس کے ذہن میں ابھری اور لبوں سے پھسل پڑا۔

"میں نے کبھی تمہیں کسی اور کے ساتھ نہیں سوچا۔"

"تو کوئی بات نہیں اب سوچ لو اتنا بھی مشکل نہیں ہے۔"

"اریبہ۔ پلیز کم از کم میرے سامنے یہ ڈھونگ مت کرو۔" وہ بلجی لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"ابھی بھی وقت ہے۔ سب کچھ تمہارے ہی ہاتھ میں ہے۔ بھائی بھی واپس آ گئے ہیں اور میں جانتی ہوں وہ صرف تمہارے لیے واپس آئے ہیں۔"

"مگر میں ایسا نہیں سمجھتی۔" وہ تیزی سے اس کی بات کاٹ کر بولی۔

"اگر وہ تمہارے پاس آ کر خود تم سے یہ بات کہیں تو کیا تب بھی یقین نہیں کرو گی۔" اس نے سوال کیا تھا۔ وہ لحہ بھر کو چپ رہ گئی۔

"کر لوں گی۔" اس کی دھیمی سی آواز ابھری۔ "مگر صرف یقین ہی کر سکتی ہوں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ تم کیا سمجھتی ہو حریم۔ میں اس انتظار میں بیٹھی ہوں کہ وہ آئے۔ مجھ سے کچھ کہے اور میں پھر سے اس کے سنگ ہو لوں۔ میری سوچ، میری رائے میری مرضی کچھ نہیں۔ اس کا جب دل چاہے مجھے ٹھوکر مار کر چلا جائے اور جب دل چاہے۔ پھر سے مجھے اپنی ہمراہی کا اعزاز بخشنے چلا آئے۔"

"اریبہ!" نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے بھیگے لہجے میں کچھ کہنا چاہا، مگر اریبہ اس وقت صرف اور صرف اپنے دل کی کہنا چاہتی تھی۔

"تمہیں لگتا ہے وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا میں اکیلی رہ گئی۔ میرے پاس کوئی اور چارہ نہ رہا تو میں نے تیمور کا رشتہ قبول کر لیا۔ اب جب وہ واپس آ گیا ہے۔ شاید اس کا موڈ بدل گیا ہے یا شاید اسے مجھ پر ترس آ گیا ہے تو میں سب کچھ بھول جاؤں اور اس کے لیے تیمور کو اس طرح مسترد کر دوں جس طرح وہ مجھے کر کے گیا تھا۔" اس کا لہجہ بھرا گیا تھا۔

"فرہاد میرے ساتھ یہ سب کر سکتا تھا کیونکہ اسے یہ حق میں نے۔ میری محبت نے ہی دیا تھا، مگر مجھے تیمور کے ساتھ ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ کوئی کھیل نہیں ہے جسے اپنی مرضی، اپنے موڈ کے مطابق کھیلا جائے۔ میں ایک ٹھوکر پر ہی سنبھل جانے والوں میں سے ہوں۔ مجھے اس اذیت سے بار بار مت گزارو حریم۔" منت کرتے ہوئے اس کا بوجھل لہجہ بکھر گیا۔ وہ بھیگی آنکھوں، ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کچھ کہنے کے لیے لب کھلنے بھی نہ پائے تھے کہ ہلکی سی آہٹ پر نظر کے اٹھتے ہی وہ تعجب و تحیر میں آ گئی۔ فرہاد دروازے میں کھڑا تھا۔ وہ کب آیا۔ اس نے کتنی باتیں سنیں۔ وہ الجھ کر رہ گئی اریبہ کے چہرے کی زرد رنگت دیکھ چکی تھی۔ اسے یکایک اپنا آپ اس صورت حال میں مس فٹ لگا۔ وہ یہ بہترین وقت کسی نتیجے کی امید میں ان دونوں کو دینا چاہتی تھی اور اسی لیے اس سوچ کے ذہن میں آتے ہی اس نے کمرہ چھوڑنے میں لحہ بھر کی بھی دیر نہیں کی۔

☆ ☆ ☆

آج کا دن ہنگاموں سے بھرپور اور کافی مصروفیت والا تھا، مگر اتنی مصروفیت کے باوجود اس اطمینان نے اس کی تھکن میں کچھ حد تک کمی کر دی تھی کہ اریبہ کا ولیمہ بخیر و عافیت انجام پا گیا تھا اور آتے ہوئے وہ اسے بہت خوش دلی سے اور مسکراتے ہوئے ملی تھی۔ اس وقت اپنے کمرے میں آتے ہی اس نے اپنے سونے کے لیے بستر ٹھیک کرنا شروع کر دیا تھا۔

"کیا کر رہی ہو تم۔ کیا بچھا رہی ہو۔"

چونک کر وہ پوری کی پوری پیچھے گھوم گئی۔ اس وقت اس کمرے میں یہ آواز سننے کی نہ تو وہ کوئی خواہش کر رہی تھی نہ توقع۔ ماتھے پر کئی بل لیے اکھڑے لہجے میں پوچھتے ہوئے وہ اس کے سامنے ہی سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

تعجب، گھبراہٹ میں سٹپٹا کر اس نے دوپٹا ٹھیک کرنے کی کوشش کی اور اس کی۔ موجودگی کا انکشاف ہوتے ہی خفت نے چہرے پر مزید سرخی بکھیر دی۔

وہ بغور اسے دیکھتا رہا۔ سرخ رنگ کے لباس میں اس کا چہرہ اس کے لباس کے ہم رنگ ہی نظر آ رہا تھا۔ بال کھلے بکھرے تھے۔ اس کی نظروں کے ارتکاز نے اسے نروس کیا تو وہ پلٹ کر بیڈ پر سے اپنا دوپٹا اٹھانے لگی۔

"تم یہ سب کر کے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟"

"میں کسی پر کیا ثابت کروں گی۔ آپ بتائیے آپ کو کون سی پریشانی اس وقت یہاں کھینچ لائی۔" تنکی سے پوچھتے ہوئے اس کا انداز نڈر تھا، مگر دھڑکنیں مدھم ہو رہی تھیں۔

"میری پریشانی جاننا چاہتی ہو۔" وہ نپے تلے قدم اٹھاتا اس کے قریب آ کر رکا اور حریم پیچھے ہٹنے کی کوشش میں بیڈ پر گر گئی۔

"میں نے غلطی سے ایک ایسی لڑکی سے شادی کر لی ہے جس کا بچپنا ابھی تک نہیں گیا اور جو روٹھنے اور رونے کے لیے ایک ہی کونا تلاش کرتی ہے۔" گہری نگاہیں اس پر جمائے سالار اس کے برابر بیٹھا اور جیسے ہی اس کا ہاتھ تھامنا چاہا۔ اس نے تڑپ کر اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

"تو سدھار لیجیے اپنی غلطی۔ یہ بہترین موقع ہے اس بچی سے جان چھڑانے کا۔" وہ ہانپ گئی۔

"کیوں نہ میں ایک اور کام کروں۔ اسے اٹھا کر اس کی اصل جگہ پر لے جاؤں۔" دھیمے سے کہتے ہوئے اس کا لہجہ بھاری ہوا تھا۔ حیرانی سے بڑھ کر کچھ تھا جس نے حریم کو ساکت کر دیا۔

"دل نہیں لگ رہا اس کے بغیر۔" اس کے گلابی رخسار کو اپنی انگلیوں کے لمس سے دہکاتے ہوئے وہ اس کی ٹھہری ہوئی دھڑکنیں پاگل کر گیا اور اس بار وہ اس کے ہاتھ جھٹک بھی نہ سکی۔

"کیا کروں۔ کبھی دل کو تمہارے پاس لانا پڑتا ہے اور کبھی اپنا دل لینے کے لیے تمہارے پاس آنا پڑتا ہے۔ ہمارے درمیان کی یہ مجبوری کبھی ختم نہیں ہو سکتی حریم۔!" ذرا سا جھک کر وہ اس کی حیران آنکھوں میں دیکھ کر بولا تھا۔ اس نے ایک دم سے چونک کر پلکیں جھپکائیں۔

"مجھے نیند آ رہی ہے۔" رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ گھڑی پر نظر پڑتے ہی اسے کہنے کے لیے اس سے بہتر اور کچھ نہ سوجھا۔

"مجھے بھی۔" وہ شرارت سے مسکرایا۔ "ویسے کتنا عجیب لگے گا نا اگر چچی نے اس وقت ہمیں یہاں دیکھ لیا۔"

"آپ کا مسئلہ کیا ہے؟" حیرانی اور بے یقینی سے الجھتے ہوئے وہ جھنجلا کر بولی۔

"اپنی بیوی کو لینے آیا ہوں، مگر وہ جانے پر تیار نہیں ہو رہی۔ میرا اس کے علاوہ اور کیا مسئلہ ہو سکتا ہے۔" وہ ایک گہری سانس لے کر بولا تھا۔

وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے اضطرابی کیفیت میں اپنے ہاتھوں کو دیکھتی رہی۔ "میں کہیں نہیں جا رہی۔ جو جیسا چل رہا ہے چلنے دیجیے اور گھر والوں کی فکر مت کیجیے۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں انہیں کچھ پتا نہیں چلے گا۔ آپ کو مزید خود پر جبر کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی میں آپ پر مستقل مسلط ہونے کا کوئی شوق رکھتی ہوں۔ اگر آپ نے یہ شادی گھر والوں کے کہنے پر کی ہے تو میں نے بھی یہی کیا ہے۔ تو اسی لیے اب ان کے لیے ہی سہی ہمیں یہ رشتہ اسی طرح نبھانا ہے۔"

"تم نبھا سکتی ہو اس طرح۔ میں تو نہیں نبھا سکتا۔" وہ خاموش ہوئی تھی اور سالار بول پڑا تھا۔ اس نے نا سمجھی کی کیفیت میں اسے دیکھا۔

"یہ سچ ہے اس رشتے میں میری قلبی خواہش تب شامل نہیں تھی۔ میں نے سوچا تھا۔ مجھے کہیں نہ کہیں تو شادی کرنی ہی ہے۔ پھر کیا برا ہے اگر میں بابا کی بات رکھتے ہوئے ان کی رضا میں راضی ہو جاؤں۔" ٹھہر ٹھہر کر کہتے ہوئے وہ کافی سنجیدہ ہو گیا تھا اور حریم کے

چہرے پر ایک تلخ سی مسکراہٹ ہلکی سی چھب دکھا کر غائب ہوئی تھی اس کے اس انکشاف پر۔
"ایک طرح سے تم کہہ سکتی ہو' میں اپنے بیٹا ہونے کا فرض نبھانا چاہ رہا تھا۔"
"اور اب آپ اپنے شوہر ہونے کا فرض نبھانے آئے ہیں۔ تو میں آپ سے کہہ رہی ہوں مت کیجیے۔ مجھے کوئی مسئلہ نہیں اس طرح رہنے سے۔ میں رہ سکتی ہوں بنا کسی ڈیمانڈ کے۔"
"اوہ۔" اس کے بات کاٹ دینے پر اس نے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرتے ہوئے ایک گہری سانس لی۔
"آپ نے کہا تھا آپ کی ذمہ داریاں اور جذبات کبھی یکجا نہیں ہو سکتے اور میرے خیال میں وہی بات سچ ہے۔" وہ اس کی کہی ہوئی بات یاد دلا رہی تھی۔
اس نے بمشکل اپنی جھنجلاہٹ پر قابو پایا۔ "تم دونوں بہن بھائی کا یہی مسئلہ ہے۔ خود سے سوچی گئی ہر الٹی بات کو صحیح ثابت کرنا مفروضات پر جینا۔"
"میرے بھائی کو درمیان میں مت لائیے۔" وہ ترو تھے لہجے میں کہہ اٹھی۔
"جانتی ہو فرہاد نے مجھ سے کیا کہا تھا؟"
سالار اس کے بات ان سنی کر کے اس سے پوچھنے لگا۔ "اس نے کہا تھا۔ مجھے یقین ہے تم حریم کو کبھی خوش نہیں رکھو گے اس لیے میں اس رشتے کے حق میں نہیں ہوں۔ یہ تو بالکل ایسا ہی ہے کہ ایک شریف بے قصور انسان کو محض اس اندیشے میں سزا سنا دی جائے کہ کہیں وہ مستقبل میں جرم کا ارتکاب نہ کر بیٹھے۔"
"مگر آپ نے تو ان کی بات سچ ثابت کر دی۔ کیا ایسا نہیں کیا؟" اس نے سوال کیا تھا۔
"ہاں۔ ایک حد تک' میں تم سے وہی کہہ رہا ہوں حریم ایک بار میری بات سن لو۔ محض تمہیں بہلانے کے لیے میں اتنا بڑا جھوٹ نہیں بول سکتا کہ یہ میری لو میرج ہے۔ شادی کے وقت میری جو فیلنگز تمہارے لیے تھیں۔ تمہاری جگہ کوئی بھی لڑکی ہوتی اس کے لیے بھی میرے محسوسات یہی ہوتے۔ میں اس رشتے کو غیر معمولی اہمیت دینے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اسے اپنی روٹین کا حصہ بناتے ہوئے بالکل اپنے روز مرہ معمولات کی طرح ہی برتنا چاہتا تھا۔ مگر... پہلی رات ہی میرے باندھے گئے سارے ارادے ریت کی بھربھری دیوار کی مانند ڈھے گئے۔ میں نے اپنی شکست سے خوف زدہ ہوتے ہوئے تم سے وہ ساری باتیں کیں' جو مجھے کرنی ہی نہیں تھیں۔ کیا فرق پڑتا اگر میں نارمل بی ہیو کرتا۔ مجھے تو تمہیں اس طرح وضاحتیں دینے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ ایک نارمل صورت حال تھی جسے میرے اندر کے چور نے مجھ سے وہ سب کہلواتے ہوئے پیچیدہ بنا دیا۔ میرے لیے بھی اور تمہارے لیے بھی۔"
تیز سے لہجے میں کہتے ہوئے وہ ذرا دیر کو تھما تھا۔
بے حس و حرکت بیٹھی حریم نے خاموشی کے اس مختصر سے وقفے پر بے چین ہو کر اسے دیکھا۔
"مجھے بعد میں اس کا احساس ہوا اور بجائے اس کے کہ میں تمہارے پاس آ کر اپنی شکست کا اعتراف کرتا۔ حماقت در حماقت میں نے تم ہی سے الجھنا شروع کر دیا۔ یہ ایک اور بچکانہ سی کوشش تھی تم سے دور بھاگنے کی۔ مجھے لگتا تھا... میں کبھی غلطی نہیں کرتا... نہ کر سکتا ہوں مگر تم نے مجھے آئینہ دکھا دیا کہ میں کتنا بڑا بے وقوف ہوں۔" بالوں میں ہاتھ پھنسائے اپنی بے بسی کا اعتراف کرتا کچھ شرمندہ ہوتا وہ ان لمحات میں اسے پہلے سے بڑھ کر اچھا لگا تھا۔
"مگر... آپ نے تو ابھی تک یہ کہا ہی نہیں۔" سر جھکائے اس نے نچلا لب دانتوں تلے دبایا۔
"کیا؟ کہ میں بے وقوف ہوں؟" اس نے چونک کر جس طرح پوچھا۔ حریم نے بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپائی۔
"نہیں۔" اس نے سر ہلایا۔ "یہی کہ آپ مجھے لینے کیوں آئے ہیں؟"
"حریم میری حریم... کیا تم مجھے بتانا پسند کرو گی۔ تمہیں کون سی زبان سمجھ میں آتی ہے؟" پر شوق نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس نے اس کی تھوڑی

اٹھا کر بالکل کسی بچے کے سے انداز میں پوچھا تھا۔ اس کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

"سالار! ایک بات پوچھوں۔" کچھ توقف سے اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"بھائی نے آپ سے بات کب کی تھی؟" یہ بات کافی دیر سے اس کے ذہن میں اٹکی تھی۔ وہ چونک گیا۔

"شادی سے پہلے۔"

"کس کی شادی سے پہلے؟" اس نے حیران ہو کر استفسار کیا۔

"تمہاری شادی سے پہلے۔ اس نے مجھ سے نہیں کی تھی بلکہ میں اس کے پاس بات کرنے گیا تھا جب مجھے پتا چلا تھا کہ وہ رشتے سے خوش نہیں ہے۔"

"بھائی سنڈے کو جا رہے ہیں۔ کیا۔ کیا آپ ان کے لیے اپنا دل صاف نہیں کر سکتے؟" کچھ دیر اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ دھیرے سے گویا ہوئی تھی۔ سالار کے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔

"بھول جائیے ساری پچھلی باتیں' جو ہوا سو ہوا۔ اب تو اریبہ بھی خوش ہے۔ آپ نے دیکھا نا آج۔ اتنا اندازہ تو لگا ہی لیا ہو گا کہ تیمور اسے ہمیشہ خوش رکھے گا۔"

"فرہاد میرا بھائی ہے حریم میں اس سے ہمیشہ کی ناراضی پال ہی نہیں سکتا۔" وہ ایک گہری سانس لے کر بولا تھا۔ حریم کی آنکھوں میں نمی امڈ آئی۔

"کاش میں آپ کو بتا سکتی۔ جو سزا وہ بھگت رہے ہیں وہ ان کو پوری زندگی مسکرانے نہیں دے سکتی۔ ہم اس میں اضافے کا باعث کیوں بنیں۔"

"ٹھیک ہے فکر مت کرو۔ میں اسے ایرپورٹ خود سی آف کرنے جاؤں گا۔ اور یہ پروگرام میں تمہارے کہنے سے پہلے ہی بنا چکا تھا تو تم یہ مت سمجھنا کہ تمہارے کہنے پر یا تمہارا دل رکھنے کے لیے میں بادل ناخواستہ اس کی جانب قدم بڑھا رہا ہوں۔" ہلکے سے مسکراتے ہوئے سالار اس کی تسلی کرا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"اٹھنے کی مہربانی کرو گی۔ نیند سے حالت خراب ہو رہی ہے۔ ترس کھا لو مجھ پر۔" اس کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے اس نے اچانک ہی ایک جھٹکے سے اسے اٹھا کر اپنے قریب کیا تھا۔ وہ بوکھلا کر رہ گئی۔

"سالار! میں چل رہی ہوں۔" وہ دھیرے سے منمنائی۔

"اچھا۔" اس نے دلچسپی سے اس کے گلابی روپ کو دیکھا۔

"دل تو نہیں چاہ رہا تمہیں یہ تکلیف دینے کو مگر۔"

اس کے لہجے کی معنی خیزی' اس کے تیور دیکھتے ہی حریم اس سے ہاتھ چھڑا کر سرعت سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

پلٹ کر سالار کے چہرے کی جان دار مسکراہٹ دیکھتے ہوئے ایک شرمیلی سی مسکان نے اس کے لبوں کو چھوا تھا۔ چہرے پر الوہی چمک لیے' ذرا ٹھہر کر سالار کی ہمراہی میں ہی اس نے قدم آگے کو بڑھائے تھے۔

☆ ☆ ☆

اس کی کہی گئی بات سچ ثابت ہوئی تھی کہ سب لوگ سب کچھ بھول جائیں گے۔ اس کے لیے ان کی ساری خفگی' ساری کدورت مٹ جائے گی جب وہ اریبہ کو خوش دیکھیں گے۔ اسے کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی جب ایرپورٹ پر سالار نے آ کر اسے گلے سے لگایا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر اسے بھینچے کھڑا رہا۔ یہ پل کتنے عرصے بعد میسر آئے تھے۔ اسے تو لگنے لگا تھا درمیان میں صدیاں گزر گئی ہوں۔ ان کے درمیان کوئی جھگڑا کوئی تلخ کلامی نہیں ہوئی تھی' مگر دل میں پالی بدگمانیوں نے ان کے بیچ ایک نظر نہ آنے والی خلیج حائل کر دی تھی۔ فرہاد پھر بھی سب کچھ بھولنے کو تیار تھا۔ حریم کو ہنستا مسکراتا دیکھ کر اس کے دل سے سالار کے لیے ہر شکایت مٹ گئی تھی۔ اگر وہ اس کے پاس نہ آتا تو بھی اسے کوئی گلہ نہ ہوتا۔

پچھلی بار کے برعکس اس بار وہ سب کے مسکراتے

چہرے دیکھ کر جہاز میں سوار ہوا تھا۔ مگر۔ جہاز کے ٹیک آف کرتے ہی درد کی ایک لہر نے دل سے جاں تک کی ساری تاروں کو ہلا ڈالا۔ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے اس نے آنکھیں موندیں۔ پچھلی دفعہ اپنی خودی کے زعم میں وہ کسی کی ساری امید توڑ کر آ رہا تھا اور آج خود اپنی ہر امید کے ساتھ ساتھ پارہ پارہ ہوتے دل کو بھی سمیٹنے کی ناکام سی کوششوں میں ہلکان ہو رہا تھا۔ وہ شام ذہن و دل کے پردے پر سے ہٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ جب وہ کسی اور کے نام سے جڑے بغیر آخری دفعہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کا بس چلتا تو وہ ایک لمحہ مٹھی میں قید کر لاتا۔ کاش ہو تا وہ اس کی پوری زندگی کے لیے۔ اس وقت جب وہ حریم کو بتا رہی تھی کہ وہ اس کے بغیر جی سکتی ہے۔ وہ جانتا تھا یہ بات۔ حریم کے کمرے کی طرف آتے ہوئے اس نے اریبہ کی ہر بات بڑی وضاحت سے سن لی تھی۔ اس کے باوجود۔ وہ اندر داخل ہو گیا تھا اور چوکھٹ پر قدم رکھتے ہی ہمیشہ کی طرح اس کا سلیقہ اس کی ضدی انا اس بار بھی رستہ روک کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"کیا کر رہے ہو۔ اس کا فیصلہ معلوم تو ہے۔ وہ اب تمہاری حدوں سے آگے نکل چکی ہے۔ اس کا پلٹنا مشکل ہے' مت کرو اس آخری لمحے میں آ کر شکست مت کھاؤ۔ خالی ہاتھ رہ جانا بہتر ہے مگر ذات کا غرور ٹوٹنا بہت تکلیف دہ۔"

انا بہت کچھ کہہ رہی تھی مگر فرہاد پہلی بار اس سے اپنا دامن چھڑاتے ہوئے اندر داخل ہو گیا تھا۔ وہ جانتا تھا اریبہ اپنا فیصلہ نہیں بدلے گی مگر اس کے باوجود اس نے زندگی میں پہلی بار اس کے سامنے واضح طور پر اپنی محبت کا اقرار کیا تھا۔ اپنے پچھتاووں کا' اپنی حسرتوں کا اس سے جڑے اپنی زندگی کے ہر ایک سچ کا۔ وہ اریبہ کو اس اذیت کے ساتھ اکیلے نہیں جینے دے سکتا تھا کہ اس کی محبت بے توقیر کر دی گئی تھی۔ وہ اسے موقع دے رہا تھا کہ وہ بھی اس کے ساتھ وہی سب کرے جو فرہاد نے اس کے ساتھ کیا تھا۔ یہی سزا بہتر تھی اس کے لیے۔ اس کے خاک ہوتے غرور کے لیے۔۔۔۔

جس نے آج اریبہ کو اس سے اتنا دور کر دیا تھا کہ اس کا تصور تک کرتے ہوئے فرہاد کو سو بار سوچنا تھا۔

اریبہ نے اسے جھوٹے لفظوں سے نہیں بہلایا۔ نہ برا بھلا کہا' نہ دل کی بھڑاس نکالی۔ اس نے صرف ایک بات کہی تھی۔

"تم نے بہت دیر کر دی فرہاد۔ اب میں تمہارے بغیر جینا سیکھ گئی ہوں۔"

اور وہ پلٹ آیا تھا۔ ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے کھڑکی سے باہر بادلوں کے مرغولوں کو دیکھا اور ذہن نے بے اختیار ہی پھر اس کی مصروفیت سوچی تھی۔ اگلے ہی پل سر جھٹکتے ہوئے اس کے چہرے پر ایک تھکن زدہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ ٹھیک ان ہی لمحات میں اس کی سوچوں کا محور و مرکز وہ ہستی کسی کی ہمراہی میں سمندر کی شوریدہ سر لہروں سے کھیلتی ہر فکر و غم سے بہت دور رنگ رہی تھی۔

"اف تیمور۔۔۔ کیا سب ہی فوجی تمہارے جیسے ہوتے ہیں۔" وہ اس کی مسلسل شوخیوں پر تنگ آ کر

جھنجلائی۔

"یعنی میرے جیسے ہینڈسم۔" اس نے شرارت سے مسکراتے ہوئے تصدیق چاہی۔ شاندار قدو قامت والا تیمور بے حد شوخ' شرارتی اور جوشیلا قسم کا انسان تھا۔ ہر پل' ہر لمحہ اپنی باتوں' شرارتوں' اپنی شدتوں کی برسات میں اسے بھگوئے رکھتا کہ کبھی کبھی تو وہ یہ جذبے سنبھالتے سنبھالتے تھک جاتی۔ وہ اسے خود میں اتنا محو کر گیا تھا کہ وہ اپنا آپ تک بھولنے لگی تھی۔

"اللہ رے۔ کیا کیا خوش فہمیاں ہیں لوگوں کو۔ مجھے تو لگتا ہے تم وہاں کوئی اور ہی کام کرتے ہو۔ یہاں سب پر دھونس جما رکھی ہے کہ آرمی میں کیپٹن ہوں۔" اس نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا تھا۔

"کوئی بات نہیں بیگم صاحبہ۔ اب جا ہی رہی ہیں نا وہاں خود ملاحظہ کرلیجیے گا اپنا رعب۔" ساحل کی ریت پر اس کے ساتھ ساتھ الٹے قدم لیتے ہوئے اس نے کالر اکڑائے۔

"ہاں۔ لیکن میں تو کہیں نہیں جا رہی۔" وہ چونکی۔

"کیا۔!" وہ ایکدم رک گیا۔ اسے بھی رکنا پڑا۔

"کیوں۔؟" اس کا روشن چہرہ بجھ سا گیا یہ جاننے کی بھی زحمت کیے بغیر کہ آیا وہ سنجیدہ بھی ہے یا مذاق کررہی ہے۔ اریبہ بغور اس کے تاثرات کا جائزہ لیتی رہی۔

"میرا جانا کیا ضروری ہے تیمور۔ تم پہلے بھی تو اکیلے رہ ہی رہے تھے نا وہاں۔" اس نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا تھا۔

"ہاں مگر۔ تب میں واقعی اکیلا تھا۔ اب تو نہیں ہوں۔" اس کا لہجہ دھیما ہوا۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے تیمور مگر میں اپنے گھر والوں سے اتنا دور نہیں رہ سکتی۔" اس نے بات ہی ختم کرنی چاہی۔

"اور میرے بغیر رہ سکتی ہو؟" پوچھتے ہوئے اس کے انداز میں جتنی اداسی تھی۔ اریبہ کو اس پر کسی بچے کا گمان ہوا۔ "تو تیمور۔ تم کیوں مجھے اتنے پیارے لگنے لگے ہو۔" اس نے بمشکل اس کے خوب صورت بے ریا چہرے سے اپنی نگاہیں ہٹائی تھیں۔

"توبہ ہے۔ تم سے تو بندہ مذاق بھی نہیں کرسکتا۔ ایسے مظلوم و معصوم تاثرات دینے لگتے ہو کہ کیا ہی کوئی بچہ اپنی ٹافی چھیننے پر دیتا ہوگا۔" وہ دھیرے سے ہنسی۔ تیمور بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔

"کیا۔؟"

اس نے جواب دینے کے بجائے تیزی سے قدم آگے بڑھائے۔

"تو یہ مذاق تھا؟" اس نے دو قدم میں ہی آکر اس کا ہاتھ پکڑلیا۔

"کیوں صرف تم ہی مذاق کرسکتے ہو۔ میں نہیں کرسکتی۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔

"کرسکتی ہو مگر یوں میری جان نکالنے والا مذاق مت کرنا آئندہ۔" وہ سچ مچ سنجیدہ ہوا تھا۔

"ارے رے۔ فوجی جوان ہو۔ اتنی سی بات سے جان نکلنے لگی۔"

"سینے پر گولی کھا سکتا ہوں۔ تمہاری دوری برداشت نہیں۔" اس کا انداز جتنا پرشدت تھا۔ اریبہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ یہ کوئی پہلا اظہار نہیں تھا۔ وہ دن میں کئی کئی بار اسے یونہی مغرور کردیا کرتا تھا۔

وہ اچانک چلائی جب اسی وقت آئی ایک بڑی سی لہر میں تیمور نے ہاتھ ڈال کر پانی اس کے چہرے پر اچھالا۔

"تیمور۔ تم بہت۔" آنکھوں پر ہاتھ رکھے اسے کہنے کے لیے لفظ نہیں سوجھے۔ اور وہ ہنس دیا تھا۔ بند آنکھوں کے پیچھے ہی اس نے موجوں کے شور میں اس کی ہنسی سنی۔ اور اپنے ہاتھ پر اس کی مضبوط گرفت محسوس کرتے ہی ایک بے اختیار مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احاطہ کرلیا تھا۔

☼ ☼

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

آگئی اتنی دیر میں احسان کوٹ اتار چکے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی "چائے بھیج دو" کہہ کر اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے اسٹڈی روم کی طرف بڑھ گئے۔

☼ ☼ ☼

میں سن کھڑی رہ گئی' یہ کیا ہوا میری برسوں کی محبت اور محنت پہ پانی پھر گیا۔ عزت آج بھی احسان کے لیے اہم ہے؟

عزت ہوتی ہی اہم ہے' میرے ذہن نے عزت کا

نسیم سحر

"تم؟" آج برسوں بعد عزت کو سامنے دیکھ کر محبت کے دل میں انجانے خدشوں نے سر ابھارا۔

"یہ یہاں کیا کرنے آئی ہے؟ اب کیا لینے آئی ہے؟" میں نے تو برسوں پہلے اسے شکست دے دی تھی۔

"شکست۔" میرے اندر سے آواز آئی میں نے عزت کے چہرے پہ نگاہ ڈالی شکست کا لفظ سن کر اس کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ نظر آئی یا شاید میرا وہم تھا وہ تو خاموش کھڑی تھی میں نے گڑبڑا کے ادھر ادھر دیکھا کوئی نہ تھا یہ میرے اندر کی آواز تھی جسے میں نے جھٹکتے ہوئے کہا۔

"احسان تو دیر سے آئیں گے۔" میں نہیں چاہتی تھی کہ احسان اسے دیکھیں۔

"وہ آنے والے ہیں۔" اس نے اطلاع دی یا جتایا۔

"مگر۔" ابھی میں کچھ کہنا چاہ رہی تھی کہ احسان کی گاڑی کا ہارن بجا میں حیران ہوتی ہوئی باہر لپکی۔ میں ہمیشہ ہی احسان کی گاڑی کے ہارن۔ باہر جاتی تھی پھر ان کے ہاتھ سے بریف کیس لے کر ساتھ چلتی ہوئی اندر آجاتی بریف کیس سائیڈ پہ رکھ کر ان کا کوٹ اتارتی لیکن آج انہوں نے بریف کیس دیتے ہی تیز قدموں سے اندر کی طرف قدم بڑھائے۔ عزت کے آتے ہی محبت کا رنگ پھیکا پڑنے لگا۔

"نہیں۔ نہیں میں ہار نہیں مانوں گی۔" میں نے خود کو یقین دلایا اور احسان کے پیچھے ہی تیزی سے اندر

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

دفاع کیا۔

"اور محبت؟" میرا سوال تھا۔

"کیا محبت ضروری نہیں۔"

"ہاں ضروری ہے مگر؟"

"مگر کیا ہوا؟" میں بے اختیار چلائی۔ "محبت ضروری تھی زندگی کے لیے جبھی احسان نے میرا ساتھ پسند کیا۔ میں نے برسوں ان کی خدمت کی ان کے نام کو بڑھانے کے لیے دو بیٹے دیے تو پھر آج۔" میں روہانسی ہو گئی۔

"محبت انسان کی ضرورت ہے۔ لیکن معاشرے میں زندہ رہنے کے لیے عزت زیادہ ضروری ہے۔" میں کرسی پہ ڈھے گئی۔

☼ ☼ ☼

میں یعنی حمنہ چوہدری اور احسان رضا کالج فیلو تھے احسان مجھ سے دو سال سینئر تھے ہماری دوستی کالج میں ہوئی۔ یہ دوستی پسندیدگی اور پھر محبت میں بدل گئی پورے کالج کو پتا تھا ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں ہماری راہ میں کوئی رکاوٹ نہ تھی میں چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی بابا کا اپنا بزنس تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ احسان کے رشتے کو منع نہیں کریں گے۔ دوسری طرف احسان دو بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا اور ویل آف فیملی سے تھا۔ احسان کو کالج سے فارغ ہوتے ہی جاب مل گئی جب میرا BS مکمل ہوا تو احسان اپنی فرم میں سیٹ ہو چکے تھے ان ہی دو سالوں میں احسان کی ایک بہن کی شادی ہو گئی تھی۔ اب احسان کے بابا احسان پہ شادی کے لیے زور ڈال رہے تھے اس سے پہلے کہ احسان میرا نام لیتے احسان کی پھپھو بیوہ ہو کر اپنی ایک بیٹی کو لیے گھر آ گئیں یہ حمیرو تھی سیدھی سی سادی انٹر پاس۔ حمیرو کے آتے ہی احسان کے بابا نے جھٹ حمیرو کو احسان کے لیے پسند کر لیا۔

"مگر بابا میں حمنہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" احسان نے بابا کو کہا۔

"کون حمنہ؟" بابا کا سوال تھا۔

"وہ میری کلاس فیلو ہے اور میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں۔"

"تو پھر تمہیں حمنہ اور اس گھر میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہو گا۔" بابا کا لہجہ اٹل تھا۔

"مگر۔" احسان نے کہنا چاہا۔

"بس" بابا نے وہیں روک دیا احسان اپنے بابا سے محبت کرتے تھے کیونکہ احسان کی والدہ بچپن میں ہی فوت ہو گئی تھیں اور بابا نے ہی ان تینوں بہن بھائیوں کو پالا تھا بابا کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے احسان نے حمیرو سے شادی کر لی۔

☼ ☼ ☼

"تم ایسا کیسے کر سکتے ہو۔" میں چیخ پڑی احسان شادی کے دو ماہ بعد مجھ سے معذرت کرنے آئے تھے۔

"میں بابا سے بہت محبت کرتا ہوں اس لیے انہیں انکار نہ کر سکا۔"

"اور مجھ سے؟ میرے بارے میں نہیں سوچا؟" میں رونے لگی۔ احسان تو مجھ سے معذرت کرنے آئے تھے ان کا خیال تھا کہ میں شاید ان سے بات نہیں کروں گی مگر میں حمنہ چوہدری جس نے کبھی زندگی میں ناکامی نہ دیکھی زندگی کے اتنے بڑے اہم معاملے میں کیسے ہار جاتی وہ بھی سیدھی سادی حمیرو سے۔ میں نے احسان کو مجبور کر دیا کہ وہ مجھ سے شادی کرے محبت جیت گئی احسان کے ایک دوست اور میرے گھر والوں کی موجودگی میں ہمارا نکاح ہو گیا بابا نے ہمیں ایک فرنشڈ اپارٹمنٹ لے کر دے دیا اب احسان دن میں اکثر اور رات میں کبھی کبھی میرے پاس رہنے لگے۔

ایک سال ہو گیا تھا احسان بہت محتاط تھے اس لیے ابھی تک کسی کو پتا نہ چل سکا تھا اس دوران میں ایک بیٹے کی اور حمیرو ایک بیٹی کی ماں بن چکی تھیں۔

☼ ☼ ☼

ایک دن احسان مجھے کھانا کھلانے لے گئے۔ وہ مجھے ہمیشہ اپنے گھر سے مخالف جگہ پہ ہی لے جاتے تھے اس دن شاید قسمت خراب تھی ہمیں ہوٹل سے نکلتے

ہوئے ان کے بابا نے دیکھ لیا۔ احسان مجھے چھوڑ کر جب واپس گھر گئے تو ایک ہنگامہ ان کا منتظر تھا۔ بابا کا لہجہ آج بھی اٹل تھا حمنہ یا حمیرو۔ سیدھی سادی حمیرو کے مقابلے میں احسان نے مجھے چنا اور بابا کا گھر چھوڑ دیا۔ بابا نے اسے طلاق نہیں دلوائی تھی اور احسان نے میرے کہنے کے باوجود حمیرو کو طلاق نہیں دی تھی گو کہ یہ کانٹا میرے دل میں تھا مگر احسان اب مکمل طور پر میرے ساتھ تھے اور میرے لیے ابھی اس سے بڑھ کر کیا تھا۔ احسان کی جاب اچھی تھی اس لیے ہمیں کوئی مسئلہ نہ ہوا۔

☼ ☼ ☼

آہستہ آہستہ ہم ایک نسبتاً بڑے گھر میں شفٹ ہو گئے میرے دو بیٹے تھے جس وقت احسان نے گھر چھوڑا حمیرو امید سے تھی اور اس نے دو جڑواں بیٹیوں کو جنم دیا تھا یہ مجھے بعد میں پتا چلا تھا۔ احسان کو میں نے محبت کے جال میں ایسا پھنسایا تھا کہ وہ ادھر کا رشتہ ہی بھول گئے تھے۔ میں اپنی جیت پر بہت خوش تھی احسان میرے تھے اور ہم ایک بھرپور لائف گزار رہے تھے۔ تو پھر آج برسوں بعد میرے مضبوط قلعے میں یہ دراڑ کیسی؟

اچانک جیسے میں ہوش میں آئی احسان حمیرو کو گیٹ تک چھوڑنے جا رہے تھے۔ واپس آئے تو خاموش تھے میں نے کچھ بولنا اور پوچھنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ چند دن اسی ادھیڑ بن گزر گئے میں انتظار میں تھی کہ وہ کچھ بولیں۔ بالآخر ایک ہفتے بعد احسان نے دھماکا کر ہی دیا۔

"کیا یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ' ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"کیوں نہیں ہو سکتا آخر حمیرو بھی تو اتنے برسوں اکیلی رہی ہے۔" احسان نے روکھے سے لہجے میں جواب دیا۔

"او تو اب آپ کو اس سے ہمدردی ہو رہی ہے۔" میں نے تنک کے جواب دیا۔

"تم کچھ بھی سمجھو میری بیٹیوں کو میری ضرورت ہے۔" احسان ۔ یہ کہہ کر کمرے میں چلے گئے احسان کے والد کی طبیعت خراب تھی انہوں نے احسان کو بلایا تھا اور مرتے وقت آخری خواہش کے طور پر درخواست کی تھی کہ احسان اب تو بیٹیوں اور حمیرو کا سہارا بن کر رہیں کیونکہ حمیرو اکیلی تھی پھپھو کا انتقال ہو گیا تھا۔ شاید دل میں ندامت کا احساس تھا جو احسان نے بابا کی بات بلا چون وچرا مان لی تھی۔

"تمہارے پاس تمہارے بیٹے ہیں۔" احسان کمرے سے نکلے۔

"تمہارے گھر والے بھی تمہارا خیال رکھتے ہیں۔"

"مگر مجھے آپ کی ضرورت ہے۔" میری بات ادھوری رہ گئی۔

"بس حمنہ اب اور نہیں مجھے اپنی غلطی کا کفارہ ادا کرنے دو۔" احسان کا لہجہ عجیب سا تھا۔

"کیا مطلب؟ میرے ساتھ آپ زبردستی رہ رہے تھے اب حمیرو کو چھوڑنا آپ کو غلطی لگ رہا ہے احسان اتنے برسوں کی محبت اور ساتھ کو آپ زبردستی کہہ رہے ہیں۔" میں روہانسی ہو گئی۔

"حمنہ پلیز چپ ہو جاؤ یہ محبت ہی تھی جو میں اتنے عرصے تم سے جڑا رہا اپنوں کو چھوڑ کر صرف تمہاری خاطر اور تم نے مجھ سے محبت کم اور حمیرو سے نفرت زیادہ کی تم مجھے اپنی جیت کے طور پر جتاتی رہیں اور وہ حمیرو جس نے آج تک اپنا حق ہوتے ہوئے بھی کبھی مجھ سے کچھ نہیں مانگا۔" احسان لحہ بھر رکے "لیکن اب اور نہیں مجھے اپنے بابا سے کیا ہوا وعدہ نبھانا ہے اور اپنی بیٹیوں کے سر پر سائبان بننا ہے۔" احسان نے اپنا سوٹ کیس اٹھایا اور باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

احسان جا چکے تھے اور آج برسوں بعد حمیرو نے مجھے مات دے دی تھی اس کی سادگی میری اداؤں پہ بازی لے گئی تھی۔

☼ ☼

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

ناولٹ

صدف ریحان

خوشبو، خوشی، سرشارت، ہنسی، قہقہے کئی رنگ تھے۔ ہال کھچا کھچ مہمانوں سے بھرا تھا اور ایسے ہی کتنے بے شمار رنگوں سے ایزد کا دل بھی گاہے بگاہے وہ دوستوں سے نظر بچا کر سامنے ہی ست رنگے ریشمی پردوں سے اور ڈھیروں پھولوں سے سجے اسٹیج پر ڈال لیتا جہاں سنہری کراؤن والے صوفے میں دھنسی زرقم کسی مغلئی شہزادی سے کم نہیں لگ رہی تھی نیوی بلو اور آف وائٹ کمبی نیشن کے زرق برق لہنگے میں بھاری زیورات کے ساتھ شہر کی مہنگی ترین بیوٹیشن نے اس کا روپ اپسرا بنا دیا تھا۔ وہ آج کل سے بھی بڑھ کر حسین اور دلکش لگ رہی تھی یا پھر ایزد کی نظر کو ہی کوئی اور منظر اچھا نہ لگ رہا تھا اور لگتا بھی کیوں آخر کو زرقم اس کی نئی نویلی اور پھر من چاہی دلہن تھی۔

"اف یہ دوستوں کا جھرمٹ۔" وہ پہلی بار اپنے یاروں سے بے زار ہوا جو زبردستی اسے وہاں سے اٹھا لائے تھے اور اب رج کے اس پر نثار ہو رہے تھے یہاں تک کہ ایک نے تو اس کے کندھے پر بازو پھیلا رکھا تھا۔ جیسے سچ مچ اس کے ضبط کا امتحان لیا جا رہا ہو۔ وہ اندر ہی اندر تلملا کر رہ گیا۔

"اونہہ فضول محبت کے مظاہرے۔" لیکن کیا کرتا بظاہر خوش اخلاقی کا پوز دیتے دانت پر دانت نکالتے سب کی بک بک پر ہوں ہاں کرتا رہا تھی۔

ایک بار پھر اس نے اسٹیج پر نظر کی زرقم کے گرد بھی لڑکیوں کا جم غفیر لگا ہوا تھا جسے ایزد کی بڑی آپا ادھر ادھر کر رہی تھیں کیونکہ معیز اپنے دونوں بازوؤں پر اپنے ٹوئنز بے بیز سنبھالے آ رہا تھا پیچھے اپنی ساڑھی سنبھالتی سج سج چلتی ان کی زوجہ محترمہ آ رہی تھیں۔

"کل کو تیرا بھی یہی حال ہونا ہے بنے؟ دیکھ لے معیز کا حشر۔" اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھتے ایک نے فقرہ چست کیا تو باقی کھلکھلا اٹھے ایزد کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ رینگ گئی۔ واقعی اس نے شادی کی تمام تقاریب میں معیز کو اپنے بچے ہی سنبھالتے دیکھا تھا بھابھی صاحبہ کو ساڑھی سنبھالنے سے فرصت نہ تھی۔

"میری بیگم صرف ایک سال ساڑھی باندھے گی اس کے بعد پابندی۔"

"کس پر۔" اس کے یکدم اعلان پر سب یک زبان بولے۔

"ساڑھی پر اور کس پر۔"

"آ۔۔۔ اچھا۔" سب نے سر ہلایا اس نے ادھر دیکھا۔ منظر بدل گیا تھا۔ معیز ہنڈی کیم پکڑے کھڑا تھا۔

گول مول گلابی سے بچے ایک بھابھی کی گود میں تھا تو دوسرا زرقم کی گود میں اچھل رہا تھا۔ جسے وہ بمشکل قابو کیے ہوئے تھی کیونکہ وہ کبھی اس کے ماتھے پر جھولتے ٹیکے کو پکڑنا چاہ رہا تھا تو کبھی گلے میں گلوبند کو۔ بھابھی ہنستے ہوئے جانے اس سے کیا کہہ رہی تھیں کہ وہ اب انہیں گھور رہی تھی اور کتنی پیاری لگ رہی تھی اف

ایزد نے دل تھام لیا۔

معیز اور ایزد کا ساتھ بہت پرانا تھا دونوں زمانہ اسکول سے ساتھ تھے۔ گو کہ کالج یونیورسٹی تک جاتے سبجیکٹس علیحدہ ہو گئے مگر یارانہ جوں کا توں رہا اک دوجے کے گھروں میں بھی آنا جانا تھا۔ زرقم، معیز کی چھوٹی اور لاڈلی بہن، نازک کومل سی لڑکی جس سے کبھی کبھار کی اتفاقیہ ملاقاتیں بلکہ ملاقاتیں کہنا تو غلط ہو گا۔ ہاں سامنے، جب بھی ہوئے وہ پلکیں جھکا کر چپکے سے کھسک لیتی تھی اور ایزد کو اس کی یہی ادائیں بھا گئیں جانے کب وہ اس کے حواسوں پر چھائی اسے خبر ہی نہ ہو سکی اس لیے تو جب امی نے اپنی پسند کردہ لڑکیوں کی تصویریں دکھاتے ہوئے اس کی رائے پوچھی تو اس نے ساری تصویریں پرے کرتے ہوئے بلا جھجک زرقم کا نام لے دیا امی کو بھلا کیا اعتراض ہوتا تھا زرقم ان کی بھی دیکھی ہوئی تھی۔ فٹ پنڈی سے بڑی آپا کو بلوایا گیا۔ رشتہ لے جایا گیا اور ادھر سے انکار نہیں ہو گا یہ تو وہ جانتا ہی تھا اور اس کا گمان سچ ثابت ہوا تھا یوں خوش قسمتی سے بغیر کسی ظالم سماج کے درمیان میں آئے کہانی انجام بخیر ہو گئی۔

زرقم کم گو ہے یہ تو وہ جانتا تھا مگر اس قدر یہ تو اسے کل رات ہی علم ہوا۔ وہ ہی اسے حکایت دل سنا تا رہا تھا اپنی بے چینیوں، بے تابیوں کے قصے معیز کی شادی پر اس نے کون کون سے رنگ پہنے تھے اور وہ کس رنگ میں کیسی لگ رہی تھی اسے بھول گیا ہو گا۔ ایزد کو اک اک بات یاد تھی اور ساری رام کہانی سناتے ہوئے وہ اسے بھی مسلسل بولنے پر اکسا تا رہا تھا مگر ہزار منتوں پر بھی زرقم نے پلکیں اٹھا کر نہ دیں اور وہ اس کی ان ہی اداؤں پر تو فدا تھا لڑکیاں چھوئی موئی سی تو اچھی لگتی ہیں۔ خوامخواہ کی بااعتماد لڑکیاں تو کبھی بھی اچھی نہ لگی تھیں اسے اپنی مرادیں بر آنے پر وہ جتنا بھی خوش ہوتا کم تھا۔ شور ہنگامہ، کھلکھلاہٹیں، قہقہے، مسکراہٹیں، سب ہی مگن تھے ان کی زندگی کا یادگار ایونٹ جو ایزد کے لیے تو بہت ہی یادگار بن گیا

بمشکل دوستوں سے نظر بچا کر جذبوں سے معمور دل لیے وہ اپنی ہی دھن میں اسٹیج کی جانب آ رہا تھا کہ راہ میں ہی دھر لیا گیا وہ چند لڑکیاں تھیں جنہوں نے اسے روکا تھا ان میں سے دو تو زرقم کی چچازاد کزن تھیں باقی کون سی والی زاد تھیں اس بارے میں وہ لاعلم تھا۔

"ماشاء اللہ! ارے بھئی آپ تو کافی ہینڈسم ہیں جبکہ ہم تو کچھ اور ہی سمجھے تھے۔" اک شوخ سی لڑکی باب کٹ والا سر ہلاتے اسے سر تا پیر دیکھتے ہوئے یوں بولی کہ وہ بے اختیار مسکرا اٹھا۔ لڑکی کا انداز ہی اتنا دلچسپ تھا۔

"کیا مطلب؟ کیا سمجھی تھیں آپ؟"

"بھئی سچی بات ہے میں تو کسی کالے موٹے بھدے سے دولہا کی توقع کر رہی تھی مگر آپ کو تو دیکھ کر تو حیران رہ گئی ہوں، کتنی لکی ہے زرقم جسے آپ جیسا لائف پارٹنر ملا اور حد ہے اس نے اتنا واویلا کیوں مچایا جبکہ اس نے آپ کو دیکھ بھی رکھا تھا۔"

"جی کیا مطلب؟" وہ کیا کہہ رہی تھی ایزد کے کچھ پلے نہ پڑا تھا۔ الجھ کر پوچھا۔

"ہیں کیا آپ کو نہیں پتا زرقم نے تو آپ کے رشتے سے انکار کر دیا تھا وہ تو سنا ہے معیز بھائی آپ کے دوست ہیں اس لیے انہوں نے اس کی ایک نہیں سنی زبردستی منوا کر دم لیا۔"

"ہاں تو خوش نصیب لوگ ہی نخرا کرتے ہیں وہ بھی نخرے دکھا رہی ہو گی ورنہ اچھے رشتوں سے تو بے وقوف لڑکیاں ہی انکار کرتی ہیں اور اب دیکھو کتنی خوش لگ رہی ہے۔" اس لڑکی کی وضاحت کے بعد ایک اور دل جلی نے سامنے اسٹیج پر نظر ڈالتے تبصرہ کیا تھا جبکہ وہ اپنی جگہ کھڑے کھڑے بھک سے اڑ گیا۔

زرقم نے انکار کر دیا تھا اس شادی سے، نہایت ہی روح فرسا خبر تھی "انکار" کیسا چابک کی طرح لگا تھا یہ لفظ اس کے اعصاب پر، روح تک جھنجھنا اٹھی تھی۔

"کیوں! کیوں کیا تھا اس نے انکار کیا کمی تھی مجھ میں؟ اوف۔"

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

ایک وہ تھا جو لمحہ لمحہ اس کے ساتھ کی دعائیں مانگتا رہا تھا پل پل اس کی چاہ میں گزار رہا تھا ہر آنے والی گھڑی میں خود کو پہلے سے زیادہ اس کی محبت میں ڈوبا پایا اور اسے پا کر وہ کتنا خوش تھا لگتا تھا دنیا فتح کر لی اسے پا کر جیسے ہر خوشی مل گئی اور۔۔۔ اور ایک وہ تھی۔ انکار بھلا کیوں کس لیے؟ ایزد کے تو حواس ہی معطل ہونے لگے لڑکیاں جانے اور کیا کیا کہہ رہی تھیں وہ ایکسکیوز کرتا آگے بڑھ گیا۔

لیکن کہاں، قدم آگے سرکنے سے ہی انکاری ہو گئے۔ "زرقم نے اتنا واویلا کیوں مچایا" اک بھالا سا دل میں اتر گیا اس کے اندر جلتے ڈھیروں مسرتوں کے دیے جیسے اک پھونک میں ہی بجھ گئے تو اس کا وہ گریز جھکی پلکیں وہ شرم و حیا سب کہیں۔۔۔ اوف ایزد کا دل چاہا اپنا سر کہیں ٹکرا دے۔ اس کی اتنی محبتوں کا یہ جواب اس کے بے لوث جذبوں کا یہ انعام ایسا تو گمان کے ہزارویں حصے میں بھی نہ تھا سامنے ہی جلوہ افروز زرقم کا شرماتا مسکراتا روپ یکدم اسے اپنا مذاق اڑاتا محسوس ہونے لگا۔ وہی آنکھیں جو بار بار اسے دیکھنے کی چاہ کر رہی تھیں اب وہی آمادہ گریز ہو گئیں۔ رونقوں سے پرہنگام محفل میں یک لخت ہی جیسے وہ تنہا ہو گیا۔

اور بے چاری زرقم کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو سکی کہ اس کی چلبلی چلتر سی کزنز اس کی نئی نویلی خوشیوں پر کیسی پھلجھڑی چھوڑ گئی ہیں۔ شرارے نکل رہے تھے اور نکلتے ہی آ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

آنکھ کھلتے ہی اس نے بے تابی سے جھپٹ کر سرہانے رکھا موبائل چیک کیا کوئی مس کال یا کوئی مہکتا ہوا سا پیغام مگر وہاں ایسا کوئی نشان نہ تھا لگتا ہے موصوف ناراض ہو گئے۔ وہ مسکرا اٹھی وقت رخصت اس کا چہرہ نظروں میں گھوم گیا۔ پھولا پھولا خفا خفا سا لال لال پکے سیب جیسا وہ بے اختیار ہنس دی۔

"اہل۔" اس نے جیسے چٹخارہ لیا۔

یہ ایزد کا نک نیم تھا جس کی اس بے چارے کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی۔

یہ زرقم کی پرانی عادت تھی اسے اچھا لگتا تھا اشخاص کے نمایاں خواص کے مطابق ان کے مزے مزے کے نام رکھنا اس کی سہیلیوں میں کوئی ککڑی تھی تو کوئی بھنڈی، خاندان بھر کے رنگ برنگے نام اس نے رکھ چھوڑے تھے۔ محلے میں بھی کوئی نہ بچا تھا حتیٰ کہ افراد خانہ تک محفوظ نہ رہ پائے تھے معیز بھائی اچھی صحت اور سرخ رنگ کے باعث پامرگرنیٹ، جن کا اتنا لمبا نام لینے کے بجائے وہ انہیں پامی کہتی تھی۔ شاندانہ بھابھی اپنی اسمارٹنیس اور نزاکت کی وجہ سے بنام کیرٹ تھیں اور بھابھی کا شارٹ فارم بھی اور تو اور نئے آنے والے ننھے مہمان بھی نہ بچ پائے جنہیں اس نے چیکو اور چیری قرار دیا۔

☼ ☼ ☼

اسے اچھی طرح یاد تھا وہ دن (بھلا وہ بھول سکتی تھی) سامنے والی فریدہ آنٹی کے گھر قرآن خوانی تھی اور وہ ان کے ہاں جانے کے لیے بالکل تیار تھی آخری بار آئینے میں اپنا ناقدانہ جائزہ لیا۔ اپنا سفید ایمبرائڈری والا پنک سوٹ اسے نہایت پسند تھا جو اس پر خوب جچ بھی رہا تھا۔ کانوں میں سفید نگوں والے ٹاپس کلائی میں ویسا ہی بریسلیٹ میک اپ کے نام پر آنکھوں میں کاجل کی دھار اور تراشیدہ لبوں پر ہلکی سی پنک لپ

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

اسٹک پھیلی تھی اور اس سے ہی اس کا چہرہ گلاب کی مانند کھل اٹھا تھا۔

"تم گئیں نہیں ابھی تک؟ اللہ بچائے تم لڑکیوں کی لیپا پوتی سے سیپارہ پڑھنے جا رہی ہو۔ وضو بھی کیا ہے کہ نہیں اب ہٹ بھی جاؤ شیشے کے سامنے سے۔" ای نے دیکھتے ہی آڑے ہاتھوں لیا۔

"اوہو ای آپ بھی نا میں بس جا ہی رہی تھی آپ گیٹ بند کرلیں۔" اس نے شرمندہ ہوتے کھسکنے میں ہی عافیت جانی اور اپنے دھیان میں جھٹ سے گیٹ کھولتے وہ بس اگلے کے گلے لگنے ہی والی تھی کہ بجلی کی سی تیزی سے خود کو سنبھالا۔ اگلا جو کال بیل پر انگلی رکھا ہی چاہتا تھا اچھل کر رہ گیا چند ساعتیں تو لگی ہی تھیں دونوں کو حواس یکجا کرتے۔

"وہ.... وہ معیز ہے گھر پر۔" حواس بحال ہوتے ہی ایزد نے مدعا بیان کیا۔ جبکہ اس کا دل ابھی تک کانوں میں دھڑک رہا تھا۔ اف توبہ کس قدر ہولناک "ٹاکرا" ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔

"ج.... جی ہیں۔ م.... میں بلاتی ہوں۔" وہ پھر اندر کو بھاگی۔

"ارے اب کون سا "کانٹا" بندہ رہ گیا ہے لڑکی۔" امی پھر شروع ہو گئیں۔

"پامی کے دوست ہیں باہر ان کو بتا دیں میں جا رہی ہوں۔" ان کی گھرکی سے خائف ہو کر وہ پھر باہر کو لپکی اب احتیاط سے قدم نکالا۔ ایزد قدرے فاصلے پر رخ موڑے کھڑا تھا وہ اطمینان سے چلتی مطلوبہ دروازے تک پہنچی اور یونہی بلا ارادہ پلٹ کر دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا نظر ملتے ہی وہ سٹپٹا کر غڑاپ سے اندر ہو گئی۔ دل بے تحاشا دھڑک رہا تھا پامی کے اس دوست کو پہلے بھی کئی بار دیکھا تھا اور آج انتہائی قریب سے دیکھا تھا۔

کچے سیب سی سبز رنگ کی شرٹ پہنے اس کی آنکھیں بھی ہم رنگ تھیں خوب شفاف قدرے گلابی رنگت گول مول سے چہرے پر جچتی کھڑی مغرور ناک بھرے بھرے سرخ ہونٹ اور ان رنگوں کے امتزاج کے باعث بے ساختہ وہ اسے اپیل کا نام

دے گئی تھی۔ اس اتفاقیہ سامنے نے اس کی دھڑکنوں کو ٹھیک ٹھاک زیروزبر کر دیا تھا کچھ تو منفرد کچھ تو خاص تھا اس چہرے ان سبز آنکھوں میں جو پھر اکثر اسے یاد آنے لگیں۔

پامی کی شادی پر ہونے والے کئی بار ہوتے ٹکراؤ نے اسے یہ احساس بڑی شدت سے دلایا کہ ایزد کی نظروں میں بھی کچھ خاص ہے اک مختلف سا احساس وہ جب بھی اسے دیکھتا بڑی ہی ٹھہری ہوئی نظر ہوتی گو کہ اس نے ہونٹوں سے کبھی کچھ نہ کہا تھا لیکن وہ اس کی روشن سبز قندیل سی آنکھیں کچھ تو ضرور بولتی تھیں اور وہ اس کی ان آنکھوں پر ہی تو فدا ہوئی تھی اور یہ تو اس کے گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ راز جو وہ خود سے بھی ابھی تک کہہ نہیں پائی وہ دعا جو لبوں تک آئی نہیں تھی کہ بن مانگے پوری ہو گئی۔

خدا کتنا مہربان ہے جو اس کے دل کی ان کہی جان گیا تھا بے شک وہ ہر نہاں و عیاں رازوں کا بھید جانتا ہے۔ وہ روشن آنکھوں والا چمکتے ستارے جیسا شخص اس کا نصیب بن گیا تھا وہ اپنے رب کی جس قدر شکر گزار ہوتی کم تھا۔

اور کس قدر نازاں ہو رہی تھی وہ خود پر جب وہ اس سے اپنے دل کا ہر راز کہہ رہا تھا ان کا وہ ٹاکرا ایزد کو بھی پوری جزئیات سے یاد تھا اور کئی باتیں بے شمار یادوں کی پٹاری تھی اس کے پاس ایک کے بعد ایک جگنو وہ نکالتا جا رہا تھا اور وہ مسکاتے لبوں اور جھلملاتی آنکھوں سے سب سنے گئی تھی کتنا اچھا لگ رہا تھا۔ ان لمحوں کی خوشی اور سرشاری وہ جیسے کسی اور ہی جہاں کی سیر پر نکلی تھی۔ کیا وہ بھی اپنا دل کھول دے ہر سچ بتا دے؟ اک پل کو تو خیال آیا۔ مگر نہیں 'ابھی نہیں حیا آڑے آ گئی۔ پھر کبھی سہی اس وقت تو بس اسے سننا اچھا لگ رہا تھا وہ جیسے ہواؤں میں اڑ رہی تھی عجب سا نشہ روح پر چھا رہا تھا وہ سرتاپا اس سرور میں گم تھی۔ کل کے سارے منظر بھی یاد کے پردے پر لہرا گئے۔ جب کیرٹ نے کہا۔

"بھئی دل تھام لیں خود کو سنبھال لیں دولہا میاں

آپ کی دلہنیا آج کی رات ہمارے ساتھ جائیں گی۔" اور اس اطلاع پر وہ تڑپ ہی تو گیا۔

"نہیں یہ ظلم ہے۔"

"یہ ظلم نہیں رسم ہے۔" کیرٹ نے بھی فوراً جواب دیا اور ایزد نے کسی ماہر لیڈر کی طرح ہاتھ نچا کر نعرہ لگایا۔

"میں اس رسم کی مذمت کرتا ہوں۔"

"دھیان سے دولہا میاں۔ اس مذمت پر ساسوماں سے کہیں آپ کی مرمت نہ ہو جائے۔" کیرٹ نے ڈرایا اور وہ سچ مچ یوں ہو گیا جیسے واقعی ڈر گیا ہو اور اس کی اداکاری پر کیرٹ کا ہنس ہنس کر اور اس کا ہنسی روک روک کر برا حال تھا۔ اب وہ دل کھول کر ہنس رہی تھی۔

"اللہ.... اللہ لڑکی تو دیوانی ہو گئی دو دن میں یہ کیا ماجرا ہو گیا۔ خیر تو ہے نا بی بنو' ایسا کیا پیغام بھیج دیا ہمارے اپیل بھائی نے۔" اندر آتی شاندانہ نے اس کے ہاتھ میں دبے سیل فون کو دیکھ کر قیاس آرائی کی۔

"اوہ میلے پالے پالے بچے۔" (میرے پیارے پیارے بچے) وہ ان کا سوال نظر انداز کیے چیکو اور چیری کو لینے کے لیے لپکی وہ بھی اس کی جانب یوں آئے گویا صدیوں کے بچھڑے ہوں۔

"ہائے میری جان میرے فرد تو اداس ہو گئے تھے۔" وہ چٹاچٹ انہیں چوم رہی تھی۔

"ہاں تو اور کیا۔ صبح سے جان ہلکان کی ہوئی تھی میری۔ مسلسل ریں ریں کوئی کام نہیں کرنے دیا آنٹی الگ ناراض ہو رہی ہیں مجھ پر گھر مہمانوں سے بھرا پڑا ہے اور میں بچوں کا بہانہ کیے بیٹھی ہوں۔ وہ تو تمہارے بھائی نے یاد دلایا' جاؤ ان کی لاڈو پھوپھو کے پاس لے جاؤ۔ شاید بہل جائیں۔ سچ دو دنوں میں حالت بگاڑ دی ہے انہوں نے میری۔" شاندانہ نے خفگی بھری نگاہ سے دونوں کو دیکھا جو رونا بھول بھال غوں غاں کر رہے تھے چیری اس کی کلائی میں پڑی جگمگاتی چوڑیوں پر ہاتھ مار رہی تھی اور چیکو اس کے گلے میں جھولتا لاکٹ تھام چکا تھا۔

"دیکھو اب کیسے پرسکون ہیں۔ بس مجھے ہی تنگ کرنا ہوتا ہے ان بدتمیزوں نے۔" شاندانہ کو غصہ ہی آگیا ان کے انداز دیکھ کر بس نہ چلا ان کے گول گپوں سے منہ پر ایک ایک لگا تیں۔ زرقم نے ہنستے ہوئے انہیں سینے میں بھینچ لیا۔

"جائیں آپ کام کریں میں جب تک یہاں ہوں آپ کی چھٹی۔"

"ہاں جی اور آنٹی کردیں گی میری چھٹی" ان کے خیال میں تو میں پہلے ہی ان بچوں کی آڑ لے کر کسی کام جوگی نہیں ہوں۔" شاندانہ تو خاصی تپی ہوئی تھیں لگتا تھا صبح سویرے ساس کے ہاتھوں ٹھیک ٹھاک کلاس ہوئی تھی۔ زرقم کو ان کا پھولا ہوا منہ دیکھ کر ایک بار پھر ہنسی آگئی۔

"ہنس لو۔ ہنس لو بچو۔ ایک سال بعد پوچھوں گی تم سے جب منہ اندھیرے ساس کی جھاڑیں پڑا کریں گی۔ ابھی تو نئی نئی باتیں ہیں آپ کے دانت تو نکلیں گے ہی۔ آپ نہیں ہنسیں گی تو کیا ہم ہنسیں گے۔" شاندانہ نے اسے گھورا وہ ہنستی جارہی تھی اور انہیں بھی آخر کار ہنسی آگئی۔

"اچھا چلو چھوڑو ساری باتیں یہ بتاؤ کیسا ہے ایزد؟" شاندانہ نے پیار بھری نگاہ اس کے کھلے کھلے مسرور چہرے پر ڈالی وہ چپکے چپکے ایزد کو دیکھا کرتی تھی اس راز سے تو صرف وہی واقف تھیں اور اس کے رکھے گئے نک نیم سے بھی۔

"ویری سویٹ۔" وہ گھٹ سے بولی۔

"سچ کیرٹ آئی ایم سو لکی ان دس میٹر میں اس قدر خوش نصیب ہوں میرا تو خیال بھی نہیں تھا۔ جسے ابھی میں نے سوچا ہی تھا خدا نے اسے میرا بنا دیا۔ مجھے تو بن مانگے ہی اتنا کچھ مل گیا۔ آئی سویئر میں بہت خوش ہوں۔" اس نے بھی اپنی واحد رازداں کے آگے دل کھول کر رکھ دیا۔

"اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے دگنی خوشیاں دے ہمیشہ سکھی رہو دودھو نہاؤ پوتو پھلو۔" شاندانہ نے بڑی بوڑھیوں کی طرح دعاؤں کے ڈھیر لگا دیے۔

"اچھا اب اٹھو' فریش ہو جاؤ' ناشتا تقریباً" ریڈی ہے سب تمہارا پوچھ رہے ہیں اور یہ بتاؤ کون سے کپڑے نکالوں تمہارے۔" وہ اس کے چھوٹے سے سوٹ کیس کی جانب بڑھ گئیں جس میں رات آتے ہوئے چند جوڑے رکھے تھے۔

"کوئی سے بھی نکال دیں۔" دونوں بچوں کو بیڈ پر بٹھا کر وہ اپنے بال سمیٹتے ہوئے اٹھی۔

"ویسے کیرٹ کتنا فرق پڑ جاتا ہے نا لڑکی کی زندگی میں پرسوں تک میرے کپڑے اسی وارڈ روب میں تھے۔ آج اس سوٹ کیس میں سے نکل رہے ہیں۔" اسے ایک دم بہت محسوس ہوئی تھی یہ بات۔ دو دن پہلے تک جس کمرے کی ہر چیز پر اس کا استحقاق تھا' آج وہاں وہ فقط مہمان تھی۔

"ہاں ایسے دن تو آتے ہی ہیں ہر لڑکی کی زندگی میں پھر یہ بھی تو دیکھو کتنی دلکش ہوتی ہے یہ تبدیلی۔" انہوں نے ایک دم سے اس کے چہرے کو بجھتے دیکھا تو دوسرا رخ یاد دلایا۔

"ہاں یہ تو ہے ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔" وہ فوراً" متفق ہوئی۔ میاں جی کا پھولا منہ دھیان میں آگیا۔ پکے پکے لال سیب جیسا تو لب بے اختیار مسکرا اٹھے۔

☼ ☼ ☼

وہ آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی تھی۔ دل میں دھواں سا بھرا تھا جو آنکھوں کے رستے قطار در قطار آنسوؤں کی صورت پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر تکیے میں جذب ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اب تک یقین نہ کرپائی تھی کہ جو اس کے ساتھ ہوا وہ حقیقت تھی یا کوئی واہمہ' شادی کے تیسرے ہی دن وہ بھی دوسروں کے سامنے ایسا رویہ اس طرح کا لہجہ۔

"اوہ میرے اللہ۔"

آنٹی کا فون آیا تھا کہ وہ سب اسے لینے آرہے ہیں۔ وہ کتنے چاؤ سے تیار ہوئی۔ میرون سنہری کامدانی کی فراک میں چوڑی دار پاجامہ پہنے زیورات اور گہرے میک اپ نے اس کا روپ نکھار ڈالا تھا سب

نے ہی سراہا۔ وہ اڑی اڑی پھرتی رہی۔

ہائے یہ وقت گزر کیوں نہیں رہا کب آئیں گے وہ اک اک گھڑی صدی پر محیط تھی یہ دن اس کے لیے سال کا لمبا ترین بن گیا تھا۔ انتظار کتنی بری کیفیت ہوتی ہے اس نے آج ہی جانا تھا۔

جب ایزد کو دیکھا تو جیسے یک لخت تمام کلفت اڑن چھو ہو گئی۔ پوری ایک رات اور دن کے بعد وہ اسے دیکھ رہی تھی اور یوں لگ رہا تھا کہ جیسے برسوں کی پیاس کو سیرابی مل گئی ہو۔ ترسی ہوئی آنکھیں پرسکون ہو گئیں۔ دل مضطر کو قرار آگیا۔ وہ سب سے مل رہی تھی اسے بھی جوش سے سلام کیا۔ جس پر اس کا ٹھنڈا ٹھار جواب' سنجیدہ انداز نہ آنکھوں میں وہ بے تابی نہ چہرے پر شادابی۔ وہ ٹھٹک گئی پھر اندر ہی اندر مسکرا دی۔

کل ایزد نے اسے روکا تھا لیکن وہ سب کے ساتھ چلی آئی تھی۔ ہوں تو نخرے' ناراضی۔ محترم خاصے خفا لگتے ہیں۔ وہ سب کے درمیان براجمان رہا بیٹھا تھا اور اسے پہلی بار منانے کا تجربہ کیسا ہوگا؟ وہ سوچ سوچ کر خوش ہو رہی تھی۔

خوب محفل جمی بہت اچھے ماحول میں شاندار ڈنر کیا گیا اور جب وقت رخصت بابا نے گلے لگایا تو بے اختیار اس کا دل بھر آیا یہ پیارا گھر چاہنے والے ماں باپ' خیال رکھنے والے بھائی بھابھی سب پرائے ہو چکے تھے۔ اس کی رخصتی ہال سے ہوئی تھی وہ سرے بیوٹی پارلر میں دیے گئے ہزاروں روپے تب تو کسی نے رونے نہ دیا۔ کیرٹ اور دیگر کزنز چٹکلے چھوڑ چھوڑ کر ہنساتی رہی تھیں۔ پر آج ایسی کوئی بات نہ تھی وہ بابا کے سینے سے لگ کر رو پڑی جن چہروں کو دیکھے بغیر دن سے رات نہیں ہوتی اب انہیں کبھی کبھی دیکھا کرے گی اور بابا ان میں تو اس کی جان تھی (دوسرے ایزد کی غیر معمولی خاموشی' خوا مخواہ کا گریز' اتنی دیر میں وہ کئی بار چپکے چپکے اسے دیکھ چکی تھی اور اس نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر نہ دیکھا تھا) وہ روتی نہ تو کیا کرتی سب نے بمشکل چپ کروایا۔ امی نے پیار کیا آنٹی نے تسلیاں

دیں۔

اور جب گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر اس کے برابر بیٹھی وہ سوں سوں کر رہی تھی تو ایزد نے بجائے کسی ہمدردانہ یا پیار بھرے جملے کے کیسے تڑخ کر کہا۔

"اتنا ہی دکھ ہو رہا ہے یہاں سے جانے کا تو ابھی اتر جاؤ۔ میں زبردستی نہیں لے کر جا رہا تمہیں۔ میں ویسے بھی زور زبردستی کا قائل نہیں ہوں۔"

"ہائیں' ہائیں یہ کس لہجے میں بول رہے ہو ایزد۔" پچھلی سیٹ پر بیٹھی مما نے فوراً" ٹوکا۔ جبکہ اتنے سخت الفاظ پر اس کے آنسو یکدم ہی ٹھہر گئے تھے۔

"کچھ تو خیال کرو ساری لڑکیاں ماں باپ کا گھر چھوڑتے ہوئے روتی ہیں یہ تو فطری سی بات ہے۔ سنبل یاد نہیں کس طرح تڑپ تڑپ کر روئی تھی اپنی شادی کے روز۔ اگر اس بے چاری کے آنسو نکل آئے تو اس میں اس کا کیا دوش۔ ارے بھئی تم مرد ہو تم کیا جانو اس کے احساسات کو' تم بھی چپ کرو زرقم کتنا چھوٹا سا دل ہے تمہارا اپنے ہی گھر جا رہی ہو میری جان اور کون سا دور جا رہی ہو۔ بیس منٹ کی تو ڈرائیو ہے روز آتی جاتی رہنا۔" اسے لتاڑنے کے بعد وہ زرقم کو بہلا رہی تھیں۔

"ہاں تو اور کیا آج کل تو دوریاں بھی دوریاں نہیں رہیں۔ اب مجھے دیکھو میں کتنی دور ہوں۔ روز امی سے فون پر بات ہو جاتی ہے تو ایسے لگتا ہے جیسے ان کے درمیان ہوں تم بھی گھبراؤ مت' ہم ہیں نا سب تمہارے۔" سنبل آپا نے بھی طرف داری کی۔ سارا راستہ مما اور آپا اسی طرح اس کا دل بہلاتی رہیں ایزد پھر اک لفظ نہ بولا لیکن اس کے چہرے کے کرخت تاثرات وہ کیسے نہ گھبراتی۔

گھر پہنچتے ہی وہ سب تو گرما گرم کافی پینے لاؤنج میں بیٹھ گئے وہ معذرت کرتی کمرے میں چلی آئی۔ ایزد کا رویہ سمجھ سے بالاتر تھا۔ اگر وہ خفا بھی تھا تو اتنا زیادہ کیوں' شادی کی پہلی رات اتنی میٹھی میٹھی باتیں سنانے والا یوں اتنی کڑوی بات کیوں کر گیا تھا۔ حقیقتاً" وہ بہت دکھی ہوئی دل پارہ پارہ ہو گیا تھا۔ موتیوں کی لڑی

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

مسلسل بہہ رہی تھی۔ دروازے پر کھٹکا ہوا آنے والا ایزد تھا۔

زرقم نے آنکھوں پر رکھے بازو کی جھری سے دیکھا اور سوتی بن گئی اگر وہ اک ذرا سی بات پر خفگی دکھا رہا تھا تو اب وہ بھی اس سے ناراض ہو چکی تھی۔ سوچ لیا تھا بات نہیں کرنی، آسانی سے نہیں مانتا ایزد چینج کر کے آیا تو وہ اسی رخ پر لیٹی تھی۔

دل پر گرنے والا پہلا بارش کا قطرہ' باد نسیم کا برف زار جھونکا روح میں اترا وہ دلنشیں احساس جو جسم و جاں کو یوں اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا کہ اب اس کے حصار سے آزادی ممکن نہ تھی۔ وہ اس کی پہلی محبت اس کی پیاری بیوی جس سے وہ ذرا سی بات پر از خود خفا ہوا بیٹھا تھا گو کہ وہ کانوں کا ایسا کچا بھی نہ تھا کہ ہر سنی سنائی پر آنکھ بند کر کے یقین کر لیتا۔ وہ سنی سے زیادہ دیکھی پر یقین رکھنے والوں میں سے تھا اور پھر وہ لڑکیاں کوئی اور نہیں زرقم کی قریبی کزنز تھیں وہ جھوٹ کیوں بولتیں۔ اتنے وثوق سے اگر کوئی اور بات ہوتی تو وہ درگزر بھی کرتا مگر یہاں معاملہ اس ہستی کا تھا جسے وہ پورے اخلاص اور مان کے ساتھ اپنی زندگی کا ساتھی بنا چکا تھا۔ تو کیا وہ اس سے اس معاملے میں باز پرس کرے؟

"نہیں" "فوراً" اندر سے آواز آئی "یہ یقیناً" اس کے جذبوں اور محبت کی توہین ہو گی اگر وہ ہاں کہہ دے تو" اس سے آگے ۔۔۔ اس کے غصے پر ٹھنڈا ٹھار پانی گر گیا۔ اپنی انا و خودداری بہرحال اسے بہت عزیز تھی اور کم عزیز تو وہ بھی نہ تھی جس سے وہ نا چاہتے ہوئے بھی کافی سے زیادہ تلخی برت چکا تھا۔ اس کے خوب صورت اور مہکتے روپ سروپ سے نظریں چرانا ممکن نا تھا اب اسے بلائے تو کس طرح وہ سو نہیں رہی اتنا تو وہ جان ہی گیا تھا۔

یوں ہی جان بوجھ کر ادھر ادھر اٹھا پٹخ کرنے لگا وہ ٹس سے مس نہ ہوئی تو اپنی جگہ لیٹ کر کتاب اٹھالی بیڈ پر موجود واحد کمبل جس میں گھسی زوجہ محترمہ اس کے آتے ہی مزید سمٹ گئی تھیں۔

"واہ پورے کمبل پر قبضہ!" ایزد کو برداشت نہ ہوا ایک کونہ کھینچ کر ٹانگوں پر ڈالا۔ وہ کچھ اور پرے سرکی۔

"بیڈ سے نیچے نہ گزر جانا۔" صبر ختم ہوا تو کلس کر بول ہی پڑا لیکن جواب ندارد۔

"زرقم!" حوصلہ ختم ہوا ایزد نے ہاتھ بڑھا کر کمبل ہٹایا۔ آنسوؤں سے تر بتر چہرہ' لال انگارہ آنکھیں ساری خفگی ہوا ہو گئی وہ کب سے رو رہی تھی اور ان آنکھوں میں آنسو یہ تو کبھی نہ چاہا تھا لیکن ادھر خفگی باقی تھی مزید پرے سرکنے کے چکر میں وہ واقعی نیچے جا پڑتی اگر ایزد بروقت نہ سنبھالتا۔

"کہہ بھی رہا ہوں میں "ابھی گر جاتیں تو"

"تو کیا مر جاتی" وہ سخت تپی ہوئی تھی۔

"زرقم" ایزد پوری جان سے دہل گیا۔ بے اختیار ہی اسے سینے میں بھینچ لیا۔

"کتنی فضول بات کی ہے تم نے آئندہ سوچ سمجھ کر بولنا سمجھیں' تمہیں نہیں پتا تم میں تو میری جان ہے۔"

وہ پھر اسی لہجے میں بول رہا تھا۔ گزشتہ تلخی کا شائبہ تک نہ تھا نہ لفظوں میں نہ آنکھوں میں اور زرقم حیران سی اس کا منہ تکنے لگی۔

☼ ☼ ☼

آفس میں آج کل کلوزنگ چل رہی تھی۔ بے تحاشا کام' انتہائی مصروفیت سارے سال کا لین دین حساب کتاب سب کھاتے کھنگالے جا رہے تھے۔ فائلیں کمپیوٹر کئی دنوں سے سر کھجانے کی فرصت نہ تھی اور اس حد درجے محنت نے اثر دکھا ہی ڈالا۔ صبح سے طبیعت بے چین تھی آخر کار سر درد سے پھٹنے لگا۔ بات ناقابل برداشت حد تک پہنچی تو وہ آفس سے گھر آگیا۔

لاؤنج کے منظر نے بوجھل مزاج کو مزید مکدر کر ڈالا۔ شادی کے بعد پہلا موقع آیا تھا پیاری بیوی سے خدمت کروانے کا۔ راستے بھر کیا کیا نہ سوچتا آیا تھا وہ صرف سوچوں نے ہی آدھا سر درد غائب کر دیا تھا مگر یہاں ۔۔۔ اس کا میٹر ہی تو گھوم گیا درد ڈبل ہو گیا۔

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

بیگم صاحبہ تو دونوں ہاتھوں بلکہ بازوؤں تک مہندی لگائے شہنا کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھیں خدمت کیا خاک ہونی تھی اب۔

"ارے آپ اتنی جلدی!" اس کی سخت نگاہوں کی کرم فرمائی تھی جو زرقم کا انہماک ٹوٹا اسے دیکھا جھٹ کھڑی ہوئی۔ دوپٹہ پھسل کر گرنے کو تھا بمشکل کہنی اڑا کر سنبھالا۔

"بھائی' آپ آج اتنی جلدی آگئے۔" شہنا بھی متوجہ ہوئی۔

"دماغ خراب ہوا تھا جو آگیا یہ کوئی وقت ہے مہندی لگانے کا۔" تڑخ کر کہتا وہ آگے بڑھ گیا۔

"انہیں کیا ہوا اور مہندی لگانے کا بھی کوئی وقت ہوتا ہے کیا' یہ آج پہلی بار سن رہی ہوں۔" شہنا حیران تھی۔

"میں دیکھتی ہوں۔" وہ ہمت کر کے اس کے پیچھے ہولی۔

"آ۔۔۔ آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟" وہ بیڈ پر دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بیٹھا تھا۔ وہ سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"تم سے مطلب تم مہندیاں لگواؤ بس۔" وہ شدید بے زار ہوا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو مہندی تو شہنا نے زبردستی لگا دی ہے میں تو لگوا بھی نہیں رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ ۔۔۔"

"پلیز اسٹاپ اٹ اینڈ لیو می الون۔" ایزد نے اس کی وضاحت بھی پوری نہ سنی نیم دراز ہو کر بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

"میرے سر میں اس قدر شدید درد ہے اور تم میرا سر کیا خاک دباؤ گی چائے تک تو بنا کر دے نہیں سکتی ہو۔" اصل تکلیف مہندی لگے ہاتھوں کی ہی ہوئی تھی۔ زرقم نے ہاتھ دیکھے پھر سرپٹ واش روم کی جانب دوڑ لگائی۔ پورا نل کھول کر رگڑ رگڑ کر مہندی چھڑائی دو منٹ میں واپسی ہوئی ابھی پاس بیٹھنے ہی لگی تھی کہ وہ جھٹکے سے اٹھا۔

"خبردار ہاتھ مت لگانا' پہلے ہی میرا سر پھٹا جا رہا ہے اس پر یہ مہندی کی خوشبو اف جاؤ یہاں سے دماغ نا خراب کرو میرا۔" وہ ایسا ہی تھا غصہ نہ آتا تو ٹھیک ایک بار آجاتا تو اف توبہ زرقم روہانسی ہو گئی۔

"پلیز ایزد میں ہاتھ دھو کر آئی ہوں یہ دیکھیں۔" سامنے ہاتھ پھیلائے۔ سرخ سرخ مہندی کی چھب دکھلاتی گلابی ہتھیلیاں اتنا دلکش نظارہ ضرور اثر کرتا جو اگلے کا موڈ خراب نہ ہوتا۔ اس نے نظر بھی نا ڈالی۔

"خوشبو پھر بھی آرہی ہے۔ میں نے کہا ہے نا جاؤ فوراً" "اٹھو۔" وہ دروازے کی جانب اشارہ کر رہا تھا۔ قبل اس کے کہ وہ مزید عزت افزائی کرتا زرقم نے اٹھنے میں ہی عافیت جانی۔

"کیا ہوا خیر تو ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے بھائی کی؟" شہنا نے اسے اتری صورت کے ساتھ آتے دیکھا تو استفسار کیا آنکھوں میں امڈتے تیز ریلے کے باعث اس سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔

"کیا ہوا؟" شہنا کے پھر پوچھنے کی دیر تھی دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے وہ چھکوں پھکوں رونا شروع ہو گئی۔ سارا گھر آنا" "فاناً" اکٹھا ہو گیا۔

"کیا ہوا؟ کیوں رو رہی ہو؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟" مختلف آوازیں۔ مختلف سوال وہ اپنے ہی دکھ میں ڈوبی ہوئی۔

ایزد کا جب موڈ ٹھیک ہوتا پیار سے بول دیتا جب دل بے زار ہوتا دو ٹکے کا کر کے رکھ دیتا پل میں تولہ پل میں ماشہ کیوں تھا وہ ایسا دھوپ چھاؤں جیسا کیا حیثیت تھی اس کی' یہ کیسی الجھن میں پھنس گئی تھی اس کی زندگی' وہ تو کہتا ہے بہت پیار کرتا ہوں تم سے لیکن یہ کیسا پیار ہے جیسے ریشم کی الجھی ڈور' وہ روئے جا رہی تھی۔ شہنا کے علم میں جو آدھا ادھورا قصہ تھا سب کے گوش گزار کیا مما فوراً" "اٹھیں۔

"میں خبر لیتی ہوں اس کی بھلا جاؤ یہ بھی کوئی بات ہے غصہ کرنے والی۔"

"نہیں پلیز" زرقم نے جھٹ ان کا ہاتھ پکڑا۔

"آپ انہیں کچھ مت کہیں وہ پہلے ہی پریشان ہیں

ان کی طبیعت ٹھیک نہیں سر میں درد ہے شمینا پلیز ان کے لیے چائے بنا دو اور کوئی پین کلر بھی دے دینا۔" وہ اپنا رونا بھول بھال اس کی فکر میں غلطاں تھی۔

سب کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ مما نے سرشار ہو کر گلے لگا لیا۔ کتنی پروا تھی اسے ایزد کی اور ایک وہ تھا۔

"اچھا اب میرا ہاتھ تو چھوڑو میں کچھ نہیں کہتی اسے مگر بتا تو کروں بات کیا ہے؟" وہ ابھی تک ہاتھ دبوچے بیٹھی تھی ان کے کہنے پر جلدی سے چھوڑ دیا مما کمرے کی طرف چل دیں وہ شمینا کے ساتھ کچن میں آ گئی۔

ایزد سے سامنا پھر کھانے کی ٹیبل پر ہوا۔ سب اسے بتا رہے تھے کہ اس کی وجہ سے وہ کتنا تڑپ تڑپ کر روئی ہے۔ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی اسے دیکھا ہی نہیں وہ گا ہے بگا ہے اس کے کترائے انداز نوٹ کرتا رہا۔

مصیبت یہ تھی کہ اکثر خوا مخواہ اس پر غصہ آجاتا تھا اور اس سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ اس کا حمایتی دل پھر اک لمحے کے لیے بھی چین نہ لینے دیتا مجھو جان کو ہی آجاتا وہ پھر راہ ہی دیکھتا رہا کہ وہ آئے گی تو سوری کروں گا۔ مگر کہاں اس نے تو پھر شکل ہی نہ دکھائی اب بھی سر نہوڑائے بیٹھی تھی ایزد بھی چپ چاپ کھانا ٹونگتا گیا۔

اور کھانے کے بعد کوئی اپنے کمرے میں چلا گیا کوئی ٹی وی دیکھنے میں مشغول ہو گیا۔ وہ چپکے سے چھوٹے سے باغیچے میں نکل آئی۔

اپنے کمرے میں جانے کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی بلکہ جی ہی نہیں چاہ رہا تھا ایزد نے جس طرح اسے جانے کو کہا تھا سوچ کر دماغ کی رگیں تن گئیں اتنی ہتک کی سوچیں امر بیل کی طرح دل کی دیواروں سے لپٹی جا رہی تھیں۔ اس کے رویے نے آج ایک بار پھر بہت دکھی کیا تھا۔ آخر کیوں کرتے ہیں وہ ایسا وہ پھر اسی گتھی کے سرے ڈھونڈنے میں ہلکان ہو رہی تھی۔

ایزد اسے باہر جاتے دیکھ چکا تھا پیچھے ہی چلا آیا۔ وہ سرسبز گھاس پر بڑے آرام سے پھسکڑا مارے بیٹھی تھی۔ جانے کن خیالوں میں گم گھاس نوچ نوچ کر پاس ہی اک ڈھیری اکٹھی کی ہوئی تھی۔

"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا کیسے مزے سے بیٹھی ہو کوئی کیڑا کاٹ گیا تو۔" اس کا انداز نشست ہی ایزد کو غصہ دلا گیا۔

"تو کیا مر جاؤں گی۔" اس نے چیخ کر سر اٹھایا۔

"نان سینس بہت شوق ہے تمہیں فضول بولنے کا یا عادت ہے تمہاری بس جو منہ میں آتا ہے بول دیتی ہو اٹھو فوراً جلدی سے کھڑی ہو جاؤ۔"

"کیا اب گھر سے نکالیں گے؟" آج زرقم کا دماغ بھی کم خراب نہیں ہوا تھا اس کے مقابل کھڑے ہوتے ہوئے الٹا سوال کر ڈالا وہ ایک لمحے کو تو چپ کا چپ ہی رہ گیا پھر کان پکڑ لیے۔

"سوری۔"

"ہونہہ اب سوری۔" وہ رخ پھیر گئی پلکوں پر ڈھیر ساری نمی اتری۔ ایزد دو قدم چل کر سامنے آیا۔

"اچھی بیوی ہو یار تم نے تو مڑ کر میری خبر ہی نہ لی کہ میں جیتا ہی ہوں یا۔۔۔ اچھا چلو میں خود ہی بتا دیتا ہوں تمہارے ہاتھوں کی بنی مزے دار سی چائے نے ہی میرا سر درد بھگا دیا تھا۔"

"میں نے ساتھ پین کلر بھی بھیجی تھی۔" زرقم نے جتایا ایزد گدی کھجا کر رہ گیا۔

"ہاں اس سے بھی اچھا سنو خفا نہ ہوا کرو۔ پتا نہیں کبھی کبھی کیا ہو جاتا ہے یونہی غصہ آگیا تھا تم پر۔"

"کوئی نئی بات تو نہیں آپ کو کب غصہ نہیں آتا مجھ پر وہ دن بتا دیں۔" وہ حد درجے خفا لگ رہی تھی ایزد ہنس دیا۔

"نہیں تم پر پیار بھی بہت آتا ہے مجھے کیا وہ سارے دن بھی بتاؤں۔"

"بالکل اچھے نہیں لگتے آپ یوں ہنستے ہوئے۔" وہ خوب چڑی اس الفت کے مظاہرے پر جبکہ ایزد یکدم سنجیدہ ہوا ایک لخت کیل سی چبھی تھی دل میں وہی پھانس جو سینے میں گڑ کر رہ گئی تھی جو اچانک کبھی اس

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

قدر تکلیف کا باعث بنتی کہ وہ بے حال ہو جاتا۔ اچھی بھلی پرسکون جھیل میں کوئی پتھر سا آگرتا اور دائرے دور تک بنتے ہی چلے جاتے بے اطمینانی سی بے اطمینانی تھی زندگی کے حسن پر دھند سی چھائی تھی گویا۔

"ہائے واوے میں تمہیں اچھا بھی لگتا ہوں یا نہیں سچ بتانا آریا پار۔" اس نے پل صراط پر قدم رکھ ہی دیا۔

"اگر نہ بتاؤں تو۔"

"اف۔" ایک تو اس کی تو والی عادت ایزد نے رج کے اسے گھورا۔

"اس وقت تو بالکل بھی اچھے نہیں لگ رہے۔ جب مرضی ہوتی ہے عرش پر بٹھا دیتے ہیں جب دل کرتا ہے فرش پہ پٹخ دیتے ہیں۔ کیوں کرتے ہیں اس طرح میرے ساتھ۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"کہا ہے نا غصہ آجاتا ہے تم پر۔" ایزد کو اندازہ تھا وہ خوب ہرٹ ہوئی ہے۔ لیکن جتنا ہرٹ وہ ہوا تھا اس درد کا کیا کرتا۔

"اچھا اگر ایک بات پوچھوں تو کیا سچ بتاؤ گی۔" نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما گورے چٹے ہاتھ اور بازو پر لگی مہندی اچھا خاصا رنگ پکڑ چکی تھی۔ وہ اگلی بات کہنا بھول گیا۔

"چھوڑیں میرا ہاتھ اب کیا دیکھ رہے ہیں۔ اس وقت تو خوشبو بھی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔" زرقم کو بھی بدلہ چکانے کا موقع مل گیا۔ جھٹکے سے ہاتھ کھینچا۔ مگر ادھر گرفت مضبوط تھی۔

"اب برداشت ہو رہی ہے اور یہ مہندی آئی لائک اٹ بہت اچھے لگ رہے ہیں تمہارے ہاتھ۔" قبل اس کے کہ وہ سرخ مہکتی ہتھیلی پر محبت کی مہر لگاتا جیب میں رکھا موبائل گنگنا اٹھا بُرا سا منہ بناتے اس نے ہاتھ چھوڑا۔ زرقم نے ہنسی چھپانے کو منہ پھیر لیا۔ فون سنبل آپا کا تھا سلام دعا کے بعد انہوں نے زرقم کی بابت دریافت کیا تو ایزد نے سیل اس کی جانب بڑھا دیا اور یہ گفتگو جانے کب ستی سے کچھ اندازہ نہ تھا اسے یہ کار آمد ایجاد کبھی اتنی بری نہ لگی تھی جتنی کہ اس پل۔

آپا کے ساتھ ہنس ہنس کر گپیں لگاتی زرقم کو وہیں چھوڑ کر وہ اندر کو چل دیا پھانس وہیں کی وہیں ٹیس دے رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

کہیں دور مدھر ساز بجتا جا رہا تھا۔ دھیما دھیما سا مسلسل اک تواتر سے پھر کچھ تیز اور تیز آواز کانوں میں گھستی چلی آرہی تھی ایزد کی آنکھ جھٹکے سے کھلی سائڈ ٹیبل پر رکھا موبائل سر دھن رہا تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر اٹھایا۔ Carrat bhi روشن اسکرین پر لکھا تھا ایزد نے پلکیں جھپک جھپک کر پھر پڑھا کہ شاید وہ غلط پڑھ گیا ہے۔ بھلا یہ کیا نام ہوا اتنی دیر میں ساز بند ہو گیا۔ سیل زرقم کا تھا اور وہ خود جانے کہاں تھی ایزد کمبل پرے کرتا بیڈ سے اترا۔

"زری۔۔۔ زرقم۔" اسے پکارتا تلاشتا وہ کچن تک آیا۔ محترمہ خاصی مصروف پائی گئیں ناشتے کی تیاری میں۔

"تم یہاں ہو اور ادھر تمہارے فون نے سونا محال کر دیا پکڑو اسے۔" ایزد نے موبائل کاؤنٹر پر پٹخا۔

"ارے کیرٹ کی کال تو سن لیتے نا۔ آپ میرے پاس لے آئے ہیں حد کرتے ہیں۔" زرقم نے سارے کام چھوڑ کر نیپکن پکڑا جلدی جلدی ہاتھ صاف کرنے لگی۔

"میں کیوں سن لیتا جانے کون شخصیت ہیں؟"

"ارے کیرٹ کو نہیں جانتے! شاندانہ بھابھی اور کون۔" ہاتھ صاف ہو چکے تھے اس نے سیل اٹھایا۔

"شاندانہ بھابھی تو ان کا نمبر کیرٹ کے نام سے کیوں سیو کیا ہوا ہے؟" ایزد کو اچنبھا ہوا پاس کھڑی شمینا ہنس دی اتنے دنوں میں زرقم کی اس بے ضرر سی عادت سے وہ بھی واقف ہو چکی تھی اور اکثر خوب انجوائے بھی کرتی تھی اس نے ہی ایزد کو کیرٹ کے پس منظر سے آگاہ کیا۔

"اچھا تو یہ کرتی ہیں بیگم صاحبہ کے کہیں میرا بھی تو

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

کوئی نام نہیں رکھا ہوا۔" اسے اپنی فکر پڑ گئی' شمنا نے کندھے اچکا دیے۔

"کیرٹ اور پاپی نے ایک چھوٹی سی برتھ ڈے پارٹی ارینج کی ہے۔ آج شام' ہم سب انوائیٹڈ ہیں۔ ماشاء اللہ چیکو اینڈ چیری ایک سال کے ہو گئے۔ دن گزرتے پتا ہی نہیں چلتا اف آج کتنے دنوں بعد دیکھوں گی۔" وہ اپنی ہی خوشی میں مگن بولتی جا رہی تھی۔ باقی سب باتیں تو ٹھیک تھیں ایزد پاپی پر آ کر اٹک گیا۔

"پاپی! یہ کون شخصیت ہیں؟" اس کی حیرت سوا تھی۔

"ارے پاپی یعنی معیز بھائی۔" زرقم نے ہنستے ہوئے اس کی الجھن رفع کی۔

"اوہ گاڈ۔۔۔ معیز کو بھی نہیں بخشا تم نے' بڑا بھائی ہے تمہارا شیم آن یو اور جنابہ نے میرا بھی کوئی نام ضرور رکھا ہو گا وہ بھی بتا دیں۔" ان نئے نئے انکشافات نے تو اسے حیران ہی کر دیا تھا کاؤنٹر پر رکھی باسکٹ میں سے چن کر ایک سرخ صحت مند سا سیب نکالتے وہ زرقم سے پوچھ رہا تھا جو اسی مگن انداز میں اک لمحے کا توقف کیے بغیر بولی۔

"ہاں نا ایپل۔"

"کیا مطلب؟" ایزد نے بھنویں اچکائیں۔

"وہ۔۔۔ وہ آئی مین ایپل گڈ فار ہیلتھ۔ ڈاکٹرز کہتے ہیں نا صبح صبح ضرور کھانا چاہیے۔" بمشکل ہنسی ضبط کرتی وہ بے ربط سی وضاحت دینے لگی۔

"دیکھ لینا اگر میرا بھی کوئی الٹا سیدھا نام رکھا ہو گا تم نے تو نبٹ لوں گا۔" وہ شرٹ پر سیب رگڑ تا دھمکاتا باہر نکل گیا۔ دونوں ہاتھ پر ہاتھ مارتیں زور سے ہنس پڑیں۔ مگر اگلے ہی پل وہی ہاتھ منہ پر رکھنا پڑا ایزد پھر پلٹ آیا تھا۔

"ناشتے کے بعد تیار ہو جانا۔ مارکیٹ چلیں گے لٹل کڈز کے لیے گفٹس بھی تو لینے ہیں نا۔"

"اوہ واقعی۔" زرقم کو تو ابھی تک ایسا خیال ہی نہیں آیا تھا۔ ایزد کا کہنا اسے بہت اچھا لگا اس لیے بے ساختگی اور جوش سے بولی۔

"آپ کتنے اچھے ہیں ایزد۔"

"ہوں بہت اچھا ہوں اسی لیے تو۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے رکا اور اسے سر تا پا دیکھتا سر جھٹک کر باہر چلا گیا۔ زرقم کو نہ اس کی نظر کی سمجھ آئی تھی اور نہ ادھورے جملے کی سوائی سابقہ مصروفیت میں گم ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

لاؤنج مہکتے پھولوں چمکتی لڑیوں اور رنگ برنگے غباروں سے بڑی خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔ معیز اور شاندانہ آنے والے مہمانوں کو خوش آمدید کہتے تحفے تحائف وصول کرتے بڑے مسرور نظر آ رہے تھے۔

پھولے پھولے سفید گھیر دار فراک میں ننھی سی چیری پری بنی ادھر سے ادھر لڑھکتی پھر رہی تھی نیا نیا چلنا سیکھا تھا ہر تیسرے قدم پر وہ زمین بوس ہو جاتی اور اسے سنبھالنے کسی نہ کسی کو لپکنا پڑتا سیاہ کامدانی کی ننھی سی شیروانی اور سفید پاجامے میں ملبوس چیکو کا حال بھی مختلف نہ تھا ہر اگلے منٹ میں وہ بھی ہمیں نہ کہیں اڑا پھنسا ملتا۔ دونوں ہی سب کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے۔

زرقم پیچھے پیچھے ان کی پیاری پیاری حرکتوں کو اپنے ہینڈی کیم میں مقید کر رہی تھی اور یونہی گھومتے گھماتے اس نے دیکھا۔

کیرٹ منیبہ پھوپھو سے مل رہی تھیں۔ جن کے دائیں طرف ریڈش کھڑی تھی اپنے اسی ماڈ اور پر غرور اسٹائل کے ساتھ یہ ان کی فیملی کا ایک دلچسپ کریکٹر تھی۔ منیبہ پھوپھو کی اکلوتی نور نظر جس کا اصل نام تو مائرہ تھا لیکن جو اپنے انداز و حرکات کے باعث زرقم سے ریڈش کا ٹائٹل حاصل کر چکی تھی۔ پھوپھو اب پاپی کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

کیرٹ نے ریڈش کا حال احوال لینا چاہا تھا جس نے ان کی کسی بات کا جواب دینا کسر شان سمجھتے ہوئے مناسب نہ سمجھا آج تو حد ہو گئی پاپی کے ہیلو پر ہائے کہنا بھی غیر ضروری جانا تھا اس نے حالانکہ کبھی وہ بھی دن تھے جب وہ خود بڑھ بڑھ کر انہیں ہیلو کہا کرتی تھی زرقم کو ہنسی آ گئی۔ بے چاری کیرٹ ان کی تو شکل بھی کافی بے چاری سی ہو رہی تھی۔

"کیا ہوا کیرٹ لگتا ہے۔ آپ سے ٹھیک طرح سے ملی نہیں آپ کی نند۔" زرقم نے ہنستے ہوئے انہیں چھیڑا۔

"ہونہہ نند' دفع دور ایسی نند سے اللہ بچائے اور تمہارے بڑے دانت نکل رہے ہیں۔ وہ دن بھول گئیں جب وہ تمہیں اپنی نند بنانا چاہتی تھی۔" ان کی تو جیسے دکھتی رگ پر ہاتھ پڑا تھا۔ دونوں بہن بھائی بے اختیار ہنس پڑے۔

"وہ بنانا چاہتی تھی میں بنی تو نہیں نا اور اس بات کا کریڈٹ بھی مجھے جاتا ہے ورنہ تو شاید۔۔۔" اس نے کنکھیوں سے پاپی کو دیکھا جو اس کے معنی خیز شاید پر اسے گھور رہے تھے وہ ڈرنے کی ایکٹنگ کرتی شاندانہ کی طرف مڑی۔

"اچھا اب خوامخواہ فضول باتوں پر اپنا خون نہ کھولائیں۔ میرے خیال میں سب ہی مہمان آ چکے ہیں۔ بہتر ہے اب کیک کاٹ لیا جائے کیوں پاپی۔" اس نے معیز سے رائے چاہی۔

"یس آف کورس بچے کہاں ہیں پکڑو انہیں اور ایزد کہاں ہے بلاؤ اسے بھی۔" معیز آگے چل پڑے پیچھے وہ دونوں۔

کیک کٹ چکا تھا۔ وہ اپنی اور ایزد کی پلیٹ لیے ٹیرس پر چلی آئی۔ کہا تھی شور ہنگامے سے الگ پر سکون جگہ پر بیٹھنے کا خیال ہی بڑا مسرور کن تھا مگر یہ دیکھ کر تو حلق تک کڑوا ہو گیا۔ ایزد کے علاوہ وہاں ریڈش بی بی بھی موجود تھیں اور ریلنگ پر کہنی ٹکائے بڑی ادا سے ہتھیلی پر ٹھوڑی رکھے اس سے ہمکلام پوری طرح ایزد کا انٹرویو کرنے میں گم تھی۔ جس کی شکل بتا رہی تھی وہ نا چاہتے ہوئے بھی جواب دینے پر مجبور ہے۔

"ایزد پہلے کچھ کھا لیں پھر باتیں کرتے رہیے گا۔" آخر اسے اپنی موجودگی کا احساس دلانا ہی پڑا۔

"آپ بھی کچھ لیجیے نا۔" وہ تو کسی بھی طرح سے حق میزبانی نبھانے کے موڈ میں دکھائی نہیں دے رہی تھی ایزد کو ہی مروت برتنا پڑی۔

"اوہ نو تھینکس میں بیکری میڈ اسنیکس نہیں کھاتی آئی ڈونٹ لائک اٹ۔" اس نے ناک چڑھا کر کیک پیٹز چکن رولز اور براؤنیز سے سجی ٹرے کو دیکھا۔

"اچھا پھر کولڈ ڈرنک ہی لے لیں۔" ایزد نے مزید تکلف نبھایا۔

"نو میں صرف فریش جوس لیتی ہوں۔" اس نے اپنے تازہ تازہ کرلز کروائے بالوں میں انگلیاں چلائیں۔

"اوہ تو پھر کیا کھائیں گی آپ۔" ایزد کو فکر پڑ گئی۔

"ہونہہ اس لڑکی کی ادائیں اور خوامخواہ کے نخرے۔" زرقم کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"زری ان کے لیے فریش جوس منگواؤ۔" وہ اسے کہہ رہا تھا۔

"ارے نہیں نہیں' رہنے دیں اور تم سناؤ زرقم کیا کر رہی ہو آج کل؟" بالآخر اس کی جانب نظر کرم ہو ہی گئی۔

"کچھ خاص نہیں۔" وہ اس سے زیادہ اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ تھی۔

"شادی کے بعد زندگی میں آنے والا چینج کیسا لگا تمہیں؟" انٹرویو کا باقاعدہ آغاز ہو چکا تھا گو کہ اس کے سوالات کے جواب دینے میں اسے کوئی دلچسپی نہ تھی مگر بحالت مجبوری جواب دینے تو تھے۔

"سسرال والے کیسے ہیں؟" اگلا سوال۔

"سب ہی بہت اچھے۔"

"ایزد صاحب کیسے ہیں ان کے ساتھ کیسی گزر رہی ہے؟"

"بہت اچھے ہیں۔ بہت خوب صورت زندگی گزر رہی ہے ان کے ساتھ۔" یہ جواب بھی اس نے پوری توجہ سے ایزد پر مسکراتی نگاہ ڈالتے ہوئے دیا اور ایزد بھی اس سوال پر بڑے غور سے اسے دیکھنے لگا۔ جیسے اس کے چہرے اور لہجے سے کوئی کھوج لگانا چاہتا ہو۔ جہاں زرقم اس کے انداز سے حیران ہوئی تو مائرہ نے بھی یوں

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

بھنویں اور کندھے اچکائے جیسے اس کے بیان پر یقین نہ آیا ہو۔

"ویل تم کہتی ہو تو مان لیتی ہوں۔ اچھی بات ہے تمہاری اپنے میاں کے ساتھ انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی۔ تم ایزد کے ساتھ خوش ہو اور مجھے لگتا ہے کہ اس میں زیادہ تر ہاتھ ایزد کا ہی ہے ورنہ تم نے تو..." وہ اک لمحے کو چپ ہوئی۔

"تم نے تو ایزد کے رشتے سے انکار کر دیا تھا نا۔" ذرا سا ڈرامائی وقفہ دینے کے بعد وہ زمانے بھر کی معصومیت چہرے پر سجائے کہہ رہی تھی۔

اوف یہ لڑکی اور اس کا انداز۔ زرقم نے بمشکل خود پر قابو پایا ورنہ تو جی میں آئی کہ کچھ بھی اٹھا کر اس کے سر پہ دے مارے۔ یہ لڑکی کہیں موجود ہو اور وہاں ماحول خوشگوار رہے' ناممکن جہاں وہ ہو اور کوئی فساد بپا نہ ہو ایسا تو کبھی ہوا نہ تھا رنگ میں بھنگ ڈالنا تو کوئی اس حسین بلا سے سیکھتا۔ ایزد کا رنگ اس کی بات سے اڑا تھا تو زرقم کا چہرہ بھی پل بھر کو متغیر ہو گیا مگر جلد ہی اس نے خود کو سنبھال لیا۔

"میں تمہارے لیے فریش جوس منگوا آتی ہوں اور کیا لو گی تم؟" اس کے بے کار سوالوں کے جواب دینا ایسا بھی ضروری نہ تھا۔ اس نے اٹھنا ہی بہتر جانا اور مائرہ کچھ جتاتی نظروں سے ایزد کو دیکھتے ہنس پڑی۔

"نہیں رہنے دو تم بیٹھو میں دیکھوں مما کدھر ہیں پھر جانا بھی ہے۔" اس کا مقصد پورا ہو چکا تھا جس میں چنگاری ڈال دی تھی اب جو بھی تماشا ہو اس کی بلا سے مزید بیٹھنا فضول تھا کمال اطمینان سے اٹھ کر وہ نیچے کو چل دی۔

"فتنی' فسادن' چڑیل۔" اسے جاتا دیکھتی زرقم بڑبڑائے گئی اس نے پھر سر جھٹک کر اپنے سامنے دھرے اسنیکس سے انصاف شروع کر دیا۔ ایزد کسی خیال میں گم تھا۔

"کیا ہوا؟ آپ کس سوچ میں پڑ گئے کھائیں نا۔" کوک کا بڑا سا گھونٹ لیتے اس نے ایزد کا چہرہ دیکھا تو غیر معمولی احساس ہوا۔ وہ اس پر نگاہ جمائے جیسے کسی گمان میں تھا۔

"ہوں' نہیں تم کھاؤ اتنے سکون سے تم ہی کھا سکتی ہو' میرا اطمینان تو کئی ماہ ہوئے رخصت ہو چکا ہے اور مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے میں جا رہا ہوں تم معیز سے کہنا تمہیں ڈراپ کر دے۔" وہ یک لخت اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا مطلب! کیا کہہ رہے ہیں آپ' کیسا ضروری کام؟ یہاں آتے ہوئے تو آپ نے ایسا کچھ نہیں بتایا تھا۔" وہ بھی کھانا بھول گئی۔

"اب تم سے ہر بات ڈسکس کرنا بھی ضروری نہیں' کیا تم نے آج تک مجھ سے اپنی ہر بات شیئر کی۔" زرقم کی پوری کھلی آنکھوں میں جھانکتے نہایت کڑے لہجے میں استفسار کیا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا اس بات سے۔" زرقم بھونچکا رہ گئی۔

"ضروری نہیں کہ ہر بات کا مطلب بتایا جائے کئی باتوں کا مطلب ازخود سمجھنا پڑتا ہے۔ میں بھی سمجھتا ہوں تم بھی سمجھو۔" جیب تھپتھپا کر اس نے موبائل اور گاڑی کی چابی کا یقین کیا اور جانے کو تیار ہو گیا۔ وہ اس کے لہجے و الفاظ پر ہکا بکا دیکھ رہی تھی۔ اس نے قدم بڑھائے زرقم کا سکتہ ٹوٹا۔

"ارے... ایزد پلیز کیا ہوا ہے؟ یہ کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں آپ اور آپ کہیں نہیں جائیں گے آپ کا موڈ کیوں آف ہو گیا ہے ایک دم سے مجھے بتائیں؟" وہ لپک کر راہ میں آئی۔ بازو سے پکڑ کر روکا۔

"لو' تو اب میں اپنے منہ سے بتاؤں! کیا تم واقعی اتنی ناسمجھ ہو۔" وہ گویا اسے چبا رہا تھا۔ خوب صورت نقوش تن سے گئے گلابی رنگت تمتما کر کے لال سیب جیسی ہونے کو تھی اور سبز زمردی آنکھیں۔ اف آنکھیں تو یوں لشکارے مار رہی تھیں کہ ایک پل سے زیادہ وہ ان میں دیکھ ہی نہ سکی اور کہیں کچھ کلک ہوا اسے سمجھ آ گئی۔

"او' مائی گاڈ! آپ ریدش کی بکواس پر تو خفا نہیں اس کی تو عادت ہے بے کار بولنے کی' بہت ہی فضول

لڑکی ہے آپ یونہی ناراض ہو رہے ہیں۔"

"یونہی!" ایزد نے اس کا چہرہ دیکھا۔ کتنی معصومیت سجی تھی اور شاید وہ اسی معصومیت کے ہاتھوں دھوکا کھا رہا تھا مگر اب نہیں۔

"ہاں' تم تو ایسا ہی کہو گی۔ اکثر سچ بولنے والوں کی باتوں کو لوگ بکواس اور بے کار ہی گردانتے ہیں تم اس کی ٹوپی گھما سکتی ہو۔ میری نہیں لیکن شاید تم نے تو میری بھی گھما رکھی ہے۔ میں ہی بے وقوف ہوں جو تم پر اعتبار کیے رہا تمہاری اس کزن نے تو یہی بات مجھے ہماری شادی کے دوسرے روز بتائی تھی اور تب سے اس آگ میں جھلس رہا ہوں میں زبردستی مجھ سے شادی پر مجبور ہوئی تھیں تم۔ بتاؤ کیا وجہ تھی۔ اس کے پیچھے۔" اس کا صبر بھی ترخ گیا آخر کار پھٹ ہی پڑا۔ زرقم ششدر رہ گئی کچھ دیر تو اس سے بولا ہی نہ گیا پھر خود کو سنبھالا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ! کیا بتایا تھا ریدش نے آپ کو؟"

"پلیز زرقم ڈونٹ ٹیز می میں اس وقت بات کرنے کے موڈ میں قطعی نہیں۔" وہ سخت اکتایا ہوا تھا۔ ہاتھ جھٹک کر پرے ہو گیا۔

"میں... میں تنگ کر رہی ہوں آپ کو۔ آپ کا یہ موڈ کیا بات ہے آپ کے دل میں کھل کر کیوں نہیں کہتے... کیا بتایا تھا اس نے آپ کو یہ کہ میں نے شادی سے انکار کر دیا تھا۔" ایزد یوں ہنسا جیسے اپنا مذاق اڑا رہا ہو۔

"آپ کو یہ بات اس نے ہماری شادی کے دوسرے دن بتائی۔ اوہ میرے اللہ! اور آپ نے کبھی مجھ سے اس بابت کچھ پوچھا ہی نہیں یعنی آپ مجھ سے بدگمان ہیں آپ... آپ مجھ پر شک کرتے رہے۔" زرقم کا صدمے کے مارے برا حال تھا۔ ایزد نے یوں کندھے اچکائے جیسے کہہ رہا ہو۔ "یقیناً"

اور اس کے انداز پر وہ جڑا کھڑے درخت کی طرح پوری کی پوری ڈھے گئی۔ دل کسی اتھاہ گہرائی میں اترتا جا رہا تھا پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ ایزد کا چہرہ دیکھے گئی۔

وہ چہرہ جو اسے ساری دنیا میں بہت عزیز تھا اور وہ آنکھیں وہ دلنشیں وہ دلاویز آنکھیں جن میں اس کا دل دھڑکتا تھا۔ اسے لگا اس کا دل کوئی چٹکیوں سے مسل رہا ہے۔ کئی مہینوں سے وہ ایزد کے ساتھ تھی تو کیا بغیر اعتبار بنا یقین کے کھوکھلا ساتھ اور یہ اس کے جذبوں اور محبت کے منہ پر زوردار طمانچہ تھا گویا ایزد کی کھوکھلی محبت ملتی رہی تھی اسے' جس میں غرض کا برادہ آپ ہی آپ بھر جاتا ہے یعنی وہ دیمک لگی محبت پر نادان ہوئی بیٹھی تھی۔

"اوف..." وہ سر پکڑے بیٹھی تھی۔ مائرہ کی فتنہ اندازی نے اتنا دکھ نہیں پہنچایا تھا جتنا کہ ایزد کے اندازو رویے نے۔

"جانے کیا کیا نہ سوچ لیا ہو گا میرے بارے میں جانے کیسی کیسی کہانیاں کیسے مفروضے... اوف۔" یہ خیال ہی روح فرسا تھا جھٹکے سے سر اٹھایا وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اجنبی بنا کھڑا تھا۔

"ایک یکسر انجان لڑکی کی بات پر آپ نے آنکھیں بند کر کے یقین کر لیا کیا ایسا ہی رشتہ تھا آپ کا اور میرا جو اس نے کہا آپ نے سچ مان لیا اتنے مہینوں سے یہ بات آپ دل میں لیے پھر رہے ہیں۔ کیا کیا نہ کہانیاں گھڑی ہوں گی آپ کے بدگمان ذہن نے حقیقت کیا ہے؟ اصل سچائی کیا ہے؟ آپ نے جاننے کی پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی اب بھی ناراض ہو رہے ہیں۔ جیسا آپ سمجھتے ہیں ویسا کچھ نہیں ہے ایزد پلیز بلیو می۔"

"تو پھر کیسا ہے؟ سمجھاؤ نا مجھے' اگر وہ لڑکی جھوٹی ہوتی تو یہ بات دوبارہ نہ کرتی اور وہ بھی تمہارے سامنے تمہاری فرسٹ کزن ہے قریبی رشتہ ہے تم سے کچھ تو سچائی ہو گی آخر۔" ایزد واقعتاً انتہا درجے کا بدگمان ہو چکا تھا کتنے عرصے سے ناسور پل رہا تھا کچھ نہ کچھ زہر تو پھیلنا ہی تھا وہ بات' جو کئی بار نوک زبان پر آتے آتے انا کے پاؤں تلے کچلی گئی تھی۔ وہ یوں اچانک آشکار ہوئی تو اسے بھی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔

"کیا بات ہے! کیا ہوا ہے؟" شاندانہ ننھے چیکو کے

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

پیچھے پیچھے ادھر آئی تھیں ایزد کو یوں بولتے دیکھا تو بے اختیار پوچھنے لگیں۔ دونوں کے چہرے بتا رہے تھے آثار اچھے نہیں زرقم کے آنسو تو پہلے ہی باڑھ پھلانگنے کو تیار کھڑے تھے اک ہمدرد کو دیکھا تو ٹپ ٹپ کرتے باہر آ گئے۔ ایزد نے رخ ہی پھیر لیا۔

"زرقم کیا ہوا ہے کیوں رو رہی ہو میری جان کچھ بتاؤ تو سہی۔" بے حد پریشان ہوتے انہوں نے اسے گلے لگا لیا۔

"ہوا کیا ہے؟ ایزد آپ ہی کچھ بولیں۔" وہ اس کی جانب مڑیں اور ایزد بجائے جواب دینے کے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا زرقم کے آنسوؤں میں مزید روانی آ گئی۔

☼ ☼ ☼

ایک تو دبئی کے آزاد ماحول میں پرورش پانا دوسرے منیبہ پھوپھو کے اکلوتی نور نظر کے بے جا لاڈ اٹھانا ان عوامل نے اسے ٹھیک ٹھاک خود پسند اور خود سر کر دیا تھا۔ منہ پھٹ اور بدتمیز تو وہ تھی ہی منتقم مزاج بھی ہو گئی تھی اور اپنی ان ہی تمام خصوصیات کے باعث اکثر ہی کسی نہ کسی سے جھگڑا مول لیے رکھتی۔ اس کی وجہ سے آئے دن کسی نہ کسی نئی آفت کا سامنا کر کے پھوپھا تنگ آ چکے تھے۔ انہوں نے اسے پھوپھو سمیت پاکستان بھجوا دیا۔

ان کا تو خیال ہو گا کہ وہاں جا کر وہ سدھر جائے گی مگر وہ سدھرتی تو کیا خاک وہاں تو پھر باپ کا کوئی ڈر ہوتا ہو گا۔ یہاں وہ ہر فکر سے آزاد ہو گئی۔ ماں سمیت کسی بڑے کو بھی وہ خاطر میں لاتی نہ تھی۔

ننھیال آ کر اسے بہت مزا آیا یہاں سب ہی لڑکیاں اس کے ماڈ اسٹائل سے مرعوب اس سے دب کر رہتیں وہ جب بھی ادھر آتی خوب جی بھر کے ان سب میں مین میخ نکالتی۔

"یہ کیا پہنا ہوا ہے؟ کپڑا کتنا رف سا ہے۔ تم لوگوں کو تو کسی بات کا طریقہ ہی نہیں فیشن کیا ہے۔ اسٹائل کس چڑیا کا نام ہے تم لوگ کیا جانو بس جو تھیلا ٹائپ ملتا ہے چڑھا لیتی ہو۔ مجھے دیکھو میں نے صرف یہ ٹاپ ہی دس ہزار میں پرچیز کیا ہے اور ٹراؤزر کی قیمت الگ۔" وہ ناک چڑھا کر ان کے نقص اور اپنے خواص بتاتی۔

زرقم کو اس کی یہی ادائیں ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں ساری لڑکیوں میں ایک وہی تھی جو اس کی لن ترانیوں سے خوامخواہ کے کمپلیکس میں مبتلا نہ ہوتی۔ دونوں کی آپس میں کبھی نہ بنی تھی اس کی کھلم کھلا ناپسندیدگی کے باوجود مائرہ ہر دوسرے دن ان کے ہاں آ دھمکتی زرقم کو نا چاہتے ہوئے بھی حق میزبانی ادا کرنا پڑتا کہ نہ کرنے کی صورت میں امی ' بابا کی جھاڑیں کھانا پڑتیں اور کرنے کی صورت میں ریڈش بی بی کے ہزار ہا نخرے اٹھانا پڑتے وہ بیکری میڈ چیزیں نہیں کھاتی تھی سو ہاتھوں سے بنا کر خدمت میں پیش کرنا پڑتیں اور جتنی دیر وہ کچن میں کھپتی محترمہ معیز سے گپیں لگاتی پائی جاتیں۔

خطرے کی بو سب سے پہلے زرقم نے ہی سونگھی یقیناً" وہ دن دور نہ ہوتا جب معیز اس کی دلکش و طرح دار اداؤں کے اسیر ہو جاتے جھٹ امی کی انتہائی توجہ اس مسئلے کی جانب دلوائی۔

گھر کا ایک اکلوتا لخت جگر اگر ایسی نخروں ماری لڑکی کے پلے بندھ گیا تو سمجھو گھر کا شیرازہ ہی بکھر گیا۔ بات امی کی سمجھ میں آ گئی۔ اس لیے تو انہوں نے آنا" فانا" آؤ دیکھا نہ تاؤ اور اپنی پیاری بھتیجی شاندانہ کا ہاتھ معیز کے لیے مانگ آئیں۔

سارے کا سارا خاندان اس اچانک فیصلے پر حق دق کیونکہ مائرہ کا جھکاؤ کس طرف ہے سب ہی دیکھ رہے تھے اور یہی رائے عامہ تھی کہ معیز کی قسمت کا ستارہ وہی ہو گی مگر ستارہ چمکنے سے پہلے ہی بجھ گیا۔ پھول کھلنے سے پہلے ہی مرجھا گئے۔ بدلیاں بن برسے ہی کسی اور دیس کو نکل گئیں۔ معیز نے تو بخوشی امی کے اس فیصلے پر سر خم کر دیا۔

شور تو مائرہ نے بھی نہ کیا وہ بھی چپ کر گئی لیکن وہ ان لوگوں میں سے ہرگز نہیں تھی جن کی خواہشوں کا ہرا بھرا جنگل سوکھ کر جھاڑیوں میں بدل جائے تو وہ اس سے دامن بچا کر رہتے ہیں۔ بلکہ وہ ان لوگوں میں سے تھی جو وہی کانٹے جھولی میں بھر لیتے ہیں اور تاک میں رہتے ہیں کہ کب اور کہاں انہیں بچھایا جا سکے۔

معیز کی تعلیم مکمل ہوتے ہی امی نے ان کے برسر روزگار ہونے کا انتظار بھی نہ کیا اور شاندانہ کو دلہن بنا کر گھر لے آئیں۔ مائرہ جس نے آنا جانا تقریباً" موقوف کر دیا تھا پھر سے آنے لگی اور اب اس کے نشانے پر بے چاری شاندانہ ہوتیں۔

جن کے پہناوے سے لے کر سلیقہ شعاری تک سب ہی اسے قابل تضحیک لگتا۔ خود کو انڈا ابالنا تک نہیں آتا تھا ان کے بنائے گئے کھانوں ' کیے گئے کاموں میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نقص نکالتی اور وہ بھی خاص طور پر اس وقت جب کوئی نہ کوئی چاچی ' مامی وہاں موجود ہوتیں۔ یوں انہیں خاندان بھر میں پھوہڑ مشہور کروا دیا۔

شاندانہ اس کی چلتر بازیوں سے تنگ آئی رہتیں مگر کیا کرتیں وہ بابا کی لاڈلی بھانجی تھی ہاتھ پکڑ کر گھر سے تو نکالنے سے رہیں۔ زرقم تو اس کی فطرت کو سمجھ ہی گئی تھی۔ اب تو معیز بھی جاننے لگے تھے اور ان کی تسلیاں تھیں کہ شاندانہ اس کا ہر اوچھا وار سہتی گئیں۔ زرقم کی بات طے ہو گئی تھی۔ منیبہ پھوپھو مبارک باد دینے آئیں تو وہ بھی ہمراہ تھی سعدیہ چچی اور فرحت تائی پہلے سے ہی امی کے پاس بیٹھی تھیں۔ امی بہت خوش خوش تمام تفصیلات بتا رہی تھیں۔ کیرٹ ٹرالی دھکیلتی لے آئیں۔ پیچھے ہی چیکو اور چیری کو اٹھائے زرقم بھی تھی۔ پھوپھو ' چچی ' تائی نے اسے پیار دیے اچھے نصیب کی بہت سی دعائیں بھی دیں۔

جھینپی جھینپی سی مسکراہٹ کھلا کھلا چہرہ ' خوشی اس کے ہر انداز سے عیاں تھی۔ وہ کتنی دلکش لگ رہی تھی اور خوشیاں کیسے روپ نکھار دیتی ہیں اسے دیکھ کر مائرہ کو اندازہ ہوا۔ وہ اس کے برابر والے صوفے پر جا بیٹھی۔ شاندانہ سب کو چائے سرو کر رہی تھیں۔

"اسد معیز کا دوست ہے نا۔" کپ تھامتے اس نے ، روشن اس کی جانب پھیرا ابھی زرقم کوئی جواب بھی نہ دے پائی تھی کہ اس نے اگلی بات کی۔

"ایزد کافی عرصے سے گھر بھی آتا جاتا ہے تم دونوں کی تو ٹھیک ٹھاک انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی ہو گی۔" الفاظ تھے کہ دھماکہ زرقم کا منہ کھل گیا امی الگ اس کے جملے کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ شاندانہ الگ حیران۔

"کب سے چل رہا تھا یہ سلسلہ تم تو بڑی چھپی رستم نکلیں کسی کو بھی ہوا نہ لگنے دی۔ اظہار پہلے اس کی طرف سے ہوا تھا یا تمہاری طرف سے۔" وہ تاک تاک کر تیر چلا رہی تھی۔ سعدیہ چچی اور فرحت تائی بھی یکدم متوجہ ہو گئیں جتنے دور کی کوڑی وہ لائی تھی وہاں تک تو ان کے زرخیز دماغ بھی نہ گئے تھے۔ انہوں نے تصور میں اس کا تصور کا کندھا تھپکا دونوں کا اشتیاق قابل دید تھا۔

"شٹ اپ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا ہمارے درمیان زرقم کو آگ ہی تو لگ گئی اس کی عامیانہ گفتگو سے پل میں ساری خوشی کافور ہو گئی۔

یہ سچ تھا کہ ایزد اسے اچھا لگتا تھا اور یقیناً" وہ بھی اسے پسند کرتا تھا۔ مگر نہ آج تک اس نے کچھ کہنے کی جرات کی تھی اور نہ ہی وہ ایسا سوچ پائی تھی کیونکہ جس ماحول میں اس کی تربیت ہوئی تھی وہاں ایسا کوئی تصور ہی محال تھا امی بابا نے ہمیشہ کھلایا سونے کا نوالہ مگر دیکھا شیر کی نگاہ سے تھا۔

"اوہو اب تم مانو نہ مانو تو الگ بات ہے ورنہ کوئی بھی اتنا آنکھ کا اندھا نہیں ہوتا اس نے یونہی تو رشتہ نہیں بھیج دیا نا ۔۔۔ ارے بھئی اگر ایسی کوئی بات ہے بھی تو ہمیں کیا میں تو یونہی پوچھ رہی تھی کیوں سعدیہ مامی۔" نہایت ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے مائرہ نے چچی کو بھی شامل گفتگو کیا جنہوں نے زور و شور سے سر ہلا دیا۔

"ایسا ہرگز بھی نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہی ہو۔ ایزد گھر آتا جاتا بھی ہے تو صرف ڈرائنگ روم کی حد تک گھر کے اندرونی حصے میں وہ کبھی نہیں آیا اور زرقم کے تو دو رشتے اور بھی آئے تھے مگر ہم سب نے یہی فیصلہ کیا کہ کسی اور کو چھاننے پھٹکنے سے اچھا جو دیکھا بھالا

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

ہے اسی کو بہتر جانا جائے آپ کو تو پتا ہے آج کل کے دور میں لوگوں نے خود پر سو طرح کے پردے ڈالے ہوتے ہیں کوئی اندر سے کیسا ہے علم ہی نہیں ہو پاتا اور ویسے بھی زرقم بے چاری تو ابھی راضی ہی نہیں تھی یہ تو کسی بھی طرح مان کے نہیں دے رہی تھی۔ مگر پاپا اور معیز انہوں نے اس کی ایک نہیں سنی اور اپنی مرضی سے ہاں کر ڈالی ہے اور اب ایک ماہ بعد شادی تم ایسا کیوں نہیں کرتیں مائرہ کہ ہمارے پاس آجاؤ تمہاری چوائس بہت عمدہ ہے زرقم کے لیے تمام شاپنگ تم ہی کرو ہمارے ساتھ۔" شاندانہ نے کچھ سچ کچھ جھوٹ کی آمیزش سے بات صاف کی اور موضوع بھی بدل ڈالا بات آئی گئی ہو گئی۔ مگر یہ صرف ان کی خام خیالی تھی۔ بات تو بہت دور تک گئی تھی یہ تو انہیں اب علم ہوا۔

مائرہ جیسی کینہ پرور لڑکی نے جانے کیسی کیسی دشمنیاں پال رکھی تھیں اور نجانے کون کون سے بدلے لے ڈالے تھے۔ صرف زرقم ہی غم سے نڈھال نہیں تھی۔ شاندانہ بھی حالت افسوس میں تھیں۔

☼ ☼ ☼

پاپی کسی دوست کے ہاں ڈنر میں جا رہے تھے۔ کیرٹ بھی ساتھ تھیں چیکو اور چیری کو اس نے اپنے پاس رکھ لیا اور یہ تو بہت بعد میں خبر ہوئی کہ یہ کیا کر لیا۔ کیونکہ اب وہ چند ماہ قبل والے چیکو اور چیری نہیں رہے تھے جتنی دیر میں اس نے ٹیبل پر کھانا لگا کر امی اور بابا کو بلایا تب تک ان دونوں کے ہاتھوں سارے لاؤنج کے کشن، میٹس اور دیگر چھوٹی موٹی اشیا ان کے بیڈ روم میں منتقل ہو چکی تھیں۔ بابا نے نیوز چینل لگانا تھا اور ریموٹ تھا کہ مل کر نہیں دے رہا تھا۔

ان دونوں کو کھانا کھلانا بھی اک الگ امتحان ثابت ہوا۔ دونوں نے کھایا کم گرایا زیادہ کپڑے بھی گندے کر ڈالے اور پھر ان کے کپڑے بدلوانا۔ اوہو اب نئی مشقت امی اس کی حالت پر ہنس رہی تھیں۔ دونوں نے اسے اچھا خاصا کھپا ڈالا امی تو نماز عشا ادا کرنے کے لیے اٹھ گئیں بابا بھی اپنے روم میں جا چکے تھے اب انہیں سلانا اک مشکل کام تھا۔ خیر وہ اس منزل سے بھی گزر ہی گئی ان کی طرف سے سکون ہوا تو خیال آیا خود تو کھانا کھایا ہی نہیں۔

معیز اور شاندانہ بھی بس دو چار منٹ میں پہنچنے والے تھے وہ پہلے گیٹ کھول آئی پھر اپنے لیے کھانا گرم کرنے لگی۔

"ہیلو نند جی پھر کیسی گزری آج؟" وہ لوگ آچکے تھے۔ شاندانہ کا سر کچن کے دروازے سے نمودار ہوا ہنستا مسکراتا۔

"مت پوچھیں بہت مزے لے ہیں ماشاء اللہ بہت تمیز دار بچے ہیں آپ کے۔" وہ کلس کر بولی۔

"کیوں نہ ہوں گے بھئی آخر کو تمہارے ہی بھتیجا بھتیجی ہیں کوئی چھوٹی بات ہے کیا۔" ان کی ہنسی مزید بڑھی۔

"بہت خوب بھئی اسے کہتے ہیں بندر کی بلا طویلے کے سر ٹھیک ہے بھئی اب جو بھی کہیں آپ سچ میں بہت شرارتی بچے ہو گئے ہیں دونوں۔ مجھے تو آج انہوں نے نانی یاد کروا دی۔ جہاں تک ان کی پہنچ ہوتی ہے وہاں تک کچھ بھی تو محفوظ نہیں رہنے دیتے۔ سارا لاؤنج بکھیر ڈالا تھا وہ تو میں نے سمیٹ دیا آپ کے روم کا بھی حشر کر آئے تھے دیکھ لیجیے گا کون سی چیز کدھر گئی۔" سالن ڈش میں نکالتے وہ مصروف سے انداز میں بولی ٹرے اٹھا کر پلٹی تو دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے ایزد کو دیکھ کر وہیں کی وہیں جم گئی۔ کیرٹ جانے کب کی ہوا ہو چکی تھیں۔

"اسے کہتے ہیں دل سے دل کو راہ میں نے بھی ابھی تک کھانا نہیں کھایا دل ہی نہیں چاہا تمہارے بغیر کھانے کو چلو اکٹھے کھاتے ہیں میں تمہارے فیورٹ کباب اور پڑا بھی لایا ہوں تم پلیٹیں لے آؤ میں یہ لے جاتا ہوں۔" ایزد نے آگے بڑھ کر ٹرے تھام لی۔

چیکو اور چیری کے ساتھ کٹھن چکر بنے رہنے کا یہ فائدہ تو کم از کم ہوا تھا کہ وہ ہر دکھ بھول گئی تھی ایک لمحہ بھی نہیں ملا تھا کسی درد کو سوچنے کا مگر اب اس جفاجو کو

سامنے پا کر پھر سے ہر زخم ہرا ہو گیا۔ ایزد جا چکا تھا چارو ناچار اس کے پیچھے آنا پڑا وہ اس کے روم میں تھا۔ برتن ٹیبل پر رکھ کر خود وہ بیڈ کی پائینتی پر ٹک گئی۔

"وہاں کیوں بیٹھی ہو یہاں آؤ۔" پلیٹ میں سالن نکالتا ایزد کا ہاتھ وہیں رک گیا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے آپ کھائیں۔" وہ گود میں رکھے ہاتھوں کو دیکھنے لگی ایزد اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آبیٹھا۔

"ایک دم سے بھوک کیوں اڑ گئی تمہاری اپنے لیے کھانا گرم کر رہی تھیں نا تو پھر کیا ہوا؟" زرقم نے صرف نفی میں سر ہلا دیا حلق میں اٹکتے گولے کے باعث کچھ بولا ہی نہ گیا۔ ایزد نے جھکا چہرہ اوپر اٹھایا۔ تمتمائے عارض بھیگتی پلکیں بارش بس برسنے کو تھی۔ بے اختیار بازو پھیلا کر اسے خود سے لگا لیا۔

"میں جانتا ہوں تم دکھی ہوئی ہو۔ مگر میں کتنا دکھی رہا ہوں تمہیں اس کا اندازہ ہی نہیں ہے۔"

"میں نے دکھی کیا تھا آپ کو میں نے کہا تھا خود ہی دکھی ہوتے رہیں۔ اس ریڈش کی بچی نے جو بھی اتنی بیدھی بتوں سی کی تھی۔ آپ کو چاہیے تھا کم از کم مجھ سے تو شیئر کرتے۔" وہ پھٹ پڑی کتنے مہینے ہو گئے تھے انہیں اکٹھے رہتے ایک ہی چھت تلے یہ ان کے درمیان کیسا رشتہ تھا یہ کیسی محبت تھی۔ کیسا اعتماد وہ اس سے ہر چیز شیئر کر رہا تھا۔ بس ایک بات ہی شیئر نہ کر سکا۔ گویا انجانے میں وہ بے اعتباری کی چلچلاتی دھوپ تلے کھڑی رہی ایزد کا وہ غصہ وہ جھلسے رویے بے جانہ تھے۔ یہ حقیقت تھی ان کے پس پردہ سب راز کھلے تو بس نہ چلا تھا کہ اس ریڈش بی بی کی بھی طبیعت صاف کر آتی وہ تو امی اور کیرٹ نے ہی سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا۔

"دفع کرو اس کی تو عادت ہے لگائی بجھائی کرنے کی کچھ لوگ ہوتے ہی ایسے بدفطرت ہیں اس نے تو جو کرنا تھا کر لیا اب تم اس سے جھگڑ کر مزید اپنا تماشا لگواؤ گی۔ سارے خاندان میں گھما کر رکھ دے گی وہ اس بات کو کس کس کو کیا کیا وضاحتیں دو گی۔ ایزد کی فکر نہ کرو وہ صرف غلط فہمی کا شکار ہے اور اس کی یہ غلط فہمی جلد ہی دور ہو جائے گی ڈونٹ وری۔" کیرٹ نے کتنا یقین دلایا تھا۔ تو کیا وہ ہی اسے لائے تھے پاپی کا کس دوست کے ساتھ ڈنر تھا یہ گتھی بھی سلجھی۔

"بہت برے ہیں آپ مجھ سے کوئی بھی وضاحت سنے بغیر ناراض ہو کر چلے گئے۔ آپ کو کیا پتا کیسے سولی پر لٹکی رہی ہوں میں کس قدر دکھی کیا ہے آپ نے مجھے جائیں میں نے کوئی بات نہیں کرنی آپ سے اب

مشہور و مزاح نگار اور شاعر

انشاء جی کی خوبصورت تحریریں،

کارٹونوں سے مزین

آفسٹ طباعت، مضبوط جلد، خوبصورت گرد پوش

آوارہ گرد کی ڈائری	سفرنامہ	450/-
دنیا گول ہے	سفرنامہ	450/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	سفرنامہ	450/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	سفرنامہ	275/-
نگری نگری پھرا مسافر	سفرنامہ	225/-
خمار گندم	طنز و مزاح	225/-
اردو کی آخری کتاب	طنز و مزاح	225/-
آپ سے کیا پردہ	طنز و مزاح	400/-

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

کیوں آ رہے ہیں۔ کیا اب دکھ ختم ہو گیا آپ کا۔" اس کا حصار توڑنے میں ناکام ہو کر روتے روتے وہ بولے گئی۔

"نہیں دکھ تو مزید بڑھ گیا ہے۔" ایزد کا منہ لٹکا ہوا تھا اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

"وہ اس لیے کہ پہلے تم پر غصے کے ساتھ پیار آتا تھا۔ اب تم پر پیار کے ساتھ غصہ بھی آئے گا۔" ایزد نے اس کی حیران نگاہی پر وضاحت دی جبکہ وہ اس کی نرالی منطق پر مزید متحیر ہو گئی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب صاف ہے اگر میں نے تم سے کوئی سوال نہیں کیا۔ کوئی بات شیئر نہیں کی تو اس کے پیچھے سولڈ ریزن تھا حقیقت جو بھی تھی میں اپنا بھرم کھونا نہیں چاہتا تھا بے شک ہمارے درمیان غلط فہمی ڈالی گئی مگر دل میں لگے شک کے کانٹے کے باوجود میں نے کبھی تمہارا حق نہیں رکھا نہ تم سے دروغ گوئی کی۔ اپنے دل کی ہر ان کہی کہہ ڈالی جو میرے دل میں تھا وہی میرے رویے میں بھی جب تم پر غصہ آیا نکال دیا جب تم پر پیار آیا اظہار کر دیا مگر تم ___ میں تو حیران ہوں کس قدر گھنی ہو اور کتنی کمال دھوکے باز یعنی مجھے ___"

"کیا میں نے کیا دھوکا کیا آپ کے ساتھ۔" وہ تڑپ ہی تو گئی اس الزام پر۔

"یہ دھوکا نہیں تو اور کیا ہے تم نے مجھ سے اپنے دل کا راز چھپا کر رکھا۔ حد ہو گئی یعنی مجھ سے ہی پردہ داری۔ کیا اس قابل نہیں لگا تھا تمہیں کہ اپنے جذبات مجھ سے شیئر کرتیں مجھے تو جب بھابھی نے بتایا میرا دل چاہا کسی دیوار سے سر ٹکرا دوں بیوی میری اور اس کا حال دل کوئی سنا رہا ہے مجھے اب بتاؤ یہ دھوکہ دہی نہیں تو اور کیا ہے۔ شادی سے پہلے چھپ چھپ کر دیکھا جاتا تھا۔ میرا نام بھی رکھا گیا اور مجھے ہی خبر نہیں تھی وہ ناؤ کھا رہا تھا۔

"ہر وقت تو تیر و تلوار لیے پھرتے تھے آپ۔ جب بھی آپ سے کچھ کہنے کا سوچا آپ کا غصہ ہی سوا نیزے پر ملا۔" وہ اپنی جگہ حق پر تھی۔

"ٹھیک ہے بھئی ساری غلطی میری، میں ہی قصور وار ٹھہرا میں نے مان لیا اور آج تو میں غصے میں نہیں چلو کہو جو کہنا ہے۔ میں پوری جان سے متوجہ ہوں۔" ایزد سیدھا ہو بیٹھا کھینچ کر چہرے پر مسکان سجالی۔

"ہماری زندگی کس قدر خوش رنگ ہوتی نا اگر جو ریڈش بی جمالو کا کریکٹر ادا نہ کرتی مجھے تو اس پر اتنا غصہ ہے حد نہیں۔" اس کا دکھ کسی طور کم نہ ہو پا رہا تھا وہ رہ کر تمام اذیت بھرے پل کچوکے لگا رہے تھے جو صرف اور صرف مائرہ کی وجہ سے اسے برداشت کرنے پڑے تھے۔

"ہوں بالکل یو آر رائٹ۔" ایزد نے اس سے بھرپور اتفاق کیا۔

"ہماری زندگی اب بھی بہت خوش رنگ ہے۔ بس تم سب بھول جاؤ۔ ہوتے ہیں کچھ لوگ ایسے جو نہ خود ہنستے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو ہنستا دیکھ سکتے ہیں تمہاری وہ کزن بھی کچھ ایسی ہی سائیکی رکھتی ہے اللہ اسے عقل دے ویسے تم نے اس کا نام بہت خوب رکھا ہوا ہے اور نام تو تم نے سب کے ہی بہت مزے کے رکھے ہیں اور میرا نام بھی بے حد کمال ہے۔ اہل واہ اور تم نے خود کیا ہو؟" ایزد نے اس کے چہرے کو پرشوق نظروں سے تکتے ہوئے کہا وہ یکدم متوجہ ہوئی۔

دوسروں کے نام رکھنا ہمیشہ بہت اچھا مشغلہ رہا تھا آج اپنی باری آئی تو گھبرا گئی جانے وہ کیا نام دے دے اور وہ کہہ رہا تھا۔

"تم میری وہ کھٹی میٹھی سرخ سرخ رس بھری اسٹرابری ہو جسے دیکھتے ہی جی چاہتا ہے ایک ہی بائٹ میں ہڑپ کر جاؤں۔"

ہیں اس انوکھے نام اور خیال پر اک لمحے کو تو وہ بھونچکا رہ گئی پھر خفگی بھری نظر سے اسے دیکھا ایزد ہنس رہا تھا وہ بھی سب بھلا کر اس کی ہنسی میں شامل ہو گئی۔ سب دھند لکے چھٹ گئے تھے اب یقیناً" ہر منظر صاف تھا۔

☼ ☼

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

اُم طیفور

"میں کہے دے رہی ہوں تم سے جیا۔۔۔! اب بس کرو یہ تماشا، بہت دیکھ لیے تمہارے نخرے۔ میں مزید برداشت نہیں کروں گی۔"

دادی بے تحاشا غصے میں تھیں اور میں کریم چاٹ کا بڑا سا باؤل تیزی سے ختم کرتے، خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ ساتھ دانت بھی بج رہے تھے اور جس کے لیے دادی کا غصہ چھت پھاڑنے کو بے تاب تھا وہ ہنوز سر جھکائے، بالوں کی لمبی چٹیا آگے ڈالے اس کے سروں سے دو موہے بال چن رہی تھی۔

"اور تجھے کیا کرنٹ لگا ہے۔۔۔؟ بند کر دانتوں کی کڑ کڑ، ہر وقت کھاتی ٹھونستی رہتی ہے یا کڑکڑاتی رہتی ہے۔"

لو جی! آخر سارا زلزلہ مجھ غریب پر ہی گرنا تھا۔

"دادی سردی بہت ہے اس لیے دانت بج رہے ہیں اور کھاتی تو اس لیے ہوں کہ دھیان بٹ جاتا ہے۔" میں منمنائی تو دادی نے ایک طنزیہ ہنکارا بھرا۔ میں نے بے اختیار چاٹ کا باؤل شال کی اوٹ میں کر لیا۔ میرا خون بہت جلتا ہے نا! نظر جلدی لگ جاتی ہے۔

"جیا میری کسی بات کا جواب بھی ہے یا یونہی بالوں میں سے جوئیں ڈھونڈتی رہو گی۔۔۔؟" چھی۔۔۔ چھی! کتنی گندی باتیں کرتی ہیں دادی بھی۔۔۔!

"میں سن رہی ہوں۔۔۔ آپ کہیے۔" بڑا ٹھنڈا مزاج تھا جیا کا بھی۔

"بس تو پھر کان کھول کر سن لو تم۔۔۔ اب کی بار جو بھی معقول رشتہ آیا میں نے تمہیں فارغ کر دینا ہے۔ دانیہ اور تم آگے پیچھے یا ساتھ ساتھ ہی رخصت ہو گی سمجھیں؟"

دادی نے میرا نام لیا تھا۔۔۔ واہ! ایسی فرحت انگیز ہوائیں چلنے لگی تھیں، میرے اوپر چھم چھم تارے سے برسنے لگے تھے، بیک گراؤنڈ میں آرکسٹرا دھم دھنیں بکھیر رہا تھا اور میں خود سے "کم حسین نہ کہو" کے جھرمٹ میں دلہن بنی مستقبل کی خوشیاں کشید کرنے کو تیار بیٹھی تھی۔ کیا کوئی تصور اس سے بھی بڑھ کر حسین ہو گا۔۔۔؟

شکر ہے کسی کو خیال تو آیا کہ مجھ بائیس سالہ دوشیزہ کو گھر میں بٹھائے رکھنا کسی طور مناسب نہیں۔ جی چاہ رہا تھا دادی کے پوپلے سے منہ کو ڈھیروں دفعہ چوم لوں۔ ابھی میں ان ہی خوش کن خیالوں میں گم تھی کہ دادی کی آواز نے میری سوچوں کی ڈور کاٹ دی۔

"اور کل سے تم دونوں کسی بھی جیو، شیو کے آفس نہیں جاؤ گی۔۔۔ سن لیا؟"

"جیو نہیں۔۔۔ این جی او!" جیا کا وہی پرسکون لہجہ تھا۔

"ہاں۔۔۔ ہاں! وہی تمہارے بھائی بھی صاف کہہ رہے ہیں کہ ختم کرو اس کھٹ راگ کو۔۔۔"

"ٹھیک ہے دادی ہم کل سے نہیں جائیں گے۔۔۔ دفع کریں اس منحوس این جی او کو آخر ہمیں اتنی معز

ماری کی ضرورت کیا ہے؟ کرنا تو آخر وہی ہے ناں جو ساری دنیا کی عورتیں کرتی ہیں۔ ہانڈی روٹی اور چولہا چکی۔ میں تو شروع سے ہی خلاف تھی، بس یونہی۔۔۔"

ہائیں! میں چاٹ کے باؤل کے ساتھ نبرد آزما اپنی ہی ہانکے جا رہی تھی اور کمرے سے دادی اور دادی کی جیا دونوں غائب۔ ابھی تو اتنا کم بولتی ہوں اور کوئی سنتا نہیں، جو باتونی ہوتی تو پتا نہیں ان لوگوں کا میرے ساتھ کیا رویہ ہوتا۔ میں اپنی ناقدری پر آٹھ آٹھ آنسو بہاتی ایک بار پھر کچن کی طرف چل دی، چاٹ کا باؤل بھرنے۔

☆ ☆ ☆

آئیں جی! اب آپ کو تعارف بھی کروا دوں۔ دراصل دادی کی جیا، یعنی ناجیہ، دادی کی بیٹی اور میری سگی پھوپھی حضور ہیں۔ حیران ہونے والی کوئی بات نہیں، پہلے وقتوں میں ایسی "وارداتیں" گھروں میں عام تھیں۔ ایک ہی وقت میں چچا بھتیجے، پھوپھی بھتیجی یا پھر ماموں بھانجے کا جنم معمول کا قصہ تھا۔ گو یہ واردات بائیس سال ہی پرانی ہے۔ لیکن میری امی بتاتی ہیں کہ اپنے وقت کا خاصہ مضحکہ خیز قصہ ہے۔ جیا جنہیں میں جی جی بلاتی ہوں مجھ سے محض ساڑھے تین ماہ بڑی ہیں

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

۔سب نے بتیری کوشش کی کہ پھپھو بولوں مگر اب ایک ایسی بچی جو بہتی ناک کو فراک کے دامن سے پونچھتی' جوؤں والا سر کھجاتی' ادل بدل کر میری فراکیں پہنتی' میرے ساتھ کھاتی' کھیلتی اور سوتی ہو اسے میرے شعور نے کبھی پھپھو کا درجہ دیا ہی نہیں۔ (ہاں ۔۔۔ہاں! میرے بھی سر میں جوئیں پڑتی تھیں میں بھی بہتی ناک چپکے سے امی کے دوپٹے سے صاف کرتی تھی۔ ہاہاہا۔۔۔!)

ناجیہ اور جیا کو توڑ جوڑ کر میں نے جی جی دریافت کیا۔ بس پھر وہ میرے سے چھوٹے تمام بچوں کی جی جی ہی بن گئیں۔ جی جی کی پیدائش پر نہ تو بہاروں نے پھول برسائے' نہ تاروں کی بارات آنگن میں اتری بلکہ جس دن جی جی پیدا ہوئی اس دن وہ ٹکا کر بارش برسی کہ کچے صحن میں جگہ جگہ ڈڈووں (مینڈکوں) کی بارات دکھائی دی۔ آنگن دریا کا منظر پیش کرنے لگا۔

دادی تو اس عمر میں اولاد پیدا کر کے اتنی شرمندہ تھیں کہ جی جی کو ہاتھ بھی نہ لگایا مجبوراً" پہلے دن سے ہی جی جی میری امی اور میری تائی کی ذمہ داری بن گئیں۔۔ جی جناب۔۔۔! میری امی بڑی نہیں بلکہ میری دادی کی منجھلی بہو تھیں اور میری تائی پہلے ہی چار عدد پوتے پوتیاں دادی کی گود میں ڈال' سرخرو ہو چکی تھیں۔ جبکہ میری آمد آمد تھی۔ ایسے میں جی جی کی آمد دادی کے لیے خوشی کا باعث کم اور جوان بیٹوں' بہوؤں کے سامنے شرمندگی کا باعث زیادہ تھی۔

دراصل سب سے بڑے میرے تایا جی اور پھر میرے ابو جی۔۔۔ اس کے بعد دادی کے تین بچے پیدائش کے فوراً" بعد اتنا عجلت' میرا مطلب ہے واپسی کی ٹکٹ کٹا کر روانہ ہو گئے۔ اس کے بعد چھوٹے چاچو کی پیدائش کو غنیمت جان کر دادی مطمئن تھیں۔ مگر رب کے کاموں میں کس کو دخل ہے۔ لہٰذا ایک طویل وقفے کے بعد جی جی کا چلے آنا دادی کو ہرگز نہیں بھایا اور انہیں بہوؤں کے کھاتے میں ڈال کر خود بری الذمہ ہو گئیں۔ ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ دادی کو بیٹی سے پیار نہ ہو آخر کو ماں تھیں اور وہ اکلوتی بیٹی۔۔۔ پھر تینوں بڑے بھائیوں کے لیے یہ ننھا کھلونا اولادوں سے بڑھ کر پیارا ثابت ہوا۔

مگر امی بتاتی ہیں کہ جی جی کی آمد پر سب سے زیادہ کر خوشی دادا نے منائی تھی۔ وہ بے حد خوش تھے بیٹی پا کر کئی لوگوں کو بڑھاپے کی اولاد سے بڑی انسیت ہوتی ہے۔ سو دادا بھی خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ اسی مسرت میں دادا نے کچا صحن' جو مدتوں سے دادی کے منتوں ترلوں کے باوجود پکا نہیں کرایا تھا۔ اسے پکا کروا کے چپس ڈلوائی کہ ان کی لاڈلی کچے فرش پہ لوٹنیاں لے کر بیمار نہ پڑے۔ یوں جی جی کی بدولت سب نے سکھ کا سانس لیا کہ برسات میں ہر چھوٹے بڑے کی گودی میں گھسنے والے ڈڈو اب گھر سے باہر قیام کرنے پر مجبور ہو گئے۔ دادا نے سب کے کمروں کے ساتھ اٹیچ باتھ نوائے کہ سردیوں کی ٹھٹھرتی راتوں میں کل کو ان کی لاڈلی صحن کے نکڑ پہ بنے اکلوتے باتھ روم میں کیسے جایا کرے گی اور چونکہ جی جی' دادی سے زیادہ امی اور تائی جی کے کمرے میں سوتی تھی لہٰذا سبھی کی موجیں ہو گئیں اور جی جی کے صدقے اٹیچ باتھ کا تحفہ مقدر بنا۔ اب راتوں کو جی جی کے ساتھ باقی سب کی بھی صحن کی مسافت طے کر کے باتھ روم جانے سے جان چھوٹی تھی۔

ایسا نہیں تھا کہ دادا اپنے پوتے پوتیوں سے پیار نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ہر ایک کو ہر ایک سے بڑھ کر چاہتے مگر انہیں اصل ہمیشہ سود سے پیارا رہا۔ سو جی جی کے نمبر ہمیشہ زیادہ رہے۔ جب میں اور جی جی اسکول جانے کے قابل ہوئے تو جی جی کی وجہ سے ہی گھر کے سارے نالائق پانڈوں کی دلی مراد بر آئی۔ اب سے پہلے اس گھر میں ٹیوشن سنٹر جانا یا کسی ٹیوٹر کا گھر آنا کسی کے بڑی چھیڑ کے مترادف تھا۔ مگر قربان جاؤں جی جی کے کہ جس کے صدقے یہ "چھیڑ" گھر کے تمام بچوں کے چہروں کا مقدر بنی۔۔۔۔۔!

دادا جب تک زندہ رہے جی جی کی حیثیت ان کے لیے ایک ایسے تمغے کی سی رہی جو پیرانہ سالی میں "جرات و بہادری" کے عوض ان کے سینے پہ سجا دیا گیا ہو۔ دادی جتنا ان کے فخر و انبساط پر چڑتیں وہ چھاتی پھلا کر گھنی سفید داڑھی میں ہاتھ پھیرتے اور کہتے۔

"مائی۔۔۔! تجھے کبھی رب کا شکر ادا کرنا نہ آیا۔ رب نے رحمت کی ہے۔ قدر کیا کر۔ نعمت ملے تو شکر ادا کیا کر کوئی انہونی نہیں ہو گئی تیرے ساتھ بھلا تیرے کسی بال بچے نے یا نوں پتر نے تیرے پہ انگلی اٹھائی ہے۔۔۔ جو تما (کرم) تو اپنی رہتی ہے۔ ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا ہوا ہے تیری اولاد نے اسے۔ سارا دن بڈاوی بنی تیری بہوؤں کے پلو تھامے پھرتی رہتی ہے۔۔۔ شکر ادا کیا کر' شکر! اگر دیے پر شکر ادا نہیں کرے گی تو رب لے کر شکر کرانا بھی جانتا ہے۔ سمجھی۔۔۔! اب مجھے دیکھ۔۔۔"

دادا مزید پھونک سینے میں بھرتے۔

"کیا ٹھیکہ بنایا ہے میرے رب نے میرا۔ بیلیوں میں بیٹھتا ہوں تو سب مجھ پر رشک کرتے ہیں رشک۔ بڑھاپے کی اولاد ہر کسی کا نصیب نہیں ہوتی پاگلے (پاگلے) وہ سردار حسین تو صاف مجھے کہتا ہے کہ "نذر محمد! تو تو بازی لے گیا اس عمر۔ لوگوں میں جب بلا پکڑنے کی ہمت نہیں رہتی تو نے چھکا لگا ڈالا۔۔۔ ہاہاہا ۔۔۔!"

اور دادا چاہے لاکھ اکڑتے ان کی اس پھوں پھاں کے جواب میں دادی کی ایک ہی بات تھی۔

"جو جی میں آئے کہو میاں! پر بوڑھے منہ مہاسے چھبتے نہیں ہیں۔۔۔"

☼ ☼ ☼

لمحوں کی دھکم پیل میں جوان بوڑھے اور بچے جوان ہوئے۔ میں اپنی کسی کزن سے اس قدر قریب نہیں تھی جتنی جی جی سے۔ دن رات کے ساتھ نے ہماری عادات و معمولات کو ایک ہی سانچے میں ڈھال دیا تھا۔ ہر وقت ہر جگہ پر ہم اکٹھی ہی پائی جاتی تھیں۔ غیر ہمیں سگی بہنیں اور کچھ جڑواں تک سمجھ لیتے تھے کہ پھوپی بھتیجی ہونے کے ناتے ہم میں غضب کی شباہت بھی پائی جاتی تھی۔ گو کہ جی جی فطرتاً" کم گو اور جھینپو سی تھیں جبکہ میں۔۔۔! تو میرے بارے میں دادی کا ایک قول تھا جس پہ مجھے بھی فخر تھا کہ جہاں یہ کم بخت دانیہ آ دھمکے وہاں سے تو شیطان بھی اپنا بوریا بستر لپیٹ لیتا ہے۔ اب دیکھیے نا کیسی ہیبت تھی میری دروشانہ روشنی کی شیطان مردود پر بھی۔

خیر میں بتا رہی تھی کہ بچپن سے میرا اور جی جی کا ہر خیر و شر میں گٹھ جوڑ رہا ہے۔ یہ خیر جی جی کی طرف سے ہی ہوتی تھی جس میں وہ "کار خیر" کے طور پر میری شمولیت یقینی بناتی تھیں اور شر یعنی شرارت غالباً" میرے نازک کندھوں پر پڑی ایسی ذمہ داری تھی جس کا تھوڑا بار میرے زبردستی کرنے پر لازماً" جی جی کو اٹھانا ہوتا تھا۔ بچپن میں جی جی بھی خاصی چلبلی تھیں مگر جب ہم دونوں دس سال کی ہوئیں اور دادا کی وفات ہوئی تو قدرتی طور پر جی جی جیسے ایک خول میں سمٹ سی گئیں۔ حالانکہ گھر بھر میں جی جی کی حیثیت تمام بچوں سے بڑھ کر تھی اور میری امی اور تائی جی کو تو وہ سگی بیٹیوں سے زیادہ عزیز تھیں۔

مگر اس کے باوجود جی جی نے وقت کے ساتھ اپنی شوخیاں اور شرارتیں کسی دلہن کے زرتار قیمتی لباس کی طرح ململ کے دوپٹے میں لپیٹ کر یادوں کے ٹرنک کی نچلی تہہ میں دفن کر دیں ۔۔۔ تائی جی کے چاروں بچے ہم دونوں سے بڑے تھے اور چاروں ہی ٹھکانے لگ چکے تھے۔ بڑا بیٹا آرمی میں تھا اور جہلم میں پوسٹڈ تھے۔ ان کی دو چھوٹی بیٹیاں اور بیوی بھی وہیں مقیم تھیں۔ ان سے چھوٹا اپنے ماموں کے گھر "دل لگی" کرنے کے بعد ان ہی کی بیٹی سے بیاہا گیا تھا اور اب ایک بیٹے اور بیوی پہ مشتمل ان کی فیملی تائی جی کے ساتھ ہی خوش و خرم آباد تھی۔ افشین بھابھی خود بھی ہنس مکھ اور گھلنے ملنے والی طبیعت کی تھیں۔ تیسرے اور چوتھے نمبر پر تائی جی کی بیٹیاں تھیں جن کی مجھ سے اور جی جی سے خوب بنتی تھی مگر شادی کے بعد دونوں پردیس کو پیاری ہو چکی تھیں۔

تایا جی کے بعد ہماری فیملی میں کل پانچ نفوس ہیں یعنی ابو جی' امی' میں اور مجھ سے چھوٹے میرے دو عدد جڑواں بھائی ارسل اور مومن مجھ سے زیادہ جی جی کو

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

چٹے رہتے ہیں اور جی جی کی تو ان دونوں میں جان ہے جبکہ ان میں سے ایک تو میری جان جلانے میں ماہر ہے۔ ارسل۔۔۔ جسے میں ہمیشہ پارسل بلاتی ہوں۔ ہاں ۔۔۔ مومن جسے سب ہی پیار سے مون کہتے ہیں اس سے میری خوب دوستی ہے اور وہ ہے بھی بے حد بے ضرر اور ہونق سا۔۔۔!

شکل سے ہی مسکنیت ٹپکتی ہے۔ موٹے شیشوں والی عینک لگائے اپنی موٹی موٹی آنکھیں پٹپٹاتا' لیے ادھ کھلے منہ کے ساتھ دوسرے فریق کی بات سنتا وہ بالکل "اسٹیورٹ لٹل" کے چٹے چوہے جیسا لگتا ہے۔

جبکہ پارسل اس کو تو میرا جی کرتا ہے کہ سچ مچ کا پارسل بنا کر کسی رشتے دار کو گفٹ کردوں' وہ بھی کسی ایسے رشتے دار کو جس سے کوئی پرانی دشمنی چلی آرہی ہو۔۔۔ ایمان سے ناکوں چنے چبوادیے ہیں پارسل کا بچہ سب کو جیسے مجھے چبواتا ہے۔ میری ہر ہر چیز اور حرکت پہ اس کی نظر رہتی ہے اور پھر جیسے ہی میری نظر چوکتی ہے یہ کمینہ مجھے ایسی چکری دے جاتا ہے کہ میں گھنٹوں چکراتی رہتی ہوں۔ میری پاکٹ منی اڑانا اور اڑا کر ڈکار جانا تو بہت ہی معمولی بات ہے حد تو یہ ہے ایک دفعہ میری غیر موجودگی میں اس بے ہودہ نے میرے دو عدد نئے نکور' ان چھوئے سوٹس ہینگر سے نکال کر کام والی ماسی کی بیٹی کو دے دیے اور ساتھ میں کہہ دیا کہ۔

"دانیہ آپی یونیورسٹی جانے سے پہلے خاص طور پر تمہیں دینے کا کہہ گئی تھیں۔" وہ تو جب میں نے اگلے دن رجو کو اپنا جوڑا پہنے دیکھا تو صدمے کے مارے لان چیئر پر ہی بیٹھی رہ گئی جبکہ رجو بڑی عقیدت و احترام کے ساتھ ٹھمکتی ہوئی میرے پاس میرا شکریہ ادا کرنے آئی۔ اب میں اس کے ڈھیروں شکریوں کے جواب میں ڈھیروں آنسو ہی بہا سکتی تھی۔ اس کے بعد جس طرح جی جی نے اور دادی نے کہہ سن کر میرا غصہ ٹھنڈا کیا' وہ میں ہی جانتی ہوں۔

ہاں بدلے میں' میں نے بھی ذرا سی شرارت ہی کی کہ اس پارسل کے اکنامکس کے تمام تازہ بہ تازہ نوٹس اشمل کھٹل کو دے دیے۔ اشمل رج کے نالائق اور کند ذہن واقع ہوا تھا۔ ہمارے محلے میں دو گھر چھوڑ کر ہی یہ لوگ مقیم تھے۔ اتفاق سے مون اور پارسل کے ہی کالج میں تھا اور سبجیکٹس بھی ایک تھے۔ کیچڑ اس قدر کی ہر وقت پارسل کو چپکا رہتا تھا' کچھ بھی تھا میرا بھائی ذہین بہت تھا۔۔۔ آہم!

اور اسی لیے ارسل نے اس کا نام اشمل کھٹل رکھ دیا تھا۔۔۔ ہر وقت گھر کے گیٹ پہ منڈلاتا کہ پارسل ازراہ کرم اپنے کچھ نوٹس اسے کاپی کرنے کو دے دے۔ مگر دونوں اپنی جگہ ڈھیٹ اور ہٹ کے پکے تھے' نہ وہ آنے سے رکتا اور نہ یہ جان چھڑانے سے باز آتا۔

اب ایسے میں جب مجھے تازہ تازہ زخم لگایا تھا تو مرہم کی اشد ضرورت تھی اور پھر کیسی ٹھنڈ پڑی مجھے۔۔۔ ہائے ہائے!

نوٹس گئے کھٹل کے پاس اور وہ اتنا سیانا نکلا کہ جب پارسل کو پتا چل گیا کہ اس کی دن رات کی عرق ریزی سے تیار کردہ نوٹس میرے ہاتھوں کھٹل کے فولڈر کی زینت بن چکے ہیں اور لاکھ ٹکریں مارنے کے باوجود ان کی واپسی اب ممکن نہیں تھی تب وہی کھٹل جو پہلے ہمارے گیٹ کے باہر بھوکی بلی کی طرح بیٹھا رہتا تھا اب اپنے گھر کے اندر سے پارسل کو اپنی غیر موجودگی کا پیغام بھجوا دیتا۔۔۔ اور بے چارہ پارسل ہر بار واپسی پہ جن کینہ توز نظروں سے مجھے تکتا۔۔۔ توبہ توبہ! ابھی یہ تو معمولی جھڑپوں کا تذکرہ ہے وگرنہ اس کی اور میری جنگ مستقل بنیادوں پر چھڑی رہتی تھی۔

ایک دفعہ میں نے دادی کے کہنے پہ خشکی سکری کے علاج کے لیے دہی میں بیسن ملا کر سر دھونے کے لیے رکھا۔۔۔ بس ذرا سی ہی چوک ہوئی تھی اور یہ بدتمیز اپنا کام دکھا گیا تھا۔ جی جی کے بلانے پر میں صرف چند منٹ کے لیے اسٹور میں گئی تھی جہاں وہ پیٹی میں منہ گھسائے اللہ جانے کیا کررہی تھیں۔۔۔ پیچھے سے پارسل نے آمیزے میں صمد بونڈ کی پوری ٹیوب خالی کردی۔ واپس آکر جب میں نے اپنے سر پر لگانا شروع کیا

تو اسے میں نے کتنی ہی بار اپنے ارد گرد منڈلاتے دیکھا مگر میں عقل کی اندھی نظرانداز کرگئی۔

اف! کیا بتاؤں کہ دو تین گھنٹے بعد جب میرا سر دھونے سے بھی نہ دھلا تو مجھ پر کیا بیتی۔ کتنے جتنوں سے جی جی اور امی نے صحن کے کھرے میں میرا سر صاف کیا۔۔۔ آج بھی یاد کرتی ہوں تو اس شیطان کی نان اسٹاپ ہنسی مجھے آگ لگا دیتی ہے۔ شکر ہے ٹنڈ نہیں کروانی پڑی وگرنہ کسر کوئی نہیں رہی تھی۔

زندگی ان ہی کھٹی میٹھی حرکتوں' شرارتوں اور باتوں سے مزین بڑی سبک خرامی سے چلی جارہی تھی کہ سب کو یہ خوب صورت احساس جاگ اٹھا کہ میں اور جی جی شادی کے لائق ہوگئے ہیں۔ بڑا ٹیسٹی ٹوئسٹ آگیا تھا لائف میں' رشتہ دیکھنے والے آرہے ہیں' جا رہے ہیں۔

کبھی جی جی اڑ جائیں اور کبھی میں' جی جی تو روایتی گھسی پٹی ہیروئنوں کی طرح سدا دلدی کے پلو سے بندھ کے ان کی ساری عمر خدمت کرنا چاہتی تھیں جبکہ میں چاہتی تھی کہ ہم دونوں کی شادی ایک ہی گھرانے میں ہو۔ میں کبھی جی جی سے الگ نہیں ہوئی تھی بچپن سے جوانی تک ہم ہر لمحہ ساتھ رہی تھیں۔۔۔ ایسی انت قسم کی بانڈنگ تھی ہماری جو شاید کبھی لیلیٰ مجنوں میں بھی نہ رہی ہو۔۔۔! جی جی سے جدا ہونے کا مطلب' زندگی سے تھرل اور مستی فنش! جی جی میرا اٹوٹ انگ تھیں بالکل کشمیر کی طرح۔۔۔! اور ویسے یہ کوئی ایسی انہونی بھی تو نہیں اگر ہم پھوپھی بھتیجی ساتھ بیاہی جاسکتی ہیں تو کیا خیر اللہ نے ہمارے جوڑ کے کہیں کوئی "چچا بھتیجا" بھی آس پاس اتارے ہوں۔ ایسی ہی کسی چچا بھتیجے کی اکٹھی پیدائش کی "واردات" کہیں اور بھی رونما ہوئی ہو ہونے کو تو سب کچھ ہوسکتا ہے نا!

☼ ☼ ☼

"او تیری۔۔۔! یہ کیا تھا کیوں تھا اور کس لیے۔۔۔؟" ولی نے کراہ کر احتجاج کیا تھا۔

"یہ میرا ہاتھ تھا' تمہاری گردن تھی اور وجوہات میں ایک طویل فہرست ہے۔ کہو تو ابھی سناؤں یا پھر بھائی جان کا انتظار کیا جائے۔۔۔!"

"اسفند یار نے سکون سے صوفے پہ ٹانگیں پسارتے ہوئے استفسار کیا۔ جبکہ ولی گردن پر کراری چھیڑ کھانے کے بعد اسے ہنوز سہلاتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔۔۔ ہاں! کرلیں بھائی جان کا انتظار! آپ کے ہاتھوں کم درگت بنتی ہے میری جو پاپا کا کھاتہ الگ سے کھلوا دیتے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں بندہ دنیا میں فلاں فلاں اور فلاں ہوجائے مگر گھر میں سب سے چھوٹا نہ ہو۔۔۔ ہائے! گردن توڑ دی ظالم۔" ولی جانتا تھا کہ اس کی یہ آہیں اور کراہیں اسفند یار پر کوئی اثر نہیں ڈالتی تھیں مگر عادت سے مجبور باز نہیں آتا تھا۔

"تو حرکتیں درست کرو نا اپنی ستائیس سال کے ہوگئے ہو مگر عقل تمہیں چھو کر نہیں گزری۔۔۔ بھائی جان اور بھابھی کو بھی زچ کیے رکھتے ہو۔" یہ کہہ کر اسفند یار نے اپنی جرابیں اتار کر سلیقے سے جوتوں میں رکھیں اور اب کف کے بٹن کھول کر انہیں فولڈ کرنے لگا۔

"صدقے جاؤں میں آپ کے! میں ستائیس کا ہوگیا ہوں تو خود مابدولت کیا ستاسی کے ہیں؟ سرکار! محض ستائیس گھنٹے بڑے ہیں آپ مجھ سے۔" ولی نے جل کر جواب دیا تو بدلے میں اسفند یار نے ایک جتاتی نظر سے دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"ستائیس گھنٹے بڑا ہوں یا ستائیس سال' رہوں گا تو میں تمہارا چاچا ہی برخوردار!"

"اسی بات کا تو رونا ہے چاچو! اگر جو ہوتا میں آپ کا چاچا تو وہ چار چوٹ کی مار لگاتا' وہ چار چوٹ کی مار لگاتا۔۔۔ کہ!"

"کہ جب ولی شہریار کی آنکھ کھلتی تو بستر سے نیچے گرے اپنے ہی سر پر اپنا جوتا تابڑ توڑ برسا رہے ہوتے۔" اسفند یار نے ولی کا جملہ اچک کر حساب پورا کیا۔ پھر قدرے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اب مذاق چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ فیکٹری سے کہاں

غائب ہوگئے تھے؟ پتا ہے بھائی جان کتنے غصے میں تھے آج جن لوگوں کو ڈیلنگ کے لیے تمہارے کیبن میں بھیجا تھا وہ انتظار کر کے چلے گئے اور جاتے ہوئے مجھ سے یا بھائی جان سے بھی نہیں ملے۔ وہ تو بعد میں منیر نے بتایا کہ موصوف ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ہی فیکٹری سے نکل چکے تھے۔ بھائی جان کا دماغ بہت گرم ہے ولی۔۔۔ آج تو بھابھی بھی تمہیں نہیں بچاسکتیں۔" اسفندیار نے سارے دن کی کتھا سنا کر آنے والے حالات کے لیے تیار رہنے کا عندیہ بھی دے دیا۔

"ڈونٹ وری چاچو!" ولی نے جیسے ناک پر سے مکھی اڑائی جو کہ سچ مچ اسے تنگ کر رہی تھی۔

"میری ماں چاہے آج مجھے نہ بچاسکے مگر آپ کی ماں ہر حال میں مجھے بچائے گی اور اس وقت میں ان ہی کے کمرے میں سونے جارہا ہوں۔ شام کو دادی کے ساتھ ہی کمرے سے باہر نکلوں گا دیکھتا ہوں کون مائی کا لال مجھے انگلی بھی لگاتا ہے۔" ولی نے اکڑ کر سینہ پھلایا اور دادی کے کمرے کا رخ کیا۔ پیچھے سے اسفندیار نے پھر آواز لگا کر اسے رکنے پر مجبور کردیا۔

"میرے بچے! تمہاری دادی کا لال ہی تمہیں انگلی چھوڑ پورے ہاتھ کا چھاپا (نشان) لگائے گا کیوں کہ اماں آج صبح کی تمہاری پھپھو کی طرف جاچکی ہیں اور ان کی واپسی کل ہے۔ اب تم آنے والی گھڑیاں گنو میں چلا اپنے کمرے میں آرام کرنے 'بعد میں ٹکور کے لیے میرے پاس آجانا۔"

اسفندیار سکون سے ولی کی سماعتوں پہ بم پھوڑتا اپنے کمرے میں جاچکا تھا جبکہ ولی نے کچھ پل سوچنے میں لیے اور پھر کچن کا رخ کیا۔ واپسی پہ اس کے ہاتھ میں کھانے کی اشیاء کا ڈھیر تھا سمیت کوک کی ڈیڑھ لیٹر بوتل کے۔ اپنے کمرے میں گھس کر اس نے دروازہ لاک کرلیا تھا۔ اب اسے صبح سے پہلے کسی صورت یہاں سے نہیں نکلنا تھا۔

۞ ۞ ۞

"آؤ آؤ۔۔۔ برخوردار! میرے بڑھاپے کی لاٹھی۔۔۔! کل سے تمہاری شکل دیکھنے کو میری آنکھیں ترس گئی ہیں۔"

ولی نے پردے کی اوٹ سے ڈائننگ روم میں جھانک کر صورت حال کا جائزہ لینے کی کوشش کی تھی مگر پاپا کی نظروں میں فوراً" سے بھی پہلے آگیا تھا۔ میل پہ دادی سمیت گھر کے تمام افراد خاموشی سے بیٹھے ناشتا کرنے میں مصروف تھے۔ یقیناً" پاپا نے ولی سے پہلے ان سب کی کلاس لی تھی کہ اس کے بگاڑ کا ذمہ دار وہ ان سب کو سمجھتے تھے۔ ولی ابھی تک شش وپنج میں وہیں کھڑا تھا تب ہی دادی نے اس کی مشکل آسان کی۔

"آ ونج جا ہن میرا پتر سویر دی دادی اڑ گئی ہوئی اے تے تینوں خبر وی نئیں۔ ایدر آ میرا پتر سینے وچ ٹھنڈ پا آ کے۔"

دادی نے بانہیں پھیلا کر اسے پکارا اور وہ ہمیشہ پاپا کے عتاب سے اسے بچانے کو اپنے ہی پروں میں سمیٹتی تھیں کہ ماما کی تو جرأت ہی نہیں تھی پاپا کے غصے کو چھیڑنے کی۔

ولی پردے کی اوٹ سے نکل کر سامنے آیا تو دادی اور ماما کی چیخیں نکل گئیں۔ ولی کی دائیں ٹانگ کا پائنچہ فولڈ ہو کر گھٹنے تک اوپر چڑھا تھا اور اس کے نیچے ٹخنے تک پوری ٹانگ سفید پٹی سے جکڑی پڑی تھی۔ بایاں ہاتھ بھی جگہ جگہ سے سنی پلاسٹ سے سجایا گیا تھا۔ ماما گھبرا کر اس کے پاس آئیں۔

"یہ تمہیں کیا ہوا ہے میری جان؟" وہ رو دینے کو تھیں۔

"کیسے لگی ہے یہ چوٹ۔۔۔ اور 'اور بتایا کیوں نہیں تم نے ہمیں۔" دادی بھی اٹھ کر ولی کے پاس آچکی تھیں اور اب اسے دونوں نے تھام رکھا تھا۔ دادی نے ماما سے کہا۔

"جانی فاطمہ! ذرا ہلدی پا کے دودھ لے کے آ میرے پتر واسطے۔ ہورے کدوں دا پیڑ سہندا اے پیا۔"

"نہیں 'نہیں! ماما میں ٹھیک ہوں اب اور دادی آپ بھی فکر نہ کریں۔ رات کو تھوڑا درد تھا اب نہیں ہے۔ آئیں آپ دونوں بیٹھیں اپنی اپنی جگہ پر۔۔۔ آئیں۔" ولی نے آواز میں بے تحاشا نقاہت سمیٹتے ہوئے کہا ہلدی والے دودھ کا تو نام سن کر اسے ابکائی آجاتی تھی کجا کہ پینا۔

دادی اور ماما فکر مندی سے اسے لیے اپنی اپنی کرسیوں پر براجمان ہو چکی تھیں۔ جبکہ اس نے اسفندیار کے ساتھ والی کرسی کا انتخاب کیا کہ وہاں وہ پاپا سے کافی فاصلے پر تھا۔ اس سارے جذباتی عمل کے دوران پاپا اور اسفندیار دونوں نہایت سکون سے ناشتا کرتے رہے تھے کہ پاپا کو بغور دیکھنے پر اس کی چوٹ سے "اداکاری" کی بو آگئی تھی جبکہ اسفندیار تو جانتا تھا کہ ولی واقعی ڈرامہ کر رہا ہے اس کی اداکاری پر اور گیٹ اپ پر دل میں اش اش کر اٹھا تھا۔

ساتھ والی کرسی پر ولی کے بیٹھتے ہی اسفندیار نے اپنے موٹے سول والے جوتے کے نیچے اس کا زخمی ٹانگ والا پاؤں زور سے دبا کر بیچ میں اسے کراہنے پر مجبور کردیا۔ پاپا نے تیوریاں چڑھا کر اسے دیکھا اور غصے سے بولے۔

"یہ عورتوں کی طرح آوہ کرنا بند کرو اور یہ بتاؤ کہ کتنے پیسے دے کر یہ سوانگ بھرا ہے۔" ماما تو تڑپ ہی اٹھیں اس الزام پہ۔ انہوں نے دادی کو مدد طلب نظروں سے دیکھا تب ہی وہ بولیں۔

"ہا۔۔۔ ہائے وے منڈیا! تیریاں اکھاں نے کہ گلں دے ڈیلے۔ تینوں وسدا نئیں کہ منڈا زخمی ہویا پیا اے اونوں پیار کرن دی بجائے کلاں کرنا ایں پیا۔۔۔"

(ہا۔۔۔ ہائے او لڑکے! تمہاری آنکھیں ہیں کہ گولے کی آنکھیں۔ تمہیں نظر نہیں آتا کہ لڑکا زخمی ہے اسے پیار کرنے کی بجائے باتیں کر رہے ہو) دادی ٹھیٹ پنجابی بولتی تھیں اور غصے میں تو اور بھی زیادہ خالص ہوجاتی تھیں۔

"اماں! بس کردیں اس خبیث کی طرف داریاں کرنی۔۔۔ آپ کو نہیں پتا کل اس نے ہمارا کتنا نقصان کرایا ہے۔ اچھی بھلی ڈیل ہوتے ہوتے کینسل ہوگئی کہ ان لوگوں کو ہمارا غیر سنجیدہ اور غیر کاروباری رویہ نہیں بھایا۔ اس نالائق کو ٹاسک دیا تھا ایک وہ بھی نہیں پورا کر سکا اور تو اور فیکٹری سے دفع ہونے سے پہلے کسی کو بتا کر نہیں گیا ورنہ میں یا اسفند ہی اس پارٹی سے ڈیل کرلیتے۔" پاپا فل فارم میں آچکے تھے مگر ولی کی زبان پھسلنے سے نہیں رکی۔

"وہ پاپا 'منیر کو بتا کر آیا تھا میں اسے کہا تھا کہ۔۔۔"

"کون ہے منیر؟" پاپا نے بات کاٹ دی اور طیش سے بولے۔

"ہاں بتاؤ 'کون ہے منیر۔۔۔ چاچا لگتا ہے تمہارا؟ جسے تم بتا کر نکلے تھے۔"

"نہیں نہیں پاپا! چاچو تو یہ بیٹھے ہیں۔" ولی کے یوں کہنے پر اسفندیار سمیت سب ہی کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

"بس! یہ ہی کچھ کر کے آپ لوگوں نے اس کا دماغ خراب کردیا ہے۔ یہ اسفند بھی تو ہے۔۔۔ اسی کی عمر کا ہے مگر کیسا ذمہ دار ہے۔ ایک یہ ہے" پاپا نے غصے سے بات ادھوری چھوڑ دی تھی اور ولی کو گھورنے لگے۔ اس نے سٹپٹا کر وضاحت دی۔

"اصل میں پاپا کل میں اپنے روم میں بیٹھا پارٹی کا ہی انتظار کر رہا تھا کہ کسی کام سے سیٹ سے کھڑا ہوا تو کمپیوٹر کی تاروں سے کچھ ایسے الجھ کر گرا کہ پورے کا پورا ڈیسک ٹاپ الٹ کر میری ٹانگ پر آگرا۔ دو چار چیزیں ہاتھ پر بھی گریں اور یہ بھی تھوڑا زخمی ہوگیا۔ بس پھر پٹی کروانے چلے گیا تھا اس لیے۔"

ولی نے اپنی طرف سے بڑی مہارت سے "مائنڈ سیٹ سچویشن" سامنے رکھ دی تھی۔ جس میں جھول ہی جھول تھے۔

"آئے ہائے میرا نکا جیا کاکا تے کنڈا وڈا ئی دی لت اتے ڈگ گیا۔" دادی نے موقع پہ ہمدردی کر کے سچویشن کو سنبھالا دیا۔

"ولی بیٹا تم کمرے میں جاؤ۔ آرام کرو میں تمہارے لیے ناشتا وہیں لے کر آتی ہوں اٹھو شاباش۔"

ماما نے بھی آنکھوں آنکھوں میں اسے کھسکنے کا اشارہ کیا۔ کہ اس کی چوٹ کی "اصل" کو وہ بھی جان گئی تھیں اب اس سے پہلے کہ پاپا پٹی کھلوا دیتے

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

انہوں نے اسے نظروں سے غائب کیا۔

"اسفند بیٹا! جاؤ ذرا اسے کمرے تک چھوڑ آؤ۔" ماما نے التجائیہ نظروں سے اسفند یار کو دیکھا جو ان کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر کھڑا ہو گیا اور ولی کو کینہ توز نظروں سے گھورتا کمرے میں لے جانے لگا۔ ولی کی ہائے ہائے بڑی دور تک سنائی دیتی رہی۔

"کچھ دیر ٹیبل پہ خاموشی رہی جسے بابا نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے توڑا۔

"اونہہ! مجھے بچہ بناتا ہے۔" بابا نے استہزائیہ انداز میں سر جھٹکا۔

"اس جیسے ستر میرے انڈر کام کرتے ہیں اور یہ میری آنکھوں میں مرچیں جھونکتا ہے۔"

"مرچاں نئیں پتر! اکھاں وچ لون پائی دا۔۔۔" (مرچیں نہیں بیٹا! آنکھوں میں نمک ڈالتا ہے) دادی نے بابا کی درستگی ضروری خیال کی۔ بابا بے بسی سے سر ہارتے انہیں دیکھتے رہ گئے، کچھ دیر سوچتے رہے اور بولے۔

"بس! فائنل ہو گیا۔ اس نالائق کا ایک ہی حل ہے۔۔۔ شادی، فاطمہ! تم اسفند کے ساتھ ساتھ اس کا بھی رشتہ پکا کرو۔ میں تو کہتا ہوں کہ ایک دفعہ احسان کی بیٹی نتاشا کے بارے میں بھی سوچ لو۔ اگر دل ٹھہرتا ہے تو ٹھیک ورنہ کوئی اور مناسب لڑکی فائنل کر کے دونوں کو کھونٹے سے باندھو بس دھیان رکھنا کہ اپنے لاڈلے کے لیے ذرا سنجیدہ مزاج کی بچی دیکھنا۔ اس جیسی ہوئی تو اس گھر کو دو 'دو' پکل جھیلنے پڑیں گے۔"

بابا، ماما کو اپنا حتمی فیصلہ سنانے کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے۔ ماما نے ان کے جانے کے بعد ایک لمبی سانس چھوڑ کر دادی کو دیکھا جبکہ دادی کچھ سوچتے ہوئے مگ میں چائے ڈالے سڑپ سڑپ کرتے ہوئے اگلے لائحہ عمل پر غور و فکر کرنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

کمرے میں داخل ہوتے ہی اسفند یار نے ٹھڈا مار کر دروازہ بند کیا تھا اور ایک زوردار "ٹھڈا" ولی کو نواز کر اسے بیڈ پر اچھال دیا۔ ولی بیڈ پر لوٹ پوٹ ہوتے ہنستے ہوئے اسفند یار کو چڑانے کے لیے مزید چیخ و پکار کرنے لگا۔ اسفند یار کمر پر دونوں ہاتھ ٹکائے چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر خود بھی بے اختیار ہنس دیا۔

"بڑے چالو ہو تم ولی۔۔۔ ایک سے ایک ٹوٹکا تمہاری جیب میں دھرا ہے۔ مگر اس وقت شکر کرو کہ بھائی جان نے تمہاری گلو خلاصی کر دی۔۔۔ غصے میں انہیں یہ دھیان نہیں رہا کہ تمہارے آفس روم میں ڈیسک ٹاپ کی بجائے لیپ ٹاپ ہے۔ کہانی تو تم نے گھڑلی تھی پر یہ بھول گئے کہ چور ہمیشہ اپنے پیچھے کوئی نشانی چھوڑ کر جاتا ہے۔۔۔ اگر بھائی جان غلطی سے تھوڑا سا دماغ لڑا لیتے تو تمہارا ناشتا اس وقت یقیناً جوتوں کی صورت میں تمہیں تناول کرایا جا چکا ہوتا۔"

"اوہ! واقعی چاچو بال بال بچ گیا۔۔۔" ولی ماتھے پہ ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

"ہاں! انہیں تو تمہارے سر کے چار بال بچتے۔ اب سیدھی طرح بتاؤ کہ کہاں گئے تھے کل؟" اسفند یار نے کمپیوٹر چیئر پر بیٹھ کر کمپیوٹر آن کرتے ہوئے استفسار کیا۔

"ایویں چاچو۔۔۔! یہ مظہر کے بچے نے فون پہ فون کر کے مت مار دی تھی۔ وہ سارے دوستوں کو لے کر "کنارہ" پہنچا ہوا تھا۔ آج کل چناب کا پانی تھوڑا بہت چڑھا ہوا ہے تو تھوڑا موج مستی کا پروگرام تھا ان کا پھر کل سارا دن بارش کی وجہ سے موسم بھی تو کمال کا ہو گیا تھا۔ بس وہیں چلا گیا تھا، مجھے کیا پتا تھا کہ میرے پیچھے اتنی گڑبڑ ہو جائے گی۔" ولی نے تفصیلاً کل کی ساری مصروفیت اسفند یار کے گوش گزار کی۔ اسفند یار نے چیئر گھماتے ہوئے رخ اس کی جانب کیا اور سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"خود کو تھوڑا بدلو ولی۔۔۔! بھائی جان کو تم سے امیدیں ہیں۔ ایک ہی ان کی اولاد ہو۔۔۔ تمہاری طرف سے ہی سکھ نہ ملا تو ان کے لیے زندگی میں اور کیا رہ جائے گا۔ اپنا لاابالی پن ختم کرو اور سیریس ہو جاؤ کل کو بیوی آئے گی تو اس کی ذمہ داری کیسے نبھاؤ گے۔"

"کیا۔۔۔؟ بیوی اور وہ بھی میری؟" ولی نے یوں حیرت سے منہ پھاڑ کر پوچھا جیسے یہ کوئی انہونی ہو۔

"ہاں جی! بیوی اور وہ بھی تمہاری، بھائی جان تمہاری شادی کو لے کر سیریس ہیں۔ کل آفس میں بھی انہوں نے اس بارے میں مجھ سے بات کی تھی۔ اپنا مائنڈ میک اپ کر لو چچا بھتیجا دونوں اکٹھے گھوڑی چڑھیں گے ہاہا!" اسفند یار نے بات مکمل کر کے خوش دلی سے قہقہہ لگایا جس پر ولی چڑ کر بولا۔

"ایک ہی گھوڑی پر کیسے چڑھیں گے چاچو؟ جانور کا کیا بھروسہ۔ طیش میں آ کر اگر اگلی دونوں ٹانگیں اوپر اٹھا لیں تو؟ میں تو بابا آگے بیٹھوں گا باگیں پکڑ کر پیچھے بیٹھا تو ایسی صورت میں گر کر ہڈی پسلی تڑوا بیٹھوں گا۔"

"ستیاناس مار کر رکھ دیا تم نے مثال کا۔ گدھے کبھی ایسا ہوتے دیکھا ہے تم نے؟ اب تو گھوڑی چڑھنا پرانی بات ہو چکی۔ ویسے نتاشا کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟ بھائی جان تمہارے لیے اس کا بھی نام لیتے ہیں۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔" ولی نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں پسند ایسی شوخ لڑکیاں، ہر وقت مذاق کے موڈ میں رہتی ہے۔ اتنی بڑی ہو گئی مگر شرارتیں بچوں جیسی کرتی ہے۔ نو وے۔۔۔!"

"حیرت ہے ولی، تمہارا خود کا بھی تو مزاج ایسا ہی ہے۔ اچھا نہیں دونوں کی طبیعت میل کھائے گی تو اچھی نبھے گی۔"

"میرا اپنا مزاج ایسا ہے اسی لیے تو بیوی ذرا سوبر چاہیے۔ ایک سے مزاج تعلقات میں ضد پیدا کرتے ہیں۔ جب کہ طبیعت ایک دوسرے کے الٹ ہو تو زندگی کھٹی میٹھی سی گزرتی ہے۔ یہ میرا اپنا فلسفہ ہے اور بیوی کے لیے یہ خاکہ میں ماما کو بہت دفعہ بتا چکا ہوں۔"

"ہوں۔۔۔!" اسفند یار نے کچھ سوچتے ہوئے ہنکارا بھرا۔

"ویسے مجھے تو اچھی بچی لگتی ہے یہ نتاشا۔ ہنس مکھ اور ملنسار، پرسنلی مجھے ایسی لڑکیاں پسند ہیں، جو اپنی بشاش طبیعت کے باعث منٹوں میں پراگندہ ماحول کی کثافت کو دور کر دیتی ہیں۔ شاید کسی سرے سے تمہارا اور میرا فلسفہ ایک دوسرے سے میل کھاتا ہے۔ تمہیں اپنے مزاج کے برعکس لڑکی چاہیے اور مجھے بھی اگر اپنی طبیعت کے الٹ بیوی ملے تو مجھے خوشی ہو گی۔"

"اچھا جی! تو میں دادی اور ماما سے کہتا ہوں کہ وہ نتاشا کے لیے آپ کی بات کریں۔۔۔ کیا خیال ہے؟"

"او نہیں یار! گدھے وہ مجھے چاچو کہتی ہے اور کسی اندھے کو بھی نظر آئے گا کہ اس کا جھکاؤ تمہاری طرف ہے۔ خبردار! جو منہ سے کچھ بکا تو۔۔۔! اور میں نے بھی اس کے لیے کبھی ایسا نہیں سوچا سمجھے؟" اسفند یار نے بے حد سنجیدگی سے ولی کو وضاحت دی۔

"خیر جو بھی ہے! میں کسی بھی صورت نتاشا سے شادی نہیں کروں گا۔

آپ بابا کو بتا دیجیے گا، میں ماما اور دادی سے کہہ دوں گا۔ اب میں ذرا سا لیٹ کر اپنی چوٹوں کو سہلا لوں۔" ولی نے سکون سے ایک تکیہ سر کے نیچے اور دوسرا چہرے پر رکھ کر پاؤں پسارے۔ جبکہ اسفند یار نے یوں سر جھٹکا جیسے کہہ رہا ہو "یہ کبھی نہیں سدھرے گا۔" اور کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"کیا ہے جی جی! بس بہت ہو گیا، میں اب اور برداشت نہیں کروں گی۔" میں نے اکتا کر ڈائجسٹ پٹخا اور جی جی سے فریاد کی۔

"کیا برداشت نہیں کرو گی؟" انہوں نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر مجھے دیکھا اور پوچھا۔

"بوریت!" میں نے سابقہ انداز میں جواب دیا۔

"تو پھر کیا کرنا چاہتی ہو؟"

"کم از کم وہ نہیں جو آپ کر رہی ہیں۔ آپ کے پاس تو فارغ وقت کے لیے بڑا شاندار شغل ہے۔ جبکہ مجھے ایسی کوئی لت نہیں۔" جی جی حسب عادت اپنی

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

چوٹی دائیں کندھے پہ ڈالے اس کے سرے سے دو موٹے بال چن رہی تھیں۔ اتنی ڈانٹ پڑتی تھی دادی سے مگر یہ عادت جڑ پکڑ چکی تھی۔ ذرا فرصت سے بیٹھیں نہیں اور چوٹی آگے جھولی نہیں اب تو میں بھی چڑنے لگی تھی اور زبردستی جی جی کا ہاتھ ان کے بالوں سے ہٹاتی رہتی تھی۔ میں نے کوفت سے جی جی کو دیکھا اور بولی۔

"بس کریں جی جی! زندگی دو موٹے بال چن کر نہیں کٹتی کچھ سوچیں 'کوئی مصروفیت ڈھونڈیں ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"میں کیا بتاؤں۔۔۔؟ اچھا بھلی این جی او جوائن کی تھی۔ اماں نے وہاں پر جانا بھی بین کردیا۔ اب اور کیا کر سکتے ہیں 'چپ چاپ اپنے اپنے جہیز بناؤ اللہ اللہ خیر صلا!"

جی جی نے اپنی چوٹی کمر پر جھٹکی اور لاپروائی سے میرا بچا ہوا ڈائجسٹ اٹھالیا۔

"جہیز بھی کیا بنائیں! حد ہو گئی یہ ہماری ماؤں کو اللہ جانے کس بات کی جلدی تھی۔ پتا نہیں کب سے جوڑ جاڑ کر رکھی ہے۔ کراکری 'الیکٹرانک 'بستر اور اللہ بلا سب اکٹھا کر رکھا ہے۔ ہم دونوں کے لیے پیچھے کیا رہ گیا۔۔۔ صرف جوتی کپڑا یا پھر بارات کا لہنگا۔ تو وہ تو ہم خریدنے سے رہیں کہ دلہنوں کی تو بساند بھی ابھی تک ہمارے گھروں کو نہیں پہنچی 'خود خدا جانے کب تشریف لائیں گے۔" میں نے خوب جی کی بھڑاس نکالی تھی کہ آخر سب سے زیادہ فارغ وقت میں ہی گھر پر صرف کیا کرتی تھی۔ جی جی تو کبھی کچن میں تو کبھی کہیں کسی مصروفیت ڈھونڈ نکالتی تھیں۔

میں کیا کرتی کہ کچن میں جاتے ہوئے میرا بلڈ پریشر لو ہو جاتا تھا 'ہاتھ پیر ٹھنڈے! ڈسٹنگ کرتے میری انگلیوں میں خارش سی ہونے لگتی۔ وائپر پکڑتے یا جھاڑو مارتے مجھے ہاتھوں میں اینٹھن محسوس ہوتی۔ یہ میرا نہیں دادی اور امی کا میرے بارے میں تجزیہ ہے جس سے میں نے کبھی اختلاف نہیں کیا۔

ابھی میں مزید دل کا غبار ہلکا کرنے کا سوچ رہی تھی کہ دادی کمرے میں داخل ہوئیں۔ میں نے واپس زبان کو منہ میں فٹ کرلیا۔ شکر تھا کہ میں کچھ بول نہیں رہی تھی یا دادی دو منٹ پہلے آجاتیں تو یقیناً" آدھی پونی گفتگو سے ضرور فیضیاب ہوتیں۔

"جیا بٹیا 'کیا کررہی ہے؟ کب سے باہر بیٹھی آوازیں دے رہی تھی تمہیں؟" دادی گھٹنوں پہ ہاتھ دھرتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ موسم خنک ہو چلا تھا لہٰذا ان کا جوڑوں کا درد زور پکڑ رہا تھا۔

"میں تو ادھر کمرے میں ہی تھی اماں۔" جی جی اٹھ کر دادی کے قریب ہوئیں اور بولیں۔

"مجھے سچ میں آپ کی آواز نہیں آئی۔ آپ چلیں کمرے میں میں آپ کے گھٹنوں کا مساج تو کردوں ذرا۔ بھابھی کہاں ہیں؟" جی جی نے دادی کے گھٹنے دباتے ہوئے میری امی کے بارے میں استفسار کیا۔

"تمہاری دونوں بھابیاں تو ذرا بازار تک گئی ہیں۔ موسم بدل رہا ہے تو کہہ رہی تھیں کچھ جوڑے خرید لائیں پھر درزی بیٹے میں ہی بیس یا تیس دن لے لیتے ہیں۔" دادی نے ایک ذرا توقف کیا اور بولیں۔

"میں نے تم سے کہنا تھا کہ ذرا میرے ساتھ ڈاکٹر جمال کے کلینک تک چلو۔ میرے جوڑوں کا درد شدت پکڑ رہا ہے 'ساتھ ذرا بلڈ پریشر بھی زیادہ لگ رہا ہے وہ بھی چیک کرواؤں تمہارے دونوں بھائی تو آج اسلام آباد گئے ہیں رات گئے لوٹیں گے۔ ارسل اور مون کالج سے لوٹ آتے ہیں تو مون کو لے کر کلینک چلے چلتے ہیں۔ ارسل پیچھے گھر میں ہی ہو گا۔۔۔ ظاہر ہے گھر اکیلا بھی تو نہیں چھوڑا جاتا نا! پھر اپنے پورشن میں افشین بھی چھوٹے بچے کے ساتھ اکیلی ہے۔ ارسل ہو گا تو اسے بھی تسلی رہے گی۔" بات مکمل کرکے دادی کا دھیان آخر مجھ پر آہی گیا۔۔۔ میں جو ان کی بات سنی لاپرواہی سے پیر جھلائے جارہی تھی ان کے بلانے پر یکدم چونکی۔

"دانیہ! بند کر پیر جھلانا۔ پتا ہے نا کتنی کوفت ہوتی ہے مجھے۔" میں پاؤں روک کر فوراً" سیدھی ہو بیٹھی۔ دادی مجھے تنبیہہ کرتے ہوئے بولیں۔

"تم افشین کے پاس چلی جانا 'اسے دوسراہٹ رہے گی ورنہ ادھر تو تم اور ارسل لڑ لڑ کر گھر کا سامان ہی توڑ پھوڑ دو گے سمجھیں؟"

"نہیں!" میں نے ٹکا سا جواب دیا۔

"کیا نہیں۔۔۔!" انہوں نے مجھے گھور کر دیکھا۔

"میں بھی آپ دونوں کے ساتھ ہی جاؤں گی بس!"

"میں کسی پارک میں نہیں جارہی ڈاکٹر کے پاس جا رہی ہوں تو کیا سارا خاندان ساتھ لے جاؤں۔" دادی غصے سے بولیں تو جی جی نے مسکراہٹ چھپائی۔ میں نے بے سوچے سمجھے منہ سے پھوٹا۔

"کلینک جارہیں یا قبرستان۔۔۔ میں آپ کے ساتھ ہی جاؤں گی اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

"ہاں۔۔۔ ہاں! میری چندا۔" دادی نے مجھے پچکارا۔

"قبرستان تجھے پھینکتے ہوئے ہی جائیں گے۔ ایسا کر چار جوڑے بھی ساتھ رکھ لینا۔"

"حد ہو گئی دادی!" میں نے روہانسی ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ محبت ہے آپ کو اپنی پوتی سے کہ اتنی سی عمر میں مجھے قبرستان کی راہ دکھا رہی ہیں۔"

"زیادہ کرلانے کی ضرورت نہیں چپ کرکے گھر بیٹھ۔ ہم دونوں بھی ابھی لوٹ آئیں گے۔ پیچھے سے ہانڈی روٹی کی بھی فکر کرلینا۔"

"کوئی بات نہیں اماں!" جی جی نے میری روتی صورت دیکھ کر یکدم میری سائیڈ لی۔

"گھنٹہ ڈیڑھ ہی تو لگے گا۔ ہانڈی روٹی کی فکر آکر کرلیں گے۔ پہلے ہی دانیہ بے چاری بوریت کو رو رہی تھی۔۔۔ گھر رہ کر بھی ارسل اسے زچ ہی کرے گا۔۔۔ لے چلتے ہیں۔ ویسے بھی ڈاکٹر کو آپ کے بارے میں زیادہ اچھی طرح بریف یہی کرتی ہے۔" دادی نے میری معصوم بھولی بھالی شکل کو گھورا اور کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔

"اور افشین۔۔۔ وہ بچی بھی تو گھر اکیلی ہے۔"

"افشین کی آپ فکر نہ کریں اماں۔ رجو بتا رہی تھی کہ اس کی چھوٹی بہن شاہین ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی آئی ہے اسے اس وقت دانیہ کی کمپنی کی ضرورت نہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے پھر۔ کپڑے بدل لو دونوں چل ہی رہی ہو تو ہو سکتا ہے واپسی پہ وقت ملا تو تمہارے چھوٹے بھیا کی طرف چکر لگالیں۔" دادی نے چھوٹے چاچو کا نام لیا تو میں مزید خوش ہو گئی۔ چھوٹی چچی سے ہماری خوب دوستی تھی بالکل سہیلیوں کی طرح مل بیٹھتی تھیں ہم سو ان کی طرف جا کر بور ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں اور جی جی جھٹ اٹھے اور فٹ سے تیار ہونے میں جت گئے۔

☼ ☼ ☼

ڈاکٹر جمال کے کلینک میں آج بے حد رش تھا۔ ہمیں آدھا پونا گھنٹہ تو ہو ہی چکا تھا آکر بیٹھے ہوئے ڈاکٹر جمال سے ہماری فیملی کی پرانی شناسائی تھی۔ دادی کا بڑا ادب اور لحاظ کرتے تھے ایک طرح سے ہمارے فیملی ڈاکٹر کی سی حیثیت تھی۔ عام طور پر دادی فون پر ٹائم لے لیتی تھیں جس کی وجہ سے انہیں کبھی انتظار نہ کرنا پڑا۔ آج شاید بھول گئی تھیں تب ہی ہم سے پہلے تین مریض تھے جن میں سے ایک تو اندر جا چکا تھا اور دو اپنی باری کے انتظار میں ہمارے سامنے والی کرسیوں پر براجمان تھے۔ میں کب سے جی جی کے کان میں گھسی اپنی باتوں کے بل پر ان کی قوت سماعت پر اثر انداز ہو رہی تھی۔ جواب میں وہ کبھی ہنسی روکتی منہ بھینچ کر لیتیں اور کبھی تنبیہی نظروں سے مجھے گھورنے لگتیں۔

دادی مسلسل "اوں ہوں 'اوں ہوں" کرتی ہمیں خبردار کررہی تھیں۔ میں وقتی طور پر سیدھی ہو بیٹھی۔۔۔ میرے بالکل سامنے مون حسب عادت تھوڑا سا منہ کھولے اپنے آئی فون میں مگن ہونق سا دکھ رہا تھا۔ میں بے ساختہ مسکرادی اور ایسے میں ہی میری نظر مون کے بالکل ساتھ والی کرسی پر بیٹھی درمیانی عمر کی خاتون پر پڑی جن کی گود میں ایک ناک بہاتا بچہ مسلسل اچھل کود کررہا تھا۔ بچہ بدتمیز بھی بے حد تھا کیونکہ

میری نظر پڑتے ہی بڑے بے ہودہ انداز میں میرا منہ چڑانے لگا۔

میں نے آنکھیں سکوڑ کر اسے غصے سے گھورا تو اس نے پاؤں میں پہنی پلاسٹک کی سافٹی پاؤں کے جھٹکے سے میری جانب اچھال دی جو شومئی قسمت مجھے لگنے کے بجائے جی.جی کے گھٹنے سے ٹکراتی نیچے گری۔ جی.جی نے ہڑبڑا کر سامنے دیکھا تو بچے کی شرارت جان کر مروتاً" اسے دیکھ کر مسکرائیں۔ مگر اس بچے نے مروت بھی نہیں نبھائی "جواباً" جی.جی کو زاویے بدل بدل کر منہ چڑانے لگا۔ جی.جی پھر بھی مسکراتی رہیں کیونکہ وہ جی.جی تھیں۔

اگر جو وہ گندی سافٹی مجھے لگ جاتی تو ایسا جھانپڑ رسید کرتی اس بچے کو کہ ساری عمر کے لیے ناک بہنی بند ہو جاتی اور بہت سے لوگوں کی کرسیاں غلیظ ہونے سے بچ جاتیں کہ اس بچے کی والدہ صاحبہ ہر دو منٹ بعد اس کی بہتی ناک اپنے دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں اور انگوٹھے کی مدد سے صاف کرتیں اور کبھی اپنی کرسی سے تو کبھی بے چارے مون کی کرسی سے رگڑ دیتیں۔ مفت کی "گلو" کرسیوں کے کینوس میں جذب ہو رہی تھی۔

میں بے اختیار اپنی جگہ کسمسائی تھی اور بے ارادہ نظر اپنی کرسی کے دائیں بائیں ڈالی کہ وہم سا ہوا تھا جیسے کہیں یہ کرسی بھی کسی ایسے ہی بد تہذیب انسان نے استعمال نہ کی ہو۔ میں نے مون کو آواز دے کر اپنے ساتھ والی چیئر پر بلا لیا کہ کہیں اگلی دفعہ انگلیاں غلطی سے اس کی جینز کی پینٹ سے ہی نہ رگڑ کھا جائیں۔ اس احمق۔ انسان کو تو محسوس بھی نہ ہوتا۔

چند لمحوں کے بعد ڈاکٹر صاحب کے کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک معمر سی خاتون جواں سال خوبرو لڑکے کا ہاتھ تھامے باہر نکلیں اور وہ خاتون اپنے بد تمیز بچے کو بغل میں دبائے چپل گھسیٹنے کی کوفت آمیز آواز پیدا کرتی اندر چلی گئیں۔ میں نے بے ساختہ سکھ کا سانس لیا تھا کہ اس بچے کی موجودگی بلاوجہ میرے خون میں ابال کا سبب بن رہی تھی۔

کمرے سے نکلنے والی وہ بوڑھی سی خاتون جو دادی کی ہی ہم عمر رہی ہوں گی۔ ہمارے قریب سے گزرتے ہوئے ٹھٹک کر رک گئیں وہ بغور دادی کو ہی دیکھ رہی تھیں جو سر جھکائے شاید دادا مرحوم کو یاد کرنے میں مگن تھیں تب ہی ان خاتون نے شاید دادی کو پہچان لیا جوش سے پاٹ دار آواز میں بولیں۔

"ہیں نی...! تو اچھی ایں نا" میں نے اور جی.جی نے حیران پریشان سا اپنے ارد گرد دیکھا کہ شاید ہمارے آس پاس کوئی بے حد اچھی خاتون موجود ہیں مگر اگلے ہی لمحے دادی کو عینک کے پیچھے سے آنکھیں پھیلاتے دیکھا اور پھر وہ اپنے جوڑوں کا درد بھول بھال بڑے جوش سے کھڑی ہو گئیں فلمی اسٹائل میں بولیں۔

"ارے شہناز... یہ تم ہی ہو نا! مجھے تو یقین ہی نہیں ہو رہا..."

"لے دس!" ان خاتون نے دادی کو پیار سے بازو پر چپت رسید کی۔

"یقین نہ کرن والی کیہڑی گل اے... ایدر آ تینوں چونڈی وڈاں ذرا۔" (یقین نہ کرنے والی کون سی بات ہے ادھر آؤ تمہیں چٹکی کاٹوں ذرا)

ان کے تیور دیکھ کر دادی بدک کر ایک قدم پیچھے ہوئیں جبکہ ان خاتون نے پہلوانی جھٹکے سے دادی کو کھینچ کر سینے سے لگا لیا۔ ساتھ کھڑا وہ اسمارٹ سا لڑکا شرمندہ سا ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

میں اور جی.جی بھی بڑے شوق سے دو بچھڑی سہیلیوں کا ملن دیکھ رہے تھے۔ وہ خاتون شاید پہلوانوں کے خانوادے سے تھیں۔ میری دھان پان سی دادی ان کی ایسی زوردار جھپی کی متحمل نہیں ہو سکتی تھیں تب ہی میں نے بیچ میں پڑ کر دادی کی گلو خلاصی کرانا چاہی۔

"دادی! ہم دونوں بھی آپ کی جیسی ہی اچھی ہیں۔ ہمیں بھی تو ملوائیں نا...!" میں نے لفظ "اچھی" پر زور دیتے ہوئے درحقیقت دادی کو چھیڑا تھا۔

دادی کا نام عشرت تھا اور انہیں دور و نزدیک کے سبھی رشتے دار اسی نام سے جانتے تھے مگر دادی کی ان بے تکلف سہیلی نے آج ان کا گمشدہ نک نیم پٹاری سے نکال کر میرے جیسی سیدھی سادی کے آگے لا دھرا تھا جس نے بڑی معصومیت سے گھر جا کر تمام بچہ پارٹی کے آگے اس نک نیم کو گوش گزار کرنا تھا۔

دادی نے میرا اور جی.جی کا تعارف کروایا اور حسب ماضی جی.جی کو متعارف کرواتے ہوئے وہ جز بز ہوئیں۔ ابھی ان کے منہ سے نکلا ہی تھا کہ "یہ میری سب سے چھوٹی بیٹی ہے۔" دادی کی سہیلی زوردار قہقہہ مارتی ایک بار پھر دادی سے لپٹ گئیں یہ شاید ان کی عادت تھی۔ دادی بے چاری شرمندہ سی ہو گئیں۔ انہیں لگا کہ ان کی سہیلی نے ان کا مذاق اڑایا ہے۔ جی.جی الگ سے خفت زدہ سی مسکراہٹ چہرے پہ سجائے زمین پہ رینگتی چیونٹیاں گننے میں مصروف تھیں۔

میں نے ان خاتون کو بھنویں سکوڑ کر گھورنے کی کوشش کی تو نظریں ساتھ کھڑے لڑکے سے جا ملیں جو بد تمیز کب سے غور و فکر کر رہا تھا... پتا نہیں مجھ پر یا جی.جی پر اس سے پہلے کہ میں دادی کو جوابی حملے کے لیے کمک فراہم کرتی سہیلی صاحبہ نے ایک اور دھپ میری دادی کے نازک سے کندھے پر دھری اور بولیں۔

"تے شرمندہ ہون والی کیہڑی گل اے! ایدر تک... اے کون اے بھلا؟" (تو شرمندہ ہونے والی کون سی بات ہے ادھر دیکھو یہ کون ہے بھلا) سہیلی صاحبہ نے اپنے ساتھ کھڑے بانکے کی طرف دیکھتے ہوئے دادی سے استفسار کیا تو دادی نے دو قدم آگے بڑھ کر بڑے پیار سے اس کا کندھا تھپکتے ہوئے کہا۔

"ماشاءاللہ! ماشاءاللہ! اب کیا اتنا بھی نہیں پتا چلے گا مجھے۔ تمہاری طرح سٹھیائی نہیں ہوں ابھی۔ پوتا ہے تمہارا اور کون ہے بھلا۔ دیکھو تو ہو بہو اپنے دادا پر گیا ہے۔"

"ہاہاہا... ہا!" ایک اور جناتی قہقہہ۔

"جھلیے دادے تے نئیں پوتے گیا اے۔ پوترا نئیں پتر اے اسفندیار!" (پاگل دادا پہ نہیں باپ پہ گیا ہے۔ پوتا نہیں بیٹا ہے اسفندیار)

ان کے انکشاف پر دادی اور جی.جی کا یکدم منہ کھلا تھا جبکہ میں ان دونوں مائیوں کی بڑھاپے کی "فخریہ پیشکش" کو باری باری دیکھ رہی تھی۔

"کمال ہی ہو گیا اے تے اچھیے...! ویاں توں پہلاں وی میں تے توں ہر کم رل کر کردیاں سی تے اے آخری "کرتوت" وی اکو جئی کھولی اے... ہاہا... ہا"

(کمال ہی ہو گیا یہ تو اچھی شادی سے پہلے بھی میں اور تم ہر کام مل کر کرتی تھیں اور یہ آخری کرتوت بھی ایک جیسی ہی کی ہے)

ان خاتون کے زوردار قہقہے کے جواب میں دادی نے بے ساختہ آنے والی شرمیلی سی مسکراہٹ کو چادر کے پلو میں چھپانا چاہا۔ جبکہ وہ اپنی بات کہہ کر اب ہاتھ اونچا کیے دادی کی طرف سے جوابی ہتھیلی کی منتظر تھیں جس پر وہ تالی مار سکیں۔ دادی کو منہ چھپائے دیکھ... میں نے پورے جوش سے اپنی ہتھیلی آگے کر دی۔ سہیلی صاحبہ نے ایک ذرا چونک کر مجھے دیکھا اور پھر بے تکلفانہ انداز میں میرے ہاتھ پر ہاتھ دے مارا۔ جی.جی، دادی اور وہ لڑکا تینوں ہماری اس حرکت پر محظوظ ہوتے ہوئے ہنس دیے۔

اگلے چند لمحوں تک دادی اور ان کی سہیلی میں ایک دوسرے کے اتے پتوں کے تبادلے ہوئے جبکہ دوسری طرف ان خاتون کے بیٹے اور میری نظروں کے درمیان تبادلے ہوئے یہ اور بات کہ وہ مجھے میٹھی میٹھی اور میں اسے خونخوار نظروں سے گھورتی رہی۔ زیر لب اسے "چھچھورا" بولنے پر جی.جی نے تنبیہا" میرا ہاتھ زور سے دبایا تھا۔ اسی اثنا میں کلینک کے داخلی دروازے سے ایک خوش پوش اور خوش شکل سا لڑکا قدرے بھناتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"کیا یار چاچو! حد ہو گئی آپ لوگوں کی بھی... میں کب سے گاڑی میں بیٹھا اندر باہر آنے والے مریض گن گن کر ٹائم پاس کر رہا ہوں اور آپ دونوں بے کار میں یہاں کھڑے میرا صبر آزما رہے ہیں۔" وہ نان اسٹاپ

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

بھلا بتاؤ بڑے چھوٹے کا کوئی لحاظ ہی نہیں دادی اور ان کی سہیلی اپنی باتیں روک کر اس کی جانب متوجہ ہو چکی تھیں۔ سو دادی کی سہیلی نے اس لڑکے کا تعارف کروایا۔

"اچھیے! اے میرا پوترا اے۔ شہریار دا منڈا۔۔۔ اسفندیار توں ماسا کو ہی چھوٹا اے 'ولی' ناں اے ایدا۔ ہاہاہا۔۔۔ ہا۔" (اچھی! یہ میرا پوتا ہے۔ شہریار کا لڑکا اسفندیار سے ذرا سا ہی چھوٹا ہے 'ولی' نام ہے اس کا)

انہوں نے حسب سابق خود ہی اپنی بات پر قہقہہ لگایا۔ دادی نے اس لڑکے کے سلام کے جواب میں اسے پیار دیا۔ جب کہ میں نے جی جی کے کان میں کھسر پھسر شروع کر دی۔

"لگتا ہے ان لوگوں کو "اسفندیار ولی" سے خاصا لگاؤ ہے جبھی ایک کا نام اسفندیار اور دوسرے کا ولی رکھ چھوڑا ہے۔۔۔ ویسے یہ ولی کی شکل بھی تھوڑی بہت موصوف سیاستدان سے ملتی محسوس ہو رہی ہے۔"

جی جی میری بات سن کر بے ساختہ ہنس دیں۔

چونکہ میری کھسر پھسر میری دانستہ کوشش کی وجہ سے ان دونوں کے کان میں بھی پڑ چکی تھی لہٰذا اسفندیار صاحب مسکرا اٹھے تھے جبکہ ولی محترم کے ماتھے پر مزید تیوریاں بہار دکھانے لگیں۔ مجھے قدرے ناگواری سے گھورتے وہ اپنی دادی سے مخاطب ہوئے جو اردگرد کی دنیا بھلائے میری دادی کے ہمراہ کرسی سنبھالے سکون سے بیٹھ چکی تھیں۔

"دادی جان گھر نہیں جانا کیا۔۔۔؟ پاپا کا دو بار فون آ چکا ہے۔ پھپھو آنے والی ہیں رات کے کھانے پر جلدی چلیں گھر۔۔۔" دونوں دادیاں باتوں کے درمیان ٹوکے جانے پر قدرے جز بز ہوئیں مگر پھر دادی سے ان کے گھر آنے کا وعدہ کرتیں اور اپنے بیٹے اسفندیار کے موبائل میں ہمارے گھریلو فون نمبرز فیڈ کروا کر ہم تینوں کو کس کس کر جپھیاں ڈالیں اور اپنے کاکے کا اور کاکے کے کاکے کا ہاتھ تھامے روانہ ہو گئیں۔

ہمیں چونکہ ابھی اندر جانا تھا لہٰذا واپس کرسیوں پر براجمان ہو گئے۔ دادی جی جی سے اپنے اور اپنی سہیلی کے پرانے قصے دہرانے لگیں جبکہ میں سوچ رہی تھی کہ جاتے جاتے دادی کی سہیلی جن محبت پاش نظروں سے مجھے اور جی جی کو دیکھ کر گئی تھیں وہ بڑا ہی "نیک شگون" تھا۔ آخر ان کے ہمراہ دو عدد خوش شکل "پتھر" تھے اور دادی کے گھر ابھی دو عدد "بیریاں" موجود تھیں۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ کون سا پتھر کس بیری کا نصیب بنتا ہے۔

☼ ☼ ☼

سردیاں اپنے جوبن پر تھیں اور ہمارے گھر میں کینوؤں اور مالٹوں کی آمد و رفت بھی۔ اس وقت بھی میں جی جی اور دادی مل کر سردیوں کی مزے دار پر حرارت دھوپ سینکتے ہوئے نمک لگا لگا کر کینوؤں سے شغل فرما رہے تھے۔ امی اور تائی جی بھی قریب ہی تپائی پر سبزی کی ٹوکریاں دھرے کاٹنے کے ساتھ ساتھ خاندان میں ہونے والی متوقع شادیوں پر بحث مباحثے میں مصروف تھیں۔

میں عادت کے مطابق اپنی باتوں سے جی جی کے کان بھی کھا رہی تھی جب اندر سے پارسل تک سک سے تیار 'بنا سنورا برآمد ہوا وائیٹ ٹی شرٹ کے ساتھ بلیک جینز میں بڑا اکڑا' اکڑا سا ہمارے پاس آن کھڑا ہوا۔ دادی کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ دوست کی طرف کمبائین اسٹڈی کے لیے جا رہا ہے۔ ساتھ ہی ان کے ہاتھ سے کینو کی پھانک لے کر منہ میں رکھ لی۔ جبکہ مجھے اس کی تیاری کچھ مشکوک لگ رہی تھی۔

میں نے ایک آنکھ نیم وا کر کے باریک بینی سے اس کے چہرے کا جائزہ لیا تو وہ سٹپٹا گیا اور اگلے ہی لمحے کینو کا ایک موٹا سا چھلکا میری نیم وا "مخمور" آنکھ پر دے مارا۔ دادی اور جی جی ہائے کرتی رہ گئیں جبکہ میں آنکھ پکڑے ہائے ہائے کرنے لگی۔ ایک نظر امی اور تائی جی ہم پر ڈالنے کے بعد دوبارہ سے مصروف ہو چکی تھیں کہ ان کے لیے یہ روز کا معمول تھا۔ میں نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ چھلا کینو دے مارا سپارسل منہ کھولے ہکا بکا مجھے اور اپنی نئی ٹی شرٹ کو تکنے لگا جی جی بھی کھلکھلا کر ہنس دیں۔

"چل کوئی بات نہیں میرا بچہ! تو نے بھی تو بہن کو چھلکا مارا نا۔۔۔ ایک اس نے بھی مار لیا۔۔۔" دادی نے پھانک نگلتے ہوئے لڑائی بڑھنے کے خیال سے اسے حوصلہ دیا۔

"دادی! دانیہ کی بچی نے چھلکا نہیں مارا پورے کا پورا کینو دے مارا ہے یہ دیکھیں میری نئی نکور شرٹ کا حشر۔۔۔!" وہ بے چارہ روہانسا ہو کر دہائی دینے لگا۔ دادی نے ایک نظر اس کی شرٹ کو دیکھا جو واقعی زوردار کینو لگنے سے اس کے رس کا مزا لے رہی تھی اور پھر خشمگیں نظریں مجھ پر گاڑے کچھ کہنے والی تھیں جب نیم وا گیٹ سے کوئی اندر داخل ہوا۔

سب نے پلٹ کر گیٹ کی سمت دیکھا جہاں دادی کی سہیلی خراماں خراماں ہاتھ میں بیکری کا شاپر پکڑے اندر داخل ہو رہی تھیں۔ تمام خواتین الرٹ ہو کر کرسیوں سے کھڑی ہو گئیں۔۔۔ دادی سب چھوڑ چھاڑ پورے جوش و خروش سے گلے ملیں اور پھر سب کو متعارف کروانے کے بعد انہیں لے کر اندر چل دیں۔ امی اور تائی جی نے بھی ان کی تقلید کی۔ پارسل مجھے وارننگ دیتا روانہ ہو چکا تھا۔ جبکہ میں نے جی جی کو خوش خبری سنا دی تھی کہ ہو نہ ہو دادی کی سہیلی ہمارا رشتے لے کر ہی آئی ہیں۔ جواب میں وہ مجھے زوردار دھپ مارتی کھینچتی ہوئی کچن میں لے گئیں۔ جہاں اب ہم دونوں کو ہی دوپہر کے کھانے کی تیاری کرنا تھی۔

شام میں گھر کے مردوں کی واپسی کے بعد اندر اب بڑوں کی محفل جمی تھی۔ تب ہی میں اور جی جی' رجو کو لے کر باہر آ گئیں۔ رجو کو میں نے مون اور ارسل کے کمرے سے فٹ بال لانے کو کہا۔ جو فرصت کے اوقات میں میرا اور رجو کا پسندیدہ کھیل تھا جی جی کبھی نہیں کھیلتی تھیں بس ریفری بنی مفت میں بولتی رہتی تھیں۔ جبکہ رجو کے حساب سے یہ کھیل آسان بہت تھا کہ بقول اس کے

"نری لت (ٹانگ) ہی تے مارنی ہوندی اے۔۔۔"

ہم دونوں دھڑا دھڑ ککس مار مار کر فٹ بال کا حشر کر رہی تھیں۔ میں ایسی سمت میں تھی جہاں سے مجھے گیٹ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ بال اب میرے پیر کے نیچے تھی اور میں ٹارگٹ سیٹ کر رہی تھی۔ اسی اثنا میں گیٹ کھلا اور میں سمجھ گئی کہ پارسل صاحب اپنی "کمبائین اسٹڈی" سے واپس ہوئے ہیں۔ میں نے لمحے کی دیر کیے بغیر پوری قوت صرف کر کے کک لگائی۔۔۔ بال اڑتی ہوئی ٹھیک نشانے پر ہی جا رہی تھی مگر گیٹ کے اندر جھانکنے والے سر کو دیکھ کر میرے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

جسے میں پارسل سمجھ کر اور اپنی شاندار کک پر اگلے دو دن تک خوش ہونے والی تھی وہ کوئی اور نہیں بلکہ دادی کی سہیلی کا وہ سڑا سا پوتا ولی نکلا جسے پہلی نظر میں ہی میں نے بدتمیز کا خطاب دے ڈالا تھا۔ بال اڑتی ہوئی سیدھی بے چارے کے چہرے کو چار چاند لگاتی نکلتی چلی گئی۔ غریب منہ پہ ہاتھ دھرے اس ناگہانی پر بھونچکا رہ گیا تھا۔

میں اور جی جی تو اس غیر متوقع صورت حال پر بوکھلا گئے تھے اور قدرے تیز قدموں سے چلتے ولی محترم کے قریب چلے آئے جبکہ رجو موقع سے فرار ہو چکی تھی۔ ولی کے پیچھے اس کے جوان جہان چاچو بھی کھڑے نظر آئے جو شاید ڈر کے مارے دہلیز نہیں پھلانگ پائے تھے کہ کہیں اگلا ٹارگٹ وہی نہ ہوں تھوڑے اوسان بحال ہوئے تو وہ اپنا سوجا سوجا سا لال ٹماٹر منہ اوپر کیے مجھے ہی گھورنے لگا۔

"کتنا چالاک ہے۔۔۔ کتنی جلدی اسے پتا چل گیا کہ یہ میری ہی کارگزاری تھی۔" میں نے دل ہی دل میں اسے داد دی۔ جی جی شرمندہ سی صفائیاں دینے لگیں۔۔۔ جواباً "وہ۔

"کوئی بات نہیں' کوئی بات نہیں۔" کہتا غم غلط کرنے لگا۔ میں نے بھی کچھ کہنا ضروری سمجھتے ہوئے بس اتنا کہا۔

"آیئے نا۔۔۔ اندر چلیے اور استری گرم کر کے ٹکور کر لیں چہرے پر۔"

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

بس جی! وہ تو مجھے ایسے گھورنے لگا جیسے کچا چبا جائے گا اور تو اور جی جی بھی مجھے آنکھیں دکھانے لگیں صرف اسفند یار صاحب کی گہری مسکراہٹ نے قدرے حوصلہ دیا۔

اسی ہلکی پھلکی ہڑبونگ میں ہم انہیں اندر ڈرائنگ روم میں چھوڑ کر کچن میں چلی آئیں جہاں جی جی نے چائے کا پانی رکھتے خوب تڑکا لگا کر مجھے شرم کا لیکچر دیا۔ وہ دونوں دادی کی سہیلی کو لینے آئے تھے لہٰذا اس وقت بحث کرنے کی بجائے میں نے بھی چائے کی تیاری میں خاموشی سے مدد کروائی مگر سچی بات تھی کہ مجھے ولی کی شکل یاد کرکے مسلسل ہنسی آئے جا رہی تھی اور جی جی کی انوکھی طرز کی فکر بھی میری سوچوں کو نیا رخ دے رہی تھی۔ جی جی اور کسی لڑکے کے لیے ایسا سنجیدہ رویہ چہ معنی دارد...!

✲ ✲ ✲

آخر ہماری زندگیوں میں بھی وہ خوب صورت ٹوئسٹ آ ہی گیا جس کا کم از کم مجھے تو بڑی بے چینی سے انتظار تھا۔ میری اور جی جی کی جھٹ پٹ بات پکی ہوئی تھی اور پٹ سے بیاہ بھی ہونے والا تھا... (ارے! اتنا حیران ہونے والی کیا بات ہے کہانیوں میں ایسا ہی ہوتا ہے نا)

اچھا جی! تو میں کہہ رہی تھی کہ محض دو ہی دن گزرے تھے۔ دادی کی سہیلی کو ہمارے گھر کا چکر لگائے ہوئے (اور اس پھیرے کی یادگار ان کے پوتے ولی کا سوجا ہوا منہ بھی تھا) کہ ٹھیک تین دن بعد ہی وہ دوبارہ اپنی بیٹی اور بہو کے ہمراہ ہمارے گھر میں موجود تھیں۔

ایک دفعہ پھر دعوت شیراز اڑائی گئی اور شام کو وہ باقاعدہ اسفند یار اور ولی کا رشتہ میرے اور جی جی کے لیے ڈال کر چلی گئیں۔ مجھے تو ایسا ہونے کی قوی امید تھی کہ اڑتی چڑیا کے پر گننا میرا مشغلہ ہے۔ جی جی کو البتہ کچھ کھد بد ضرور تھی اور وہ آتے جاتے مجھے اکسا رہی تھیں کہ میں کسی طرح سے معلوم کروں کہ ان کے لیے دونوں میں سے کس کا پیام آیا ہے۔ اب میں بے چاری کس سے پوچھتی بھلا...؟ یہ تو ڈائریکٹ جوتے کھانے والی بات تھی۔

رات کی چائے کے بعد بالآخر "رشتے" تھیلے سے باہر آ ہی گئے۔ اب یہ جی جی کی دعاؤں کی اثر انگیزی تھی یا دوسرے فریق کی کہ جی جی کے لیے رشتہ آیا تھا ولی کا اور میرے لیے اسفند یار کا۔ اتنے دنوں سے جی جی کی ٹوہ میں تھی سو حال دل کا کچھ کچھ اندازہ تو مجھے بخوبی ہو چکا تھا۔ میرے لیے تو یہ ہرگز اچنبھے کی بات نہیں تھی مگر گھر کے تمام بڑے ضرور سر جوڑے بیٹھے تھے۔ توقع سے بالکل الٹ کام ہوا تھا یہ...! پھوپھی کے لیے چچا کی بجائے بھتیجے کا اور بھتیجی کے لیے چچا کا عندیہ دیا تھا ان لوگوں نے "امی' ابو جی' تایا' تائی جی سب ہی کو کچھ تحفظات تھے۔

صرف دادی تھیں جنہیں کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں تھا کہ ان کی سہیلی نے ان کے کان میں اپنے لڑکوں کی پسندیدگی کی بات ڈال دی تھی۔ یہ بات مجھے رجو نے بتائی تھی۔ اس نے خود اپنے کانوں سے دونوں دادیوں کو اس بارے میں بات کرتے سنا تھا جس وقت وہ دادی کا پاندان دینے ان کے کمرے میں گئی تھی۔

صد شکر! کیونکہ ولی تک چڑھا مجھے بالکل اچھا نہیں لگا تھا اور شاید میں بھی اسے اس حیثیت سے قبول نہیں تھی۔ جو بھی تھا چویشن بڑی دلچسپ تھی۔ میں نے تو اٹھتے بیٹھتے جی جی کی ناک میں دم کر رکھا تھا انہیں "بسو رانی" کہہ کر چھیڑے جاتی تھی آخر کو میں ان کی چچی ساس بننے والی تھی کوئی مذاق تھوڑی تھا...!

اب ولی کو تو ہر حال میں مجھے چچی کہنا ہی تھا تو اس کی بیوی کی حیثیت سے جی جی مجھے کیا کہتیں...؟ اور یہی سوال میں ان سے پوچھ پوچھ کر ان کے دماغ کا دہی بنا چکی تھی۔

میرے آگے باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر وہ ہار تسلیم کر چکی تھیں کہ سیدھے سادے مسئلے میں ٹیڑھا پن تلاش کرنے میں میرا کوئی ثانی نہیں تھا اور ان کی منتیں بھی جاری تھیں کہ اپنے نادر خیالات میں اپنے بھیجے میں

ہی رکھوں بڑوں کو ان بھول بھلیوں میں مت الجھاؤں کہ کہیں وہ بھی ایسے ہی جوڑ توڑ کرکے اپنے دماغ کے جوڑ نہ ہلانا شروع ہو جائیں۔ سردست تو دادی نے گرین سگنل دے کر تمام بڑوں کو دو تین دن کی مہلت دی تھی سوچنے کی لیکن دادی کے گرین سگنل کا مطلب او کے ہی تھا سو ایک ہفتے بعد لڑکے والوں کو بڑوں کے ایما پر مثبت جواب دے دیا گیا۔

✲ ✲ ✲

"جیا اوے... جیا او جیا کچھ بول دو ارے او... دل کا پردہ کھول دو..." لاؤنج چھت پھاڑ آوازوں سے گونج رہا تھا جن میں سب سے نمایاں آواز پارسل کی تھی جو نجانے کہاں سے جی جی کے نام کی مناسبت سے رانا بلیک اینڈ وائیٹ دور کا گانا ڈھونڈ لایا تھا اور اب سب کے درمیان کھڑا بڑا ہیرو بنا لہک لہک کر گا رہا تھا۔ جی جی لال سرخ ہوتی... اپنے جہیز کے جوڑے پیک کرنے میں مگن دکھائی دے رہی تھیں جیسے ارد گرد کی خبر ہی نہ ہو۔ امی' تائی جی اور چھوٹی چچی بھی تیز تیز ہاتھ چلاتی مسلسل منہ بھی چلائے جا رہی تھیں۔

کپڑوں کے ڈھیر کے درمیان رکھے ڈرائی فروٹ کے بڑے سے ٹرے میں اب گنے چنے چند اخروٹ اور کاجو ہی آخری سانسیں لے رہے تھے۔ آج تو دادی بھی اس ہنگامے کا حصہ بنی بہوؤں کو ہدایات دے رہی تھیں ساتھ ہی ساتھ ینگ پارٹی کی حرکتوں سے محظوظ ہو رہی تھیں جن میں سرفہرست اس وقت پارسل کے لوفرانہ ٹھمکے تھے۔ میں جانتی تھی کہ وہ یہ سب افشین بھابھی کی چھوٹی بہن شاہین کو متاثر کرنے کے چکر میں کر رہا ہے۔ چھوٹی چچی کے بھی تینوں بیٹے باری باری اٹھتے اور دو دو ٹھمکے مار کر واپس بیٹھ جاتے۔

شادی میں محض دو ہفتے رہ گئے تھے لہٰذا تائی جی کی بڑی بہو بھی بچوں سمیت جلوہ افروز تھیں۔ سب ہی کا ہدف جی جی تھیں... مجھے ان کی چچی ساس کہہ کہہ کر ناک میں دم کر رکھا تھا سب نے۔ اس سارے ہنگامے میں صرف ایک میں تھی جو بوجھل دل لیے دادی کے پہلو میں خاموشی سے نم آنکھوں سمیت براجمان تھی۔ دل بے طرح اداس تھا جی کر رہا تھا کہ سب کے درمیان سے اٹھ کر کمرہ بند کرکے بیٹھ جاؤں پر آج کل دادی نے سختی سے مجھے اور جی جی کو کہیں بھی اکیلے بیٹھنے سے منع کر رکھا تھا کہ وہ انتہا کی وہمی بھی تھیں۔

معاً "میری ہمدرد اور غمگسار چھوٹی چچی کی ہی مجھ پر نظر پڑی تو وہ چونک گئیں۔

"دانیہ...! بچے کیا بات ہے میری چندا۔" بس جی چندا سے پوچھنے کی دیر تھی کہ چھم چھم نیر برسنے جو شروع ہوئے تو سب ہی بوکھلا کر میرے قریب آ گئے اور پھر تو جیسے باریاں لگ گئیں۔

دادی نے جب سب کو یوں بے حال ہوتے دیکھا تو فوراً "اپنی چادر کے پلو سے آنکھیں پونچھ کر ناک بھی سڑک لی۔ پھر چادر کے اسی کونے سے بے دم سی جی جی کو سینے سے لگا کر بڑی محبت سے ان کا آنسوؤں سے سجا چہرہ صفاچٹ کر دیا اور اس سے پہلے کہ ایسی ہی محبت وہ میرے چہرے پر آزماتیں' میں نے جھٹ سے خود ہی اپنا منہ صاف کیا۔ دادی نے مجھے پچکارتے ہوئے کہا۔

"بس کر... بس کر میری بچی! دیکھ تو نے تو سب کو رلا دیا۔ باؤلی وہ دو جگر کے ٹکڑے رخصت کرنے ہیں اس گھر سے۔ سوچ کتنا بڑا جگرا کر رکھا ہے سب نے یہ ہنسی مذاق تو بس تم دونوں کا دل بہلائے رکھنے کو ہے ورنہ ہم سے پوچھ کر دل پر کیا بیت رہی ہے۔ تو بھی اب بس کر... رو رو کر روپ نہ گنوا... ہر لڑکی کے لیے ماں باپ کا گھر چھوڑنا بھاری ہوتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ یوں جان ہلکان کروانی..."

دادی نے ایک بار پھر ناک پونچھ کر مجھے سینے سے لگایا تو میں جو ان کی بات پر حیران ہو رہی تھی بڑی سادگی سے بولی۔

"اوہو دادی...! آپ بھی بڑی بھولی ہیں آپ کو کیا لگا میں رخصتی کے خیال سے رو رہی ہوں۔" میں نے پلکیں پٹپٹاتے ہوئے حاضرین پہ ایک نگاہ ڈالی جن کی نگاہوں میں اب تحیر تھا۔ میں نظر انداز کرتی قدرے شرماتے ہوئے بولی۔

”شادی ہونا تو خوشی کی بات ہے دادی اور خوشی کی بات پر رویا نہیں جاتا۔“ میرا انداز ناصحانہ تھا۔ امی کے گلا کھنکارنے کی آواز سنائی دی جس میں میرے لیے واضح تنبیہہ تھی آس پاس سے دبی دبی ہنسی بھی سنائی دینے لگی۔ تب ہی دادی دانت پیستے ہوئے پوچھنے لگیں۔

”تو میرا بچہ تو نے اتنا حلق کس غم میں پھاڑا تھا ساتھ میں باقی سب کی چولیں بھی ڈھیلی کروادیں۔“

”ہاں.... وہ، وہ تو اصل میں میں اس بات پر دکھی تھی کہ جس کو دیکھو صرف جی جی کو ہی چھیڑ رہا ہے‘ انہیں ہی ستا تا ہے۔ کوئی ان کے لیے گانا گا رہا ہے تو کوئی انہیں فوکس کیے لہک لہک کر بندروں کی طرح اچھل کود کر رہا ہے۔“ میرا اشارہ پارسل کی طرف تھا۔ ”اور میری طرف کسی کا دھیان ہی نہیں۔ آخر میری بھی اکلوتی شادی ہے میرے بھی کچھ ارمان ہیں کہ مجھے بھی کوئی تنگ کرے‘ میرے لیے بھی کوئی گانا گائے۔“ اتنا کہہ کر میں کلائی میں پڑی دو چوڑیوں سے کھیلنے لگی۔

میرے دکھ بھرے بیان پر پہلے تو سب کو سانپ سونگھ گیا۔ پھر اچانک ینگ پارٹی نے زور و شور سے ہنسنا شروع کیا۔ ہوتے ہوتے قہقہوں کے اثرات بڑوں تک بھی پہنچے اور سبھی میری اس منطق کو میری معصومیت گردانتے خوشگواریت سے ہنس دیں۔ جی جی اٹھ کر میرے قریب آئیں اور مجھے گلے سے لگا کر میرا گال چوما ہماری نظریں ایک دوسرے سے ملیں اور ان میں میکے سے جدائی کا دکھ نمی بن کر چمک اٹھا۔

جی جی نے میرے ماتھے سے ماتھا ٹکرا کے اپنے اور میرے آنسو پوروں پر چن لیے۔ میں اور جی جی یادوں اور باتوں کا انمول خزانہ ہمراہ لے کر جا رہی تھیں۔ ایک ایک لمحے کی خوب صورتی دل کی دیوار پر کبھی نہ مٹنے والی لکیر کی طرح نقش تھی اور میرے لیے طمانیت کی بات یہ تھی کہ رشتہ چاہے جو بھی ہو ہم دونوں ہمیشہ کی طرح ساتھ ساتھ تھیں اور رہیں گی۔

☼ ☼ ☼

”سن رے سجنیا تیرے سنگ دنیا
ایسے جیسے ہر سو بہار ہے
جیا نہیں جائے رے تیرے بن ہائے رے
اتنا تم سے پیار ہے.... ہو!“

آج صبح سے پورے گھر میں علی ظفر چیخ رہا تھا۔ موں اور پارسل دادی کی ڈانٹ ڈپٹ کی پروا کیے بغیر کان پھاڑ آواز میں میوزک لگائے ان کے صبر کا امتحان لے رہے تھے۔

آج میری اور جی جی کی مہندی تھی گھر مہمانوں سے بھرا تھا۔ لڑکیوں کا ریوڑ تھا جو پورے گھر میں منڈلا تا پھر رہا تھا اور لڑکوں کی شوخیاں آپے سے باہر ہو رہی تھیں۔ دادی نے دنیا بھر کے رشتے داروں سے گھر بھر لیا تھا۔ دادی کے کئی رشتے دار ایسے تھے جنہیں میں تو میں جی جی تک نہیں جانتی تھیں۔

اتنی رونق اور دھمال میری طبیعت پر خوب خوشگوار اثرات مرتب کر رہا تھا۔ دادی اور امی کے لاکھ گھرکنے کے باوجود میں پارے کی طرح گھر بھر میں گھوم رہی تھی۔ لوگوں کے لیے میرا مہندی کی دلہن ہونا اچنبھے کا باعث تھا۔ خیر مجھے کیا میرے لیے تو اپنی شادی بھی کسی ایڈونچر سے کم ہرگز نہیں تھی۔ اب میں جی جی کی طرح تھوڑی نہ کر سکتی تھی کہ ہر دو گھڑی کے بعد چہرہ دوپٹے کے پلو میں چھپائے ذرا سا رو لیں اور پھر مطلع صاف۔

شام ہوتے ہی پورا گھر بقعہ نور بن چکا تھا۔ اپنی شادی کی لائیٹنگ دیکھنے کا بھی الگ ہی مزا ہے۔ گھر کے لان میں ہی پنڈال سج چکا تھا جو میرے بھائیوں اور کزنز کی محنت کا منہ بولتا ثبوت تھا ہاں! جی جی کے بھائی صرف حکم چلانے پر مامور تھے۔

میں اور جی جی سسرال سے آئے خوب صورت مہندی کے غراروں میں پنڈال میں اترنے کے لیے تیار بیٹھی تھیں۔

ایک دلچسپ تماشا تھا جو اب میں اور جی جی دیکھنے میں مشغول تھیں لڑکیوں کی تیاریاں اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے مچی ہوئی چیخ پکار شاہین مجھے اور جی جی کو

تیار کرنے کے بعد بڑے انہماک سے خود کو سجانے میں مصروف تھی۔ وہ میک اپ ایکسپرٹ تھی سو بڑی مشاقی سے اپنا آئی میک اپ مکمل کر رہی تھی۔ زیادہ تر کمروں میں لڑکوں نے پر پھیلا رکھے تھے لہٰذا ”کڑیاں چڑیاں“ بے چاری اپنے ساز و سامان سمیت اسی واحد کمرے کا حشر نشر کیے دے رہی تھیں۔

شاہین نے میرے اور جی جی کے بعد کئی ایک کزنز کو تیار کیا اور ابھی وہ اپنا خوب صورت سا آف وائیٹ غرارہ پہنے شیشے کے سامنے اپنے میک اپ کرنے کے لیے کھڑی ہوئی تھی جب دادی کی ایک دور پرے کی عزیزہ کی پوتی اٹھلاتی ہوئی آئیں اور بڑے رعب سے شاہین کو آرڈر دیا کہ اسے بھی ذرا تیار کر دیا جائے۔ شاہین کو غصہ تو بہت آیا مگر پھر بھی تحمل سے بولی کہ پہلے اسے تیار ہو لینے دے پھر وہ دیکھے گی۔ وہ لڑکی منہ بناتی ڈریسنگ اسٹول پر ہی ٹک گئی جیسے میک اپ کروا کر ہی اٹھے گی۔ شاہین تھوڑا سا کھسک کر پرے ہو گئی اور پوری توجہ سے آنکھوں پر آئی شیڈ لگانے لگی۔ وہ لڑکی کینہ توز نظروں سے گھورتی مسلسل ٹانگیں جھلاتی رہی

جی جی گاہے بگاہے مہمان جان کر اس سے باتیں کیے جا رہی تھیں جبکہ مجھے کیا پروا ہو سکتی تھی ایسی موڈی لڑکی کی۔ شاہین اب لیکوڈ لائنر سے اپنی آنکھوں کو فائنل ٹچ دے رہی تھی۔ اس کے بائیں ہاتھ میں شاکنگ کلر کی لپ اسٹک تھی میں نے اپنی گناہ گار آنکھوں سے دیکھا کہ وہ ”بھولی چڑیل“ یکدم اٹھی اور قدم بڑھانے سے پہلے ہی اپنے حجم سے زیادہ وزنی غرارے میں پاؤں الجھا بیٹھی.... بس جی ’بے چاری کا پاؤں کیا رپٹا وہ سیدھی شاہین کو ہی جپھی ڈال بیٹھی۔ شاہین کا نفاست سے مکمل ہوتا لائنر جو آنکھ کے سرے تک پہنچ چکا تھا‘ ہاتھ کو جھٹکا لگنے سے واپسی کا راستہ پکڑ گیا جبکہ ہاتھ میں تن کر کھڑی شاکنگ پنک لپ اسٹک اس ”بے ضرر“ لڑکی کے منہ پر لتھڑ کر اپنی کمر تڑوا چکی تھی۔ میرے خیال میں تو اب اسے میک اپ کی قطعاً ”ضرورت نہیں تھی وہ پہلے کی نسبت

ایسے زیادہ اچھی محسوس ہو رہی تھی۔ ہاں! شاہین کے لیے مجھے بھی افسوس ہو رہا تھا جو ”دو دھاری“ لائنر آنکھ پر سجائے صدمے سے منہ کھولے‘ شیشے میں دیکھتی ٹھٹھر ہی گئی تھی۔

جی جی نے جھٹ صورت حال کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے دونوں کے درمیان خود کو کھڑا کر لیا ورنہ کچھ بعید نہ تھا کہ دونوں میں سے کوئی ایک‘ دوسرے فریق کو زور دار چماٹ دھر دیتا دوسری جانب لڑکیوں میں دبی دبی ہنسی دھیرے دھیرے زور پکڑ رہی تھی جو ظاہر ہے مجھے بھی ہنسانے کا سبب بن رہی تھی۔ صد شکر کہ اسی وقت دادی چلی آئیں اور جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ شاہین غصے میں باتھ روم میں جا گھسی جبکہ اس آفت کی پرکالہ کو جی جی لے کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

اب پیچھے میں اور باقی کزنز تھیں اور بتانے کی ضرورت نہیں کہ پورے کمرے میں قہقہے سب کے پیٹ سے ابل ابل کر باہر آنے شروع ہو گئے تھے۔ اس صورت حال میں بس دادی تھیں جو حیرت سے سب کو دیکھنے کے بعد غصے سے مجھے گھورتی ہوئی بڑبڑانے لگیں۔ میں جانتی تھی وہ مجھے اس وقت کیا کہہ رہی تھیں.... جی‘ جی بالکل وہی ”دیدہ ہوائی....!“

☼ ☼ ☼

ہماری طرف کے سب ہی مہمان تقریباً“ آ چکے تھے۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ میوزک نے نوجوان پارٹی کے اندر جوش بھر رکھا تھا۔ جسے گھڑی دو گھڑی کے لیے کسی بڑے بزرگ کی ڈانٹ ڈپٹ کے نتیجے میں مدھم کر دیا جاتا مگر چند لمحوں بعد ہی پھر وہی اونچی تان کا دھمال۔

دادی کے کہنے پر ہم دونوں کو ہمارے سسرالیوں کے آنے سے پہلے ہی اسٹیج پر لا کر بٹھا دیا گیا۔ خوب صورت جھولے جو ڈھیروں گیندے کے پھولوں سے سجے دلفریب لگ رہے تھے۔ میرے اور جی جی کے اسٹیج پر آنے سے پہلے بہت سی رشتے دار عورتیں اپنے اپنے بچوں کو بہلانے کے لیے زور زور سے جھول رہی

تھیں۔ اس سے پہلے کہ جھولے اپنی سجاوٹ سمیت دھم سے نیچے جا پڑتے اور کسی مہمان عورت کی ٹانگ' بازو مجروح ہو کر محفل کا مزا خراب کرتی۔۔۔

دادی نے اسی خوف سے مجھے اور جی جی کو لا بٹھایا تھا اور سچی بات یہ کہ میرا ابھی خوب دل للچا رہا تھا کہ میں بھی ٹانگیں سیدھی کر کے زور زور سے جھولا جھولوں مگر اب ایسی صورت حال میں کتنی خواہشیں دل میں مچل رہی تھیں پر جی دادی سے کیا بعید کہ سب کے سامنے دو دھر دیتیں۔

میں اور جی جی اب فرصت سے مہمانوں پر نظر ڈال رہی تھیں۔ جی جی نے تو ایک آدھ دفعہ نگاہ اٹھانے کے بعد پھر ضرورت محسوس نہیں کی اور میں نے ایک آدھ بار سے زیادہ منہ نیچے کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

ہماری ساری کزنز کا گروپ مہندی کی خوب صورت تھالیاں مہمانوں کے درمیان خالی وسیع جگہ پر دائرے کی صورت سجا چکا تھا۔ شاہین لوگوں کا پروگرام لڈی ڈالنے کا تھا جس کی بھرپور پریکٹس کئی دن سے جاری تھی۔ لڈی کے لیے مخصوص چھڑیاں بڑی نفاست سے رنگین پٹیوں اور جھالروں سے سجائی گئی تھیں۔ کتنی مشکل تھی یہ میری کہ میرے سامنے لڈی ڈالی جانے والی تھی اور میں نری شکلیں دیکھ دیکھ کر دل جلا سکتی تھی۔ میرے بس میں ہوتا تو سب سے پہلے میں ڈانڈیا کھیلتی۔

اب بس لڑکے والوں کا انتظار تھا جنہیں مہندی لے کر آنا تھا۔ فنکشن کمبائن تھا سو اسفندیار اور ولی دونوں کو ساتھ ہی آنا تھا اور پھر رسم ہونا تھی۔ لڑکیاں بالیاں بڑی بے چینی سے پھولوں کی پتیوں سے بھری منقش مٹی کی پلیٹیں لیے بے چینی سے لڑکے والوں کی منتظر تھیں۔ آج تو دادی بھی اڑی اڑی پھر رہی تھیں۔ ہلکے پیازی سوٹ میں پھولوں کے ہار لیے گیٹ کے آس پاس منڈلاتی سارے انتظامات پر بھی نظر رکھے ہوئے تھیں۔ آج تو میرے بھائی بھی شہزادے لگ رہے تھے۔

سفید لٹھے کے شلوار سوٹ پر ملٹی کلر کے صافے اوڑھے بڑے پیارے لگ رہے تھے۔ یہی لباس سب ہی کزنز کا بھی تھا۔ مون کے چہرے کا ہونق پن خاصا کم تھا کہ پارسل نے آج بطور خاص اس پر محنت کی تھی۔

مجھے اتنی دیر ٹک کر بیٹھنے کی عادت ہی کب تھی۔ ہاں! جی جی کو کوئی ٹینشن نہیں تھی۔ وہ پہلے ہی یونہی بیٹھے وقت برباد کر لیا کرتی تھیں۔۔۔ بس فرق یہ تھا کہ آج ان کے کاندھے پر ان کی چوٹی نہیں جھول رہی تھی جس سے وہ دو موہنے بال چنتیں۔

میں نے ایک دوبار موضوع چھیڑنے کی کوشش بھی کی تو جواباً "ہونہہ' ہونہہ" کی گردان سنائی دیتی۔ میں تو ایسی محفلوں میں عورتوں کے لباس' انداز اور چال ڈھال پر تبصرے کرنے میں بے حد خوش رہتی تھی اور وہ بھی جی جی کے ساتھ پر اس وقت زبان پر مجبوری نے قفل لگا رکھے تھے اور نہ جانے کتنا ابھی بور ہونا تھا۔

اچانک باہر سے زوردار ڈھول پیٹنے کی آوازیں کان میں پڑیں تو مارے خوشی کے سارے جسم میں پھریری سی دوڑ گئی۔ یہ لڑکے والوں کی آمد کا اعلان تھا۔ اسی اثنا میں لڑکے والوں نے پٹاخے پھوڑنے شروع کیے۔ عورتیں پنڈال خالی کرتی سڑک پر جمع ہو چکی تھیں اور تو اور یہ نظارہ دیکھنے کے لیے دادی بھی اپنی بہوؤں کے ہمراہ باہر جا چکی تھیں۔ مجھے اپنی بے بسی پر رونا آ رہا تھا کہ آج وقت نے میرے ہاتھ پیر باندھ کر مجھے ایک "جھولے" تک محدود کر دیا تھا۔ صد شکر کہ جی جی نے اس دوران اپنی چار عدد نصیحت آموز باتوں سے مجھے بہلائے رکھا۔

خدا خدا کر کے باہر لڑکے والوں کا پٹاخوں کا اسٹاک ختم ہوا اور ہماری طرف کی مہمان عورتیں تیزی سے واپس اپنی کرسیوں پر براجمان ہونا شروع ہوئیں۔ لڑکیوں نے گیٹ کے اندر استقبال کے لیے قطاریں بنالیں۔ جی جی نے پھر سے گھونگھٹ نکال لیا جب کہ میں نے ایسا کوئی تردد نہیں کیا۔ مجھے تو کم از کم اپنے دلہا کو دیکھنے کا شوق تھا۔ میں نے خوشی سے بھرپور جھینپی جھینپی سی آواز میں جی جی کو مخاطب کیا۔

"جی جی! وہ آ گئے۔"

"کون" جی جی نے پوچھا جیسے جانتی نہیں تھیں کہ میں کس کی بات کر رہی ہوں۔ میں نے جھنجلا کر کہا۔

"دیگیں چڑھانے والے نائی! حد ہو گئی جی جی' اسفندیار ولی کی بات کر رہی ہوں میں' خوشی سے میری آواز پھٹی پھٹی سی نکلی تھی۔

"ٹھیک سے بولو گدھی" جی جی نے دھیرے سے میرا ہاتھ دبایا اور شرماتے ہوئے بولیں۔

"تمہارے اسفندیار اور۔۔۔ اور میرے ولی۔"

"او۔۔۔ ہو! اچھا جی انٹری ہو گئی ہے دونوں کی۔" کہنے کے ساتھ ہی میں نے بھی سر کافی جھکا لیا کہ واقعی اسفندیار اور ولی مہمانوں کے جلو میں اندر آ رہے تھے۔ خوب صورت ڈیزائنر کرتے شلوار کے اوپر پہلے ڈالے دونوں ہی ہینڈسم لگ رہے تھے (اپنی اپنی دلہنوں کو) تھوڑی دیر میں دونوں کو ہمارے پہلوؤں میں رسم کے لیے بٹھا دیا گیا۔ کیمرہ مین اور مووی میکرز کا رخ دوبارہ اسٹیج کی جانب ہو گیا اور پھر تو بس سب کے سب مکھیوں کی مانند اسٹیج کو ہی چمٹ گئے۔

رسم کا آغاز میری ساس یعنی دادی کی سہیلی نے کیا۔۔۔ اس کے بعد چل سو چل۔ جگہ تھوڑی تنگ ہو گئی جبکہ بچہ بچہ جیسے ہمیں مٹھائی کھلانے اور تیل مہندی لگانے کے لیے بے چین سا اور چڑھا آ رہا تھا۔ اف۔۔۔ مجھے تو ابکائی آنے لگی۔ جب تیل اور مہندی سے لتھڑے ہاتھ سے کوئی چاچی' مامی برفی کی ڈلی یا شیرے والا رس گلہ منہ میں ڈالتی۔ پتا چلتا مٹھائی کھائی ہے اور نہ محسوس ہوتا کہ کتنی مقدار میں مہندی اور سرسوں کا تیل مٹھائی پر لتھڑا تھا کسی مہمان خاتون نے بے چارے ولی کو ترنگ میں آ کر پورے کا پورا گلاب جامن ٹھونس دیا۔ بس جی! ولی میاں کا دماغ الٹ گیا اور وہ پورے قد سے کھڑے ہو گئے۔۔۔۔ دونوں ہاتھ فضا میں کھڑے کیے اور۔

"بس! اب اور نہیں۔۔۔!" کا نعرہ مستانہ مارتے ایک چھلانگ میں اسٹیج پھلانگ گئے۔ ان کی دیکھا دیکھی اسفندیار نے بھی حوصلہ پکڑا اور سالیوں سے

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

بازو چھڑاتے نکل لیے۔ دونوں کے جانے کی دیر تھی پورا اسٹیج یوں صفاچٹ ہوا جیسے ہم دونوں بے چاریاں تو کرنٹ مارنے بیٹھی تھیں۔

میوزک ایک دفعہ پھر آن کر دیا گیا۔ لڑکیوں نے ڈھولک سنبھالی تو لڑکے والے بھی مقابلے کے لیے میدان میں اتر آئے۔ رش چھٹا تو اسفندیار اور ولی دوبارہ اسٹیج پر آ کر واپس بیٹھ چکے تھے۔ کمال کا مقابلہ ہوا۔۔۔ نہ وہ کسی سے کم تھے اور نہ ہم۔ برابری کی بنیاد پر دونوں پارٹیوں نے مقابلے کا اختتام کیا۔ اب باری تھی ہماری طرف سے کیے جانے والے لڈی پروگرام کی۔ لڑکیاں فل فارم میں میدان میں اتر آئیں۔ گو کہ تایا جی اور ابو جی دونوں نے اس سارے سلسلے کی مخالفت کی تھی مگر یہاں پر دادی پہلی دفعہ ینگ پارٹی کی خاطر اسٹینڈ لے گئیں کہ ان کی اولاد کی آخری اور ان کے بیٹے کی اولاد کی پہلی خوشی تھی۔ پھر چھوٹے چچا اور چچی بھی خاصے زندہ دل تھے سو اس ہلے گلے کی اجازت دی دی گئی۔

لو جی! تماشا شروع ہوا۔۔۔ میرا مطلب ہے لڈی ڈانس شروع ہوا لڑکیوں نے گول دائرے کی صورت اپنی پوزیشنز سنبھال لیں۔ درمیان میں گیلی خوشبودار مہندی سے سجی تھالیاں بہار دکھا رہی تھیں۔ الشبین بھابھی نے احتیاطاً" ساری موم بتیاں بجھا دی تھیں ادھر فل والیوم میں مہندی کا کوئی گیت شروع ہوا اور یہاں لڑکیاں چھڑیوں کے "کرتب" دکھاتی دائرے میں گھومنے لگیں۔

کبھی چھڑی سے چھڑی بجاتیں دائیں مڑتیں تو کبھی بائیں کبھی کمر کو ذرا سا خم دیتیں نیچے کو جھکتیں ترتیب ایسی جاندار تھی کہ میں تو میں جی جی بھی محو ہو کر دیکھنے پر مجبور تھیں۔ میں نوٹس کر رہی تھی کہ شاہین کچھ زیادہ ہی جوش میں تھی۔ اس کے گھومنے میں تیزی تھی اور چھڑی سے چھڑی مارنے میں بھی وہ سرعت کا مظاہرہ کر رہی تھی شاید قریب ہی پارسل کی موجودگی نے اس کے جوش کو تقویت دی تھی۔ (چھچھورا کہیں کا) مگر بے چاری کو لینے کے دینے پڑ گئے۔

ایسے ہی ایک چکر میں شاہین بیگم کی شان سے گھومتی چھتری قریب کھڑے ذوق و شوق سے "باجیاں" دیکھتے بچے کے منہ پر جا پڑی ضرب ایسی تھی کہ چند لمحے بچہ سکتے میں گال پہ ہاتھ رکھے کھڑا رہ گیا پھر جیسے اسے یاد آیا کہ ایسی چوٹ پر رویا جاتا ہے۔ بس جی! پھر کیا تھا اس بچے نے وہ بینڈ چالو کیا کہ شاہین کے پیچھے چند فٹ کے فاصلے پر دھری کرسی پر براجمان اس بچے کی موٹی تازی سی اماں جان طیش سے اٹھیں اور بیٹے کے گال کو سہلانے کے بعد آگے بڑھیں اور اپنی ہی جھونک میں لچکیلا سا اسٹیپ مارتی شاہین کی کمر پر دو ہتھڑ جڑ دیے گانے باجے کا شور' حاضرین کی تالیاں اور لڑکیوں کی انتہائی تیزی ایسے میں مست و مگن شاہین کو جب کمر پر ایسا زوردار جھٹکا لگا تو بے چاری اپنا توازن قائم نہ رکھ سکی اور سیدھی جا پڑی مہندی سے سجی خوب صورت تھالیوں پر۔

اف۔۔۔! کیسی مضحکہ خیز صورت حال تھی۔ دبی دبی ہنسی پھوٹی قہقہوں میں تبدیل ہو گئی۔ میں شاہین کی حالت سمجھ سکتی تھی مگر ہنسی روکنا تو میرے لیے بھی بے حد محال ہو رہا تھا۔ ایسے میں موقع کی نزاکت کو دیکھتے افسین بھابھی پھرتی سے آگے بڑھیں اور "بکری" بنی شاہین کو سہارا دے کر اٹھایا جس کا چہرہ مارے خفت اور طیش کے لال انگارہ ہو رہا تھا۔ اس کا خوب صورت آف وائیٹ غرارہ مہندی سے لتھڑا دہائی دے رہا تھا اور ہتھیلیاں الگ مہندی میں ڈوبی ماتم کناں تھیں۔

شاہین خاصے کڑے تیور لیے ان محترمہ کی جانب مڑی تھی مگر اس سے پہلے ہی میری ساس یعنی دادی کی سہیلی ان خاتون سے بازپرس کرنے پہنچ چکی تھیں جس سے اندازہ ہوا کہ وہ جنابہ میرے سسرال سے تعلق رکھتی تھیں۔ کچھ ہی پل میں کہہ سن کر ماحول نارمل ہو چکا تھا۔ شاہین اندر کپڑے تبدیل کرنے چلی گئی تھی۔

ایک دفعہ پھر ہلکے سروں میں میوزک پنڈال میں گنگنانے لگا ایسے ہی ایک آدھ ٹوٹے پھوٹے ڈانس لڑکے والوں کی بھی پیشکش تھے جو ڈانس کم اور "انجمن کی یاد میں" پروگرام کی کوئی کڑی محسوس ہو رہے تھے۔ ایسے ایسے جاندار چھلانگوں کے مظاہرے ہوئے کہ دھرتی کانپ اٹھی۔ تین لڑکیوں کا گروپ بس اچھل اچھل کر گول گول پراندے ہی گھماتا رہا۔ جو بسا اوقات ان تینوں کے چہروں پر ہی پڑتے رہے۔ آخر کار درمیان والی "الہڑ مٹیار" کا پراندہ دغا دے گیا یعنی چھ انچ کی چٹیا گردن پر پڑی رہ گئی اور پراندہ ہاتھ میں چلریاں کھاتا رہ گیا' تب کہیں جا کر یہ چھلانگوں کا دھمال اختتام کو پہنچا۔

اگلا آئٹم پیش کیے جانے کی نوبت ہی نہ آئی کہ کھانا کھلنے کا مژدہ جانفزا سنائی دیا۔ سب سے پہلے تو وہ تینوں لڑکیاں ہی بھاگی تھیں جنہوں نے زمین روند روند کر اپنی ڈھیروں کیلوریز برن کی تھیں۔ یہاں تک کہ جس کا پراندہ اترا تھا وہ پراندہ بھول بھال' وہیں چھوڑ گئی جو اب چھوٹے بچوں کے نرغے میں تھا۔ کھانے کا انتظام سامنے سڑک پار گراؤنڈ میں کیا گیا تھا جو اس مقصد کے لیے ہمارے ایریا کے لوگ اکثر شادی بیاہ میں استعمال کرتے تھے۔

اسفند یار اور ولی کے بھی جانے کے بعد میں اور جی جی کھل کر کھانے سے انصاف کرنے لگیں جو بطور خاص ہم دونوں دلہنوں کے لیے ٹیبل پر سرو کیا گیا تھا۔

"اپنی مایوں کا کھانا کھانے کا بھی یہ پہلا اتفاق ہے۔۔۔ ہے نا جی جی؟" میں نے چکن کی ایک بڑی سی بوٹی منہ میں رکھتے ہوئے جی جی سے کہا تو جواباً" ان کا منہ میں لے جاتا ہاتھ معلق ہو گیا اور مجھے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں۔

"کاش! تمہارے جتنی عقل اللہ مجھے بھی دے دیتا۔" دادی اور امی وقتاً" فوقتاً" ہم دونوں کے پاس چکر لگائے جا رہی تھیں۔

ہر پھیرے میں ان کی آنکھیں پہلے سے زیادہ نم ہوتیں۔ جی جی کی نگاہیں تو فوراً" پرنم ہو جاتیں جبکہ مجھے اپنے ڈیلوں میں زور سے انگلی مارنی پڑتی تھی۔ (انگلیاں مار کر آنسو لانا بھی ایک آرٹ ہے' آپ میں سے شاید بیشتر کو اس کا تجربہ بھی ہو۔) خیر کھانے کا دور

ختم ہوا تو پنڈال میں دوبارہ مہمانوں کی واپسی شروع ہوئی۔

اور اب کی بار لڑکے والوں کی طرف کے "منڈے شنڈے" بھی ادھر کا رخ کر رہے تھے البتہ مرد بزرگ جن میں ابو قسم کے حضرات شامل تھے انہوں نے آنے سے احتراز برتا تھا یقیناً" وہ لوگ لڑکے والوں کی اگلی ہلڑبازی سے واقف تھے۔ پہلے تو گیٹ پر ہی اسفند یار اور ولی کے دوست اور کزنز کا جمگھٹ گھسر پھسر کرتا رہا جبکہ گیٹ سے اندر ہمارے بھائی بندے میٹنگ میں مصروف تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ یہ لوگ کوئی سا نیا آئٹم پیش کرنا چاہ رہے ہوں گے مگر ناجی۔۔۔!

محض چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ لڑکوں والوں کی طرف سے کوئی سفید سفید سی چیز فضا میں اچھالی جانے لگی۔ ہمیں تو کچھ سمجھ نہ آیا کہ یہ کیا ہے بس آنکھیں پھاڑے دیکھے جا رہے تھے۔ خواتین اور لڑکیوں میں ہلچل سی مچی اور وہ جگہ جگہ سے اپنی نشستیں چھوڑ ایک سائیڈ پر لگی کرسیوں پر بیٹھنے لگیں۔ لڑکیاں بھی قہقہے لگاتی' ان کے آس پاس اکٹھی ہونے لگیں یعنی کہ لڑکوں کے لیے میدان خالی کر دیا گیا۔۔۔ بس جی! پھر کیا تھا وہ ہا ہا کار مچی جیسے کسی نے جنگ کا طبل بجا دیا ہو۔ ہر طرف سفید روئی کے گولے سے اڑنے لگے۔ میں نے جی جی کی طرف جھک کر سرگوشی سی کی۔

"جی جی! یہ لوگ ایک دوسرے کو روئی کے گولوں سے نشانہ کیوں مار رہے ہیں؟"

"بی بنو! روئی کے گولے نہیں انڈے ہیں یہ انڈے! دیکھا نہیں جس کو بھی پڑ رہا ہے زردی میں پیلا ہوتا جا رہا ہے۔ شاید یہ بھی کوئی رسم ہو گی ان کی۔" جی جی نے مدبرانہ انداز میں بات مکمل کر کے آنکھیں پٹپٹائیں تو میرے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ اگر جو کوئی انڈہ جی جی کو یا مجھے آ لگے تو۔۔۔ ایسا سوچ کر ہی جھرجھری سی آ گئی۔ انڈے نے تو تین دن تک باس مارتے رہنا تھا۔ اس سے تو بہتر تھا ہم دونوں کو اندر کمرے میں پہنچا دیا جاتا۔ دیکھتے دیکھتے مقابلے میں تیزی آ گئی تھی۔ شور اتنا تھا کہ سر بھی انڈے کی طرح پھوٹنے کے قریب تھا۔

اس "انڈہ جنگ" کے لیے یقیناً" پیشگی اطلاع ہو گی کیونکہ ہمارے لڑکے بھی پورا اسٹاک لے کر میدان میں اترے تھے۔ لڑکیاں خوب لطف اندوز ہوتی گھسی بیٹھی تھیں۔۔۔ اس ڈر سے کہ کہیں وہ بھی نشانے پر نہ آ جائیں۔ حیرت تو مجھے اسفند یار پر تھی جو دوستوں کے ہمراہ لپک لپک کر انڈے مار بھی رہے تھے اور کھا بھی رہے تھے۔ ولی تو خیر تھا ہی اس مزاج کا دونوں کے خوب صورت ڈیزائن کیے کرتے جگہ جگہ سے انڈوں کی باقیات سے سجے تھے۔ جو بھی تھا چونکہ میں نے یہ کھیل کسی بھی شادی میں کھیلا جاتا نہ سنا تھا نہ دیکھا تھا سو انجوائے کرنا قدرتی امر تھا۔

میری نظریں سبھی کے انڈے تاڑ رہی تھیں کہ یکدم ایک انڈہ "ٹھک" کر کے جی جی کے گھٹنے سے ٹکرا کر زمین بوس ہو گیا۔

"او اماں۔۔۔!" بے چاری جی جی بس کراہ کر رہ گئیں۔ میری ہنسی چھوٹ گئی۔۔۔ میں نے جی جی کو پکارا۔

"کوئی بات نہیں جی جی۔۔۔! سسرالی انڈہ بھی متبرک ہوتا ہے' پھر چاہے سر پھوٹے یا ماتھا!"

ابھی لفظ میرے منہ میں ہی تھے کہ کسی بدلحاظ نے سچ میں میرا ماتھا پھوڑ ڈالا تھا۔ انڈہ ٹھیک میری پیشانی کے وسط میں لگا اور پھوٹ کر زردی سمیت میری گود میں سلیقے سے پھیلے باریک گوٹے کے کام والے آنچل پر ٹک گیا۔ اب کے ہنسنے کی باری جی جی کی تھی۔ مجھے رونا آنے لگا' میں نے پریشانی سے جی جی سے پوچھا کہ۔

"میرے ماتھے پہ گومڑ تو نہیں ابھر آیا۔۔۔؟"

تو چند ثانیے میری صورت دیکھنے کے بعد بولیں۔

"فی الحال تو نہیں۔۔۔ مگر صبح تک شاید بن جائے۔ پر تم فکر نہ کرو' بندیا کے نیچے چھپ جائے گا" یہ کہہ کر پھر ہنسنے لگیں۔ میں نے چڑ کر آنچل پہ دھرے انڈے کو

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

دیکھا۔ کپڑے کا اسٹف (stuff) اچھا تھا جس نے ابھی اسے جذب نہیں کیا تھا اور وہ مسلسل تھرتھرا رہا تھا مجھے جلد از جلد اسے گرانا تھا اور میں نے گرانے کی ہی کوشش کی تھی۔

دوپٹے کو کناریوں سے تھام کر جھٹکا دیا پر انڈہ یقیناً" کسی ہلکی مرغی کا تھا جبھی نیچے ڈھلکنے کی بجائے پھدک کر بالکل میری سیدھ میں اسٹیج سے نیچے کھڑے کیمرہ مین کے گھنے بالوں پہ جا ٹکا۔ انڈے نے 90 کے اینگل پر قلابازی کیا تھا اور وہ کم بخت بالکل اسی زاویے پہ کھڑا تھا جی جی نے یہ منظر دیکھ کر گھبراہٹ کے مارے گھٹنوں تک گھونگٹ کھینچ لیا مبادا کوئی انہیں قصور وار نہ سمجھے۔ جب کہ میں ہڑبڑا کر خود کو بے نیاز ظاہر کرنے لگی۔ کیمرہ مین نے سر پر ہاتھ لگا کر انڈے کی موجودگی کو محسوس کیا اور غضبناک تیوروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

ایک نظر اس نے ہم دونوں پر بھی ڈالی پر ظاہر ہے وہ ہم سے ایسی کسی حرکت کی توقع کیسے کر سکتا تھا؟ میں نے کن انکھیوں سے کیمرہ مین کو دیکھا جو نہایت بے بسی کے عالم میں آس پاس کوئی چیز ڈھونڈ رہا تھا جس سے وہ سر کو صاف کر سکے۔ حالانکہ مجھ سے مشورہ مانگتا تو میں اسے یقیناً" یہی کہتی کہ اس انڈے کو سارے سر پہ اچھی طرح رگڑ لو میاں! کہ یہ جو بے تحاشا خشکی افشاں کی مانند تمہارے سر پہ چمکتی دور سے ہی دکھائی دے رہی ہے انڈہ اس کا بہترین علاج ہے۔

اسی اثناء میں ایک چار پانچ سال کی چھوٹی بچی باریک سے کپڑے کا لہنگا چولی پہنے کیمرہ مین کے قریب سے گزرنے لگی۔ ساتھ میں چھوٹی سی چنی بھی لہنگے کے ہمراہ اوڑھ رکھی تھی۔ کیمرہ مین نے آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ اس بچی کے کندھے سے جھولتی چنی جھپٹی اور سر پر موجود سارا "ملغوبہ" صاف کر کے واپس اس بچی کے ہاتھ میں تھما دی جو حیرت سے منہ پھاڑے ان بے شرم انکل کو دیکھ رہی تھی جو اب سکون سے کیمرے کا لینس سیٹ کر کے کھٹا کھٹ تصویریں بنا رہے تھے۔

وہ بچی ناک چڑھاتی ان انکل کو نہایت کینہ توز نظروں سے گھورتی اپنی ننھی سی چنی کو دو انگلیوں میں تھام کر اس طرف کا رخ کر گئی جہاں یقیناً" اس کی والدہ ماجدہ تشریف فرما تھیں جنہوں نے لازمی دو چپیڑیں اپنی بیٹی کو ہی دھری تھیں کہ آخر وہ اتنے رش میں گھسی ہی کیوں۔۔۔؟

خدا خدا کر کے میرے اور جی جی کے میکے اور سسرال دونوں طرف کے انڈے ختم ہوئے اور اس کے ساتھ ہی انڈے مارنے کی یہ رسم تمام ہوئی۔ جس کے بعد سب لڑکوں کی حالتیں ایسی تھیں کہ دیکھ کر ابکائی آ رہی تھی۔ سب کے سب انڈوں کا آملیٹ بنے انتہائی مضحکہ خیز دکھائی دے رہے تھے۔ انڈوں کی سفیدی خشک ہو کر چہروں اور بالوں میں اکڑاؤ پیدا کر چکی تھی۔ خود اسفند یار اور ولی مایوں کے دلہا کم اور "مشتر مرغ" زیادہ لگ رہے تھے۔ اس محفل کے اختتام پر میرا اور جی جی کا مشترکہ خیال تھا کہ آئندہ سے کسی بھی شادی پر انڈے مارنے والوں کی ڈنڈے سے خاطر ہونی چاہیے۔ جو مہندی مایوں کی خوشبودار اور سنہری رسم کو انڈے مارنے کے اس کھیل کے ساتھ مدغم کر کے سارا مزہ کرکرا کر دیتے ہیں۔

☼ ☼ ☼

ایک نئی زندگی کی شروعات میں نے اور جی جی نے سب کی ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ کی۔ بارات اور ولیمہ کے بعد دعوتوں کا ایسا نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہوا جو آخر کار ولی کو ہونے والی فوڈ پوائزننگ پر تھما۔ اسفند اور ولی دونوں کی اماؤں نے مشترکہ فیصلہ کیا کہ اب کوئی دعوت قبول نہ کی جائے۔ چونکہ دونوں طرف رشتے داروں کی کثیر تعداد تھی لہٰذا یہ سلسلہ طول پکڑ گیا تھا۔

اب راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا۔ ہم دونوں کو اس گھر کے مکینوں سے اتنی اپنائیت ملی کہ میکے جانے کا دھیان بھی کم آتا۔ پھر خود میرا اور جی جی کا ایک دوسرے کی سنگت میں دن کیسے گزرتا پتا بھی نہ چلتا میری اور جی جی کی دوستی اور انڈر اسٹینڈنگ ہنوز برقرار تھی۔ شام ہوتے ہی گھر کے مرد واپس لوٹتے تو ماحول

مزید خوشگوار ہو جاتا۔ ولی کا چلبلاپن اور اٹکھیلیاں اور پھر ہم دونوں کی مزے دار نوک جھونک سب ہی کا دل بہلائے رکھتی۔ اپنی تمام تر شوخی کے باوجود ولی کو جی جی کی طبیعت کا ٹھہراؤ بہت بھاتا تھا جبکہ اسفند کے دھیمے اور ٹھنڈے مزاج کو میرے نٹ کھٹ سے اطوار مسرت کا تڑکہ لگائے رکھتے۔ اسفند کو میں ہنستی ہنساتی اچھی لگتی تھی۔

اسفند کے بڑے بھائی اور ولی کے والد بزرگوار شہریار صاحب بھی زندہ دل مگر اصول پرست آدمی تھے۔ اسفند کے حوالے سے میں بھی انہیں بھائی جان اور ولی کی ماما کو بھابی کہنے لگی تھی اور آج کل میرے اور جی جی کے ہاتھ اصل شغل یہی لگا تھا۔ رشتوں کی ایسی اٹھا پٹخ شروع ہوئی کہ اس جوڑ توڑ میں دماغوں کا دہی بن گیا۔

جی جی نے تو باقاعدہ میرے آگے ہاتھ جوڑے تھے کہ مہربانی فرما کر میں انہیں ان بھول بھلیوں میں نہ الجھاؤں۔ بس سیدھے سبھاؤ اپنے اپنے شوہروں کی طرح جو رشتہ جس بھی حیثیت میں پکارا جاتا ہے پکار لیا جائے۔ کیونکہ ہم چار نفوس کے لیے رشتوں کی ترتیب الٹ پلٹ کر رہ گئی تھی۔ اس لیے کہ ہمارا تعلق ایک دوسرے سے پھوپھی بھتیجی کا اور چچا بھتیجے کا تھا اور مجھے یہ سب بہت ایڈونچرس لگ رہا تھا کہ میں نے کبھی بھی ناک کی سیدھ میں چلنا سیکھا ہی نہ تھا۔ کوئی خاندان کا فرد سامنے آیا نہیں اور میں سب کے دماغ گھما کر رکھ دیتی کہ میں اور جی جی اسے کیا کہہ کر بلائیں گی۔

اب دیکھیں نا (تھوڑا دماغ آپ بھی لڑائیں) اسفند کے بڑے بھائی ہوتے میرے جیٹھ جبکہ جی جی کے سسر ولی کی دادی کو جی جی دادی جبکہ میں اماں جی پکارتی تھی۔ اسفند کی بہن میری ٹھہری نند دوسری طرف میری جی جی انہیں پھپھو جی بلاتی تھیں۔ اسفند کے اکلوتے ماموں جو اسی کا ہندسہ عبور کر چکے تھے اور منہ میں گنتی کے دو دانت دکھائی دیتے تھے۔ ولی انہیں نانا جی کہتا تھا سو جی جی بھی۔ جبکہ مجھے بڑی ہوک سی دل میں اٹھتی

جب اسفند کے حوالے سے مجھے انہیں ماموں جی کہنا پڑتا۔ میری نظروں کے سامنے میرے اپنے جوان گرزیل ماموں گھوم جاتے اور تو اور اسفند کے تایا کی بیٹی تھیں جو پردادی بھی بن چکی تھیں۔ خاصی ضعیف تھیں اور اسفند میاں انہیں بڑی ملائمت سے باجی جان پکارتے تھے۔ بچی میرا منہ پلپلا کر رہ جاتا تھا اتنی بوڑھی خاتون کو باجی جان کہنے سے۔ جی جی ولی کی دیکھا دیکھی اٹھلا اٹھلا کر انہیں "چھوٹی دادی چھوٹی دادی" کہتیں اور میرا میٹر گھمائے جاتیں۔

کچھ ایسا ہی حال اسفند اور ولی کا ہمارے میکے میں تھا۔ میرے سب کزنز سمیت مون اور پارسل۔ اسفند یار کو بھائی جان کہتے تھے اور جی جی کے حوالے سے ولی کو پھپھا جان بلاتے۔ جسے وہ از راہ مذاق خاصا لٹکا کر ادا کرتے اور جواباً" ولی جز بز ہو کر رہ جاتا۔ بس جی۔۔۔! عجیب ہی گورکھ دھندہ تھا جس میں جان پھنسی تھی۔ جی جی ان الجھنوں میں قطعاً" نہیں پڑتی تھیں۔ بلکہ کوئی بھی اتنا دماغ نہیں کھپاتا تھا پر میں اپنی فطرت کا کیا کرتی جو تانے بانے بننا پسند کرتی تھی۔

ایک دن میں اور جی جی شام تک کے لیے میکے کے وزٹ پر تھیں۔ جی جی حسب معمول بھابیوں کے ہمراہ کچن میں گھسی ہوئی تھیں اور میں دادی کے کمرے میں ان کے گرم گرم لحاف میں دبکی سسرالی قصے چھیڑے بیٹھی تھی۔ تب ہی میں نے بڑے چاؤ اور شوق سے دادی کو فرداً" فرداً" رشتے گنوانے شروع کیے کہ دیکھیں دادی۔۔۔! فلاں میرا یہ لگا اور جی جی کا وہ اور فلاں اسفند یار کا اس رشتے سے یہ پکارا جائے گا اور ولی کا وہ۔ دو منٹ تو دادی بڑے صبر و تحمل سے سنتی رہیں مگر جب فہرست طویل ہونے لگی اور یہ ساری جوڑ توڑ ان کی سمجھ سے باہر ہونے لگی تو طیش میں آ کر انہوں نے اپنی چپل اٹھالی۔

"کم بخت! شادی کے بعد بھی دماغ کی چولیں ہلانے سے باز نہیں آئی مسرال کو بھی پاگل خانے میں بدل دے گی!"

دادی میرے شادی شدہ ہونے کا لحاظ کیے بغیر مجھے

کوسنا شروع ہوگئیں تو مجبوراً" مجھے باہر کا رخ کرنا پڑا۔ مگر اس معاملے میں میرا سامع بننے کو کوئی تیار نہ تھا۔ مون کو لے کر بیٹھی تو سارا ٹائم وہ مکمل انہماک کے ساتھ اپنا منہ نیم وا کیے مجھے سنتا رہا اور جب میں خاموش ہوئی تو اپنے خرگوش جیسے کانوں میں سے ہینڈ فری نکالتا اور آنکھیں پٹپٹاتا مجھ سے بولا۔

"آپی! آپ اتنی دیر سے کیا چبا رہی ہیں؟ آپ کا منہ نہیں تھکتا۔" اور اس وقت میرا دل چاہا کہ مون کو کچا ــــــ! چلیں جانے دیں میرے سیدھے سادے بھائی کو زمانے کی ہوا لگ گئی تھی تو اس میں اس کا کیا قصور

ابھی سسرال میں اپنی "بزرگی" کو نبھاتے دن ہی کتنے گزرے تھے کہ مجھ پر اور جی جی پر اللہ کا کرم ہو گیا۔ ہاں جی ـــ ہاں جی! وہی 'وہی ہم دونوں کے ہاں خوشخبری تھی۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ پلی بڑھیں' ساتھ بیاہی گئیں اور ساتھ ہی اس نئے مرحلے میں داخل ہوئیں۔

تمام گھر والوں کے ہاتھ ایک نئی مصروفیت آگئی تھی۔ اسفندیار اور ولی کی مائیں خوشی سے پھولے نہیں سماتی تھیں کہ ایک دادی بننے والی تھی اور ایک دادی بھی اور پردادی بھی!

☼ ☼ ☼

میں خاص کسل مندی سے لان میں رکھی چیئر پر بیٹھی ٹانگیں پسارے ہوئے تھی۔ جی جی مجھے گرم گرم کافی کا مگ پکڑا کر خود واپس کچن میں چلی گئیں جہاں گاجر کا حلوہ آخری مراحل میں تھا جو وہ آج ولی کی خاص فرمائش پر بنا رہی تھیں۔ ابھی آدھا گھنٹہ پہلے ہی مہمان بھی اٹھ کر گئے تھے۔ اسفند کی فرسٹ کزن آئی تھیں ان کے ہاں پہلا پوتا ہوا تھا خاصی نفیس اور رنگ سی خاتون تھیں۔

بیٹے کی شادی پچھلے برس تیئس سال کی عمر میں ہی کردی اور اب جواں عمری میں ہی دادی بن کر بڑی خوش تھیں۔ ان کا بیٹا بھی ہمراہ تھا میں اس سے ایک آدھ بار پہلے بھی مل چکی تھی تب وہ اسفند کو ماموں جی کہہ کر بلاتا تھا حالانکہ محض پانچ سال ہی چھوٹا تھا۔ مگر اب اسے لگا ہوگا کہ چونکہ وہ اسفند سے پہلے باپ کے رتبے پر فائز ہوچکا ہے لہٰذا اسے بے تکلفی اختیار کر لینی چاہیے اسی لیے "ماموں جی" بلانے کی بجائے اس دفعہ اس نے "یار ماموں ایسے تو یار ماموں ویسے" کی گردان لگائے رکھی۔ اسفند کی کزن زینب باجی بھی خاصی ہنس مکھ اور بے تکلف سی خاتون تھیں۔ میں اور جی جی چائے وغیرہ سرو کرنے کے بعد اپنے کپ لیے بیٹھی تھیں جب وہ اسفند کو چھیڑتے ہوئے بولیں۔

"دیکھ لو اسفند میاں! تمہارے ابا بننے سے پہلے ہم نے تمہیں نانا بنادیا اور تمہاری بیوی کو نانی!"

بیڑہ غرق! گرم گرم چائے کا گھونٹ میرے تالو سے لگا اور کھانسی شروع ہوگئی۔ جی جی نے جلدی جلدی میری کمر سہلانی شروع کی مگر ان کی آنکھوں میں بے تحاشا شرارت تھی۔ ہنستی آنکھوں سے بھی نظر آگئی میں نے غصے سے جی جی کے پاؤں پر پاؤں مارا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا جی جی نے موسم کے حساب سے کینوس شو ز پہن رکھے تھے اور اندر دو دو جوڑے جرابوں کے چڑھا رکھے تھے۔ انہیں تو اپنے پیر پر میرا پیر محسوس بھی نہ ہوا سو صبر کے گھونٹ بھر کر رہ گئی۔ اب مہمانوں کے آگے مس بی ہیو تو نہیں کرسکتی تھی نا۔

اسی ہنستے مسکراتے اور چھیڑ چھاڑ والے ماحول میں مہمان رخصت ہوئے اور اب میں اطمینان سے گرم گرم کافی کی چسکیاں لے رہی تھی۔ رہ رہ کر یہی خیال آئے جارہا تھا کہ بندہ بڑھاپے کی اولاد سے شادی نہ کرے۔ لو بھلا بتاؤ ــــ! ماں' چاچی' تائی تو بنے تھے اب نانی بھی بن گئے۔

جی جی کی موج تھی' بھتیجے سے بیاہی گئی تھیں لہٰذا سب ہی کے لیے چھوٹی تھیں میں تو چچا سے بیاہ کر بلاوجہ کے کمپلیکس میں مبتلا ہورہی تھی۔ خوامخواہ میں اپنا آپ بوڑھا بوڑھا محسوس ہو رہا تھا ابھی میں اپنے تازہ تازہ نانی بننے پر ہی کڑھ رہی تھی کہ یکدم ایک خیال بجلی کی طرح میرے دماغ میں کوندا۔ تھوڑی دیر غور و فکر کے بعد میرے ہونٹ خود بخود مسکرانے لگے اور پھر ہنسی آنے لگی۔ اب مجھے اسفندیار کا انتظار تھا جو مہمانوں کے جانے کے فوراً" بعد ہی اپنے ایک دوست کی طرف نکل گئے تھے۔ کہہ رہے تھے واپسی میں دیر ہوسکتی ہے اور کسی سے اب میں اپنے نادر خیالات بیان نہیں کرتی تھی کہ سبھی آنے بہانے کھسک لیتے تھے۔ اپنی ساس سے کچھ دل ہلکا کرتی تو کہتیں۔

"پتر ـــ! جا سر تے تھوڑا ٹھنڈا پانی پا ـــ تے ذرا گٹ سوچیا کر نئیں تے چونڈا چٹا ہو جائے گا ـــ"

(بیٹا! جا سر پہ تھوڑا ٹھنڈا پانی ڈال' اور ذرا کم سوچا کر نہیں تو سارا سر سفید ہو جائے گا) اب ایسے روئی میں لپٹے جوتے کھانے کے بعد میں تو جھٹ پتلی گلی سے نکل لیتی تھی۔ جی جی کی ساس یعنی بڑی بھابھی سے نٹ کھٹ چلبلی دیورانی بن کر دماغی گرہیں کھولنے کی کوشش کرتی تو وہ بھی ذرا دیر میں ہی بائیں کان پہ ہاتھ کا چھجا بنا کر ہو لیتیں۔

"ارے ـــ مجھے لگتا ہے تمہارے بھائی جان مجھے آوازیں دے رہے ہیں۔ کب سے چائے کا کہہ رکھا تھا باتوں میں لگ کر بھول ہی گئی۔" میں گرم سرد آہیں بھرتی رہ جاتی۔

ایسے میں اب بس اسفند ہی رہ گئے تھے جو رات گئے تک میرے زیر عتاب رہتے تھے۔ جب تک اونگھ اونگھ کر بے حال نہ ہو جاتے تب تک ان پر میری گتھیاں سلجھانا لازم تھا۔ اور اب جو نئی پیچیدگی میرے ذہن میں در آئی تھی اس کے لیے میں شدت سے اسفند کی منتظر تھی۔ رات کو ان کی واپسی ہوئی اور میں پورے جوش و خروش سے دودھ میں اوولٹین ڈال کر اپنے اور ان کے لیے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ مزے سے کمبل میں پاؤں پسارے ہلکی آواز میں ٹی وی دیکھنے میں مگن تھے۔ مجھے ایک نظر دیکھ کر مسکرائے 'جواباً" میں بھی مسکراتے ہوئے انہیں دودھ کا مگ پکڑا کر خود بھی کمبل میں گھس گئی۔ اسفند مجھے کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں بولے۔

"یا اللہ خیر ـــ!" یقیناً" وہ سمجھ گئے تھے کہ آج پھر میرے دماغ میں کوئی کیڑا کلبلایا ہے اور اب ان کی رات اسی چکر میں کالی ہونے والی تھی کہ فلاں مجھے کیا پکارے اور فلاں کو مجھے کیا بلانا چاہیے۔ انہیں علم تھا کہ میں اپنے آج "نانی" نامزد ہونے کے بعد سے خاصی بدمزاج ہوں۔ لہٰذا وہ ہلکی ہلکی جھڑپ کے لیے بھی تیار تھے۔ مگر میں اس وقت نانی بن جانے کا دکھڑا رونے نہیں بیٹھی تھی میری نظر تو آنے والے نئے مہمانوں پر تھی۔

دراصل میں نے نوٹ کیا تھا کہ اسفند کی فیملی میں عمر کا لحاظ کیے بغیر اسی رشتے سے بلایا جاتا تھا جو جس کا بنتا تھا۔ چاہے اب وہ ساٹھ سالہ بھانجا' بھتیجا ہو یا پھر بیس سالہ چاچو' ماموں ہوں۔

میں سیدھی ہوتی ذرا سنبھل کر بیٹھی اور گلا کھنکھارتے ہوئے بولی۔

"آپ کو پتا ہے میں آپ کے ساتھ کتنی اہم گتھی سلجھانے بیٹھی ہوں۔"

"اچھا! مجھے تو لگا کہ تم مجھ سے لڑو گی کہ زینب آپا نے تمہیں اپنے پوتے کی نانی کیوں کہا فلاں نے تمہیں اتنا بزرگ کیوں بنادیا اور اتنی سی عمر میں تمہیں خود سے بڑی عمر کے بندوں نے کیا کیا نہیں بلانا شروع کردیا اور یہ سب کچھ تمہاری' میرے ساتھ شادی کا نتیجہ ہے ـــ ہے نا؟" اسفند نے دودھ کا خالی مگ میرے حوالے کرتے ہوئے تفصیلاً کہا۔ میں نے جواباً" بڑی ملائم نظروں سے انہیں دیکھا اور تحمل سے بولی۔

"ارے چھوڑیں یہ قصہ تو پرانا ہوا' آپ ذرا نئی زنجیر پہ توجہ دیں۔ دیکھیں تو سہی میں نے کیسی کڑی سے کڑی ملائی ہے۔ آپ سنیں گے تو آپ بھی ایسی ذہین بیوی پر رشک کریں گے۔ ابھی تک کسی کے دماغ میں آنے والے ننھے منوں کو لے کر ایسے شاندار خیالات نہیں آئے ہوں گے!" میں فخریہ نظروں سے بھنویں اچکاتی اسفند کو دیکھ رہی تھی جبکہ وہ مجھے تحیر آمیز نگاہوں سے تکتے مسلسل نفی میں ہولے ہولے سر ہلا رہے تھے یقیناً" یہ جذبات بے یقینی کے تھے کہ۔

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

"...... ننھی سیانی بیوی ہے میری۔" (آپ کو کیا لگا' وہ مجھے افسوس سے دیکھ رہے تھے' نہیں نہیں! آپ کو غلط لگا اصل بات وہی ہے جو میں نے سمجھی ہے) میں نے ان کی خوشی کو قدرے کم کرنا چاہا۔

"اچھا! اب بس بھی کریں ہزار بار کہا ہے اتنی زیادہ آنکھیں نہ کھولا کریں بھینگے سے ہو جاتے ہیں۔" انہوں نے سٹپٹا کر تاثرات نارمل کیے اور چڑ کر بولے۔

"اب ذرا جلدی سے اپنی باتوں کا میرے بھیجے پر تڑکا لگاؤ اور میری گلوخلاصی کرو۔ نیند آرہی ہے مجھے۔"

"تو وہی تو اڑانے لگی ہوں میں ..... سنیں! شام کو میں لان میں بیٹھی تھی تو مجھے یہ اچھوتے خیالات آئے۔ اب اور تو کوئی میری باتوں پہ توجہ دیتا نہیں سو آپ اب میری ساری کتھا سنیں گے اور وہ بھی پورے انہماک کے ساتھ' سمجھے؟" میں نے تنبیہی انداز میں انگلی اٹھا کر وارننگ دی تو وہ ہتھیار ڈالتے ہوئے بولے۔

"سمجھ گیا..... بولو!"

"دیکھیں جناب! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ میرے اور جی.جی دونوں کے ہاں خوشخبری ہے۔ اس خوشخبری کے نتیجے میں آپ اور میں' جی.جی اور ولی..... یقیناً" ماں باپ کے عہدے پر فائز ہو جائیں گے۔ لیکن آپ یہ سوچیں کہ اصل لطف کی بات تو یہ ہے کہ ہمارے بچے ایک دوسرے کے والدین کو کیا پکاریں گے؟ اب دیکھیں نا جی.جی میری پھوپھی اور آپ ولی کے چچا ..... ٹھیک! اب ولی کا بچہ آپ کے بڑے بھائی کو دادا کہے گا اور بھابھی کو دادی۔ اس لحاظ سے آپ اس کے بن گئے چھوٹے دادا اور میں چھوٹی دادی۔" میں نے ہنستے ہوئے ایک زوردار دھپ اسفند کی ٹانگ پر دھری اور بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"اور جی.جی کی میں بھتیجی ہوں تو اس حساب سے ان کے بچوں کی میں کزن بھی ہو گئی' اب کہلانے کو آپ ان کے بھائی جان اور میں آپی بھی کہلائے جا سکتے ہیں یعنی بہ یک وقت ہم دونوں ان کے بزرگ بھی ہوں گے اور کزنز بھی چلیں ایک طرف تو دل ٹھنڈا ہو گا۔ اب دوسری طرف سے سنیے" اسفند نے جھنجھلاتے حواس سمیت اپنا دوسرا کان میری طرف کیا' میں جھنجھلا کے بولی۔

"اوہو..... منہ سیدھا ہی رکھیں گردن میں بل پڑ جائے گا۔ اب رہ گئے ہمارے بچے تو جی.جی چونکہ میری پھوپھی بھی ہیں اور ولی پھوپھا تو میرے حوالے سے وہ ہمارے بچوں کے بنے نانا' نانی اور آپ کے حوالے سے ولی کے فرسٹ کزنز بھی۔ یعنی کہ کمال ہو گیا کہ وہ دونوں ہمارے بچوں کے نانا' نانی بھی ہوئے اور کزنز بھی ایک ہی گھر میں رہتے ہمارے بچوں کو بیک وقت کتنے سارے رشتے میسر آسکتے ہیں۔ ویری نائس۔" میں نے جوش سے دونوں ہاتھ مل کر دوایاں ہاتھ اسفند کے آگے پھیلایا اور انہوں نے پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پہ دھرا۔ میں نے کوفت سے ان کی آنکھوں پر ہتھیلی پھیری۔ وجہ ..... ! وہی کہ زیادہ آنکھیں پھاڑ لیتے تھے تو بھینگے بھینگے لگنے لگتے۔ میں نے زبردستی خود کو انہیں چھیڑنے سے روکا اور بات وہیں سے دوبارہ شروع کی۔

"اجی حضور آپ تو اتنا ہی سن کر دنگ رہ گئے ہیں ابھی ذرا مزید سنیے! یہ تو ابھی بڑا دور تک چلنے والا سلسلہ ہے۔ صرف ہم چاروں ہی آگے پیچھے سے اتنے ڈھیروں رشتوں میں تھوڑا ہی پھنسنے والے ہیں بلکہ اس گھر کا ہر فرد ایک ہی وقت میں اپنی گودی میں ڈھیروں تعلق لیے بیٹھا ہو گا۔ ہاہاہا..... ہاہا! اب دیکھیں' آپ کے بھائی جان اور بڑی بھابھی ایک طرف سے تو ہو گئے ہمارے بچوں کے تایا' تائی تو دوسری طرف چونکہ ان کا اپنا بیٹا اور بہو میرے پھپھا اور پھوپھی ہیں تو دور پرے سے دادا' دادی بھی کہلائے گئے ناں..... ہے کہ نہیں! ہاں..... سوچیں کتنا مزا رہے گا ہمارے گھر میں ایسا تو کہیں بھی نہ ہوتا سنا نہ دیکھا کتنی خوش قسمت اولادیں ہوں گی ہماری' ہے ناجی.....!"

میں نے ایک زوردار ٹہوکا اسفند کے ساکت وجود کو دیا تو حیرت سے اینٹھے اعصاب تھوڑے ڈھیلے پڑے اور انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ آج اسفند میری ذہانت کے آگے چاروں شانے چت ہو چکے تھے۔ میں نے آخری کسر پوری کرنے کے لیے مزید متاثر کرنا ضروری خیال کیا اس سے پہلے کہ وہ میری عقلمندی اور سوجھ بوجھ کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو جاتے۔

"ارے سچ اماں جان تو رہ ہی گئیں چلیں آئیں دیکھتے ہیں کہ وہ دادی' پردادی کے علاوہ اور کیا بننے والی ہیں۔ پھر ان کے بعد ابھی باری آئے گی میری دادی کی' پھر امی' ابو کی پھر مون اور ارسل ..... ارے ہاں! ان دونوں کے بعد تایا' تائی بھی تو ہوں گے نا..... !" میرے الفاظ ابھی میرے منہ میں تھے کہ زوردار "دھپ" کی آواز نے میرے ارتکاز کو منتشر کر کے رکھ دیا۔ میں جو ٹی وی پہ نظریں جمائے' ٹھوڑی پر ہاتھ ٹکائے پوری توجہ سے ذہانت کے جھنڈے گاڑنے میں مصروف تھی اس اچانک افتاد پر ہڑبڑا اٹھی۔

نظر کی تو دیکھا کہ اسفند کی جگہ خالی تھی مطلب کہ وہ اپنی جگہ سے لڑھک کر نیچے جا پڑے تھے اور یہ دھپ کی آواز ان ہی کے جسم ناتواں کے فرش سے ٹکرانے کے بعد پیدا ہوئی تھی۔ میں ٹک ٹک سی ٹکر ٹکر انہیں فرش پر چت پڑا دیکھ رہی تھی جہاں وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھامے آنکھیں موندے پڑے تھے یعنی کہ حد ہو گئی! اب ایسی بھی کیا بے اختیاری ..... مانا کہ مجھ جیسی بیویوں سے خاوند بہت جلد انسپائر ہو جاتے ہیں پر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ بدحواس ہو کر بندہ سر ہی پھوڑ لے۔ لے کر میرا سارا "ٹیمپو" غرق کر دیا۔ اب روز روز تو میں اتنی گہرائی میں جا کر رشتوں کی باریکیاں کھنگالنے سے رہی..... !

ارے..... ! آپ لوگ کیا سوچنے لگیں..... ؟ نا..... نا! یہ کام آپ میرے لیے ہی رہنے دیں۔ اتنا اسٹیمنا ہر کسی میں کہاں؟

مگر پھر بھی شہیدوں میں نام کروانے کو جی چاہے تو یہ سارا قصہ کہانی پڑھنے کے بعد اگر آپ کے دماغ میں ہمارے "چنوں منوں" کو لے کر چند مزید "تعلق داریاں" آئیں تو ضرور بتایئے گا۔ میری آسانی کے لیے لیکن اگر آپ کو لگے کہ یہ سب پڑھ کر آپ کا بھی سر چکرانے لگا ہے تو بستر سے لڑھکنے سے پہلے فرش پر کسی نرم چیز کا اہتمام کر لیجیے گا ورنہ ..... سر پھوٹنے گا یا نا تھا!

اب آپ جائیے اور دو عدد ڈسپرین پانی میں گھول کر پی لیجیے۔ میں ذرا اسفند کو اٹھنے میں مدد کروں۔ آپ جائیے! میرے جیسی بیوی کسی نعمت سے کم تھوڑا ہی ہے جو ایک ہی فرد سے کئی رشتوں کی چاشنی کشید کرنے کا فن جانتی ہو کہ آج کل اتنے رشتے کسی کو ملتے ہی کہاں ہیں۔ کبھی مل بیٹھیے گا تو اس فن سے آپ کو بھی ضرور آشنائی دیں گے۔ بس حفظ ماتقدم کے طور پر انرجی ڈرنک ضرور لے لیجیے گا ورنہ.....!"

☼ ☼

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
بساط دل	آمنہ ریاض	500/-
زرد موسم	راحت جبیں	750/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	200/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چوہدری	500/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چوہدری	250/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	450/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	500/-
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	600/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	250/-
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار	300/-
میں سے عورت	غزالہ عزیز	200/-
شام آرزو	ایم سلطانہ فخر	400/-

ناول منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے

منگوانے کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ -37 اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر 32216361

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

سالگرہ نمبر

فوزیہ یاسمین

دستِ کوزہ گر
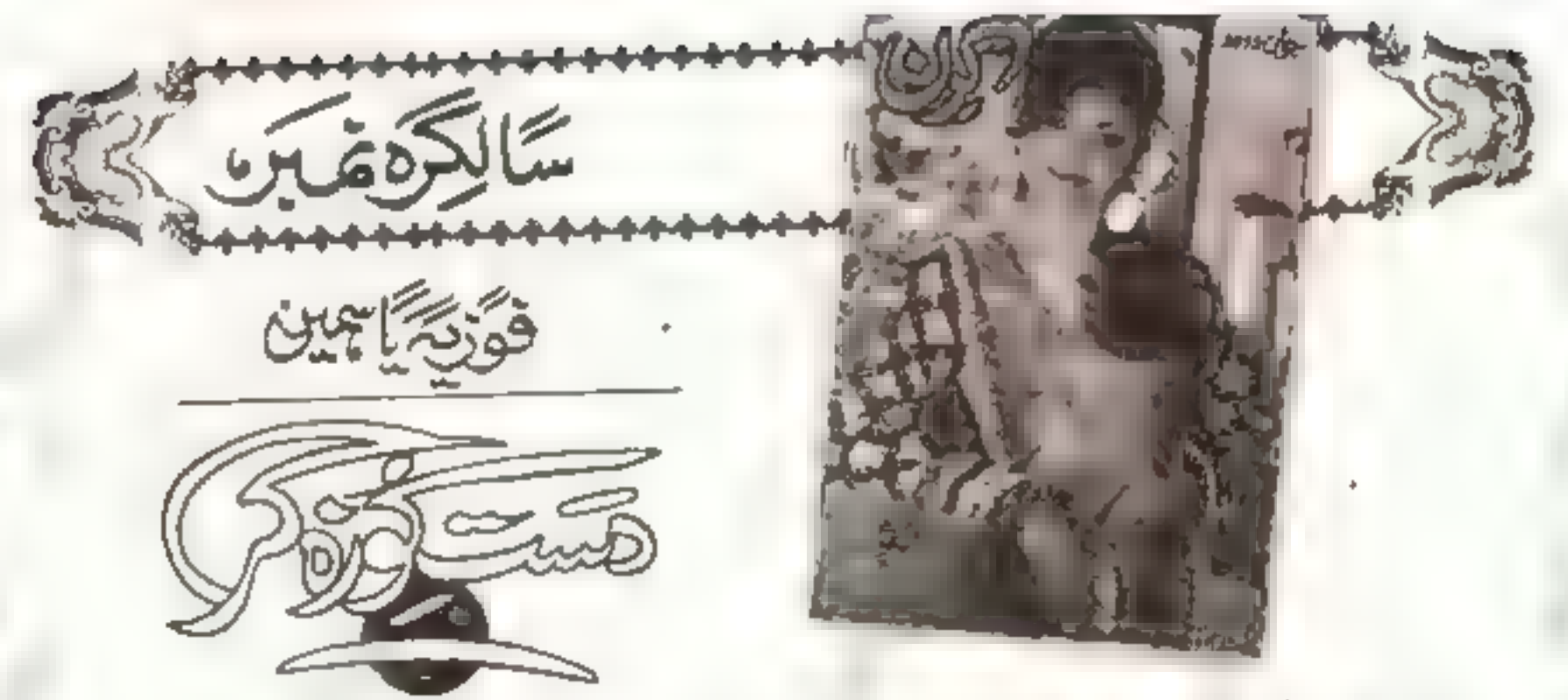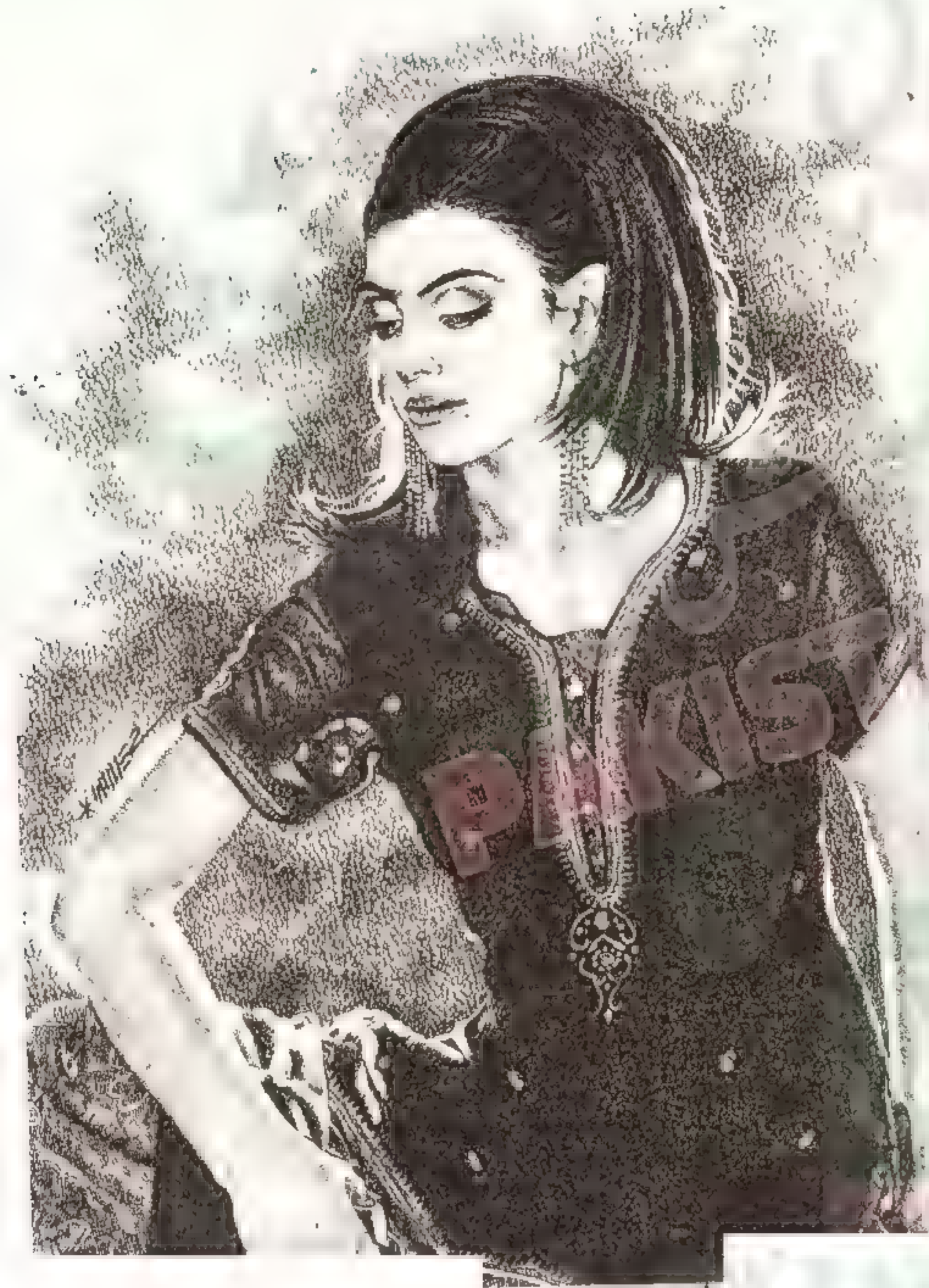
زوبیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی۔ مگر زوبیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کالج میں ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے۔ رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے گی۔ اور روح کو بلانے کی کوشش کرتی ہے۔

رکو میلہ، سنبل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔ اور ایسی خوشی میں نمل ان دونوں کو پیلس میں لنچ کی دعوت دیتی ہے۔ اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم، وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں پیلس میں لنچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زوبیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے۔ رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے۔ وہ دونوں واپس جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے۔ اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے۔ اب آگے پڑھیں۔

—۴۶—

چھیالیسویں قسط

خرم کا دل جیسے بالکل سکڑ کر پھیلا تھا گویا اس کے بدترین اندازے درست تھے لاش کی شناخت اور پوسٹ مارٹم سے جو بھی ثابت ہوتا تھا وہ بعد کی بات تھی لیکن خرم کا وجدان اسے بتا چکا تھا کہ یہ زوسیہ ہی ہے ڈی آئی جی صاحب بھی آگے آگئے تھے اور ہونق بنے وکی کے والد پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہنے لگے۔

"ہاں ہاں پتا ہے لاش لڑکی کی ہے باہر نکال لوا سے۔"

ایک بری سی بدبو جو پہلے ہی انہیں احساس دلانا شروع کر چکی تھی کہ وہ کسی ناگوار چیز کے بہت قریب موجود ہیں پوری فضا میں پھیل گئی تھی۔

خرم کے لیے وہاں ٹھہرنا مشکل ہو گیا اس کا دل چاہ رہا تھا وہ ابھی اور اسی وقت یہاں سے دور چلا جائے مگر وکی کے والد نے جو شور مچانا شروع کر دیا اس کی وجہ سے وہ وہاں سے ہٹ بھی نہیں سکا۔

"یہ... یہ سب کیا ہے... یہ... یہ میرے بیٹے کے خلاف کوئی سازش ہے۔ میں نے تو خرم کو اس کا دوست سمجھ کر اس کھدائی کی اجازت دے دی تھی۔

ورنہ پولیس اور کورٹ کے آرڈرز کو تو میں پھاڑ کر پھینک دیتا۔" وہ اس وقت شدید ذہنی صدمے کا شکار تھے لہٰذا بغیر سوچے سمجھے بول رہے تھے۔

ورنہ سچ تو یہی تھا کہ انہیں صرف کورٹ کے آرڈرز نے مجبور کر دیا تھا ورنہ وہ خرم تو کیا خود اپنے بیٹے کے کہنے پر بھی اپنے فارم ہاؤس میں اس کھدائی کی اجازت ہرگز نہ دیتے

مگر اس وقت کسی کو بھی ان کی اس فضول بکواس کا جواب دینے کا ہوش نہیں تھا۔

الیان اب بھی دل ہی دل میں دعا گو تھا کہ یہ سب جھوٹ ہو جیسے ہی یہاں لاش برآمد ہو گئی ہے لیکن وہ زوسیہ کی نہ ہو کچھ ایسے ہی احساسات خرم کے بھی تھے بلکہ اس کے قدم تو خود بخود قبر کی طرف اٹھنے شروع ہو گئے تھے۔

ڈی آئی جی صاحب نے جب اسے قبر کے نزدیک جاتے دیکھا تو اسے آواز دے کر روکنا بھی چاہا مگر تب تک وہ گڑھے کے بہت قریب پہنچ گیا تھا۔

دو آدمی جو بڑے انہماک اور مہارت سے مٹی ہٹا رہے تھے لاش کا چہرہ صاف کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

وہ زوسیہ تھی یہ کہنا کافی مشکل تھا کیونکہ اس کا چہرہ خاصا خراب ہو چکا تھا۔

لیکن یہ یقین سے کہا جا سکتا تھا کہ جو چہرہ زوسیہ مختلف اوراق پر اسکیچز کی صورت میں بنا چکی تھی یہ وہی تھا۔

زمین کے اندر دفن ہو جانے کے باعث چہرے پر جا بجا مٹی چپکی ہوئی تھی پھر بھی اس چہرے پر لگے زخم صاف نظر آ رہے تھے۔

ناخن یا نوکیلی چیز سے کھرچا ہوا خون آلود چہرہ بالکل ہو بہو وہی تھا جسے زوسیہ شائستہ خالہ کا چہرہ سمجھتی تھی۔

اسے دفنانے والے بے رحم لوگوں نے اس کی آنکھیں بند کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا چنانچہ وہ اب بھی خوف و دہشت کے ساتھ ساتھ دکھ اور تکلیف سے پھیلی ہوئی تھیں۔

مرتے وقت وہ کس اذیت اور درد سے گزری تھی یہ اب بھی ان آنکھوں میں صاف پڑھا جا سکتا تھا۔

"خرم چلو یہاں سے۔" ڈی آئی جی صاحب نے ایک دم اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے پیچھے کھینچ لیا۔

وہ کسی زندہ لاش کی طرح ان کے ساتھ کھنچتا چلا گیا جب اس قبر کو وہ کھود رہا تھا تب اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہاں سے شائستہ خالہ کی نہیں بلکہ اس لڑکی کی لاش نکلے گی جس نے اس قبر کی نشاندہی کی ہے۔

زوسیہ نے کسی اور کو نہیں خود اپنے آپ کو یہاں دفن ہوتے دیکھا تھا مگر وہ یہ بات کبھی سمجھ نہیں سکی۔

بچپن سے شائستہ خالہ کے خیالی پیکر کے بارے میں اس نے اتنا سنا کہ اس کے ذہن نے خود ہی ایک کہانی

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

ترتیب دے لی۔

اپنے اندازوں اور مفروضوں پر وہ اتنی آگے نکل گئی کہ ہر بات کو شائستہ خالہ سے وابستہ کرنے لگی۔

وہ ایک دوہری شخصیت کا شکار تھی جب اس پر دوسرا کردار حاوی ہوتا تو وہ خود کو شائستہ خالہ سمجھنے لگتی اور اس دوران جو کچھ بھی کرتی اسے لگتا وہ سب شائستہ خالہ کر رہی ہیں۔

اگر وہ کوئی مضبوط اعصاب کی لڑکی ہوتی تو سب کچھ نہ سہی البتہ بہت کچھ ضرور سمجھ جاتی کم از کم اتنا تو جان ہی لیتی کہ جو کچھ اسے پتا چلتا ہے وہ اسے کوئی روح نہیں بتاتی بلکہ اس کی مضبوط چھٹی حس کے باعث اسے خود بخود محسوس ہو جاتا ہے جو کسی دوسرے یا خود اس کے اپنے ساتھ ماضی یا مستقبل میں رونما ہونے والے حادثے ہوتے ہیں۔

"کانسٹیبل اسے اس کے گھر چھوڑ دو۔" ڈی آئی جی صاحب اسے پولیس موبائل کے قریب لے آئے اور کانسٹیبل کو ہدایت دے کر اس سے کہنے لگے۔

"تم گھر جا کر تھوڑی دیر لیٹ جاؤ کل کا سارا دن بھی تمہارا بڑے اسٹریس میں گزرا تھا اور آج بھی صبح سے یہ سب... میں یہاں سے ساری کارروائی مکمل کیے بغیر نکلنا نہیں چاہتا ورنہ میں خود تمہیں گھر چھوڑ آتا۔" خرم مشینی انداز میں پولیس موبائل میں بیٹھ گیا مگر اچانک جیسے اسے ہوش آیا تو وہ چونکتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"انکل وکی کے والد کے فارم ہاؤس پر ریڈ ہوئی ہے یہ بات ابھی کون کون جانتا ہو گا۔"

"میرا نہیں خیال یہ بات ابھی کسی کے علم میں ہو گی کیونکہ وکی کے والد کو تو ہم بغیر کوئی موقع دیے اپنے ساتھ ہی لے آئے اور وہ اتنے خود اعتماد تھے کہ انہوں نے تو شاید اپنے وکیل تک کو فون کرنے کی زحمت نہیں کی۔ لیکن یہ بات تم کیوں پوچھ رہے ہو۔" انہوں نے پوچھا تو خرم کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگا۔

"کوشش کیجیے گا کہ وہ یہ سب کسی سے نہ ہی کہیں تو بہتر ہے۔"

"ارے اب تو لاش ان کے فارم ہاؤس سے برآمد ہوئی ہے اس بات سے قطع نظر کہ یہ لاش کس کی ہے۔ نہیں فوراً حراست میں لیا جائے گا اور کیونکہ تم نے ان کے بیٹے اور ایک دوسرے لڑکے پر بھی شک ظاہر کیا ہے لہٰذا یہ سب تو تفتیش کی گرفت میں آئیں گے۔" ڈی آئی جی صاحب نے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بڑے سکون سے کہا خرم کچھ دیر پرسوچ نظروں سے انہیں دیکھتا رہا پھر اس نے انہیں خدا حافظ کہتے ہوئے کانسٹیبل کو حرکت میں آنے کا اشارہ کر دیا۔

تقریباً پون گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد خرم نے پولیس موبائل کو ایک شاندار گھر کے سامنے روکنے کو کہہ دیا اور اسے بھیج کر خود گیٹ کی بیل بجانے لگا۔

وہ اپنے گھر نہیں آیا تھا بلکہ حمید کے گھر آ گیا تھا اس کا ایک اندازہ اس قدر صحیح نکلا تھا کہ اب اسے یہ تامل ہرگز نہیں تھا کہ حمید کا اس ساری کارروائی میں ہاتھ ہے یا نہیں بلکہ اسے یقین تھا کہ یہ ساری کارستانی حمید اور وکی دونوں کی ہے۔

وکی کے والد سب جان چکے تھے دوسرے یہ کہ وکی حمید کے مقابلے میں کافی سمجھ دار تھا۔

جبکہ حمید کو شیشے میں اتارنا خرم کے لیے وکی کی نسبت بہت آسان تھا اور یہی سوچتا ہوا وہ حمید کے پاس آیا تھا اور اسے یقین تھا کہ وہ اس وقت گھر پر ہو گا۔

کل یونیورسٹی میں جو کچھ ہوا تھا اس کے بعد اسے یقین تھا حمید آج یونیورسٹی نہیں جائے گا کیونکہ دنیا کی نظر میں وہ خرم کا دوست تھا اور خرم نے طلحہ وغیرہ کے خلاف جا کر ان کے مرتے ہوئے دشمن کی جان بچائی تھی لہٰذا عین ممکن تھا کہ طلحہ وغیرہ آج اس مدعے پر ان سے کوئی بات کرتے

ہارون اور نادر نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ ایک دو دن یونیورسٹی نہ جانا ہی بہتر ہے۔

بیل بجانے کے کچھ دیر بعد ہی وہ حمید کے کمرے میں موجود تھا جو چھٹی کے باعث ابھی تک خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا اور خرم کی آمد کا سن کر بستر پر اٹھ کر بیٹھا تھا۔

"تم اتنی صبح صبح میرے گھر پر؟ خیریت تو ہے نا۔" اس نے منہ پھاڑ کر جمائی لیتے ہوئے پوچھا۔

"تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہ صبح نہیں ہے دوپہر ہو رہی ہے لیکن اگر آدھی رات بھی ہوتی تو بھی مجھے تمہارے پاس اسی وقت آنا تھا۔

خیریت بالکل نہیں ہے بلکہ ایک بہت بری خبر ہے وکی کے والد کا جو فارم ہاؤس ہے اس پر پولیس کی ریڈ ہوئی ہے" خرم کہہ کر چند ثانیے کے لیے خاموش ہو گیا۔

وہ حمید کے چہرے کے تاثرات دیکھنا چاہتا تھا اور اس نے واضح طور پر اسے چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔

"پولیس کی ریڈ۔" حمید نے اچنبھے کے ساتھ کہا تو خرم ہاتھ میں پکڑے اپنے موبائل میں ایسے لگ گیا جیسے کوئی اہم میسج پڑھ رہا ہو۔

آخر حمید سے صبر نہ ہوا اور وہ بستر سے اتر کر اس کے سر پر آ گیا۔

"کیا ہوا۔ آگے بھی تو کچھ بولو۔ ان کے فارم ہاؤس پر کیوں ریڈ ہوئی ہے۔"

"کیا بتاؤں سمجھ میں نہیں آ رہا کیسے کہوں۔ یار اتنا کچھ ہو گیا اور تم نے اور وکی نے ہمیں کچھ بتایا تک نہیں" خرم کی بات پر حمید فکرمندی سے اسے دیکھنے لگا۔

"تت۔۔۔ تم کہنا کیا چاہتے ہو۔"

"یہی کہ فارم ہاؤس سے ندسیہ کی لاش برآمد ہو گئی ہے" حمید کی آنکھیں حیرت و خوف کے مارے اتنی پھیل گئی تھیں جیسے اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

"اور وکی نے پولیس کو جو بیان دیا ہے اس میں تو سارا الزام تمہارے سر آ گیا ہے جیسے یہ سب صرف اور صرف تمہارا کیا دھرا ہو اور وہ بالکل بے قصور ہو۔" خرم کے لہجے میں تاسف بھرا تھا۔

حمید کا چہرہ ایسے سفید پڑ گیا تھا جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

البتہ خرم کی آخری بات سن کر وہ ایک دم ہتھے سے اکھڑتے ہوئے بولا۔

"کیا بکواس کر رہا ہے یہ وکی کا بچہ۔۔۔ یہ سارا کیا دھرا اصل میں تھا ہی وکی کا۔

میں تو اسے منع ہی کرتا رہ گیا مگر تمہیں تو اس کی فطرت پتا ہے اس خبیث کے دماغ میں کچھ سما جائے تو بھلا کوئی روک سکتا ہے۔" اسے حمید کی ایک ایک حرکت سے اس کی شدید گھبراہٹ اور گھبراہٹ کے ردعمل میں جھنجلاہٹ صاف ظاہر ہو رہی تھی خرم چند ثانیے کے لیے اسے دیکھتا رہ گیا۔

"کیا ہوا تھا جو تم لوگوں کو ندسیہ کو قتل کرنا پڑا۔" خرم کے لہجے کی سنجیدگی پر حمید نے غور ہی نہیں کیا بلکہ تنک کر کہنے لگا۔

"میں نے اسے قتل نہیں کیا وہ بے وقوف اپنی وجہ سے مری ہے۔

کیا ضرورت تھی اسے پاگل خانے سے بھاگنے کی۔ اچھی خاصی آرام سے وہاں بیٹھی تھی لیکن آخر تھی نا پاگل' آدھی رات کو سنسان سڑک پر نکل کھڑی ہوئی اگر میں اور وکی نہ بھی پہنچتے تو بھی کون سا وہ اپنے گھر پہنچ جاتی نہ کوئی ٹرانسپورٹ تھی نہ راستوں کا پتا تھا۔ بس منہ اٹھا کر چل پڑی۔" حمید بھناتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"تو کیا وہ تمہیں سڑک پر مل گئی تھی۔" خرم اسے بغور دیکھتا رہا اس کا لہجہ بالکل مشینی ہو گیا تھا۔

"ارے نہیں یار میں اور وکی تو شیشہ پینے گھر سے نکلے تھے۔

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

اصل میں جس پاگل خانے میں ندسیہ تھی وہاں ڈیڈ نے اپنا ایک مخبر رکھا ہوا تھا۔ ان کا خیال تھا بلال اختر اپنی بیٹی کو وہاں سے نکلوا نہ لیں۔

اس نے مجھ پر حملہ کیا تھا اور ڈیڈ اسے ہر حال میں پھانسی پر چڑھانا چاہتے تھے کئی بار بلال اختر اور ان کی وائف نے ڈیڈ کی منت سماجت کی کہ وہ کیس واپس لے لیں وہ انہیں منہ مانگی رقم دے دیں گے مگر تمہیں تو پتا ہے ڈیڈ کتنے ضدی ہیں سو وہ بالکل نہیں مانے۔

اسی لیے انہیں ڈر تھا کہ کہیں بلال اختر پاگل خانے کے اسٹاف کو خرید کر اپنی بیٹی کو وہاں سے بھگا نہ دیں۔

ڈیڈ نے اسٹاف کے کچھ ممبرز کو مہینے کے پیسے دینے شروع کر دیے اور صاف تاکید کر دی کہ اگر ندسیہ ایک منٹ کے لیے بھی کہیں جاتی ہے چاہے وہ چیک اپ کے لیے ہی کیوں نہ جا رہی ہو۔ انہیں فوراً" اطلاع دی جائے۔

لیکن کچھ دن پہلے آدھی رات کو میرے پاس وہاں کے وارڈ بوائے کا فون آیا وہ ڈیڈ کو فون کر رہا ہے مگر ان کا فون نہیں لگ رہا۔

ڈیڈ آسٹریلیا گئے ہوئے ہیں ان کا فون بھلا کیسے لگے' وارڈ بوائے مجھے بھی جانتا تھا اس نے بتایا کہ ندسیہ آج رات کو یہاں سے باہر جانے والی ہے۔

لیکن وہ کوئی فرار نہیں ہو رہی تھی بلکہ وہ اس سسٹر کے ذریعہ باہر جائے گی جو پیسے لے کر محض کچھ گھنٹوں کے لیے لڑکیوں کو باہر بھیجتی ہے کچھ گھنٹے بعد وہ خود ہی لوٹ آتی ہیں۔

میں اور وکی گاڑی میں ہی تھے ہم لوگوں کو تفریح سوجھی اور ہم نے گاڑی پاگل خانے کی طرف موڑ لی۔ ہم نے سوچا ذرا دیکھیں تو سہی بظاہر اتنی سیدھی اور شریف نظر آنے والی لڑکی آدھی رات کو آخر کس کے ساتھ جا رہی ہے۔

بس ہماری قسمت پھوٹی تھی جو ہم عین ٹائم پر پہنچ گئے۔

تجھے وکی کا تو پتا ہی ہے اس نے جب سے ندسیہ کو تیرے ساتھ دیکھا تھا وہ تب سے اس کے حسن پر فدا تھا اس پر اس رات ہم نے شیشہ بھی خوب ٹائٹ والا چڑھا رکھا تھا۔

بس پھر کیا تھا سڑک پر جب وکی نے اسے تن تنہا گھبرائے ہوئے انداز میں آگے ہی آگے جاتے دیکھا تو اس نے آدھی رات اور سنسان علاقے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے گاڑی اس کے پیچھے ہی لگا دی۔

میں بھی محض انجوائے منٹ کے لیے اسے چھیڑنے گاڑی سے اتر آیا۔

مگر وہ تو تھی ایب نارمل وہ ہم دونوں کو دیکھ کر ڈر کے مارے بے ہوش ہو گئی۔

تب میں نے وکی سے بہت کہا اسے یہیں چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں مگر وکی کا تو دماغ خراب ہو چکا تھا اس کا کہنا تھا ہم چھوڑ کر جائیں گے تو کوئی اور آ جائے گا اور یہ تو پیسے سسٹر کو دے کر نکلی اسی مقصد سے ہے اب اس کا بوائے فرینڈ ٹائم پر نہیں آیا تو اس کا مطلب ہے اسے اوپر والے نے اپنے لیے ہی بھیجا ہے۔

اس وکی خبیث نے میری ایک نہ سنی اور ندسیہ کو گاڑی میں ڈال کر اپنے فارم ہاؤس پر لے آیا اور اپنی قسمت اتنی خراب کہ جب تک ہم اسے کمرے میں لے کر گئے اسے ہوش بھی آ گیا۔

اس نے تو چیخنا چلانا اور شور مچانا شروع کر دیا میں نے کہا اسے ابھی واپس چھوڑ آتے ہیں مگر وکی کی کھوپڑی میں کسی کی بات کہاں گھستی ہے اس نے ندسیہ کو ڈرانے کے لیے اپنے فادر کا ریوالور نکال لیا۔

اور۔۔۔ اور پھر پتا نہیں کیا ہوا یار۔۔۔ میری تو کوئی غلطی ہی نہیں ہے میں تو اسے یہاں تک لانے کے حق میں ہی نہیں تھا مگر وکی کمینے۔۔۔ بس پتا نہیں کیسے گولی چل گئی اور۔۔۔ اور وہ ایک سیکنڈ میں ختم ہو گئی۔

ہم دونوں بری طرح گھبرا گئے۔ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔

وکی نے کہا اس کے فارم ہاؤس کے پچھلے حصے میں ایک اسٹور نما کمرہ ہے وہیں اس کی لاش چھپا دیتے ہیں اب میرے پاس وکی کی بات ماننے کے سوا کوئی راستہ ہی نہیں تھا چنانچہ مجھے بھی یہی مناسب لگا۔

مگر جب ہم پچھلے حصے میں پہنچے تو وہاں تو پہلے سے ایک گڑھا ایسے کھدا تھا جیسے کوئی قبر ہو تب میں نے اور وکی نے مل کر زوبیہ کو وہیں دفنا دیا۔

ہم دونوں نے طے کیا تھا اس بارے میں کسی سے کچھ نہیں کہنا ہے مگر اس ذلیل وکی نے بیان بھی دے دیا اور پورا الزام بھی میرے سر رکھ دیا۔ یعنی کہ حد کر دی اس نے۔" حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں بغیر رکے تواتر سے بولے گیا۔ جبکہ خرم دم بخود کھڑا اسے سنتا رہا۔

اسے پتا تھا اس کے یہ دونوں دوست اخلاقی سطح سے خاصے گرے ہوئے انسان ہیں۔

اسے یہ بھی پتا تھا کہ جو بھی اس نے زوبیہ کی باتوں کی روشنی میں اندازے لگائے ہیں وہ غلط نہیں ہو سکتے پھر بھی حمید کے منہ سے اپنے تمام اندازوں کو سچ ہوتا سن کر اسے خاصا دھچکا لگا تھا۔

حالانکہ حمید نے ہر بات کا الزام وکی پر رکھنے کی کوشش کی تھی پھر بھی اسے یقین تھا کہ اس گھناؤنے کھیل میں یہ دونوں برابر کے شریک ہیں۔

اگر وکی سے بات ہوئی تو وہ بھی سارا قصور حمید کا بتانے کی کوشش کرے گا اور حمید کی ہی طرح ایسے ظاہر کرے گا جیسے یہ سب اچانک بغیر کسی پلاننگ کے خود بخود ہو گیا۔

حالانکہ سچ تو یہ تھا کہ اتنے مختصر اور ہلکے انداز میں بیان کرنے کے باوجود اس پورے واقعے میں زوبیہ کی بے بسی اور مظلومیت پوری طرح عیاں تھی۔

سڑک پر ان دونوں کو اپنے سامنے دیکھ کر اس کے خوف اور دہشت کا کیا عالم رہا ہو گا جب اس کے حواس اس کا ساتھ چھوڑ گئے اور وہ بے ہوش ہو گئی۔

ہوش آنے پر خود کو ان دو بھیڑیوں کے ساتھ ایک بالکل انجانی جگہ پر دیکھ کر اس کے کیسے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہوں گے اس کے باوجود وہ ہمت ہارنے کی بجائے اکیلی ان دونوں کا مقابلہ کرتی رہی یہاں تک کہ اسے سرنگوں کرنے کے لیے وکی جیسے تیز طرار انسان کو پستول کا سہارا لینا پڑا۔

مگر یہاں بھی اس نے مزاحمت کی کوشش بند نہیں کی اور اپنا بچاؤ جاری رکھا۔ حتیٰ کہ گولی چل گئی مگر وکی اور حمید اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔

خرم کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا زوبیہ کی بے بسی کا یہ عالم دیکھ کر اور ان دونوں کی ذلالت کی یہ انتہا دیکھ کر کہ کیسے مزے سے وہ دونوں اس کی لاش چھپا کر معمول کے مطابق اپنی اپنی زندگی جی رہے تھے جیسے ان کے ہاتھوں کسی انسان کا قتل نہ ہوا ہو بلکہ مچھر یا مکھی مسل گئی ہو۔

انہیں اس بات کا احساس ہی نہیں تھا کہ زوبیہ کے پیچھے اس کے والدین کا کیا حال ہو رہا ہو گا۔

موت پر تو جیسے تیسے صبر آ ہی جاتا ہے کہ موت کا مزا تو ہر ذی روح کو چکھنا ہے۔ لیکن جس کے بارے میں یہی علم نہ ہو کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا اس پر انسان کیسے صبر کرے کہ جانے وہ کس حال میں ہے جانے اس پر کیا بیت رہی ہے۔

ہر گزرتا دن اور ہر گزرتا لمحہ جہاں گمشدہ شخص کے گھر والوں کی امیدوں کو ختم کر رہا ہوتا ہے وہیں ان کی پریشانیوں میں اضافہ ہو رہا ہوتا ہے کہ پتا نہیں وہ کتنی بڑی مشکل میں پھنس گیا ہے کہ آج تک مل ہی نہیں سکا۔

مگر وکی اور حمید جیسے کم ظرف اور گھٹیا لوگ اتنی گہرائی میں جا کر بھلا کیا سوچیں گے حمید کو تو ابھی بھی اپنی حرکت پر شرمندگی یا پچھتاوا نہیں تھا بلکہ اس بات کی فکر تھی کہ وکی نے پولیس کے سامنے بیان دے کر اس کا راز فاش کر

دیا ہے۔

"لیکن خرم! پولیس نے وکی کے والد کے فارم ہاؤس پر چھاپہ کیوں مارا؟ انہیں شک کیسے ہوا جو وہ وہاں لاش برآمد کرنے پہنچ گئے؟" حمید کیونکہ وکی کو خاصی گالیاں دے چکا تھا چنانچہ اب اس کا دماغ دوسرے نکات پر غور کرنے کے قابل ہو گیا تھا مگر خرم ابھی بھی اس قابل نہیں تھا کہ اس کی بات کا جواب دیتا وہ جیسے ششدر سا کھڑا تھا۔

اسے پتھرائے ہوئے انداز میں کھڑا دیکھ کر جیسے حمید کو کچھ خیال آیا اور وہ چونک کر اس کے موبائل کو دیکھنے لگا۔

"تم کیا میری مووی بنا رہے ہو۔۔۔ یہ ساری باتیں تم نے ریکارڈ کرلی ہیں۔۔۔ کیوں۔" حمید کے ساتھ ساتھ جیسے خرم کو بھی ہوش آگیا تبھی وہ موبائل آف کر کے اسے جیب میں رکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولا۔

"تاکہ تمہارے خلاف کیس فائل کرنے میں مشکل نہ ہو ویسے بھی تم دونوں نے اتنے ثبوت چھوڑ دیے ہیں کہ پھانسی نہیں بھی ہوئی تو بھی عمر قید تو یقینی ہے۔" آخری جملہ کہتے ہوئے خرم کا لہجہ زہر خند ہو گیا تھا۔

حمید بے یقینی سے کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر ہکلاتے ہوئے وضاحت دینے لگا۔

"یا۔۔۔ یار۔۔۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے یہ۔۔۔ یہ سب وکی کی وجہ سے ہوا ہے میں تو اسے منع کر رہا تھا۔۔۔ تم وکی کو جانتے ہو نا۔۔۔ یار تم میرے دوست ہو۔۔۔"

خرم کا ایک بھرپور ہاتھ حمید کے جبڑے پر پڑا اور اس کا جملہ ہوا میں ہی رہ گیا وہ لڑکھڑاتا ہوا زمین پر گر پڑا۔

"تمہارے جیسا گرا ہوا انسان میرا دوست کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔

یونیورسٹی میں ساتھ پڑھنے کے باعث ہماری اچھی بات چیت تھی اور بس اس سے زیادہ میں نے کبھی تمہیں کچھ نہیں سمجھا۔

ہاں البتہ تم مجھے اپنا دوست ضرور کہتے رہے کیونکہ میری دوستی سے تمہیں فائدے بہت تھے میں یونیورسٹی میں مشہور تھا تو میرے دوست ہونے کی حیثیت سے تم بھی مقبول ہو گئے ورنہ ہماری سوچ، پسند ناپسند، ترجیحات اور یہاں تک کہ اخلاقیات سب میں زمین آسمان کا فرق ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

بلکہ جو تم نے اور وکی نے کیا ہے اس کے بعد اگر تم جان بھی دے دو تب بھی میری نظروں میں کبھی معتبر نہیں ہو سکتے۔" خرم کا بس نہیں چل رہا تھا اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹ دے مگر وہ خود پر بمشکل جبر کر کے خود کو کسی بھی غلطی سے باز رکھے ہوئے تھا۔

اسی لیے وہ زیادہ دیر وہاں ٹھہرا بھی نہیں اپنی بات ختم کر کے وہ تیزی سے جانے کے لیے مڑ گیا مگر جاتے جاتے بھی کھڑے ہوتے حمید کے پیٹ پر ایک زوردار لات رسید کر دی جس پر وہ بلبلاتا ہوا دوبارہ زمین پر گر پڑا۔

☆ ☆ ☆

ٹھنڈی ہوا کی خنک لہر ندبیہ کو اپنی ہڈیوں میں پیوست ہوتی محسوس ہوئی تھی وہ دونوں ہاتھوں کو سختی سے باندھتے ہوئے سمت کا اندازہ کیے بغیر تیز تیز چلنے لگی۔

اس کے قدم جتنی تیزی سے حرکت کر رہے تھے اس کی سانس اس سے بھی تیزی سے چل رہی تھی۔

جبکہ یہاں تو ندبیہ کی جو ہر وقت انجانے خوف کے حصار میں گھری رہتی تھی اس کی تو اس سچویشن میں دل کی دھڑکن اس قدر تیز ہو گئی تھی کہ وہ باقاعدہ کانپ رہی تھی۔

پاگل خانے میں رہتے رہتے وہ اس قدر ہراساں ہو گئی تھی کہ بس وہ یہاں سے نکلنے کے متعلق ہی سوچتی رہی اس بات پر ایک بار بھی غور نہیں کیا کہ گیٹ سے باہر قدم رکھنے کے بعد وہ کہاں جائے گی اور کیسے جائے گی کوئی سواری اس کے پاس نہیں۔ کوئی باہر اسے لینے نہیں آرہا۔ وہ شہر کے کس کونے میں کھڑی ہے اور کس طرف اسے

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

جانا ہے کچھ بھی تو تعین نہیں کیا تھا اس نے بس منہ اٹھا کر نکل پڑی تھی۔

اس پر ستم یہ کہ گیٹ سے نکلتے وقت اسے ایک بار پھر شائستہ خالہ بھی نظر آگئی تھیں انہیں وہ بچپن سے دیکھتی آرہی تھی پھر بھی ہر بار ان پر نظر پڑتے ہی وہ نئے سرے سے خوفزدہ ہو جاتی تھی اور آج تو انہوں نے اسے ڈرانے کے ساتھ ساتھ حیران بھی کر دیا تھا۔

پہلی بار اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اسے کچھ سمجھانا چاہ رہی ہیں جیسے وہ اسے اس چار دیواری سے نکلنے سے روک رہی ہیں جیسے آگے اس کے ساتھ کچھ برا بلکہ بہت برا ہونے والا ہو۔

ندبیہ کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپے جا رہا تھا اپنے گالوں پر جب اسے نمی کا احساس ہوا تب اسے پتا چلا کہ وہ رو رہی ہے۔

وہ وہیں فٹ پاتھ پر رک کر اپنے آنسو صاف کرنے لگی تو ان میں کمی آنے کی بجائے اور شدت آگئی تھی اس سناٹے اور ویرانے میں اسے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دی وہ وحشت زدہ نظروں سے نیم تاریکی میں چاروں طرف دیکھنے لگی اس سے کوئی پچاس فٹ کے فاصلے پر لمبی سی سڑک کے کنارے پر ایک بالکل سیاہ کتا فٹ پاتھ پر بیٹھا تھا لیکن کیونکہ وہ عین اسٹریٹ لائٹ کے نیچے تھا لہٰذا پوری طرح روشنی میں نمایاں ہوا تھا۔

ندبیہ اس سے خاصے فاصلے پر تھی مگر وہ ایسے دہل گئی جیسے وہ ابھی اسے کاٹ لے گا اور بس اس پل اس نے کہیں بھی جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور واپس اس طرف لوٹنے لگی جہاں اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔

جہاں رہتے ہوئے اسے لگنے لگا تھا کہ وہ سچ مچ پاگل ہو جائے گی۔

تیز تیز چلتے بلکہ تقریباً "دوڑتے ہوئے جب وہ سڑک کے نکڑ پر پہنچی تو اسے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ وہ کسی طرف سے آرہی تھی اور کہاں کہاں مڑی تھی۔

وہ روڈ کے کنارے پر کھڑی اپنے آنسو روکنے اور حواس مجتمع کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

اسے یہ تو علم تھا کہ وہ ابھی زیادہ دور نہیں آئی ہے لیکن وہ کہاں کہاں سے مڑی ہے یہ وہ مکمل طور پر فراموش کر چکی تھی اگر وہ سکون سے سوچتی تو یقیناً "آسانی سے اسے یاد آجاتا مگر اس پر تو گھبراہٹ اس قدر حاوی ہو گئی تھی کہ وہ ایک جگہ رک کر ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ صرف کھڑی رو رہی تھی۔

تبھی دور سے اسے ایک گاڑی آتی دکھائی دی ندبیہ رونا دھونا بھول کر سانس روکے اس گاڑی کو دیکھے گئی جو لمحہ بہ لمحہ اس کے قریب آرہی تھی اور آخر کار عین اس کے سامنے آکر رک گئی۔

ندبیہ جو دم بخود کھڑی تھی اس گاڑی میں دو لڑکوں کو بیٹھا دیکھ کر اس کی ریڑھ کی ہڈی تک میں خوف سرایت کر گیا وہ ایک دم پلٹی اور تیزی سے چلنے لگی تبھی اس نے اپنے پیچھے گاڑی کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی اور ساتھ ہی ایک لڑکے کو بڑے جوش سے کہتے سنا۔

"ابے وہ ہی ہے 'وہی ہے میرے ڈیڈ کے جاسوس کبھی غلط انفارمیشن دے ہی نہیں سکتے۔" کہنے کے ساتھ ہی اس لڑکے کی خباثت سے بھری ہنسی کی آواز آئی تھی۔

ندبیہ بغیر رکے تیز تیز آگے بڑھتی رہی مگر وہ اس سے زیادہ تیزی سے چلتا عین اس کے سامنے آکھڑا ہوا

"ایکسکیوزمی مس کیا میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں۔" بظاہر اس نے بڑے شائستہ انداز میں کہنے کی کوشش کی تھی مگر اس کے لہجے سے چھلکتی مکاری صاف عیاں تھی۔

ندبیہ اسے دیکھے بغیر کترا کر نکلنا چاہتی تھی کہ اس نے ندبیہ کا ارادہ بھانپتے ہوئے اس کی کلائی پکڑلی تب گھبرا کر ندبیہ نے اس کی جانب دیکھا اور اس کا سارا خون خشک ہو گیا۔

اس کے سامنے کوئی اور نہیں وہی لڑکا کھڑا تھا جس نے شائستہ خالہ کو مارا تھا اور جسے شائستہ خالہ نے سوئمنگ

پول میں دھکا دے دیا تھا۔

اس پر جان لیوا حملہ کرنے کے الزام میں زوسیہ یہاں پاگل خانے میں قید تھی وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی جب اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے لڑکے کو کہتے سنا۔

"اتنی رات گئے اس سنسان سڑک پر اکیلی کیا کر رہی ہیں" آیئے ہم آپ کو ڈراپ کر دیتے ہیں۔" زوسیہ نے غیر ارادی طور پر پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تو اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

اس لڑکے کو تو وہ ہزار بار دیکھ چکی تھی یہ وہی تھا جو شائستہ خالہ کی قبر کھود رہا ہوتا تھا اسے گاڑی کا دروازہ کھول کر اپنی طرف آتا دیکھ کر زوسیہ کا دل بند ہونے لگا اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا وہ لہرا کر زمین پر گرنے لگی تھی جب حمید کے ناپاک ہاتھوں نے اسے اپنی بانہوں میں اٹھا لیا۔

ہوش و خرد سے بے گانہ ہونے سے پہلے جو آخری جملہ اس کی سماعتوں سے ٹکرایا تھا وہ حمید کا ہی تھا۔

"ارے جلدی سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول وکی۔ یہ تو اب شور مچانے کے قابل بھی نہیں ہے جلدی سے تیرے فارم ہاؤس پر چلتے ہیں۔"

زوسیہ خوف کے باعث اپنے حواس کھو بیٹھی تھی مگر یہ بے ہوشی کوئی ابدی نہیں تھی اسے یہ تو نہیں پتا تھا کہ اسے ہوش میں آنے میں کتنا وقت لگا تھا مگر جاگنے کے بعد اس نے اپنے آپ کو ایک شاندار کمرے کے کنگ سائز بیڈ پر پایا تھا۔

وکی اور حمید اس کے سامنے ہی موجود تھے اور اپنے غلیظ ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کر رہے تھے (اسی لیے اسے ہوش آگیا تھا)

مگر ہوش آنے کے بعد جیسے سارا منظر ہی بدل گیا تھا۔ کمرے میں ایک افراتفری مچی تھی اسے یہ دیکھ کر شدید حیرانی ہوئی کہ کمرے میں ان دونوں لڑکوں کے علاوہ شائستہ خالہ بھی موجود تھیں۔

وہ اپنے مخصوص حلیے میں تھیں یعنی زوسیہ کی ہی طرح پاگل خانے کے سفید لباس میں ملبوس تھیں ان کے بال کھلے اور بکھرے ہوئے تھے ان کے چہرے پر خون کی تازہ تازہ باریک لکیریں ابھری ہوئی تھیں۔

شائستہ خالہ نے کمرے کے دروازے کے اوپر نصب کنڈی کھولنے کی کوشش کی تھی جب حمید نے پیچھے سے آ کر انہیں پکڑ لیا تھا انہوں نے حمید کے ہاتھ پر کاٹا تو حمید نے بلبلا کر اپنے دوسرے ہاتھ سے ان کے چہرے کو نوچ لیا خون کی مزید چار خراشیں ان کے چہرے پر ابھر آئیں۔

تکلیف کی شدت سے ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے ان کے چہرے کی طرح ان کی آنکھیں تک سرخ ہو گئی تھیں مگر حمید انہیں قابو کیے گھسیٹتا ہوا کھینچ کر بستر تک لے جا رہا تھا کہ ایک سینٹر ٹیبل پر رکھا خوب صورت بیش قیمت گلدان شائستہ خالہ کے ہاتھ لگ گیا۔

انہوں نے اسے اٹھا کر حمید کے مارنا چاہا مگر حمید آرام سے جھکائی دے گیا لیکن وکی اس کے پیچھے ہی آ رہا تھا وہ گلدان وکی کے کندھے سے پوری قوت سے لگا تو وہ بھنا اٹھا۔

دو چار موٹی موٹی گالیاں دینے کے ساتھ اس نے ریک کا دراز کھول کر ایک ریوالور نکال لیا اور شائستہ خالہ کی طرف تانتے ہوئے غرا کر بولا۔

"بہت دیر سے تیرا ڈراما برداشت کر رہے ہیں اب اگر مزید ذرا بھی ہوشیاری دکھائی تو میں ڈھیر کر دوں گا۔" مگر شائستہ خالہ نے جیسے اس کا جملہ سنا ہی نہیں انہوں نے خود پر تنا ریوالور ہاتھ بڑھا کر چھین لینا چاہا جس پر وکی غصے اور گھبراہٹ سے پاگل ہی ہو گیا۔

ایک کمزور سی لڑکی جوان کے خیال میں دماغی طور پر ٹھیک بھی نہیں تھی ان دو لڑکوں کی تمام تر کوشش کے باوجود

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

قابو میں ہی نہیں آ رہی تھی یہاں تک کہ اتنا بھاری گلدان بھی وکی کے مار دیا تھا کہ پورا بازو درد کرنے لگا تھا۔

وکی نے جھنجلا کر ہوائی فائرنگ کرنی چاہی تھی تاکہ وہ خوفزدہ ہو کر دبک کر بیٹھ جائے اور وہ اپنی من مانی کر سکے مگر وکی کے ریوالور کا لاک کھولتے ہی جانے کیسے شائستہ خالہ حمید کی گرفت سے باہر آ گئیں۔

وہ انہیں زمین پر گھسیٹتا ہوا بستر تک لے جا رہا تھا مگر پتا نہیں کیسے ان کا بازو حمید کی گرفت سے نکل گیا حمید خود توازن برقرار نہ رہ سکنے کی وجہ سے زمین پر گر گیا اور شائستہ خالہ جو خود کو آگے کی طرف زور لگا کر زمین پر گھسیٹنے سے روک رہی تھیں سامنے کھڑے وکی کے اوپر جا گریں۔

گولی چلنے کی دلخراش آواز اور فضا میں پیدا ہونے والے زوردار ارتعاش نے سب کو اپنی اپنی جگہ ساکت کر دیا۔

زوسیہ تو پہلے ہی کمرے کے ایک کونے میں کھڑی سارا منظر پتھرائے ہوئے انداز میں دیکھ رہی تھی شائستہ خالہ کے پیٹ میں گولی لگتی دیکھ کر بالکل ہی ساکت رہ گئی۔

شائستہ خالہ کچھ دیر پھٹی پھٹی آنکھوں سے شاک میں گھرے وکی کو دیکھتی رہیں اور پھر لہرا کر زمین پر گر گئیں۔

زوسیہ کو خود اپنے پیٹ میں ایسے آگ اترتی محسوس ہوئی تھی جیسے گولی شائستہ خالہ کو نہیں خود اس کو لگی ہو چہرہ بھی ایسے جل رہا تھا جیسے حمید اور وکی کے غلیظ ناخن نے اسے ہی نوچ لیا ہو۔

اسے زندگی میں کبھی اتنی تکلیف محسوس نہیں ہوئی تھی جتنی اس لمحے ہو رہی تھی اسے یقین تھا اب وکی اور حمید شائستہ خالہ کو دفنا دیں گے وہ یہ سارا منظر دیکھنا چاہتی تھی مگر اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں اور اس کا ذہن مکمل طور پر تاریکی میں ڈوب گیا۔

ساری زندگی وہ شائستہ خالہ کے ساتھ ہوئے سانحہ کے بارے میں سوچ کر کڑھتی رہی ساری زندگی وہ ان کے ہیولے کو دیکھ کر ڈرتی رہی۔ ساری زندگی وہ یہ جاننا چاہتی رہی کہ وہ صرف اسے ہی کیوں نظر آتی ہیں ساری زندگی وہ اس سراب کے پیچھے بھاگتی رہی کہ وہ کبھی نہ کبھی اس گتھی کو سلجھانے اور ان کا کھوج لگانے میں کامیاب ہو جائے گی۔

لیکن اس کی زندگی ختم ہو گئی اور ان سوالوں کے جواب نہ جان سکی۔

البتہ محرم کے توسط سے دوسرے لوگ ان سوالوں کے جواب ضرور جان گئے ساری زندگی اسے پاگل سمجھنے والے لوگ اس کے مرنے کے بعد کم از کم یہ ضرور مان گئے کہ وہ پاگل نہیں تھی ہاں عام لوگوں سے مختلف تھی اور اس کی یہ انفرادیت اس کے لیے اذیت کا باعث بنی رہی۔

کیونکہ وہ اتنی سمجھ دار اور خود اعتماد نہیں تھی کہ اپنے ساتھ ہونے والے المیے کو سمجھ سکے کیونکہ وہ دوہری شخصیت کی مالک تھی۔

جب وہ دورے کی کیفیت میں ہوتی تھی تب وہ یہ سمجھتی تھی کہ وہ شائستہ خالہ کو دیکھ رہی ہے حالانکہ شائستہ خالہ کا تو کوئی وجود ہی نہیں تھا۔

وہ تو وہی دیکھ رہی ہوتی تھی جو وہ خود کر رہی ہوتی تھی یا جو اس کے اوپر بیت رہی ہوتی تھی۔

یہاں تک کہ موت کی آغوش میں جاتے وقت بھی وہ شائستہ خالہ یعنی کہ اپنے خیالی بنائے ایک کردار میں سمائی ہوئی تھی اور یہی سمجھتی رہی کہ موت اسے نہیں بلکہ شائستہ خالہ کو آئی ہے۔

گو کہ اب اس کے پاس کچھ جاننے اور سمجھنے کی مہلت ختم ہو گئی تھی پھر بھی مرتے وقت شائستہ خالہ کے مجرموں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے باعث اسے یہ سکون ضرور مل گیا تھا کہ وہ ان کی شناخت کر چکی ہے۔

لہٰذا ایک نہ ایک دن وہ شائستہ خالہ کے مجرموں کو ان کے انجام تک ضرور پہنچائے گی اور اگر ایسا نہ کر سکی تب بھی ساری دنیا کو بتائے گی ضرور کہ یہی وہ دونوں گرے ہوئے انسان ہیں جنہوں نے شائستہ خالہ کو برباد کیا اور اس کی

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

خود کی زندگی بھی اجیرن بنائے رکھی۔

تاریکی میں جاتے وقت بھی اس کے دل میں بس یہ یقین موجود تھا کہ وہ انہیں بچا نہیں سکی تو کیا ہوا وہ انہیں انصاف ضرور دلائے گی۔

زندگی یوں تو تیری امانت تھی
بعد مرنے کے پاس تو آیا
کچھ تو کام میرا لہو آیا

☼ ☼ ☼

جو کچھ زوبیہ نے سوچا اور چاہا تھا اسے عملی جامہ خرم نے پہنایا۔

زوبیہ کی لاش کا وکی کے والد کے فارم ہاؤس سے برآمد ہونا ایک بہت ہی ٹھوس اور اہم ثبوت تھا وکی کے خلاف۔ اس پر پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نے کئی گتھیاں سلجھا دیں۔

زوبیہ کے جسم سے نکلنے والی گولی اس کے والد کی ریوالور کی ثابت ہوئی جس پر اس کے والد بھی شک کے دائرے میں آسکتے تھے مگر وہ اس لیے بچ گئے کہ حمید نے بڑی بزدلی کا ثبوت دیتے ہوئے پولیس کے سامنے سب کچھ سچ سچ اگل دیا۔

خرم نے موبائل میں اس کی مووی بنا کر اس کی ساری باتیں ریکارڈ کرلی تھیں جو حمید کے خلاف سب سے بڑا ثبوت بن گئی تھیں جب پولیس اسے گرفتار کرنے گئی تو اس نے ڈر کر عورتوں کی طرح رونا شروع کر دیا۔

اس کے والد اس کی یقین دہانی کراتے رہے کہ تم صرف اپنی زبان بند رکھنا میں تمہیں چھڑوا لوں گا مگر وہ اتنا بوکھلا گیا تھا کہ ڈر کے مارے سبھی بول پڑا۔

مینٹل اسپتال میں کون سا وارڈ بوائے ان کے ساتھ ملا ہوا تھا کس نے اسے زوبیہ کے بھاگنے کی اطلاع دی تھی یہاں تک کہ کون سی نرس نے زوبیہ کو وہاں سے نکالا تھا حمید نے الف سے لے کر یے تک سب پولیس کے سامنے اگل دیا۔

چنانچہ کیس پورا کا پورا سامنے آچکا تھا جو کسر کوئی باقی بھی تھی تو وہ بلال اختر نے پوری کر دی تھی جس طرح وہ حمید کے والد کی منت سماجت کر چکے تھے کہ وہ زوبیہ کو معاف کر دیں اور کیس واپس لے لیں مگر حمید کے والد تیار نہیں ہوئے تھے۔ ٹھیک اسی طرح حمید اور وکی کے گھرانوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا اپنے بیٹوں کو بچانے کے لیے مگر اس بات پر بلال اختر کا دل کسی طور پسیجنے کو تیار نہ تھا۔

حتیٰ کہ وکی کے والد دھمکیوں پر اتر آئے مگر بلال اختر پیچھے نہ ہٹے اپنا تمام اثر و رسوخ استعمال کر کے انہوں نے وکی اور حمید کی ضمانت تک ضبط کرا دی تھی اور امید تھی کہ ان دونوں کو خاصی سخت سزائیں ملیں گی۔

اگر بلال اختر کا گھر ویران ہوا تھا تو ان دونوں کو بھی تاحیات جیلوں میں سڑنا تھا۔

عائشہ اختر پر جب یہ سارے انکشاف ہوئے تو وہ بالکل ڈھے گئیں ان کی ایک ہی اولاد کے ساتھ جو ہوا تھا وہ ان کے لیے برداشت کرنا کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا انہیں لگتا تھا ان کا دل پھٹ جائے گا یا دماغ کی رگیں سکڑ جائیں گی۔

مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا ایک قیامت آئی اور گزر گئی وہ اسپتال میں ایڈمٹ ہوئیں اور آخر ٹھیک ہو کر گھر آگئیں لیکن وہ کتنی ٹھیک تھیں یہ وہ خود ہی جانتی تھیں دنیا کی ہر شے سے ان کا دل اچاٹ ہو چکا تھا دل میں کوئی امید کوئی خوشی کوئی شوق باقی نہیں رہا تھا۔

ایسے میں ریاض غفار کے گھرانے نے انہیں بہت سہارا دیا ریاض غفار، بلال اختر کے آفس جانے کے بعد انہیں اپنے گھر لے جاتے اور سارا دن وہیں رکھتے۔

عائشہ اختر کا دل وہاں بھی نہیں لگتا البتہ توجہ ضرور بٹ جاتی شگفتہ غفار بھی ان کے ساتھ بیٹھ کر ان کا دھیان بٹانے کے لیے ادھر ادھر کی باتیں کرلیتیں شام ہونے پر بلال اختر کی واپسی سے پہلے وہ دونوں عائشہ اختر کو ان کے گھر چھوڑ دیتے۔

بلال اختر کا رویہ ابھی بھی ریاض غفار کے ساتھ جوں کا توں تھا حالانکہ بلال اختر کو اب ان سے بات چیت وغیرہ کرنے میں کوئی عار نہیں تھی لیکن زوبیہ کی موت نے انہیں مزید سخت دل بنا دیا تھا ایسے میں ریاض غفار کی قرینے سے گزرتی سلجھی ہوئی زندگی دیکھ کر انہیں ایک کوفت اور بے زاری ہوتی تھی وہ بہت زیادہ حسد کا شکار تو نہیں ہوتے تھے مگر ان کے اندر ہوک ضرور اٹھتی تھی لہٰذا وہ دانستہ ان کے سامنے آنے اور ان سے بات کرنے سے گریزاں رہتے۔

جس کی ریاض غفار یا شگفتہ غفار کو قطعی پروا نہیں تھی ریاض غفار کے روبرو صرف اپنی بہن کی خوش حالی تھی جس کی انہیں خود بھی زیادہ امید نہیں تھی۔

انہیں یہ تو علم تھا کہ عائشہ اختر وقت کے ساتھ ساتھ سنبھل جائیں گی مگر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ عائشہ اختر کی زندگی ہمیشہ ایک جمود کا شکار رہے گی۔ جس میں کوئی جوش کوئی خواہش کوئی ولولہ نہیں ہوگا بس صبح کو شام اور شام کو صبح کرنا ہی ان کی زندگی کا حاصل بن جائے گا۔

مگر وہ اپنی بہن کے لیے اس سے زیادہ اور کچھ کر نہیں سکتے تھے۔

☼ ☼ ☼

کئی دنوں تک آئی سی یو میں رہنے کے بعد عظمت خلیل کو پرائیویٹ وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا وہاں انہیں گھر والوں اور دیگر افراد سے نہایت مختصر وقت کے لیے باری باری ملنے کی اجازت تھی۔

نمل جب پہلی بار ان کے سامنے ان کے ہوش میں آنے کے بعد آئی تو ضبط کے باوجود اس کی آنکھیں چھلک پڑیں حالانکہ وہ ان کی بے ہوشی میں بہت بار انہیں دیکھ چکی تھی اور ان کے ہوش میں آنے پر ڈاکٹرز نے ان کے سامنے نہایت بہادری کے ساتھ جانے کی تاکید کی تھی بلکہ رشید ان کو تو منع کر دیا تھا کہ آپ جب تک خود کو نہیں سنبھال لیتیں ان کے روبرو ہونے کی ضرورت نہیں۔

لیکن انسان چاہے کتنا بھی بہادر بن جائے کچھ لمحے اسے توڑ کر رکھ دیتے ہیں ان کی غفلت کے دوران نمل نے چھپ کر اپنے سارے آنسو بہا دیے تھے تاکہ ان کے بیدار ہونے پر بہت مضبوط اور مطمئن نظر آئے۔

لیکن دو ہفتے بعد جب انہوں نے اپنی ایک آنکھ کو تھوڑا سا وا کر کے اس کی جانب دیکھا تو ہزار ضبط کے باوجود نا صرف اس کے آنسو بہہ نکلے بلکہ ان میں شدت آگئی۔ جب اس نے انہیں روتے دیکھا۔

وہ بے ساختہ ان کے بستر کے کنارے جا ٹکی اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"ابو آپ ٹھیک ہو جائیں گے ابھی آپ کے زخم تازہ ہیں اس لیے ان میں تکلیف بھی بہت ہے جب زخم ماند پڑیں گے تب آپ کی تمام سرجریز ہم پاکستان سے باہر جا کر کرائیں گے اس سے آپ کا چہرہ ٹھیک ہو جائے گا اور آپ کی قوت گویائی بھی بحال ہو جائے گی۔

بس آپ ہمت سے کام لیں وقت کے ساتھ ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" نمل روتی جا رہی تھی اور بولتی بھی جا رہی تھی۔

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

عظمت خلیل کے پورے وجود سے ان کے اندر اٹھتی بے کلی عیاں تھی جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہے ہوں مگر زبان جنبش کے قابل ہی نہیں تھی اپنی بے بسی محسوس کرتے ہوئے ان کی آنکھیں تواتر سے بہہ رہی تھیں۔

جس تکلیف اور اذیت سے وہ گزر رہے تھے وہ کسی بھی جاندار کے لیے برداشت کرنا مشکل بلکہ مشکل ترین تھا مگر عظمت خلیل تو وہ شخص تھے جن کی پوری زندگی صرف لفظوں کے ساتھ کھیلنے میں گزری تھی۔

جن کا پسندیدہ موضوع "میں" چھڑ جاتا تو وہ دنیا و مافیہا سب کو بھول کر بے تکان بول سکتے تھے۔

لیکن آج وہ بولنے کے ہی قابل نہیں رہے تھے چہرے پر جلن ایسی تھی جیسے انہیں آگ کے اندر بٹھا دیا ہو ایک آنکھ سے انہیں سارا منظر تو نظر آ رہا تھا مگر دونوں آنکھوں سے دیکھنے کی عادت ہونے کے باعث قدرتی طور پر شدید بے چینی ہو رہی تھی۔

نمل ان کی بے قراری بھانپتے ہوئے جلدی جلدی وہ باتیں بتانے لگی جس کی اسے امید تھی کہ وہ پوچھنا چاہ رہے ہوں گے۔

"ابو شائلہ کو اس وقت آپ کے آفس کے لوگوں نے پولیس کی حراست میں دے دیا تھا مگر آپ سے عقیدت رکھنے والے لوگوں نے اسے پولیس اسٹیشن پہنچنے سے پہلے ہی اس قدر تشدد کا نشانہ بنایا کہ۔ کہ۔ وہ کچھ دن اسپتال میں رہ کر۔ انتقال کر گئی۔" نمل کی کوشش تھی کہ وہ یہ خبر خوشی خوشی انہیں دے مگر اپنی آواز کی لڑکھڑاہٹ پر وہ قابو نہ رکھ سکی۔

شائلہ کے مرنے کی خبر سے اسے کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی بلکہ شدید دکھ ہوا تھا اور یہ دیکھ کر اسے شدید حیرت ہوئی کہ عظمت خلیل اس خبر پر اپنی ایک آنکھ کو سختی سے میچتے ہوئے سر کو زور زور سے تکیے پر پٹخنے لگے جیسے جو کچھ نمل کہہ رہی ہو وہ سننا نہ چاہتے ہوں۔

"ابو آپ اسے سزا دیتے یا لوگوں نے دے دی بات تو ایک ہی ہے وہ تو اپنے انجام کو پہنچ گئی نا۔" نمل نے صفائی دینے والے انداز میں کہا۔

اسے یہی لگا تھا کہ عظمت خلیل کو دکھ ہو رہا ہے کہ شائلہ کیوں مر گئی اپنے مجرم کو وہ خود اپنے ہاتھوں سزا دیتے اسے تڑپاتے اسے اذیت پہنچاتے موت سے تو وہ ایک ہی دفعہ میں ہر تکلیف سے آزاد ہو گئی اور آخرت میں کسی کے ساتھ کیا معاملہ ہو گا اس بارے میں تو یقین سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جو لوگ عظمت خلیل سے محبت رکھتے تھے ان کے خیال میں وہ جہنمی تھی جبکہ نمل جیسے لوگ۔ جو عظمت خلیل کو جانتے تھے ان کے خیال میں شائلہ نے غیر قانونی حرکت ضرور کی تھی مگر اس پر ؟؟؟ کی جان لے لینے کا حق کسی کے پاس نہیں تھا اس کا مرنا ایک مظلوم موت تھی جس پر وہ سیدھی جنت میں ہی جاتی۔

عظمت خلیل اس کی بات پر اب بھی سر نفی میں ہلانے لگے جیسے وہ ان سب باتوں سے ہٹ کر کچھ اور سننا اور جاننا چاہتے ہوں۔

نمل کچھ دیر پریشانی سے انہیں دیکھتے رہنے کے بعد ان کے ٹرسٹ کی تفصیلات انہیں بتانے لگی حالانکہ اس نے خود بھی زیادہ کچھ پتا نہیں کیا تھا جو عظمت خلیل کے سیکریٹری نے تذکرہ کیا تھا وہی دہرانے لگی کہ شاید وہ یہ جاننا چاہتے ہوں کہ اتنے دنوں سے ان کی غیر موجودگی میں عملہ ٹھیک طرح سے کام کر رہا ہے یا نہیں۔

لیکن ان کے چہرے کی بے چینی ایک بار پھر ظاہر کر گئی کہ انہیں اس موضوع سے کوئی دلچسپی نہیں۔

نمل ان کی اس بے بسی پر روہانسی ہو گئی جانے وہ کیا بات کرنا چاہتے تھے جو کہہ نہیں پا رہے تھے ایک شخص جو بڑی بڑی تقریریں کرنے کا عادی ہو ایک لفظ بھی نہ کہہ پائے تو اس کی کیا حالت ہو رہی ہو گی نمل اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتی تھی۔

تبھی سسٹر کمرے میں آئی اور عظمت خلیل کو اتنا بے کل دیکھ کر نمل کو وہاں سے اٹھانے لگی۔

"یہ۔ یہ مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہے ہیں۔" نمل روتے ہوئے بولی۔

"اسی لیے میں آپ کو یہاں سے جانے کے لیے کہہ رہی ہوں یہ ابھی بولنے کے قابل نہیں ان کا زخم کھل جائے گا آپ یہاں سے چلی جائیں۔" سسٹر نے کہنے کے ساتھ ہی سرنج بھرنی شروع کر دی وہ اب عظمت خلیل کو نیند کا انجکشن دے رہی تھی۔

نمل بے چینی سے تڑپتے عظمت خلیل کو آنسو بھری آنکھوں سے دیکھتی کمرے سے نکل گئی۔

حالانکہ کمرے کے اندر اس نے کوئی خاص بہادری کا ثبوت نہیں دیا تھا مگر کمرے سے باہر آتے ہی جیسے وہ بالکل ہمت ہار گئی اور بری طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

خرم کوریڈور میں ہی ٹہل رہا تھا نمل کو دیکھ کر وہ اس کے قریب چلا آیا مگر بولا کچھ نہیں۔

جب اسے عظمت خلیل کے ساتھ ہوئے حادثے کا پتا چلا وہ اسی وقت نمل کے پاس آ گیا تھا حالانکہ اسی دن ندیبہ کی لاش برآمد ہونے کی وجہ سے وہ کافی مضطرب اور مضمحل تھا لیکن نمل پر ٹوٹنے والی قیامت کا علم ہوتے ہی وہ اپنی ساری فکریں پس پشت ڈال نمل کے پاس آ گیا تھا۔

فرقان حسن اور مسز فرقان بھی دو ایک بار آ چکے تھے وہ رشیدہ کے پاس ان کے گھر بھی گئے تھے لیکن خرم تو روز پابندی سے آتا تھا سنبل بھی اکثر آ جاتی تھی صرف ایک رومیلہ تھی جو ایک بار بھی نہیں آئی تھی جس پر خرم نے ایک دن حیرت سے استفسار کیا تو اسے یہ المناک خبر سننے کو ملی کہ وہ عدت میں ہے اور اس کی طلاق ہو گئی ہے۔

خرم سوچتا ہی رہ گیا کہ آیا اسے ایان سے اس بابت باز پرس کرنی چاہیے یا نہیں لیکن ایک تو جو ہونا تھا سو ہو گیا تھا دوسرے حالات کچھ ایسے تھے کہ اسے الیان کے پاس جانے کا موقع ہی نہیں ملا تھا اور وہ اس کے روبرو بات کرنا چاہتا تھا فون پر یہ گفتگو نہیں ہو سکتی تھی۔

لیکن اتفاق سے آج دوپہر میں الیان کا خود ہی فون آ گیا تھا خرم اس وقت اسپتال جانے کے لیے نکل چکا تھا اور گاڑی چلا رہا تھا یہی بات جب اس نے الیان سے کہی کہ وہ ابھی بات نہیں کر سکتا تب الیان کو پتا چلا کہ عظمت خلیل جن کے بارے میں کئی دنوں تک ٹی وی پر آ رہا وہ نمل کے والد ہیں۔

اگر رومیلہ نے اس سے کبھی ذکر کیا بھی تھا تو یہ اسے یاد نہیں تھا اور قدرتی طور پر اسے نمل کے حوالے سے ایسی خبر سن کر دکھ ہوا تھا۔

عظمت خلیل سے تو اسے ملنے کی اجازت نہیں مل سکتی تھی اور ایک طرح سے وہ انہیں جانتا بھی نہیں تھا لیکن وہ نمل سے ضرور ملنا چاہتا تھا چنانچہ وہ بھی آفس سے کام نبٹا کر اسپتال آگیا جب وہ پہنچا تو اسے پتا چلا کہ نمل اندر عظمت خلیل کے پاس ہے وہ خرم کے پاس ہی کھڑا ہو گیا۔

ان دونوں کے بیچ چند جملوں کے تبادلے کے علاوہ زیادہ بات نہیں ہوئی کہ اسپتال کوئی گپیں لڑانے کی جگہ نہیں تھی خرم نے بھی دانستہ رومیلہ کا ذکر چھیڑنے سے گریز کیا کہ یہ وقت بالکل بھی مناسب نہیں تھا اس موضوع پر بات کرنے کے لیے جب نمل کافی سارے آنسو بہا کر کچھ بہتر ہو گئی تب دور کھڑا الیان سست روی سے چلتا اس کے قریب آگیا اور گلا کھنکارتے ہوئے اسے سلام کر دیا۔

نمل نے چونک کر آواز کی سمت دیکھا تو الیان کو اپنے سامنے دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

"مجھے آج ہی پتا چلا کہ عظمت صاحب تمہارے والد ہیں نیوز میں یہ خبر سن کر افسوس تو ہوا تھا مگر یہ جان کر کہ یہ سب تمہارے والد کے ساتھ ہوا ہے یقین ہی نہیں آیا۔" الیان کے لہجے میں واقعی ملال گھلا ہوا تھا۔

مگر نمل تو اس پر نظر پڑتے ہی رونا دھونا سب بھول گئی تھی۔

خرم نے سرسری سا ذکر کیا تھا کہ الیان زوبیہ کا کزن ہے نمل کو بھی زوبیہ کے بارے میں جان کر افسوس ہوا تھا مگر وہ اپنی پریشانیوں میں اتنی گھری ہوئی تھی کہ اس کے ذہن سے یہ بات فوراً ہی نکل بھی گئی۔

چنانچہ ابھی اسے سامنے دیکھ کر وہ سرے سے بھول ہی گئی کہ الیان اس سے رومیلہ کی بجائے خرم کے حوالے سے ملنے آیا ہے جبھی وہ اسی وقت آیا ہے جب خرم بھی یہاں موجود ہے اسی لیے وہ اس کے اظہار افسوس پر بڑے سپاٹ لہجے میں پوچھنے لگی۔

"کیوں۔ اس میں یقین نہ کرنے والی کون سی بات ہے بلکہ آپ کو تو سرے سے افسوس ہی نہیں کرنا چاہیے تھا کسی کے ساتھ کچھ بھی اچھا یا برا ہو اس سے آپ کو کیا فرق پڑتا ہے جب آپ خود اپنوں کے ساتھ برا کرتے وقت دکھی نہیں ہوتے تو دوسروں اور غیروں کے ساتھ برا ہوتا دیکھ کر افسوس کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" الیان تو کیا خود خرم نمل کے اس لب و لہجے پر حیرانی سے اسے دیکھے گیا اس کے خاموش ہونے پر خرم جیسے ہوش میں آتے ہوئے کہنے لگا۔

"کیا ہو گیا ہے نمل تمہیں۔ میرے خیال سے الیان تم پھر کسی وقت آ جانا نمل ابھی ابھی عظمت انکل سے مل کر آ رہی ہے وہ کافی ڈسٹرب ہے۔"

"میں کوئی ڈسٹرب نہیں ہوں اور آپ کو پھر کسی وقت آنے کی کوئی ضرورت نہیں آپ کو تو اس وقت بھی نہیں آنا چاہیے تھا۔

جو کچھ آپ نے رومیلہ کے ساتھ کیا ہے اس کے بعد آپ کی ہمت نہیں ہونی چاہیے تھی میرے سامنے آنے کی۔

آپ کو اچھی طرح پتا ہے کہ رومیلہ میرے لیے کتنی اہم ہے میں اگر اپنے والد کے خلاف جا کر رومیلہ کی خاطر کینیڈا پہنچ سکتی ہوں تو آپ کو خود ہی اندازہ لگا لینا چاہیے تھا کہ میں آپ کے ساتھ کس طرح پیش آ سکتی ہوں۔" نمل کا لہجہ انتہائی زہریلا ہو گیا تو خرم کو دانت پیستے ہوئے دبی آواز میں کہنا پڑا۔

"نمل be have Yourself یہ کوئی طریقہ ہوتا ہے بات کرنے کا۔" اس کی بات پر نمل اس سے بھی زیادہ بھپر کر بولی۔

"خرم انہوں نے بغیر کسی قصور کے رومیلہ کو طلاق جیسا بدنما داغ دے کر گھر سے نکال دیا ان سے بات کرنے کا اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔"

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

"وہ ان کا ذاتی معاملہ ہے۔" خرم اب بھی بہت دھیمے لہجے میں بول رہا تھا ورنہ سچ تو یہ تھا اسے نمل کے رویے پر شدید تاؤ آ رہا تھا جبکہ الیان بالکل خاموش کھڑا تھا اور شاید اس کی یہی خاموشی خرم کو شرمندہ کر رہی تھی۔

"ذاتی معاملہ۔" نمل نے غصے سے دہرایا۔

"کسی لڑکی کی زندگی تباہ کر دینا کیا ذاتی معاملہ ہو سکتا ہے۔

چلو میں مانتی ہوں اس شادی کے پیچھے کچھ باتیں نہایت ناقابل قبول تھیں۔

لیکن میں یہ نہیں مان سکتی کہ اتنے دن رومیلہ کے ساتھ رہ کر بھی انہیں رومیلہ کی خوبیوں اور اچھائیوں کا اندازہ نہ ہوا ہو وہ واقعی وہی لڑکی ہے۔ جس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ چراغ لے کر بھی ڈھونڈو تو نہ ملے۔

اور انہوں نے اس کے ساتھ کیا کیا ایک دن لا کر طلاق نامہ پکڑا دیا نہ کچھ پوچھا نہ کچھ بتایا۔

حق مہر کی رقم دے کر انہیں لگتا ہو گا انہوں نے بہت بڑے پن کا ثبوت دے دیا اگر انہیں بڑا پن دکھانا تھا تو یہ رومیلہ کو اس کے بھائی سے الگ کر کے پرکھتے۔

بلکہ پرکھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتی ہوں یہ رومیلہ کی خوبیوں کے متعارف ہو گئے ہوں گے پھر بھی انہوں نے اس معصوم کو اس گناہ کی سزا دی ہے جو اس نے کیا ہی نہیں۔

چلیں ہو سکتا ہے آپ اس کی طرف سے بہت بدگمان ہوں آپ کو لگتا ہو وہ اپنے بھائی کے فعل میں برابر کی شریک تھی لیکن کیا آپ کو کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ وہ آپ سے محبت کرنے لگی تھی۔

میرا نہیں خیال کہ محبت کا اظہار زبان سے کیا جائے تبھی اس کا علم ہو اس کی خوشبو تو خود بخود پھیل جاتی ہے۔

آپ نے صرف اسے طلاق نہیں دی آپ نے اس کے اندر سے جینے کی خواہش چھین لی ہے۔ وہ آپ سے الگ ہو کر اس قدر ٹوٹ گئی ہے کہ اس کی ہستی ہی ختم ہو گئی ہے وہ دوسروں کے سامنے خود کو چاہے جتنا بھی نارمل ظاہر کر لے اس کے دل کا حال میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔

آپ کو کم از کم میرے سامنے نہیں آنا چاہیے تھا اور اگر آئے تھے تو ذہنی طور پر تیار ہو کر آتے کہ میں آپ کے ساتھ اس طرح پیش آؤں گی۔

بلکہ مجھے تو لگتا ہے میں اس جگہ کا بہت لحاظ کر رہی ہوں اگر یہ اسپتال نہ ہوتا تو۔" نمل تپے ہوئے لہجے میں کہتی چلی گئی۔ اور پھر جیسے الفاظ نہ ملنے پر خاموش ہو گئی۔

خرم کا شرمندگی سے برا حال ہو گیا تھا الیان جیسے مہذب بندے کے ساتھ اس طرح کا رویہ خرم کے لیے ناقابل قبول تھا ایک تو وہ شخص نمل کو خرم کی منگیتر اور رومیلہ کی کزن سمجھ کر اس حیثیت سے اس کے دکھ میں شریک ہونے آیا اور نمل نے اسی کی عزت کی دھجیاں بکھیر دیں۔

ورنہ ایک طرح سے اس کا نمل کے پاس آنا ضروری نہیں تھا خرم کے ساتھ اس کی منگنی ٹوٹ چکی تھی اور رومیلہ سے الیان کا اپنا رشتہ ختم ہو چکا تھا لیکن پھر بھی اس کا یہاں آنا یہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ واقعی کسی اخلاقی اقدار کا پاس رکھنے والے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

اب اس کی نجی زندگی میں جو بھی ہوا ہو وہ اس کے لیے کسی کے سامنے جوابدہ نہیں لیکن نمل نے تو انتہا کر دی تھی پھر بھی وہ خاموش کھڑا تھا بلکہ نمل کی اتنی باتوں کے جواب میں اس نے جو پوچھا وہ خرم کو تو کیا نمل کو بھی حیران کر گیا۔

"کیسی ہے رومیلہ؟" اس کے گمبھیر لہجے میں پوچھنے پر پہلے تو نمل چونکی پھر اسے نئے سرے سے غصہ آ گیا۔

"آپ کو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ کیسی ہے اس پر ایک قیامت گزر گئی ہے تو گزر جائے آپ کو اس سے کیا

غرض۔" نمل کی آنکھوں کے سامنے رومیلہ کا پژمردہ انداز اور بجھا بجھا چہرہ گھومنے لگا تو اس کی آنکھیں ایک بار پھر جلنے لگیں۔
وہ ویسے ہی عظمت خلیل کو دیکھ کر اتنی دکھی تھی کہ الیان کا اچانک سامنے آجانا اس کے اندر ایک آتش فشاں پھٹنے کے برابر ثابت ہوا تھا اسی لیے اس نے بہت تنک کر الیان کو جواب دیا تھا۔
مگر الیان کے چہرے پر واضح طور پر اضطراب پھیلتا دیکھ کر وہ کچھ ٹھٹک سی گئی ایک پل کو اسے ایسا لگا جیسے رومیلہ کے متعلق سن کر اسے تکلیف پہنچی ہو اور اگر واقعی ایسا تھا تو یہ بات نمل کے لیے زیادہ اذیت کا باعث تھی وہ ان میں سے نہیں تھی جسے کسی کو بھی ٹھیس پہنچا کر خوشی ملے وہ کچھ دیر الیان کے گم سم انداز کو دیکھتے رہنے کے بعد تاسف سے پوچھنے لگی۔
"اتنے دن رومیلہ کے ساتھ رہنے کے باوجود کیا آپ کو کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ وہ آپ کو کتنا چاہتی ہے۔"
الیان صرف ایک نظر نمل کو دیکھ کر رہ گیا لیکن پھر وہ وہاں رکا نہیں اور تیزی سے پلٹ گیا۔
اسے علم تھا کہ جو قدم اس نے اٹھایا ہے وہ رومیلہ کے لیے بہت تکلیف دہ ہو گا مگر یہ سب کرنا نہایت ضروری تھا یہ اور بات تھی کہ اس ڈرامے کا ڈراپ سین زوبیہ کی وجہ سے التواء کا شکار ہو گیا۔
زوبیہ کی موت نے وقتی طور پر ان سب کو جھنجوڑ کر رکھ دیا وہ ہر چیز بھول بھال کر قانونی کارروائی اور عائشہ اختر کی دلجوئی میں لگ گئے۔
ایسا نہیں تھا کہ وہ رومیلہ کی طرف سے غافل ہو گیا تھا لیکن اسے وقت نہیں مل رہا تھا کہ وہ شگفتہ غفار سے اس بارے میں بات کر پاتا۔
لیکن آج نمل نے اس کے ضمیر پر بھرپور طمانچہ مارا تھا وہ گویا اپنی زندگی میں اتنا مگن تھا کہ اسے پرواہ ہی نہیں تھی رومیلہ کے شب و روز کیسے گزر رہے ہیں۔
ایک عذاب مسلسل میں اسے مبتلا کر کے وہ اپنے کام دھندوں میں مصروف ہو گیا تھا کہ جب چاہوں گا تب جا کر اسے منالوں گا۔
اپنی اس لاپروائی پر اسے شدید دکھ ہو رہا تھا چنانچہ وہ اسپتال سے سیدھا گھر آ گیا حالانکہ پہلے اس کا ارادہ واپس آفس جانے کا تھا لیکن اب اس کے لیے خود کو کسی کام کے لیے آمادہ کرنا ممکن نہیں تھا وہ اس وقت صرف اور صرف شگفتہ غفار سے بات کرنا چاہتا تھا۔
وہ باہر لان میں ہی موجود تھیں شام کی چائے پیتے ہوئے وہ کسی میگزین کا مطالعہ کر رہی تھیں جب الیان کو معمول سے مختلف ٹائم پر جلدی گھر آتا دیکھ کر مسکرا کر اسے دیکھنے لگیں۔
"خیریت ابھی رات کے نو تو نہیں بجے پھر تم اس وقت گھر پر کیسے نظر آ رہے ہو۔"
"ممی آپ سے ایک بہت اہم بات کرنی ہے۔" الیان نے بغیر وقت ضائع کیے ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
اس کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی دیکھ کر وہ چونک اٹھیں۔

(آخری قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

نا گزیر وجوہات کی بنا پر نبیلہ عزیز "دردِ دل" کی قسط تحریر نہیں کر سکیں۔ قارئین "دردِ دل" کی چالیسویں قسط آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں۔

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

"نہیں دیتے۔ آخر کیوں کرتے ہو تم اس طرح۔"
"کس طرح؟" کرم جو اس وقت کسی اور لڑکی سے چیٹنگ میں بری طرح مصروف تھا۔ اس نے غالباً" زونیر کی پوری بات توجہ سے نہ سنی یا پھر جان بوجھ کر سنی ان سنی کردی' جو کچھ بھی تھا آج اس کی ان حرکتوں نے زونیر کو سچ میں ہی بری طرح غصہ دلا دیا تھا۔

نفیسہ سعید

ہائے۔۔۔ تم کتنی خوب صورت ہو' سچ میں تو تمہیں دیکھتے ہی پاگل ہو گیا۔" اس نے جلدی جلدی کی بورڈ پر انگلیاں چلاتے ہوئے ٹائپ کر کے سینڈ کر دیا اور ساتھ ہی اسکرین پر دکھائی دینے والی کسی اور لڑکی کی تصویر کو کلک کرتے ہوئے کس کیا۔

"واہ یار کیا لڑکی ہے زبردست دھماکا چیز ہے۔" اس کے ان ریمارکس کو سنتے ہی قریب بیٹھے زونیر نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھا کر کرم کے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر ایک نظر ڈالی جواب اس لڑکی کی تصویر کے نیچے اس کی شان میں قصیدے لکھ رہا تھا۔

"یا خدا کرم علی! تم کیا چیز ہو' کس ٹائپ کے آدمی ہو تم' میں آج تک تمہیں نہیں سمجھ سکا۔ ایک طرف تو سچی محبت کے دعوے دار اور دوسری طرف کسی بھی لڑکی سے فلرٹ کا کوئی بھی موقع اپنے ہاتھ سے جانے

"یار کیوں کھیلتے ہو ہر لڑکی کے جذبات کے ساتھ' تمہیں خدا سے ڈر نہیں لگتا۔" وہ ہمیشہ سے ان معاملات میں خاصا محتاط رہا تھا۔

"کم آن یار۔ جانے تم کس دنیا میں رہتے ہو۔ یہاں کوئی جذبات نہیں ہوتے' یہ صرف ایک تفریح ہے۔ جسٹ تفریح اور بس' جن لڑکیوں سے میں فلرٹ کرتا ہوں وہ خود جانے بیک وقت کتنے لڑکوں کے ساتھ یہ کام کر رہی ہوتی ہیں۔"

"اچھا اور وہ پری وش۔" اپنی بات درمیان میں چھوڑ کر اس نے کرم علی کی جانب دیکھا۔

"وہ تو اپنی جان ہے یار۔ اس کا مقابلہ ان لڑکیوں سے کہاں اور یہ بات تو بہت اچھی طرح جانتا ہے۔"

"اچھا اگر اسے تمہاری ان تمام حرکتوں کا پتا چلے تو جانتے ہو اس کا ردعمل کیا ہوگا؟" زونیر کرم علی اور پری

وش دونوں کا کزن ہونے کے ناتے ہر بات اچھی طرح جانتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ پری وش کی شدت پسندی سے بھی بخوبی آگاہ تھا۔

"اس کا ردعمل دیکھنے کے لیے ہی تو میں یہ سب حرکتیں کرتا ہوں مگر جانے کس مٹی کی بنی ہوئی ہے۔ کبھی کچھ ظاہر ہی نہیں ہونے دیتی' مجھے تو لگتا ہے کہ میری محبت یک طرفہ ہے۔ اس کو شاید احساس بھی نہیں ہے اور میری ساری زندگی اس یک طرفہ محبت کے سہارے ہی گزر جائے گی۔ وہ میری محبت کو کبھی سمجھ ہی نہ پائے گی۔" پری وش کے نام نے اس کے چہرے پر محبت کے رنگ ضرور بکھیر دیے مگر اس کے ذکر نے۔ مکرم علی کے کھلے ہوئے چہرے کو مرجھا دیا۔

"اور یہ تو تم بھی اچھی طرح جانتے ہو زونیر' میں یہ سب کچھ اسے متوجہ کرنے کے لیے ہی کرتا ہوں۔ مگر پھر اس کی بے اعتنائی مجھے غصہ اور ضد دلا دیتی ہے اور میں اپنا دل بہلانے کے لیے پھر ان کھلونوں میں گم ہو جاتا ہوں۔" اپنی بات مکمل کرتے ہی وہ ایک بار پھر اپنی پرانی مصروفیت میں مگن ہو گیا۔

"بہرحال مکرم' یہ کسی شریف لڑکی کو متوجہ کرنے کا انتہائی گھٹیا طریقہ ہے۔ جس کے لیے تم نا صرف اس کا بلکہ دوسروں کا بھی دل دکھاتے ہو۔ میری مانو تو جو کچھ تمہارے دل میں ہے' اسے کھل کر کہہ دو' بتاؤ اسے کہ تم اس سے محبت کرتے ہو اور اپنی زندگی اس کے ساتھ گزارنا چاہتے ہو۔ وش آل اس تک پہنچنے کے لیے غلط راستے مت ڈھونڈو۔ یہ سب کچھ تمہیں اس سے مزید دور کر رہا ہے۔ اس بات کو سمجھو یار' نہ کرو اس طرح۔"

"تمہارا کیا خیال ہے میں اس سے کہوں گا" آئی لو یو" اور وہ میری بات پر یقین کرلے گی۔ جانتے ہو میں یہ کوشش کئی بار کر چکا ہوں اور وہ ہر بار میری باتوں کو مذاق میں اڑا دیتی ہے۔ اسے مجھ پر یقین ہی نہیں ہے۔ سمجھتی ہے کہ میں اس سے بھی فلرٹ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"جب' ایسی حرکتیں کرو گے تو وہ یہ ہی سمجھے گی۔ اس میں اس کی کوئی غلطی نہیں ہے۔" زونیر نے سامنے نظر آنے والے کسی لڑکی کے اسٹیٹس پر مکرم کے لکھے ہوئے ریمارکس پڑھ کر جواب دیا۔ جبکہ مکرم بنا کوئی جواب دیے اپنے کام میں مصروف رہا۔ اسے سمجھانے کی زونیر کی ایک اور کوشش بھی ناکام ہو گئی۔ وہ اسے اس کے حال میں مگن چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

"ہیلو سویٹی۔" پری وش نے چونک کر سر اٹھا کر اپنی مخاطب کی جانب دیکھا۔ جو یقیناً" کرن مغل تھی جہاں تک ہادیہ کو یاد پڑتا تھا اس نے آج تک اس لڑکی سے کبھی اتنی بات نہ کی تھی' جو وہ اسے اس لہجہ میں پکارتی۔ پری وش کے ساتھ ساتھ ان کے قریب بیٹھی ملیحہ بھی کرن کی آمد پر حیران تھی۔

"ہیلو....." مختصر سا جواب دے کر وہ پھر سے اپنے سامنے رکھی چاٹ کھانے میں مصروف ہو گئی۔

"یار یہ مکرم علی کون ہے؟" چاٹ میں چمچہ چلاتا پری کا ہاتھ یکدم تھم گیا۔

"کیوں؟" سوال کے ساتھ ہی خود بخود اس کی تیوری پر بل آگیا۔

"ایسے ہی پچھلے ایک ہفتہ سے وہ مجھے فیس بک پر میسج کر رہا تھا اور پھر کل اس کی ریکوئسٹ آئی۔ دیکھا تو پتا چلا تمہارے پاس بھی ایڈ ہے۔ پوچھا تو بتایا تمہارا کزن ہے۔ میں نے سوچا فرینڈشپ کرنے سے پہلے تم سے پوچھ لوں' کس ٹائپ کا بندہ ہے۔ آئی مین مجھے دوستی کرنی چاہیے یا نہیں۔" اپنے بالوں کو ایک ادا سے جھٹکتے ہوئے اس نے تفصیل بتائی۔

پری وش کے منہ میں رکھی چاٹ کا مزا ایک دم ہی خراب ہو گیا۔ اس کا دل چاہا سامنے کھڑی اس لڑکی کے منہ پر چاٹ کی پلیٹ ہی کھینچ مارے۔ جس نے اس کی تفریح کرکری کردی تھی۔ مگر جانے کیسے اپنی اس دلی خواہش پر قابو پاتے ہوئے اس نے بچی ہوئی چاٹ کی

پلیٹ کو پرے دھکیلا اور کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کرن کے قیمتی پرفیوم کی مہک اس کے نتھنوں میں بری طرح گھس رہی تھی۔ انگلیوں پر لگا نیل پینٹ کندھوں پر لہراتے رنگین بال اور قدرے گورا رنگ وہ سامنے سے دیکھنے میں اتنی زیادہ خوب صورت نہ تھی۔ مگر اس کی وہ تصاویر جو فیس بک پر موجود تھیں بہت زبردست تھیں اور ان کے ساتھ ساتھ اس کی ادائیں اکثر ہی لڑکوں کو اپنا گرویدہ بنائے رکھتی تھیں۔ یہ ہی سبب تھا جو وہ کالج میں زیادہ پسند نہ کی جاتی تھی۔ یقیناً" مکرم نے اس کی فیس بک پر موجود تصاویر کو دیکھ کر ہی یہ حرکت کی تھی۔

"جب پچھلے ایک ہفتہ سے تم بنا اسے جانے میسج کے جواب دے رہی ہو تو اب دوستی کرنے کے لیے میری رائے کی ضرورت کیسے پیش آگئی۔ اس کے لیے کیا میرا کزن ہونا ضروری ہے۔" اس کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے پری نے جواباً" سوال داغا۔

"نہیں ایسا تو نہیں ہے۔" کرن نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"تو ڈیئر ایڈ کرلو' دوستی کرو' اس سب میں کیا پرابلم ہے؟ اس کے لیے تمہیں میرے تصدیقی سرٹیفکیٹ کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے' تم دونوں فطرتاً" ایک ہی جیسے ہو اور امید ہے کہ اچھی گزرے گی تم لوگوں کی اوکے اینڈ بائے۔" پری اب مزید اس سے کوئی بات نہ کرنا چاہتی تھی۔

"اوکے۔" کرن نے اس کی کسی بھی بات کو ناقابل توجہ سمجھتے ہوئے اپنے بالوں کو جھٹکا دیا اور آگے بڑھ گئی۔ غالباً" اس کا مقصد صرف اور صرف پری کو مکرم کی اور اپنی شروع ہونے والی دوستی کی اطلاع دینا تھا اور کچھ نہیں۔ پری غصہ میں سب کو ٹیبل پر ہی چھوڑ کر باہر نکل گئی اور ملیحہ کو اس وقت مکرم علی پر اتنا غصہ آیا کہ اگر سامنے ہوتا تو ملیحہ کے ہاتھوں پتا نہیں تو کھری کھری ضرور سنتا۔

"ایک بات بتاؤ مکرم علی' جب تم میری پروفائل میں گھس کر ہر ایری غیری لڑکی کو ڈھونڈ کر دوستی شروع

خواتین کے لیے خوبصورت تحفہ

خواتین کا گھریلو انسائیکلوپیڈیا
کا نیا ایڈیشن قیمت -/750 روپے
کے ساتھ کھانا پکانے کی کتاب
کھانا خزانہ
قیمت -/250 روپے بالکل مفت حاصل کریں۔
منی آرڈر -/800 روپے کا منی آرڈر ارسال فرمائیں۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

قیمت -/300 روپے

اُجلی سی بستی میں
فاخرہ جبیں
قیمت -/400 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار کراچی۔ فون: 32216361

کرتے ہو تو میرا حوالہ کیوں دیتے ہو۔" وہ جب سے گھر میں آئی تھی اتنے ہی غصہ میں تھی۔ مکرم جو اپنی کوئی CD ڈھونڈتا ہوا اس کے کمرے میں آیا تھا۔ پری کی بات سنتے ہی عین دروازے کے درمیان ہی رک گیا۔

"کون ابری غیری لڑکی۔" پہلے تو غالباً" وہ سمجھ ہی نہ پایا اور پری کے غصہ سے سرخ چہرے پر ایک نظر ڈالی اور پھر یک دم ہنس دیا۔

"او یاد آیا کہیں تم کرن کی بات تو نہیں کر رہیں۔" وہ اسے چڑاتا ہوا بولا۔

"ویسے یار ہے بڑی زبردست چیز بہت ہی ہنس مکھ اور باتوں کی فنکار بندہ بات کرے تو بالکل بور نہیں ہونے دیتی تمہاری طرح سڑی ہوئی نہیں ہے۔" وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور پری سچ مچ چڑ گئی۔

"اللہ نہ کرے جو میں اس کے جیسی ہوں اور نہ ہی مجھے اس کے جیسی ہونے کا شوق ہے؟" مکرم کو جواب دیتی وہ الماری کھول کر اس میں سے کچھ نکالنے لگی۔

"اچھا اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو میں تمہارا PC استعمال کر لوں؟" اسے مزید چڑانے کا مکرم علی نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔

"کر لو استعمال میں نے کبھی منع کیا ہے۔" دھیرے سے جواب دیتے وہ الماری سے اپنے کپڑے نکال کر باہر نکل گئی اس کے آج کے اس رد عمل کو دیکھتے ہوئے مکرم علی کو ایسا محسوس ہوا جیسے مکرم کی محبت پری وش کے دل کو پگھلانے لگی ہے اور اس احساس نے اس کے دل کو اندر تک خوشی سے بھر دیا۔

☼ ☼ ☼

"تم اچھی طرح جانتے ہو زونیر مجھے اس کا اس طرح کسی اور کے ساتھ گھومنا پھرنا بالکل پسند نہیں ہے لہٰذا پلیز آئندہ اگر وہ تمہیں کہیں جانے کا کہے بھی تو منع کر دینا تم از کم اکیلے اس کے ساتھ مووی دیکھنے دوبارہ مت جانا ورنہ شاید ہماری بچپن کی دوستی خراب ہو جائے۔" مکرم علی نے زونیر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہلکا سا دبایا۔

"مکرم وہ نہ صرف میری بچپن کی دوست بلکہ کزن بھی ہے جس کے ساتھ میرا مووی دیکھنا تمہیں انتہائی معیوب لگ رہا ہے جب کہ تم خود کرن سے کسی بھی رشتے ناتے کے بغیر نہ صرف کیفے میں ملتے ہو بلکہ اکثر مووی بھی دیکھنے جاتے ہو تو کیا سب پری وش کو اچھا لگتا ہے؟ کبھی یہ سوچا ہے تم نے۔" مکرم علی کے انداز گفتگو نے زونیر کو غصہ دلا دیا۔

"اسے تو میں بھی اچھا نہیں لگتا تو پھر میری کوئی سرگرمی میں وہ کیا دلچسپی لے گی میں کیا کرتا ہوں؟ کس سے ملتا ہوں؟ کہاں جاتا ہوں؟ اسے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کیونکہ اس سے محبت میں نے کی ہے اس نے نہیں اس کے ہر قدم پر میری نظر ہوتی ہے میرے اٹھتے قدم اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔"

جب وہ بولا تو اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا، جس سے آتی کانچ کی کرچیوں کی آواز نے زونیر کے دل کو دکھی کر دیا ایسے میں اسے ایک بار پھر پری وش پر دل کھول کر غصہ آیا۔

"دیکھو مکرم میری بات مانو تو یہ سب چھوڑو سیدھے سیدھے اپنے گھر والوں کے ذریعے اسے پرپوز کرواؤ اپنے دل کی بات اپنے بڑوں تک پہنچاؤ اور سارے شارٹ کٹ ختم کر کے اس سے شادی کر لو اس میں تم دونوں کی بہتری ہے۔"

"وہ کبھی بھی نہیں مانے گی صاف انکار کر دے گی میں اسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں اور اس طرح پوری فیملی میں میری بے عزتی ہو جائے گی۔"

"جو بھی ہے یار تم ایک بار گھر پر بات کرو آنٹی انکل سے کہو وہ تمہارا رشتہ لے کر صدف آنٹی کے پاس جائیں بات بڑوں تک پہنچاؤ اور پھر فیصلہ خدا پر چھوڑ دو نیت اچھی ہو تو اجر بھی اچھا ملتا ہے اور پھر اگر وہ تمہارا نصیب ہوئی تو تمہیں ضرور ملے گی ورنہ نصیب سے ٹکرانا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔"

"ایک بات کہوں زونیر۔" وہ پرسوچ انداز میں اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"ہاں کہو۔"

"جانے کیوں کبھی کبھی مجھے ایسا لگتا ہے وہ تمہیں پسند کرتی ہے میں نے ہمیشہ اس کی آنکھوں میں تمہارے لیے پسند کی جھلک دیکھی ہے تمہیں دیکھ کر اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آجاتا ہے۔" صرف پری وش کے ساتھ زونیر کے مووی دیکھنے جانے پر بھی وہ اس قدر بدگمان ہو گیا تھا کہ زونیر اس کی سوچ پر ہی حیران رہ گیا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے مکرم میں اور ماہا اس کے سب سے اچھے دوست ہیں یہ ہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہی ہم دونوں کی کمپنی انجوائے کرتی ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ تمہارے فضول ذہن کی پیداوار ہے جس میں میرا یا پری وش کو کوئی قصور نہیں بلکہ تمہارے دماغ کو درست سمت میں جانے کی ضرورت ہے۔" زونیر قدرے برا مان گیا جس کا مکرم علی پر کچھ اثر نہ ہوا۔

"بہرحال جو کچھ بھی ہے آج کے بعد تم پری وش کے ساتھ اس طرح اکیلے نہ جانا کیونکہ مجھے یہ بالکل بھی پسند نہیں ہے۔"

پری وش کے سلسلے میں مکرم علی کی انتہا پسندی زونیر کے لیے نئی نہ تھی وہ ایسا ہی تھا خود جو کچھ مرضی کرتا مگر پری وش کے سلسلے میں اس کے اصول خاصے کڑے تھے۔

"تو بہتر یہ ہو گا کہ پہلی فرصت میں تم بھی کرن کو چھوڑ دو اپنی زندگی اس طرح مت جیو جس طرح خود پسند کرتے ہو بلکہ کوشش کرو اسے دوسروں کی پسند کے مطابق بھی تھوڑا سا ڈھال لو شاید اس میں تمہارا بھی بھلا ہو جائے جہاں تک مجھے محسوس ہوتا ہے تمہارے اور کرن کے افیئر نے پری وش کو بہت دکھی کیا ہے اس سے پہلے وہ تمہاری تمام حرکتوں کو محض فلرٹی طبیعت کا نتیجہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتی تھی مگر اب ایسا نہیں ہے۔"

زونیر بھی ماہا کی طرح پری وش کی اندرونی کیفیت سے آگاہ تھا وہ کیفیت جس سے آج کل وہ دوچار تھی۔

"اچھا چھوڑ دوں گا۔" خلاف توقع کوئی بھی الٹا سیدھا جواب دینے کے بجائے وہ آہستہ سے صرف یہ ہی ایک جملہ بولا اور کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ لیپ ٹاپ پر بری طرح بزی تھی اسے رات گیارہ بجے تک ہر حال میں اپنے کوئز مکمل کرنے تھے عین اسی وقت کوئی کمرے کا دروازہ کھول کر آہستہ سے اندر داخل ہوا اور اس کے عقب میں آن کھڑا ہوا بنا دیکھے وہ جان چکی تھی کہ آنے والا کون ہے کی بورڈ پر چلتی اس کی انگلیاں پل بھر کو ساکت ہو گئیں۔

"کیا ہو رہا ہے؟" وہ اپنے مخصوص دھیمے لہجہ میں بولا اس کا یہ انداز شروع سے ہی پری وش کو بہت پسند تھا وہ ہمیشہ بہت آہستہ اور پیار سے بات کرتا تھا۔

"اپنے کوئز مکمل کر رہی ہوں۔" وہ اس کی آواز کے سحر سے باہر نکلتے ہوئے بولی۔

"او اچھا۔" وہ پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی مکرم علی اس کے پاس ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اس کے کلون کی مخصوص مہک پری وش کے نتھنوں میں داخل ہو کر اسے بے چین کرنے لگی۔

"یہ یہاں کیوں بیٹھ گیا ہے جا کیوں نہیں رہا؟" مکرم علی کی قربت سے اسے الجھن ہونے لگی آج سے پہلے اسے کبھی مکرم سے اتنی کوفت محسوس نہ ہوئی تھی جتنی اس وقت ہو رہی تھی۔

"میرے اس طرح بیٹھنے سے تم ڈسٹرب تو نہیں ہو رہیں؟" شاید وہ اس کے دل کی بات جان چکا تھا، پری وش یک دم شرمندہ سی ہو گئی۔

"نہیں تو بھلا میں کیوں ڈسٹرب ہوں گی۔"

"دراصل میں تم سے کچھ ضروری بات کرنے آیا تھا اگر تم ٹائم دے سکو تو۔" وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔

پری وش نے پلٹ کر اس کی جانب دیکھا ضرور مگر کچھ بولی نہیں اور خاموشی سے دوبارہ اپنے کام میں

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

"میں نے کرن سے اپنی دوستی ختم کردی ہے۔ اسے اپنے پاس سے ریموو کر کے بلاک کردیا ہے اور اب میں اس کے کسی بھی میسج کا جواب نہیں دیتا دراصل پچھلے کچھ دنوں سے ہم دونوں کے درمیان ایک سرد سی جنگ چل رہی تھی جس کے نتیجے میں میں نے اسے چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔"

"اچھا۔" وہ کہنا تو بہت کچھ چاہتی تھی مگر جب بولی تو صرف اچھا شاید اس کی زبان نے اس کے دل کا ساتھ دینے سے انکار کردیا تھا ورنہ وہ ضرور کہتی کہ چھوڑنے کا فیصلہ تو تم نے صرف اپنی وجہ سے کیا نہ میری محبت نے تو تمہیں واپس پلٹنے پر مجبور نہیں کیا تو پھر مجھے یہ سب بتانے کا کیا فائدہ۔

"مانا پری وش کہ میں بہت گھٹیا اور کمینہ شخص ہوں مگر پھر بھی یہ سچ ہے کہ محبت زندگی میں ایک بار ہی ہوتی ہے اور اس فلسفہ زندگی کو باوجود کوشش کے نہ چاہتے ہوئے بھی میں جھٹلا نہیں سکتا یقین جانو بہت کوشش کی یہاں وہاں خود کو بہلانے کی مگر یہ دل جو ایک بار کسی کا ہوا دوبارہ میرا بھی نہ ہو سکا۔"

وہ انتہائی جذب کے عالم میں بول رہا تھا پری وش کا دل اسے سننا چاہتا تھا مگر دماغ۔۔۔ اس کا کام شاید ختم ہو گیا تھا اس نے لیپ ٹاپ بند کیا اور یک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرا دل آج بھی اسی ایک ہی چاہ میں گم ہے پری وش۔"

"کس کی؟" وہ پوچھنا چاہتی تھی مگر واہ رے دماغ اس کی انا آڑے آگئی وہ خاموشی سے الماری کا پٹ کھول کر کچھ ڈھونڈنے لگی۔

"پوچھو گی نہیں وہ کون ہے؟" وہ اس کے بالکل پیچھے آن کھڑا ہوا۔

"نہیں مجھے تمہاری ان فضول باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے تم ۔۔۔ تو ویسے بھی عادی ہو ایک چھوڑو اور ایک پکڑو اب یقیناً" تمہیں کوئی کرن سے بہتر نظر آگئی ہوگی مکرم علی تم جیسے لوگ کبھی محبت نہیں کرسکتے تم صرف اچھے لکڑ دیکھنے کے عادی ہو لڑکیاں تمہارے لیے سیکس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔"

اتنی تلخی اور ایسا انداز گفتگو وہ خود بھی بول کر حیران رہ گئی اس کا مقصد مکرم علی کو ہرٹ کرنا نہ تھا جو کچھ ہوا خود بخود ہو گیا جس پر اسے کوئی پچھتاوا نہ تھا اسے یقین تھا اس کے منہ سے نکلنے والا ہر لفظ کڑوا ضرور ہے مگر ہے سچا۔

مکرم علی ہکا بکا اس کی شکل دیکھ رہا تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ پری وش جیسی نرم گفتار اور سوچ سمجھ کر لفظوں کا انتخاب کرنے والی لڑکی ایسی گفتگو بھی کر سکتی ہے یقیناً" وہ اس سے بہت زیادہ ناراض تھی جس کا اندازہ اس کی گفتگو سے لگایا جاسکتا تھا۔

"میرے کسی بھی گھٹیا پن کا تعلق اس محبت سے نہیں ہے جو میں نے ہمیشہ تم سے کی مگر جانے کیوں تم نے بھی بھی میرا اعتبار نہ کیا ہمیشہ مجھے غلط سمجھا ہمیشہ بدگمان رہیں اور میں محض تمہیں جلانے کے لیے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے غلط راستے منتخب کرتا رہا مجھے یقین ہے تم جلتی بھی تھیں مگر کبھی اظہار نہ کیا کبھی مان کر نہ دیا کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے اگر تم مان جاتیں تو کبھی ایسا نہ ہوتا ابھی بھی وقت ہے پری مان جاؤ کہہ دو کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے اور تم بھی مجھے اتنا ہی چاہتی ہو جتنا میں تمہیں۔"

وہ التجائیہ انداز میں بولا پری وش کی بے رخی اسے مار رہی تھی۔

"محبت۔" وہ زور سے ہنس دی اتنا زور سے کہ آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔

"پلیز مکرم میں کرن نہیں ہوں لہٰذا مجھ سے فلرٹ کرنے کی کوشش مت کرو اور اگر یہ سچ بھی ہے کہ تمہیں مجھ سے محبت تھی تو میری مانو اپنی سیکنڈ چوائس کو اہمیت دو کیونکہ اگر تم پہلی کے لیے سنجیدہ ہوتے تو کبھی دوسری تمہارے ساتھ نہ ہوتی۔" اسے اپنے سامنے سے ہٹاتی وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

مکرم علی اپنی ایک اور کوشش میں ناکام ضرور ہوا مگر مایوس نہیں اور اس کی یہ ہی عادت سب سے اچھی

تھی وہ کبھی مایوس نہ ہوتا تھا اسے یقین تھا کہ مایوس صرف وہ ہوتا ہے جو خدا پر یقین نہیں رکھتا اور وہ اپنے خدا پر یقین کامل رکھتا تھا۔ یہ ہی تو وہ یقین تھا جس کی بنا پر وہ آج تک پری وش کو نہ چھوڑ سکا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں یہ سب کس نے بتایا؟" بے یقینی اس کے لہجہ میں نمایاں تھی۔

"کسی نے نہیں میں نے اسے خود دیکھا ہے کرن کے ساتھ ایک کیفے میں جہاں میرے کزن نے ہمیں اپنی برتھ ڈے کی ٹریٹ دی تھی اور یہ صرف دو دن پرانی بات ہے۔" ماہا کے جواب نے پری وش کے یقین کو کسی قدر مجروح کردیا اسے مکرم سے یہ امید تو بالکل بھی نہ تھی مکرم کی اس حرکت سے اس کا دل خاصا خراب ہوا۔

"اور وہ دونوں کیفے کے کپل ایریا میں تھے شیشہ پیتے ہوئے۔"

پری وش اس طرح کبھی کیفے نہ گئی تھی مگر اس نے ایسے کیفے اور ان کے کپل ایریا کے بارے میں خاصا کچھ سن رکھا تھا بے اختیار ہی اس کے سامنے کیفے میں بیٹھے مکرم اور کرن آگئے جن کے تصور نے بھی اس کے جسم میں جھرجھری سی بھردی اور اس کے دل میں نئی نئی جگہ بنانے والی مکرم علی کی محبت یک دم ہی ختم ہو گئی مکرم اتنا گھٹیا بھی ہو سکتا ہے یہ تو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا وہ کرن کے بارے میں بہت کچھ جانتی تھی کرن کو اس کلاس کی کوئی بھی لڑکی پسند نہ کرتی تھی اس کے افیئرز سارے کالج میں مشہور تھے اور ایسی لڑکی کے ساتھ کیفے میں پایا جانے والا لڑکا اس کی نظروں میں کبھی بھی شریف نہ ہو سکتا تھا۔

"اس نے تمہیں دیکھا تھا؟" مکرم علی ماہا کو اچھی طرح جانتا تھا۔

"نہیں یار وہ دونوں تو اتنے بزی تھے کہ انہیں آس پاس کی کوئی خبر نہ تھی اور ایسے میں مجھے بالکل اچھا نہ لگا کہ اسے جاکر پکارتی یا اپنی موجودگی کا احساس دلاتی ویسے بھی میرے ساتھ شیف تھا اور میں اس کے سامنے تمہارے کزن کا امپریشن خراب نہ کرنا چاہتی تھی۔"

ماہا نے اپنے منگیتر کا نام لیتے ہوئے بات ختم کی مگر اس کے جواب نے پری کو دل کھول کر شرمندہ کردیا۔

مکرم جو کچھ بھی کرتا تھا صرف اسے چڑانے کے لیے کرتا تھا یہ بات وہ بہت اچھی طرح جانتی تھی مگر کرن کے حوالے سے وہ اتنا آگے نکل جائے گا یہ تو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ مکرم ایسا بھی کرسکتا ہے مکرم کے خلاف غصہ اور دکھ کے جذبات میں نفرت بھی شامل ہوگئی جس سے وہ خود کو باز نہ رکھ سکی کیونکہ یہ سب فطری عمل تھا۔

اگلے کئی دن خاموشی سے گزر گئے جاتی ہوئی سردیاں ماحول کو اداس کر گئیں اس کے کالج میں سمسٹرز شروع ہونے والے تھے یہ ہی وجہ تھی کہ آج کل اس کا زیادہ وقت پڑھائی میں ہی گزر رہا تھا فیس بک ٹوئیٹر کئی دنوں سے اس نے استعمال ہی نہ کیا تھا اسی لیے فی الحال وہ مکرم اور کرن یا مکرم کی کسی بھی نئی سرگرمی سے بالکل بے خبر اپنے حال میں مست تھی۔

اس دن بھی شام میں وہ نہا کر اپنی کتابیں اٹھائے کمرے سے باہر نکلی تو سامنے موجود نگی خالہ کو دیکھتے ہی طبیعت خوش ہو گئی نگی خالہ اس کی امی کی کزن تھیں زونیر ان کا ہی بیٹا تھا اپنی عادتوں اور خوش اخلاقی 'بذلہ سنجی کے باعث وہ بڑوں سے زیادہ بچوں میں پسند کی جاتی تھیں۔

"السلام علیکم نگی خالہ۔" وہ بڑے پرجوش انداز میں ان کی جانب لپکی۔

"آپ کب آئیں؟" ان سے گلے ملتے ہی پری وش نے سوال کیا۔

"بس بیٹا تھوڑی ہی دیر ہوئی ہے تم غالباً" سو رہی تھیں اس لیے میں نے خود ہی صدف کو منع کردیا تمہیں جگانے سے۔" صدف اس کی امی کا نام تھا۔

"زونیر نہیں آیا آپ کے ساتھ ۔۔۔؟" اسے اکنامکس کے کچھ پوائنٹس سمجھنے تھے اور زونیر کی

WWW.PAKISTANWEB.PK

اکنامکس شروع سے ہی بہت اچھی تھی اور اکثر اس سلسلے میں وہ زونیر سے ہی مدد لیتی تھی۔

"وہ شاید برابر میں مکرم کی طرف گیا ہے اگر کوئی کام ہے تو فون کرکے بلوالو۔"

مکرم اور ان کا گھر ساتھ ساتھ ہی تھے مکرم اس کے بڑے تایا کا بیٹا تھا۔

"کام تو ہے مجھے اکنامکس پڑھنا ہے دو دن بعد میرا پیپر ہے چلیں میں میسج کردیتی ہوں۔" اور پری وش کے میسج کرنے کے دس منٹ بعد ہی زونیر آگیا۔

شاید پہلی بار اکیلا واپس آیا ورنہ عام طور پر ہمیشہ اس کی واپسی مکرم ہی کے ساتھ ہوتی جو رات تک یہیں رکا رہتا جب تک زونیر واپس نہ جاتا مگر آج ایسا نہ ہوا پری کو تھوڑی سی حیرت ضرور ہوئی مگر اس نے کچھ پوچھا نہیں وہ تو زونیر سے کرن اور مکرم کے بارے میں بھی پوچھنا چاہتی تھی مگر دل کی یہ خواہش اس کی زبان پر نہ آئی شاید اس میں اسے اپنی انا کی تذلیل محسوس ہو رہی تھی کیونکہ وہ اپنی انا کی قید میں تھی اور کبھی اس سے نکلنے کو تیار بھی نہ ہوتی تھی اور یہ بھی شاید اس کی ایک بڑی غلطی تھی جس کا فی الوقت اسے کوئی احساس نہ تھا۔

"کیا بات ہے تمہیں مجھ سے کچھ پوچھنا ہے یا کوئی اور بات بھی کرنی ہے؟" اس کا مطلوبہ پوائنٹ سمجھاتے سمجھاتے زونیر نے یکدم رک کر سوال کیا۔

"آں ہاں نہیں تو۔" اس اچانک سوال سے وہ گڑبڑا گئی۔

"سمجھ میں نہیں آرہا جو میں سمجھا رہا ہوں۔" زونیر نے اس کی کیفیت بھانپتے ہوئے سوال کیا۔

"نہیں ایسا کچھ نہیں ہے تم سمجھاؤ۔" وہ بالکل نارمل ہو کر بولی۔

"اصل میں مکرم اس وقت اپنے کسی دوست کے ساتھ ڈنر پر جارہا تھا اس لیے میرے ساتھ نہیں آیا۔" زونیر شاید اس کے دل کی بات سمجھ چکا تھا کیونکہ وہ ہمیشہ سے ایسا ہی تھا دل کی باتوں کو جاننے والا۔

"دوست کہیں کرن تو نہیں۔" وہ بظاہر ہنستے ہوئے بولی۔

"ہوسکتا ہے مگر میں نے پوچھا نہیں۔" زونیر اس کی جانب دیکھتا ہوا بولا۔

"ویسے ایک بات بتاؤ پری وش؟"

"ہاں پوچھو کیا بات ہے؟"

"تم جانتی ہو کہ مکرم تم سے محبت کرتا ہے۔" بنا سوچے زونیر نے تیزی سے اپنے دل کی بات کردی کیونکہ وہ آج ہر بات کلیئر کردینا چاہتا تھا مگر دوسرے ہی پل پری کے زوردار قہقہے نے اسے شرمندہ سا کردیا۔

"مکرم اور محبت۔" وہ اپنی ہنسی روکتے ہوئے بولی۔

"تمہیں یقیناً مکرم نے کہا ہوگا مجھ سے یہ سب فضولیات کہنے کے لیے۔" زونیر اپنی بات کہہ کر پچھتایا اسے آج پتا چلا مکرم جو کچھ بھی پری کے بارے میں کہتا ہے وہ کتنا سچ ہے یقیناً پری کو مکرم پر ایک فیصد بھی یقین نہ تھا اور جہاں یقین نہ ہو وہاں محبت کا احساس دلانا بے حد مشکل بلکہ شاید کچھ حالات میں تو ناممکن بھی ہوجاتا ہے۔

"نہیں مکرم نے مجھے کچھ نہیں کہا یہ تو صرف میرا تجربہ تھا بہرحال اگر ایسا کچھ نہیں ہے تو بات کو یہیں ختم کردو اب اس بات کو لے کر مکرم سے کوئی جھگڑا مت کرنا۔"

"او کے نہیں کرتی جھگڑا میں تمہارے دوست مکرم علی سے' بس خوش ہوجاؤ' ویسے زونیر تم بھی باکمال شخص ہو' ایک بندہ اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ ڈنر پر جارہا ہے اور تم اس کے لیے کسی دوسری لڑکی کو پرپوز کررہے ہو' واہ بھائی واہ۔" زونیر ایک بار پھر پوری شدت سے پچھتایا۔ صرف مکرم کے ڈنر کے ذکر نے ہی پری وش کو سب کچھ سمجھا دیا تھا۔ جبکہ زونیر کا ارادہ اسے کرن کے بارے میں کچھ بھی بتانے کا نہ تھا۔ مگر اب وہ اس کی بات کی تردید نہ کرسکا اور خاموش ہوگیا۔

اس کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہوگیا کہ دونوں میں سے کون غلط ہے۔ مکرم یا پری وش۔ بہرحال جو بھی تھا فی الحال تو اس کرن والے کھیل نے مکرم کو پری وش سے خاصا دور کردیا تھا۔ جس کا اندازہ آج زونیر کو بہت اچھی طرح ہوگیا اور اس انداز نے زونیر کو دل سے دکھی کردیا۔

☆ ☆ ☆

ہم تیرے بن اب رہ نہیں سکتے
تیرے بنا کیا وجود میرا
تجھ سے جدا اگر ہوجائیں گے
تو خود سے ہی ہوجائیں گے جدا
کیونکہ تم ہی ہو اب تم ہی ہو
زندگی اب تم ہی ہو
چین بھی میرا درد بھی
مری عاشقی اب تم ہی ہو

وہ جیسے ہی آن لائن ہوئی اچانک ہی مکرم علی کا میسج آگیا۔ جبکہ پچھلے کئی دنوں سے ان کے درمیان برائے نام ہی بات ہوئی تھی۔

"میرا خیال ہے تم نے کرن کو بھیجنے والا میسج مجھے سینڈ کردیا ہے غلطی سے۔" جوابی میسج کے ساتھ ہی اس نے "P" بھی بنا دیا۔ "نہیں کوئی کام غلطی سے نہیں ہمیشہ سوچ سمجھ کر کرتا ہوں۔" وہ شاید آج اپنے دل کی بات کہنے کی ہمت باندھ چکا تھا۔

"اوہ۔ اچھا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس بار تم نے کرن سے محبت بھی سوچ سمجھ کر کی ہے دماغ سے۔ واؤ یار مبارک ہو' تمہیں تمہارے جیسی لڑکی مل گئی ہے۔" وہ صبح ہی ماہا کی باتیں سن کر بیٹھی تھی۔ یہ ہی وجہ تھی کہ جو مکرم علی کو کھری کھری سنانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دینا چاہتی تھی اور یہ موقع قسمت نے اسے فوراً ہی فراہم بھی کردیا تھا۔

"اچھا۔" مختصر سے جواب کے ساتھ ہی مکرم آف لائن ہوگیا۔

وہ جو یہ امید لگائے بیٹھی تھی کہ ابھی مکرم کی جانب سے کوئی تردیدی جملہ آئے گا اور ساتھ ہی وہ یہ بھی کہے گا کہ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا جو ایسا سوچ رہی ہو' تم شاید نہیں جانتیں کرن صرف اور صرف میری ایک اچھی دوست ہے اور کچھ نہیں۔ کیونکہ ہر بار ایسا ہی ہوتا تھا۔ مگر اس بار نہ ہوا۔ مکرم علی تھوڑی دیر بعد آن لائن ضرور آیا۔ مگر اس سے کوئی بات نہ کی۔ البتہ کرن کو مختلف پوسٹ پر ٹیگ کرتا رہا۔ جسے دیکھ کر اس کے دل کو آگ لگ گئی۔

"لعنت ہو جو دل چاہے کرے' مجھے کیا۔" خود کو بہلاتے ہوئے اس نے اپنا لیپ ٹاپ آف کردیا۔

مگر باوجود کوشش کے وہ ساری رات مکرم کے خیال کو اپنے ذہن سے نہ جھٹک سکی اور ساتھ ہی ساتھ جانے کیوں اسے ساری رات مکرم پر غصہ بھی آتا رہا اور غصہ صبح تک اتنا شدید ہوگیا کہ جانے کس طرح اس نے مکرم سے بدلہ لینے کا تہیہ کرلیا۔ بالکل اسی طرح اور اسی کے انداز میں اپنی فطرت کے بالکل خلاف کیا جانے والا یہ فیصلہ اسے بالکل درست لگا۔ نہیں صرف عمل کرنے کے لیے کرن ہی جیسے کسی بندے کو اب اسے بھی تلاش کرنا تھا۔ جو مشکل ضرور تھا مگر ناممکن نہیں۔ ساری رات جاگنے کے بعد صبح جب وہ کالج گئی تو عجیب تھکی تھکی سی اور کچھ پریشان سی تھی۔ یہ بات ماہا نے جلد ہی بھانپ بھی لی۔

"ویسے مجھے ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔" ماہا نے پری وش کو مخاطب کیا جو فری پیریڈ میں اپنے سامنے کتاب کھولے جانے کون سے تانے بانے بننے میں مصروف تھی۔

"کون سی بات؟" ماہا کے چہرے پر اپنی سوالیہ نظریں گاڑتے ہوئے وہ آہستہ سے بولی۔

"اگر تمہیں مکرم علی سے محبت ہے تو کیوں اس بات کا اعتراف نہیں کرتیں جہاں تک میرا اندازہ ہے وہ بھی تم سے محبت کرتا ہے۔ مگر شاید تمہارا سرد رویہ ہر بار اسے مایوس کردیتا ہے اور پھر یہی مایوسی اسے کسی دوسری راہ پر ڈال دیتی ہے اور وہ صرف تمہیں چڑانے اور ستانے کے لیے ایسی گھٹیا حرکتیں کرتا ہے۔ میری مانو تو نکل آؤ اپنی اس بے یقینی کی دنیا سے' اعتماد کرنا سیکھو پری دوسروں پر کم از کم ان لوگوں پر جو تم سے محبت کرتے ہیں۔ تمہاری بے اعتمادی' تمہاری انا

تمہیں اپنے محبت کرنے والوں سے دور کررہی ہے۔ ایک بار تم اس پر یقین تو کرکے دیکھو۔ ہوسکتا ہے وہ جو کچھ تم سے کہتا ہے وہ سچ ہو کیونکہ میرے خیال میں وہ ایک اچھا لڑکا ہے۔"

ماہا کو کل ہی مکرم نے فون کرکے اپنے دل کی بات بتائی تھی اور اب وہ چاہتا تھا کہ وہ یہ سب کچھ پری کو بتاکر اس کے حق میں قائل کرے۔ کیونکہ پری وش ' ماہا کی بات بہت جلدی سمجھ جاتی تھی۔ مگر آج ایسا نہ ہوا اسے ماہا کی وکالت مکرم کے سلسلے میں بالکل اچھی نہ لگی۔

"ماہا وہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہے فلرٹی اور کمینہ اور یہ بات تم بہت اچھی طرح جانتی ہو۔" اس نے غصہ سے جواب دے کر دور گراؤنڈ میں کھڑی کرن پر ایک نظر ڈالی' جو کانوں میں ہیڈ فون لگائے خوب ہنس ہنس کر کسی سے مصروف گفتگو تھی اور "وہ کسی' ضرور مکرم علی ہوگا کیونکہ پری وش کے نزدیک دنیا کا واحد فارغ مرد صرف وہ ہی تھا جو کرن جیسی فلرٹی لڑکی پر اپنا وقت برباد کرے۔

"تمہیں پتا ہے' کرن کل مجھے ہادیہ سے کام تھا۔" اس نے مکرم کی چھوٹی بہن کا نام لیا۔

"اس سے کچھ نوٹس لینے تھے جو مکرم کی الماری میں تھے۔" وہ اپنی بات درمیان میں چھوڑ کر رکی اور پری کی تمہید نے ماہا کو کچھ غلط ہونے کا احساس دلا دیا۔

"اور جب میں مکرم کے کمرے میں گئی تو اس کا لیپ ٹاپ آن تھا جبکہ غالباً" وہ واش روم میں تھا۔" بات درمیان میں چھوڑ کر وہ سانس لینے کو رکی اور ایک بار پھر دور کھڑی کرن پر ایک نگاہ غلط انداز ڈالی۔

"پھر۔" اس کی پل بھر کی خاموشی نے ماہا کو بے چین کردیا۔

"پھر یہ کہ اس کا لیپ ٹاپ کرن کی تصاویر سے بھرا ہوا تھا۔ ہر طرح کی تصاویر جو وہ اسے دن رات سینڈ کرتی ہے کھاتے ہوئے' سوتے ہوئے غرض ہر موقع کی تصویر جو شاید مجھے نہیں دیکھنی چاہیے تھیں۔ مگر جانے کیوں میں نے یہ گھٹیا حرکت کی مگر اس گھٹیا حرکت نے مجھے بہت کچھ سمجھا دیا اور یقین جانو۔ اگر وہ تصاویر تم دیکھ لیتیں تو کبھی زندگی میں مکرم یا کرن جیسے لوگوں پر تھوکنا بھی پسند نہ کرتیں۔ اس کی وکالت کرنا اور اس کے حق میں دلائل دینا تو بہت دور کی بات ہے کرن کیا چیز ہے اس کی وضاحت میں صرف ایک ہی جملے سے کروں گی کہ ہمارے معاشرے میں دینا ملک اکیلی نہیں ہے۔ اس جیسے کئی لوگ ہمارے آس پاس موجود ہیں مگر خود کو چھپائے ہوئے۔"

اپنی بات مکمل کرکے وہ پھر سے کتاب میں گم ہوگئی۔ اس کی باتوں نے ماہا کو یقین دلایا کہ شاید مکرم علی اپنی بے وقوفی کے سبب پری وش کو ہمیشہ کے لیے کھو چکا ہے اور اب کوئی معجزہ ہی تھا جو اسے واپس پری کی زندگی میں داخل کرتا بظاہر ایسا ہونا ناممکن دکھائی دے رہا تھا۔ کیونکہ وہ پری کی ضدی فطرت سے بخوبی واقف تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ جیسے ہی کالج گیٹ سے اندر داخل ہوئی پہلی نظر ہی سامنے کھڑی کرن پر پڑی۔ اب یہ جانے اس کا وہم تھا یا حقیقت' آج وہ اسے عجیب اجڑی اجڑی سی دکھائی دی۔ اس کی سابقہ طرح داری یکسر غائب تھی۔ آج کی کرن اس کرن سے قطعی مختلف تھی جسے پری وش جانتی تھی جو بڑی شان بے نیازی کے ساتھ جب بھی اس کے پاس سے گزرتی ہمیشہ کانوں میں ہیڈ فون ڈالے مکرم علی کے ساتھ بزی ہوتی یہ ہی نہیں بلکہ وہ پری وش کو دیکھ کر عجیب سے انداز میں مسکرایا بھی کرتی تھی جو اسے جتاتا ہوا محسوس ہوتا' جس کے باعث وہ اس مسکراہٹ پر جی جان سے جل جایا کرتی۔ آج اس کی اس حالت نے پہلے تو پری وش کو ایک عجیب سی کمینی خوشی سے ہمکنار کیا۔ مگر اگلے ہی پل یہ خوشی غصہ میں تبدیل ہوگئی' جو اسے مکرم علی پر آیا' جس کے فلرٹ نے ایک ہنستی مسکراتی لڑکی کو حال سے بے حال کردیا۔

ضروری نہیں تھا جو اگر وہ فلرٹ کرنے کی عادی تھی تو اس سے بھی جوابی ویسا ہی سلوک کیا جاتا۔ مکرم کی جانب ہلکا سا جھکا اس کا دل ایک بار پھر سے سخت ہوگیا۔ کرن اسے دیکھتے ہی سامنے سے ہٹ گئی تھی اور ایسا بھی شاید پہلی بار ہی ہوا تھا۔ اس دن سارا وقت وہ کالج میں پریشان ہی رہی' جانے ان دونوں کے بیچ ایسا کیا ہوا تھا' جس نے کرن کا یہ حال کیا۔ ورنہ اس کی پہلے بھی کئی لڑکوں کے ساتھ دوستی تھی اور یہ بات ساری کلاس ہی جانتی تھی۔ بہرحال جو بھی تھا ایک عورت یا شاید ایک نرم دل عورت ہونے کے ناتے اس کا دل کرن ہی کی طرف جھکا ہوا تھا۔ مکرم علی کو کرن سے اپنا ٹوٹا ہوا تعلق پھر سے استوار کرلینا چاہیے۔ یہ آج کا اس کا کیا جانے والا انوکھا فیصلہ تھا۔ جہاں محبت پر انسانی ہمدردی قدرے غالب آچکی تھی۔

☼ ☼ ☼

ہادیہ کا رشتہ بڑی پھوپھو کے بیٹے شازل سے طے پا گیا۔ جو امریکہ میں رہائش پذیر تھیں۔ ہادیہ' مکرم سے ڈھائی سال اور اس سے دو سال چھوٹی تھی۔ مگر جانے کیوں اکلوتی ہونے کے باوجود پری وش کی ہادیہ سے اتنی دوستی نہ تھی جو دو کزنز کے درمیان ہونی چاہیے۔ اس کی شروع سے زیادہ دوستی اپنے سے چھ ماہ بڑے مکرم سے ہی رہی جبکہ آج کل وہ بھی نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ پھر بھی وہ اپنے خاندان میں ہونے والے اس فنکشن پر بہت خوش تھی۔ پھوپھو رسم منگنی کے لیے امریکہ سے آکر ان ہی کے گھر رہائش پذیر تھیں۔ اس کا سارا دن پھوپھو کے پوتے اذان سے کھیلتے گزر جاتا۔ یہ دو ڈھائی سالہ بچہ بڑا ہی پیارا تھا۔ منگنی کے حوالے سے بھی وہ اپنی شاپنگ مکمل کرچکی تھی۔ ہادیہ کی شادی مکرم علی کے ساتھ ہونی تھی اور تایا جی کا یہ فرض پورا کرنے کا ارادہ اگلے دو سال میں ہی متوقع تھا۔ مکرم علی کو دبئی کی کسی اچھی کمپنی میں نوکری مل گئی تھی اور شاید وہ جلد ہی جانے والا تھا۔ جبکہ اس کے بی اے کے امتحان بھی ایک ماہ بعد متوقع تھے۔ جس کے بعد اس کا ارادہ آنرز میں ایم اے کرنے کا تھا۔ مکرم علی کے دبئی جانے کی خبر نے اسے تھوڑا سا پریشان ضرور کیا۔ مگر جلد ہی وہ یہ سوچ کر مطمئن ہوگئی کہ وہ جہاں بھی جائے اسے کیا لینا دینا۔

ہادیہ کی منگنی کی رسم ایک مقامی ہوٹل میں تھی۔ وہ ہادیہ کو پارلر سے لے کر زونیر کی گاڑی میں ہی ہوٹل پہنچی۔ سامنے ہی بلیک شلوار قمیص میں ملبوس کھڑے مکرم علی پر نظر پڑی۔ جو ریسپشن پر کھڑا مہمان ریسیو کررہا تھا۔ وہ جیسے ہی اس کے پاس سے گزری اس کی خود پر پڑنے والی نظروں سے یکدم ہی کنفیوز ہوگئی۔ ڈارک گرین شیفون کی فراک میں وہ لگ بھی خاصی خوب صورت رہی تھی۔ جس کا احساس اسے ہادیہ اور زونیر کی تعریفوں نے راستے میں ہی دلا دیا تھا۔ یہ ہی سبب تھا جو وہ بینکوئٹ ہال میں خوب اترائی اترائی پھرتی رہی۔ یہ جانے بغیر کہ اس کا ہر اٹھنے والا قدم مکرم علی کے دل پر پڑ رہا ہے۔

خاص طور پر اس وقت جب وہ زونیر کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کرتی ہوئی مختلف پوز بنوا رہی تھی۔ مکرم کا دل چاہا اسے بازو سے کھینچ کر وہاں سے اٹھائے مگر جانے کیسے اس نے ضبط کیا اور اسی پل اس نے فیصلہ کیا کہ اب اپنے خیالات جلد ہی اپنے بڑوں تک پہنچا دے گا۔ قبل اس کے کہ مزید دیر ہوجائے۔ آج اسے رہ رہ کر احساس ہورہا تھا کہ اگر اس نے مزید دیر کی تو ضرور کوئی اس سے پری وش کو چھین کرلے جائے گا۔ پری وش کی خوب صورتی اسے ہولا رہی تھی اور وہ اب مزید اس کے حصول میں دیر نہ کرنا چاہتا۔

یہ ہی سبب تھا جو فنکشن کے اگلے ہی دن اس نے اپنی دلی خواہش کا اظہار امی سے کردیا جو اپنے بیٹے کی خواہش جان کر جی جان سے خوش ہوگئیں۔ کیونکہ پری انہیں بھی بے حد پسند تھی۔ مگر وہ اس سلسلے میں اپنے بیٹے پہ کوئی سختی نہ کرنا چاہتی تھیں۔ اب جو بیٹے نے خود ہی خواہش ظاہر کی تو اگلے ہی دن مٹھائی کے ساتھ مکرم علی کی خواہش کا اظہار بھی صدف سے کر آئیں جو ان کی یہ خواہش سن کر خوشی سے نہال ہوگئیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک پری وش کے لیے مکرم سے بہتر کوئی رشتہ نہیں تھا اور پھر جیسے ہی انہوں نے یہ

WWW.PAKISTANWEB...

کے چہرے پر بکھرے خوشی کے رنگ دیکھ کر اس کا دل تو نہ چاہا مگر پھر بھی لاکھ چاہتے ہوئے وہ خود کو مکرم علی کے ساتھ کے لیے آمادہ نہ کر سکی اور نہ چاہتے ہوئے بھی اسے انکار کرنا پڑا۔

"اماں آپ تائی اماں کو صاف انکار کر دے کیونکہ مجھے مکرم پسند نہیں ہے۔"

"نہیں یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" اماں ہکابکا رہ گئیں۔

"خوب صورت، برسر روزگار خاندان کا جانا پہچانا بچہ اس سے زیادہ اچھا اور بہتر رشتہ تمہیں اور کہاں سے ملے گا۔ لو بھلا ناشکری کی بھی انتہا ہوتی ہے۔ بنا سوچے سمجھے بغیر کسی وجہ کے سرے سے انکار کر دیا۔" اماں کو پری وش کا انکار خاصا برا لگا۔ جس کا اندازہ ان کے چہرے کو دیکھ کر بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔

"کیوں اماں! کیا اس سے بڑی بھی کوئی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ مجھے سخت ناپسند ہے۔ ہمارے مذہب نے لڑکی کو اختیار دیا ہے کہ وہ اپنے رشتہ کے سلسلے میں اپنی پسند و ناپسند کا اظہار کر سکتی ہے۔ یہ میرے رب کا حکم ہے تو کیا آپ اسے جھٹلانے کی ہمت رکھتی ہیں؟" اماں کا غصہ اور ناگواری اسے ذرا نہ بھایا۔ اس کے جواب نے اماں کو بھی تھوڑا سا شرمندہ کر دیا۔

"ایک بات کہوں اماں! اگر آپ کو برا نہ لگے تو آپ نگی خالہ سے میرے لیے زونیر کے رشتے کی بات کر لیں۔ وہ بھی گھر کا دیکھا بھالا شریف لڑکا ہے اور مجھے پسند بھی ہے۔ اس طرح آپ کا مجھے خاندان میں ٹھکانے لگانے کا شوق بھی پورا ہو جائے گا۔"

اس کی اس خواہش میں یقیناً "مکرم علی سے لیا جانے والا انتقام بول رہا تھا۔ کیونکہ وہ اندازہ لگا چکی تھی کہ مکرم کو اس کی اور زونیر کی دوستی سخت ناپسند ہے اور یہ اندازہ اسے ہادیہ کی رسم منگنی کے وقت ہوا۔ جب وہ زونیر کے ساتھ اسٹیج پر کھڑی ہنس رہی تھی اور اچانک ہی اس کی نگاہ عین سامنے کھڑے مکرم پر پڑی۔ جس کے چہرے کے تاثرات میں سخت ناگواری جھلک رہی تھی اور اسی ایک چیز نے پری وش کو وہ مزا دیا جس سے وہ کرن کے حوالے سے سابقہ چھ ماہ میں حاصل ہونے والی ساری اذیت ایک ہی پل میں بھول گئی۔

اب مکرم علی کو وہ ہی اذیت ساری زندگی دینا چاہتی تھی۔ جس سے گزر کر وہ محبت کی راہوں کو کہیں پیچھے چھوڑ آئی تھی اور یہ اذیت وہ سود سمیت واپس کرنا چاہتی تھی۔ جس کے لیے اس نے زونیر کا انتخاب کیا۔ پری وش زونیر کو پسند کرتی ہے۔ مکرم کو اپنے اس خدشہ کی درستگی کا شروع سے ہی علم تھا۔ جبکہ زونیر کے لیے یہ سب بہت اچانک اور ناقابل یقین تھا، جسے سن کر وہ نہ صرف ہکابکا رہ گیا بلکہ خود کو مکرم کا مجرم بھی تصور کرنے لگا اور یہ شرمندگی اسے مکرم کا سامنا کرتے ہوئے تو خوب دل بھر کر ہوئی جبکہ مکرم نے اس سلسلے میں اس سے کوئی بازپرس نہ کی۔

وہ جو مکرم کی جانب سے کسی سخت ردعمل کا منتظر تھا۔ مکرم کی خاموشی دیکھ کر حیران سا رہ گیا۔ مکرم کا رویہ ویسا ہی تھا جیسا شروع دن سے تھا۔ ان کی دوستی کے اس رشتہ میں بظاہر کوئی دراڑ پڑتی نظر نہ آئی۔ پری وش، زونیر کا نام لے کر اپنے تئیں مکرم علی کو نیچا دکھا چکی تھی۔ اب اسے اس بات سے کوئی غرض نہ تھی کہ اس کا رشتہ زونیر سے طے ہو یا کسی اور سے، کم از کم اس نے مکرم کو یہ سبق ضرور دے دیا تھا کہ ہر لڑکی کرن نہیں ہوتی جو کسی بھی مرد کی ظاہری خوب صورتی دیکھ کر مر مٹے، بلکہ لڑکیوں کے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت اس شرافت کی تھی جو کسی مرد میں موجود ہو، تو اس کی شان کئی گنا بڑھا دیتی ہے۔ اسے خوب صورت نہیں، بلکہ خوب سیرت مرد کی ضرورت تھی اور اپنی یہ سوچ وہ اپنے گھر والوں کے دماغ تک پہنچا چکی تھی۔ جس نے اس کے دل کو اطمینان بخش دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

مکرم دبئی جا چکا تھا۔ ہادیہ سے اس کی دوستی پہلے سے زیادہ ہو گئی۔ آج کل اس کا جو بھی وقت پڑھائی سے بچتا وہ ہادیہ کے ساتھ گزارتی۔ اس کے ساتھ اس کی شادی کی شاپنگ کرنا، ٹیلرز کے چکر لگانا، کبھی جیولرز کی

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

طرف جانا۔ کمپیوٹر کا استعمال وہ صرف ضرورتاً کرتی اور جب بھی آن کرتی اکثر ہی مکرم کی پروفائل چیک کر لیتی۔ اس کی یہ حرکت بالکل بے اختیار ہوتی اور وہ چاہتے ہوئے بھی خود کو اس سے باز نہ رکھ سکتی۔ مکرم کی پروفائل مکمل طور پر تبدیل ہو چکی تھی۔ جہاں سوائے اس کی جاب اور اس سے متعلق پوسٹ اور ریمارکس کے کچھ نظر نہ آتا۔ ورنہ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ وہ دبئی جا کر پہلے سے زیادہ کھل چکا ہو گا اور جانے کتنے لڑکیوں سے اس کی دوستیاں عروج پر ہوں گی مگر شاید ایسا نہ تھا۔ وہ بدل چکا تھا جس کی تصدیق کئی بار زونیر نے بھی کی۔ مگر وہ کیا کرتی اس کے دل سے چاہتے ہوئے بھی کرن اور مکرم کی دوستی نہ نکل پائی۔ ان دونوں کی تنہائی میں کی جانے والی ملاقاتیں اکثر اس کی رات کی نیندیں اڑا دیتیں اور وہ اپنے دل میں عجیب سی بے چینی محسوس کرتی۔

کبھی کبھی وہ یہ بھی سوچتی کہ جانے وہ کون سی وجوہات تھیں جن کی بنا پر مکرم نے کرن کو چھوڑا۔ کم از کم ان دونوں کے درمیان وہ بھی نہ تھی۔ جب تک ان کی دوستی رہی اگر ایسا ہوتا تو کبھی بھی مکرم کے قدم کرن کی جانب اتنے زیادہ نہ بڑھتے۔ وہ جب جب سوچتی بدگمانی مزید بڑھ جاتی جانے کیوں مکرم کے خلاف دل میں موجود جذبات ہمیشہ منفی ہی رہے۔ اس نے کبھی مثبت انداز میں سوچنے کی کوشش ہی نہ کی۔ ہر ہر قدم پر بے یقینی اس کا دامن تھامے رہی جس سے اس نے کبھی خود کو آزاد کروانے کی کوشش ہی نہ کی۔

اس دن وہ ہادیہ کے ساتھ شاپنگ پر ہی تھی جب مکرم کا فون آ گیا۔ ہادیہ سے یہ سن کر پری وش بھی ان کے ساتھ ہے۔ وہ اس سے بات کرنے کی اپنی دلی خواہش دبا نہ سکا۔

"پری بات کرو بھائی سے۔" ہادیہ نے اپنا سیل اس کی جانب بڑھایا۔ جسے خاموشی سے تھام کر اس نے اپنے کان سے لگایا۔

"السلام علیکم۔" مکرم علی کی نرم اور دھیمی آواز اس کے کان سے ٹکرائی۔

"وعلیکم السلام۔" جواب کے ساتھ اس کا لہجہ کچھ بھیگ سا گیا۔ ایک ہی پل میں اپنی اور مکرم کی بچپن کی دوستی کی کچھ یادیں اس کی نگاہوں کے سامنے آ گئیں۔ وہ دوستی جو محض کرن کی وجہ سے ختم تو نہ ہوئی۔ مگر کم ضرور ہو گئی۔

"کیسی ہو لڑکی کبھی دل نہیں چاہتا مجھ سے بات کرنے کو۔" وہ اپنے مخصوص لہجہ میں بولا۔

"دل..." ایک سیکنڈ کو اس نے سوچا صاف انکاریہ جواب دے دے، پھر جانے کیا سوچ کر خاموش ہو گئی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ کیسے ہو؟" اس کا دوسرا سوال یکسر نظرانداز کر گئی۔ جسے مکرم نے محسوس ضرور کیا۔ مگر بتایا نہیں اور پھر اس کے امتحان کے حوالے سے اس کی تیاری کا پوچھا۔ پری وش کے گھر والوں کی خیریت دریافت کی اور فون بند کر دیا۔ اس دوران ہادیہ مسلسل اپنی شاپنگ میں مصروف رہی۔

"ہو گئی بات۔" پری وش کے سیل واپس کرتے ہی اس نے سرسری سے انداز میں دریافت کیا۔

"ہاں۔" وہ جواب دے کر اپنے سامنے کاؤنٹر پر دھری رنگ برنگی چوڑیاں دیکھنے لگی۔

"ایک بات کہوں پری وش! اگر تم برا نہ مانو۔"

"ہاں کہو۔" جانے ہادیہ کیا کہنا چاہتی تھی۔ وہ مکمل طور پر ہمہ تن گوش ہو گئی۔

"تمہیں پتا ہے نا میں شائل کے بارے میں کزن ہونے کے باوجود زیادہ کچھ نہیں جانتی۔ سوائے اس کے کہ اس کی تعلیمی قابلیت کیا ہے؟ جاب کہاں کرتا ہے؟ اور مزید تھوڑا بہت جو کبھی پھوپھو سے یا جویریہ بھابھی سے سنا، دو چار دفعہ وہ پاکستان آیا۔ اس سے اتنی ہی دفعہ ملی، جتنی بار تم اور اتنے میں وہ کیا کرتا ہے۔ کن کن لوگوں سے اس کی دوستی ہے۔ مجھے کچھ علم نہیں اور نہ ہی میں جاننا چاہتی ہوں، جانتی ہو کیوں؟" اس کی باندھی جانے والی تمہید آہستہ آہستہ پری کی سمجھ میں آ رہی تھی۔

"کیوں؟" اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"اس لیے کہ مجھے اس کے ماضی سے کچھ لینا دینا

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

نہیں' میں اس کا مستقبل ہوں اور اگر میرے حال میں وہ صرف میرا ہوتا ہے تو مجھے اس پر یقین کرنا چاہیے۔ ویسے بھی پری میں اس بات پر یقین رکھتی ہوں کہ مرد باہر جو کچھ بھی کرے' وہ گھر میں اپنی عورت کے لیے لٹو ہونا چاہیے۔ میرے خیال میں یہ کافی ہے جہاں تک بھائی کا تعلق ہے مجھے حیرت ہے کہ انہوں نے کبھی اپنا آپ تم سے نہیں چھپایا۔ ہمیشہ اپنی ہر اچھائی اور برائی تم سے شیئر کی' ورنہ عام طور پر مرد ایسے نہیں ہوتے' ان میں سے اکثر جو نظر آتے ہیں وہ ہوتے نہیں ہیں اور کئی دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ لوگ وقت کے ساتھ ساتھ میچور ہو جاتے ہیں جیسے بھائی' کیونکہ وقت سے بڑا کوئی استاد نہیں اور یہ سب کچھ سکھا دیتا ہے۔ وقتی مذاق اور تفریح گزرتے وقت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے اور آخر میں ساتھ نبھانے کے لیے صرف یہ ہی رشتے ہوتے ہیں جن کی قدر کرنی چاہیے۔ بس مجھے صرف تمہیں اتنا ہی سمجھانا تھا' آگے تم خود سمجھ دار ہو۔" ہادیہ کیا کہنا چاہتی تھی پری وش سمجھ چکی تھی۔

یہ سچ تھا کہ مکرم علی کا ظاہر و باطن کچھ بھی اس سے چھپا نہ تھا۔ وہ شروع سے ہی اپنی چھوٹی چھوٹی باتیں اس سے شیئر کرنے کا عادی تھا۔ وہ اس کے بارے میں سب کچھ جانتی تھی۔ اسے آج احساس ہوا انسان صرف انسان ہوتا ہے' فرشتہ نہیں اور غلطی کرنا انسان کا شیوہ ہے۔ صرف فرشتے اس سے مبرا ہیں' اگر کوئی انسان غلطی کرکے اسے مانتا ہے' اس پر پشیمان ہوتا ہے تو شاید وہ ایک اعلا ظرف انسان ہے' جانے شازل نے اپنی زندگی میں کتنی بار ایسی غلطیاں کی ہوں گی جو ہادیہ نہیں جانتی۔ مگر پھر بھی وہ مطمئن ہے۔ غالباً" اس کی وجہ لاعلمی ہے اور اس کی بے چینی کی وجہ یقیناً" ہر بات کا جاننا ہے۔ دونوں میں کیا صحیح تھا کیا غلط' علم یا لاعلمی وہ سمجھ نہ پائی۔

پری کے دل کو مکرم سے شکایت تھی۔ وہ جانتا تھا کہ میں اسے پسند کرتی ہوں۔ اظہار کروں یا نہ کروں وہ میری دلی کیفیت سے آگاہ تھا۔ پھر اس نے ایسا کیوں کیا۔ ہر بار سوچنے پر اسے مکرم ہی قصوروار نظر آتا۔ جتنا اس کا دل مکرم کی محبت سے بھرتا اتنا ہی دماغ اسے دور کرتا جاتا' اسے کیا کرنا چاہیے؟؟ اس نے سوچنا بند کر دیا اور خود کو اپنی قسمت کے حوالے کر دیا۔

"جو کچھ میرے نصیب میں اور میرے لیے بہتر ہو اللہ تعالیٰ مجھے وہ ہی عطا کر دے۔" یہ دعا وہ ہر رات سونے سے قبل اپنے رب سے ضرور کرتی اور ہر صبح اس کے دل میں یقین کی قوت مزید بڑھ جاتی۔ خدا پر یقین تو اسے ہمیشہ سے ہی تھا' مگر اب مکرم کی محبت نے اسے سوا کر دیا۔ وہ محبت جس کا اظہار وہ خود سے بھی کرتے ہوئے ڈرتی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج کئی ماہ بعد وہ ماہا سے ملی امتحانات کے بعد ہادیہ کی شادی کی تیاریوں میں اتنی مصروف رہی کہ وقت ہی نہ ملا۔ مگر آج چونکہ اس کی سالگرہ تھی۔ اس لیے ضروری تھا کہ وہ فون کرکے اسے وش ضرور کرتی اور پھر شام میں ماہا اسے اپنی سالگرہ کی ٹریٹ دینے ایک قریبی آئس کریم پارلر لے گئی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ پری وش کو آئس کریم بے انتہا پسند ہے۔ خاص طور پر سردی کے موسم میں وہ اسے خوب انجوائے کرتی تھی اور اس وقت جب وہ دونوں اپنی اپنی آئس کریم پر خوب جی بھر کر چاکلیٹ چپس ڈالنے میں مصروف تھیں۔ اچانک ہی شیشے کا بڑا سا دروازہ کھول کر کرن اندر داخل ہوئی۔ ریڈ اور گرین ٹی شرٹ' بلیک جینز کے ساتھ اچھی طرح نک سک سے تیار ایک اچھے خاصے ہینڈسم لڑکے کے ساتھ وہ یقیناً" کرن ہی تھی جو انہیں پہچان چکی تھی۔ جس کا اندازہ پری وش کو ایک نظر اس کے تنے ہوئے چہرے پر ڈالتے ہی ہو گیا۔ کوئی اور کلاس فیلو ہوتی تو یقیناً" اتنے ماہ بعد ملنے پر ہیلو ہائے ضرور کرتی' مگر کرن مکمل طور پر انہیں نظر انداز کرتی آگے بڑھ گئی۔

"یہ کرن کے ساتھ کون ہے؟؟" ماہا کی طرف پلٹتے ہوئے پری نے سرسری سا سوال کیا۔

"ہو گا اس کا کوئی نیا بوائے فرینڈ۔" ماہا کے ساتھ ان کی ایک اور کالج فرینڈ نمو بھی تھی اور یہ جواب اسی کی طرف سے آیا تھا' کیونکہ وہ کرن کے گھر کے قریب رہتی تھی' یہ ہی سبب تھا جو وہ اسے نہایت قریب سے جانتی تھی' وہ چار سال کرن کے ساتھ ایک ہی کوچنگ سینٹر میں بھی تعلیم حاصل کرتی رہی تھی۔

"بوائے فرینڈ۔" یہ لفظ پری وش کو کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ ایک اسلامی معاشرے میں کسی لڑکی کے دوست کے لیے استعمال کیا جانے والا یہ لفظ جانے کیوں اسے گھٹیا سا لگا۔

"ہاں یار' جانے یہ کس ٹائپ کی لڑکی ہے' ہر ماہ بعد ایک نئے لڑکے کے ساتھ ہوتی ہے۔ ایک صرف تمہارا کزن ہی تھا جس کے ساتھ یہ مسلسل تین ماہ تک رہی ہے' جہاں تک میرا خیال ہے اس میں بھی یقیناً" تمہارے کزن کا ہی ہاتھ ہو گا' ورنہ یہ ایک کے ساتھ ٹک کر بیٹھنے والی چیز نہیں ہے' بلکہ جہاں تک میرا خیال ہے کسی نئی دوستی کی خاطر ہی اس نے تمہارے کزن کو چھوڑا ہو گا۔" (اگر یہ نہ چھوڑتی تو یقیناً" آج بھی مکرم اسی کے ساتھ ہوتا) اسی سوچ نے پری وش کے دل کو مرجھا سا دیا۔ اسے لگا کرن آج بھی اس پر فوقیت رکھتی ہے۔ شاید آج بھی مکرم علی کا دل کرن کے نام پر تڑپتا ہو' شاید آج بھی وہ کرن کی بے وفائی کو یاد کرکے تنہائی میں روتا ہو' یہ اس کے ذہن میں خود بخود در آنے والے خیالات تھے۔ جن کی بندش پر اسے کوئی اختیار نہ تھا۔

"ویسے میں نے یہ بھی سنا ہے کہ اس کی اپنے کزن سے انگیجمنٹ ہو چکی ہے اور شاید یہ اس منگنی سے خاصی خوش بھی ہے۔" ملہا نے ایک نظر خاموش کھڑی پری وش کے چہرے پر ڈالتے ہوئے اس کی معلومات میں مزید اضافہ کیا۔

"وہ انگیجمنٹ تو پانچ سال پرانی ہے۔ لڑکا اسلام آباد ہوتا ہے اور جب وہ کراچی آتا ہے تو یہ لڑکی دیکھنے والی ہوتی ہے۔ ہر سرگرمی ترک کرکے صرف اسی کے ساتھ پائی جاتی ہے۔" نمو کے جواب کے ساتھ ہی پری نے دل ہی دل میں حساب لگایا۔ مطلب مکرم اور کرن کی دوستی اس منگنی کے بعد تھی۔ یعنی کرن کا مقصد کبھی بھی مکرم سے شادی کرنا نہ رہا ہو گا۔ وہ بھی صرف اور صرف مکرم علی کے ساتھ اپنا ٹائم پاس کر رہی تھی۔ حد ہے' کوئی لڑکی اس قدر گری ہوئی بھی ہو سکتی ہے۔ وہ کرن کے بارے میں کافی کچھ جانتی تھی۔ مگر آج جو سنا وہ سب سے بڑھ کر تھا۔

"چلو یار آئس کریم ختم کرو' اسی کرن کے ٹاپک نے ساری آئس کریم پگھلا دی ہے۔" ماہا کے متوجہ کرنے پر اس نے ایک نگاہ اپنے ہاتھ میں موجود آئس کریم کپ پر ڈالی۔ اسے محسوس ہوا' اس آئس کریم کے ساتھ ساتھ اس کا دل بھی پگھل پگھل کر بہہ رہا تھا۔

اسے لگا کاش وہ مکرم کی محبت پر پہلے ہی یقین کر لیتی تو آج زندگی کتنی حسین ہوتی اور شاید کرن ان دونوں کے درمیان کبھی بھی نہ آتی۔ کاش وہ مان جاتی کہ مکرم علی اس سے محبت کرتا ہے فلرٹ نہیں۔ کاش وہ مکرم علی کے سچے پیار کی دل سے قدر کرتی۔

"تمہیں کیسے پتا کہ وہ تم سے سچا پیار کرتا ہے۔" بدگمانی نے پھر سے دل میں جگہ بنانے کی کوشش کی۔ جسے اس نے ایک جھٹکے سے باہر نکال پھینکا۔

"اگر سچا پیار نہ کرتا تو کبھی بھی میرے لیے نہ روتا' میں نے اس کی آنکھوں میں خود اس وقت نمی دیکھی جب میں نے زوبیر سے شادی کرنے کی اپنی خواہش کا اظہار کرکے اسے نیچا دکھانا چاہا اس وقت بھی اس کی آنکھیں ہلکی سی سرخ تھیں۔" پچھتاوا اس کے دل میں ابھرنے لگا اور پھر جب تک وہ ماہا کے ساتھ خاموش خاموش رہی' ملہا کو ایسا لگا جیسے اس خاموشی کی وجہ کرن ہے' جس کے سامنے آتے ہی پری وش کو گزرا ہوا کل پھر سے یاد آنے لگا تھا' اسی سبب دخل اندازی نہ کی اور کچھ دیر بعد ہی اسے واپس گھر ڈراپ کر دیا۔ حالانکہ اس کا ارادہ مووی دیکھنے جانے کا بھی تھا۔ جسے فی الحال اس نے ملتوی کر دیا۔

☼ ☼ ☼

درد میں بھی یہ لب مسکراتے ہیں

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

بیتے سے جب ہمیں یاد آتے ہیں

آج چودہ فروری تھی' دوپہر میں بھی یونیورسٹی میں جگہ جگہ ریڈ لباس میں ملبوس لڑکیاں' گلاب کے سرخ پھول اور سپر اسٹورز پر موجود سرخ غبارے' سرخ کیک' غرض کہ ہر طرف بکھرا سرخ رنگ اسے عجیب سی وحشت دے رہا تھا۔ اسے اس دن کا منانا ایک عجیب سی الجھن سے دوچار کردیتا۔ ان تمام لغو اور فضول باتوں کا تعلق ان کے معاشرے' ثقافت اور کلچر سے نہ تھا۔ پھر بھی جانے کیوں کرنٹ میڈیا پر اس کا پرچار کرنے والے یہ بھول جاتے تھے کہ ویلن ٹائن کون تھا۔ کس مذہب سے تعلق رکھتا تھا؟ اس کی یاد میں محبت کا دن عظیم الشان انداز میں منانے والے غزہ میں ہونے والا اسرائیلی ظلم سرے سے ہی بھلا دیتے' وہ ظلم جو یہودیوں نے مسلمانوں کے ساتھ روا کر رکھا تھا' یہاں تک کہ اس پل وہ لوگ اپنے ہی ملک میں ہونے والے ڈرون حملوں کے نتیجے میں شہید معصوم بچوں کو بھی بھول جاتے' اس کے نزدیک ویلن ٹائن کو محبت کا دیوتا تسلیم کرکے اس کی یاد میں ایک دن منانا کم از کم مسلمانوں کے لیے خاصا مضحکہ خیز تھا۔

ابھی یونیورسٹی سے آکر اس نے کھانا کھایا اور پھر صحن میں آگئی جہاں امی نے سکینہ بوا کے ساتھ مل کر واشنگ مشین لگائی ہوئی تھی۔ دھلے' ان دھلے کپڑوں کے ڈھیر سے صحن بھرا ہوا تھا۔ سکینہ بوا کے پاؤں میں غالباً" کچھ تکلیف تھی' جس کے سبب وہ لنگڑاتے ہوئے دھلے کپڑوں کی ٹوکری تھامے سیڑھیوں کی جانب دھیرے دھیرے بڑھیں' تو وہ فوراً" — تیزی کے ساتھ آگے بڑھی اور ان کے ہاتھ سے پلاسٹک کی باسکٹ تھام لی۔

"لائیں بوا' میں ڈال آتی ہوں چھت پر کپڑے۔"

بوا خاموشی سے واپس پلٹ گئیں اور وہ تیز تیز سیڑھیاں چڑھتی اوپر آگئی۔ سردی کی دھوپ اسے ویسے ہی بہت اچھی لگتی تھی۔ اس وقت بھی ہلکی ہلکی ٹھنڈ کے ساتھ چھت پر پھیلی دھوپ نے اس کی طبیعت کو یک دم فریش کردیا۔

"آئے موسم رنگیلے سہانے' جیا نہیں مانے تو چھٹی لے کے آجا بالما۔" منہ ہی منہ میں گنگناتے ہوئے اس نے سارے کپڑے تار پر پھیلا دیے اور خود چھت کی منڈیر پر جا ٹکی۔

آسمان پر چڑیوں کا ایک بڑا سا غول اڑتا جارہا تھا۔ پرندوں کے ساتھ آسمان پر اکا دکا پتنگیں بھی لہرا رہی تھیں۔ بے خیالی سے یہ سب دیکھتے ہوئے اس کی نگاہ نیچے صحن میں پڑی' جہاں تائی اماں اس کی امی کے قریب ہی کھڑی تھیں ان کے ساتھ نگی خالہ بھی تھیں۔

"ارے یہ کب آئیں؟" اسے حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی ہوئی' وہ جلدی سے دیوار سے اتر کر سیڑھیوں کی جانب بڑھی اور اسی تیزی کے سبب سیڑھیوں سے اوپر آنے والے شخص سے بری طرح ٹکرا گئی' جس نے فوراً" ہی اسے بازو سے تھام کر گرنے سے بچا لیا۔ سر اٹھا کر دیکھا' سفید کلف والی شلوار قمیص میں ملبوس مکرم علی اس کے عین سامنے کھڑا تھا۔ چہرے پر وہ ہی نرم نرم تاثرات لیے جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھے اور شاید اسی سبب لڑکیاں اس کی جانب متوجہ بھی ہوتی تھیں۔

"ارے تم کب آئے؟" اسے یک دم اپنے سامنے دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ اسے تو یہ بھی کسی نے نہیں بتایا تھا کہ مکرم پاکستان آرہا ہے۔ حالانکہ وہ رات ہی ہادیہ سے ملی تھی اور صبح فون پر اس کی زونیرہ سے بھی بات ہوئی تھی۔

"السلام علیکم۔" مکرم نے اس کا سوال نظر انداز کرکے سلام کیا تو وہ یک دم شرمندہ ہوگئی۔

"وعلیکم السلام۔" وہ جو مکرم کو کچھ سیکنڈ پہلے اچانک اپنے سامنے دیکھ کر نروس سی ہوگئی۔ فوراً" ہی نارمل ہوتے ہوئے بولی۔

"مجھے تو کسی نے بتایا ہی نہیں کہ تم آرہے ہو۔"

"میں نے منع کیا تھا کیونکہ میں تمہیں سرپرائز دینا چاہ رہا تھا۔" وہ دھیرے سے ہنس کر بولا اور پھر پری کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔

"مذاق کررہا ہوں یار' برا مت ماننا اصل میں کسی کو علم ہی نہ تھا کہ میں آرہا ہوں۔ میں نے آج صبح اچانک آکر سب کو حیران کیا اور سوچا وہ حیرت اور خوشی جو مجھے اتنے ماہ بعد دیکھ کر سب کو ہوئی ہے دیکھوں تمہیں بھی ہوتی ہے یا نہیں۔" وہ ابھی بھی اسی کی جانب تک رہا تھا۔ نہایت نرم نرم نظروں سے۔

"اور مجھے بہت اچھا لگا جب تمہارے چہرے پر اپنی آمد کی خوشی مجھے سب سے بڑھ کر دکھائی دی۔" وہ مکرم علی کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر اندر کی خوشی چھپا نہ سکی تھی۔ مکرم علی کے احساس دلاتے ہی جھینپ سی گئی۔

"ظاہر ہے پورا بچپن میرا اور تمہارا اس چھت پر شرارتیں کرتے گزرا ہے۔ تم ہمیشہ سے میرے سب سے بہترین دوست رہے ہو' پھر بھلا کیسے اتنے ماہ بعد تمہیں اپنے سامنے دیکھ کر خوش نہ ہوتی۔" بڑی خوب صورتی سے وہ اپنی اندرونی کیفیت چھپاتے ہوئے بولی۔

"میں نے کوئی وضاحت نہیں مانگی۔" مکرم سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے دھیرے سے بولا۔ وہ ہی پیار بھرا مخصوص لہجہ جس کو سنتے ہی پری وش ہمیشہ سے اس کی گرویدہ ہوجاتی تھی۔

"ایک بات بتاؤ' کیا تم مجھے صرف اور صرف اپنا ایک اچھا دوست ہی سمجھتی ہو یا کچھ اور بھی۔" پری وش کے چہرے پر پھیلے خوب صورت رنگ مکرم کے دل کی خوش گمانیوں میں کئی گنا اضافہ کا سبب بن رہے تھے۔ مگر پھر بھی وہ اس سے پوچھ کر اپنے دل کو یقین دلانا چاہتا تھا' جاننا چاہتا تھا کہ اس کی حیثیت پری وش کے نزدیک کیا ہے؟

"ایک بات پوچھوں مکرم؟" وہ ایک بار پھر اس کا سوال نظر انداز کرگئی۔

"سو باتیں پوچھو' میں تو خود چاہتا ہوں تم وہ سب پوچھ لو جو تمہارے دل میں ہے۔"

"کیا تمہیں کرن مغل سے محبت تھی؟" وہ بلا جھجکے — بولی' مکرم کو — اس سے کسی ایسی ہی بات کی امید تھی۔ اس کے لیے پری وش کا سوال غیر متوقع نہ تھا۔

"نہیں ایک فیصد بھی نہیں' دراصل پری تمہاری بے اعتنائی' مجھے اگنور کرنا میری محبت کا ہر بار مذاق اڑانا' مجھے غصہ دلاتا تھا۔ اسی غصہ میں' میں دوسری لڑکیوں سے دوستی کرتا جو نہایت بے ضرر ہوتیں وہ سب تمہارے بارے میں جانتی تھیں اور میرے ساتھ مل کر تفریح کیا کرتیں۔ اسی طرح میں کرن تک جا پہنچا اسے میں نے شروع دن سے ہی تمہارا بتا رکھا تھا۔ وہ میرے دل کی ہر کیفیت سے آگاہ تھی' جانتی تھی کہ میں تمہیں خود سے بڑھ کر چاہتا ہوں' ایسے میں جب بھی تم مجھے ہرٹ کرتیں وہ ہمیشہ آگے بڑھ کر مجھے سمیٹ لیتی' مجھ سے پیار جتاتی' پھر پتا نہیں جانے کیسے میں آہستہ آہستہ اس کی قربت کا عادی ہوگیا۔ وہ جب پہلی بار مجھ سے ملنے آئی تو میرا کوئی ارادہ اس سے دوبارہ ملنے کا نہ تھا۔ مگر ہر بار وہ کسی نہ کسی طرح مجھے بلاتی رہی اور میں کمزور لمحات کی زد میں آکر اس سے ملنے جاتا رہا۔ وہ میرے پاس اپنے منگیتر کے رونے روتی اور میں تمہارے دکھ بیان کرتا اور ہمارے ایک جیسے دکھ ہمیں ایک دوسرے کے قریب لے آئے۔ اس کی طرف صرف اور صرف ایک دوست کی حیثیت سے بڑھا

WWW.PAKISTANWEB.PK

تمہاری طرف سے میرا برین واش کرنے کی کوشش کی کئی بار مجھے احساس دلایا کہ تم زونیر کو پسند کرتی ہو اس سلسلے میں وہ اکثر تمہاری اور اپنی کالج میں ہونے والی گفتگو کا حوالہ بھی دیتی میرے دل میں تمہارے اور زونیر کے خلاف ہلکی سی بدگمانی اسی کی کوششوں کا نتیجہ تھی مگر پھر بھی مجھے اپنی محبت پر یقین تھا۔ جانتا تھا تمہیں میرے علاوہ کوئی اتنے پیار سے نہیں رکھ سکتا جس کی تم عادی ہو۔" وہ آہستہ آہستہ سب کچھ بتاتا چلا گیا۔ آج وہ اپنے دل کی ہر بات کردینا چاہتا تھا تاکہ دھند صاف ہوجائے اور کچھ چھپا ہوا نہ رہے۔ پھر جانے اسے یہ موقع کبھی ملے نہ ملے اس کی باتوں کے ساتھ ہی پری وش کے تصور میں فون کرتی کرن کا تصور آکھڑا ہوا جو جان بوجھ کر اس کے سامنے مکرم کی محبت بھری باتیں باآواز بلند کرتی تھی۔ کرن نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ وہ کیوں مکرم علی کو اس سے چھیننا چاہتی تھی جبکہ بقول مکرم وہ اپنے منگیتر سے محبت بھی کرتی تھی۔

کرن کی شخصیت کا یہ اسرار اسے الجھا ضرور گیا مگر مکرم کی باتوں نے آج اس کے دل میں موجود تمام بدگمانیوں کو دھو کر اس کا دل بالکل صاف کردیا تھا۔ ایک دم صاف شفاف آئینہ کی مانند مکرم شروع سے اس کا تھا صرف اور صرف اس کا اور یہ احساس پچھلے تمام احساسات پر بھاری تھا۔

"اچھا' چلو یہ سب چھوڑو' یہ بتاؤ تم زونیر سے شادی کب کررہی ہو؟" شرارت مکرم کے لہجہ میں جھلک رہی تھی۔

"میں نے اپنا یہ ارادہ کافی دن پہلے ہی ملتوی کردیا تھا۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"میرے نزدیک انتقام لینے سے بہتر عمل معاف کردینا ہے۔ کیونکہ بدلہ لینا بہت آسان ہے' ہر کوئی لے سکتا ہے جبکہ معاف کردینا اعلا ظرفی کی علامت ہے اور اتنا اعلا ظرف ہر شخص نہیں ہوتا۔"

"مطلب یہ ہوا کہ تم انتہائی اعلا ظرف ہو۔" مکرم علی ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔

"ہاں اور اب تم سمجھ چکے ہو کہ میری زونیر سے کی جانے والی شادی کی خواہش محض تم سے بدلہ لینے کی ایک بچگانہ خواہش تھی اور کچھ نہیں لہٰذا اب شکر کرو کہ تم میرے بے وقوفانہ انتقام سے بچ گئے۔" وہ ہنستی ہوئی سیڑھیوں کی جانب بڑھی' اس کے بدلے ہوئے انداز مکرم کو یقین ہی نہیں دلا رہے تھے کہ یہ پری وش ہے' وہ ہی پری وش جو کبھی اس کی محبت کو مانتی ہی نہ تھی۔

"مجھے یقین نہیں آرہا تھا تم اس قدر بدل سکتی ہو۔" وہ حیرت سے اس کے قریب آتا ہوا بولا۔

"ہاں اور اس کے لیے تم ہادیہ کا دل سے شکریہ ضرور ادا کرنا' کیونکہ میرے اندر پیدا ہونے والی یہ تبدیلی اسی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔" اپنی اس تبدیلی کا کریڈٹ وہ ہر حال میں ہادیہ کو دینا چاہتی تھی۔

"ہادیہ۔" مکرم اس کی بات سن کر حیران رہ گیا۔

"ہاں مکرم مجھے ہادیہ نے یہ احساس دلایا کہ کئی بار لاعلمی میں ہم زہر نگل جاتے ہیں' جس کا احساس ہمیں موت دلاتی ہے۔ ایسے میں اگر علم رکھتے ہوئے سب کچھ جانتے ہوئے کسی کو اس کی غلطیوں سمیت سینے سے لگایا جائے تو وہ زیادہ بہتر ہے۔ مکرم علی یہ سچ ہے کوئی بھی شخص پرفیکٹ نہیں ہوتا اور ایک پرفیکٹ شخص کی تلاش میں زندگی برباد کرنے سے بہتر ہے کہ کسی ایسے شخص کو پرفیکٹ بنانے کی کوشش کی جائے جو آپ سے محبت کرتا ہو۔" مکرم علی نے اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالی جہاں بکھرے محبت کے رنگ بہت خوب صورت لگ رہے تھے اور یہ شاید احساس محبت ہی تھا جو آج پری وش اسے دنیا کی خوب صورت ترین لڑکی محسوس ہوئی۔ جس کی سنگت میں اٹھتا ہر قدم اس کے قد کو کئی گنا بڑھا رہا تھا۔ پیچھے کھڑی تائی اماں نے اپنے بیٹے کے چہرے پر پھیلی خوشی کو دیکھتے ہوئے اس کے ہمیشہ امر ہوجانے کی دعا کی جو اسی وقت بارگاہ ایزدی میں قبول بھی ہوگئی۔ سچ ہے محبت میں یقین اسے کئی گنا بڑھا دیتا ہے اور بے یقینی محبت کی بربادی کے سوا کچھ نہیں۔

☼ ☼

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

سیاہ کار ڈپورچ میں آکر رکی تو اس کی خالی اور بے تاثر نگاہیں ڈوبتے سورج کے اداس منظر سے ہٹ کر گاڑی سے نکلتے شخص پر جا ٹکیں۔ اور مقام حیرت تھا کہ آج اس شخص کو دیکھ کر بھی اس کی ویران آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں ابھرا تھا۔ وہ شخص... جسے ایک نظر دیکھنے کے لیے وہ نجانے کتنی منتیں اور دعائیں مانگا کرتی تھی۔

وقت کتنا کچھ بدل دیتا ہے۔ وقت نے کتنا کچھ بدل دیا تھا۔ کبھی ایسا وقت بھی آیا تھا کہ اس ساڑھے چھ فٹ کے مرد کے لیے وہ اپنا آپ بھول بیٹھی تھی اور بھول بیٹھی تھی کہ جب محبت حد سے بڑھ جائے تو خسارے کا سودا بن جاتی ہے اس کے لیے بھی بن گئی تھی۔

مضبوط قدموں سے چلتا وہ سیدھا بیڈ روم میں ہی آیا تھا جہاں وہ دونوں بازو سینے پر باندھے کسی سنگی مجسمے کی طرح کھڑکی میں ایستادہ تھی وہ ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالتا آگے بڑھ کر موبائل وغیرہ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھنے لگا تھا کبھی وقت تھا یہ شخص سامنے آتا تو وہ اپنی ساری جان آنکھوں میں سمیٹ کر اسے دیکھا کرتی تھی اور آج وہ سامنے تھا اور اس نے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

"تمہیں تو مجھ سے محبت تھی نا... تو محبت قربانی تو مانگتی ہے۔" اس شخص کا لہجہ جتاتا سا تھا وہ اس کی محبت کا مذاق اڑا رہا تھا مگر اسے دکھ نہیں ہوا تھا اس کے پاس رونے کے لیے اور بہت سارے "دکھ" تھے۔

"ہاں مگر وہ قربانی نہیں تھی جو میں نے دی وہ گناہ تھا جو میں نے کیا اور گناہ کا "صلہ" نہیں "سزا" ملا کرتی ہے۔" بنا مڑے اس نے اعتراف کیا تو لہجہ بے انتہا تھکن زدہ تھا اور آنسو پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے گلابی چہرے کو بھگو رہے تھے۔

"او کے تم یہ سمجھتا یہ سزا ہے۔" وہ لفظ سزا پر زور دے کر بولا تھا۔

"ہاں سزا ہے مگر صرف میں کیوں بھگتوں؟ میں نے محبت کی اور سزا پائی آپ نے میری محبت کو استعمال کیا کچھ سزا کے حق دار تو آپ بھی ہیں۔"

اس کی بات پر اس کے جوتے اتارتے ہاتھ رکے تھے۔

"اچھا؟ تو تمہارے خیال میں مجھے کیا سزا ملنی چاہیے؟" اس کا لہجہ تلخ اور انداز استہزائیہ تھا۔

"سزا جزا کا فیصلہ کرنے والی میں کون ہوتی ہوں مجھے تو بس اب آپ سے اک التجا کرنی ہے" وہ چل کر اس کے قریب اس کے قدموں میں بیٹھی تھی۔

وہ "کل" بھی یہاں بیٹھی تھی مقام وہی تھا۔ انداز وہی تھا بس اب کی بار "سوال" بدل گیا تھا کل وہ "محبت" کا سوال لیے اس کے پاس آئی تھی آج وہ "عزت" کا سوال لیے اس کے قدموں میں موجود تھی۔ کل محبت پانے کے لیے اس نے عزت رولی تھی آج "عزت" پانے کے لیے خود رل رہی تھی۔

"مجھے ساری دنیا کی کوئی پروا نہیں بس ایک اس شخص کے سامنے اعتراف کر لیجیے کہ غلطی ہم دونوں کی تھی۔" التجائیہ انداز میں کہنے پر آس بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر بنا کچھ کہے اٹھ گیا تھا۔ اور پیچھے وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی تھی۔

"محبت کو غلط راستوں سے حاصل کرنے کی کوشش کرو تو وہ دل کا سکون نہیں جان کا روگ بن جایا کرتی ہے۔" اس کے کانوں میں بھولی بسری آواز گونجی تھی اور اس کے آنسوؤں کی روانی میں بہت شدت آگئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ عشاء تھی۔ عشاء عذیر احمد۔ اپنے سمجھ دار اور شکر گزار باپ اور صابر اور حلیم طبع ماں کی اکلوتی اولاد اس کے ماں باپ کا تعلق مڈل کلاس سے تھا۔ باپ سرکاری ملازم تھا ایمان داری اور دیانت داری اس کی گھٹی میں تھیں۔ اس لیے گھر میں ہر ماہ گنی بندھی تنخواہ ہی آتی تھی۔ جسے اس کی ماں انتہائی سوچ سمجھ کر اور کفایت شعاری سے خرچ کرتی تھی ہاں مگر اپنی

اکلوتی لاڈلی بیٹی کے لیے ان دونوں ہی کے دل اور جیبیں ہمہ وقت کھلے رہتے تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کو زندگی کی ہر وہ نعمت دینے کی کوشش کی تھی جو وہ اسے دے سکتے تھے زندگی اس کے لیے پھولوں کی سیج تھی اور زندگی کا دائرہ اپنے والدین اور بچپن کی دوست صبا انور کے گرد ہی گھومتا تھا پھر اچانک ہی اس دائرے میں "داور ابراہیم" شامل ہوا تھا اور ایسا ہوا تھا کہ پھر اس کے علاوہ سب کچھ ہی پس پشت چلا گیا تھا۔ وہ جب دور ہوتا اسے اس کے علاوہ کچھ سوجھتا نہیں وہ جب سامنے ہوتا اسے اس کے سوا ہر چیز نظر آنا بند ہو جاتی۔

وہ اس کی دوسرے نمبر والی پھپھو کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کی پھپھو نے گھر والوں کی مرضی کے خلاف شادی کی تھی اور تمام خاندان نے ان سے بائیکاٹ کر رکھا تھا۔ ہاں مگر یہ اس کی پھپھو اور ان کے شوہر کی حادثاتی موت تھی جب وہ اپنے دل مزید پتھر نہیں کر پائے تھے تب وہ پہلی بار اپنے والدین کے ساتھ داور ابراہیم کے گھر آئی تھی اس نے پہلی بار ہی داور ابراہیم کو دیکھا تھا اور اسے لگا تھا آج کے بعد وہ کچھ اور نہیں دیکھ پائے گی۔ اس کی نظریں ہمہ وقت بے انتہا وجیہہ، سنجیدہ اور سوگوار نظر آتے داور ابراہیم کا طواف کرتی رہتیں۔

وہ بے حد ہینڈسم تھا اس پر کوئی بھی لڑکی فدا ہو سکتی تھی اور اگر نہ بھی ہوتا تو بھی اسے لگتا وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتی کہ کچھ چیزیں پہلے سے طے ہوتی ہیں اسے لگتا اس کا داور ابراہیم کی محبت میں گرفتار ہونا ازل سے طے تھا۔ تب وہ بیس سال کی تھی داور ابراہیم پچیس سال کا تھا آج وہ پچیس سال کی ہو چکی تھی داور ابراہیم تیس سال کا۔ پانچ سال پہلے محبت کی مکڑی نے جو جالا اس کے گرد بنا تھا۔ پانچ سال بعد وہ ایک نہ ٹوٹنے والے حصار میں تبدیل ہو چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ سو رہی تھی جب اس کی ماں کمرے میں اسے جگانے آئیں۔

"عشاء اٹھ جاؤ بچے۔" انہوں نے اس کے چہرے سے کمبل ہٹایا تھا۔

"امی پلیز کچھ دیر سونے دیں نا۔" اس نے دوبارہ منہ کمبل میں گھسایا تھا۔

"نہیں بالکل نہیں۔ تمہارے ابا کی کال آئی تھی زبیر بھائی اور داور بھی ان کے ساتھ آ رہے ہیں۔" انہوں نے کمبل اس پر سے اتار کر تہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

"داور آ رہے ہیں" اس کے ذہن نے ان کے فقرے کو ڈی کوڈ کیا تھا اور اس کی نیند سے بند ہوتی آنکھیں چوپٹ کھلیں۔

"داور آ رہے ہیں؟" اس نے سرشار لہجے میں پوچھا تھا۔ اماں کمرے کا بکھیڑا سمیٹنے میں مصروف تھیں ورنہ اس کی آنکھوں میں یک لخت در آنے والی چمک اور لہجے کی کھنک پر ضرور چونک جاتیں۔

☆ ☆ ☆

وہ ابا اور زبیر چچا اکٹھے ہی آئے تھے۔ زبیر چچا اپنے بیٹے کی اگلے ہفتے ہونے والی شادی کے معاملات وغیرہ ابا اماں سے ڈسکس کرتے رہے تھے۔ وہ خاموش بیٹھا انہیں سن رہا تھا اور عشاء کی نظریں اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ اس کی ایک ایک حرکت، ایک ایک جنبش پر اس کی نظر تھی۔ وہ کتنی بار مسکرایا کتنی بار ہنسا۔ وہ انگلیوں پر گن سکتی تھی۔ وہ بہت کانشس ہو کے بیٹھا تھا۔ اور اپنے سیل پر آنے والی کال سنتے اس کے ماتھے پر آنے والی غیر محسوس سی سلوٹیں بھی اس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ پائی تھیں۔ وہ چالیس منٹ اور اٹھارہ سیکنڈ ان کے گھر رہا تھا۔ اور ان چالیس منٹوں کے دوران داور ابراہیم نے عشاء عذیر کے علاوہ سب کچھ ہی دیکھا تھا اور عشاء عذیر نے سوائے داور ابراہیم کے کسی چیز پر نگاہ ہی نہیں کی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ آج بہت دنوں بعد ان کی طرف آئی تھی اور جب سے آئی تھی چپ بیٹھی تھی۔ ڈاکٹر باسط احمد نے ایک گہری نگاہ اس کے چہرے پر ڈال کر وہاں لکھی الجھن کو

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

پڑھنا چاہا تھا۔ وہ سر جھکائے ان کے سامنے بیٹھی تھی اس کا شمار ان کے بہترین طلبا میں ہوتا تھا۔ اور وہ اکثر ان کے پاس اپنے چھوٹے بڑے مسئلے لے کر آتی تھی۔ وہ صبر اور سکون کے ساتھ اس کی بات سنتے تھے اور پھر اتنی آسانی سے اسے اس کے مسئلوں کا حل بتاتے کہ وہ حیران رہ جاتی تھی کہ یہ حل تو بالکل سامنے کا تھا پھر اسے نظر کیوں نہیں آیا اور جب وہ یہی بات ان سے کہتی تو وہ مسکرا دیتے۔ مسئلوں کا حل ان کے اپنے اندر ہی چھپا ہوتا ہے مگر بعض دفعہ ہماری نظروں سے اس لیے اوجھل رہتا ہے کیونکہ ہم سکون سے بیٹھ کر مسئلے کا جائزہ نہیں لیتے بلکہ انہیں اپنے سر پر سوار کر لیتے ہیں۔ مگر آج وہ ان کے پاس کوئی مسئلہ کوئی پریشانی لے کر نہیں آئی تھی آج وہ ان کے پاس "سوال" لے کر آئی تھی۔

"سر۔ محبت کیا ہے؟" بہت دیر بعد اس نے اپنا جھکا سر اٹھا کر ان سے پوچھا تھا۔ انہوں نے غور سے اس کی شکل دیکھی۔ اضطراب سے انگلیاں چٹخاتے وہ ان کے جواب کی منتظر تھی۔

"محبت الٹی گنتی کا کھیل ہوتی ہے بچے۔ محبت سو سے زیرو کی طرف جانے کا نام ہے۔ باقی ہر شے بقا سے فنا کی طرف جاتی ہے محبت واحد چیز ہے جو فنا سے بقا کی طرف آتی ہے۔ محبت وہ چیز ہے کہ اگر انسان آسمان کی بلندیوں پر بھی ہو تب بھی یہ اسے کھینچ کر زمین کی پستیوں میں لے آتی ہے۔ محبت وہ چیز ہے جس میں خسارے بھی فائدے لگنے لگیں۔ محبت وہ شے ہے جس کے ہونے اور جس کے پانے میں بہت سا فرق ہوتا ہے۔ محبت کبھی بھی کسی کے ساتھ بھی آسانی سے کی جاسکتی ہے مگر کسی کو آسانی کے ساتھ پایا نہیں جاسکتا۔"

"تو پھر محبت کو حاصل کیسے کیا جاسکتا ہے؟" اس نے ان کے چہرے پر نگاہ جما کر پوچھا تھا۔ وہ اس کے سوال پر مسکرائے تھے۔

"محبت تو نصیب سے ہی ملتی ہے بچے۔ ہاں مگر محبت کو دو طرح سے ہی حاصل کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ یا تو قربانی دے کر یا آزمائش سے گزر کر۔ محبت کو غلط راستوں سے غلط طریقوں سے نہیں پایا جاسکتا کیونکہ محبت کو غلط طریقوں سے پانے کی کوشش کرو تو یہ دل کا سکون نہیں جان کا روگ بن جایا کرتی ہے۔"

☼ ☼ ☼

زبیر چچا کے بیٹے کی شادی تھی اور اس شادی میں شرکت کی واحد خوشی جو اسے تھی وہ داور ابراہیم کے وہاں آنے کی تھی۔ شادی کے لیے شاپنگ کرنے وہ صبا کے ساتھ بازار آئی ہوئی تھی وہ پورا دن اس نے مختلف دکانوں کی خاک چھانتے گزارا تھا۔ مسئلہ یہ نہیں تھا کہ اسے خوب صورت نظر آنا تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ وہ داور ابراہیم کو خوبصورت نظر آئے اتنی کہ وہ ٹھٹک جائے ٹھہر جائے۔ وہ اس پر نظر ڈال کر پھر کہیں اور نہ نظر ڈال سکے اور اسے کوئی چیز اس قابل نہیں لگ رہی تھی جسے پہن کر وہ داور ابراہیم کے سامنے جاسکے اور چار گھنٹے کی طویل مشقت کے بعد بالآخر اسے ایک لباس پسند آیا تھا اور اب وہ ہی لباس پہنے پورے دو گھنٹے لگا کر وہ تیار ہوئی تھی اور پھر بھی اسے لگ رہا تھا کہ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی کمی ہے۔ وہ بار بار اپنی ماں سے اپنی تیاری کے متعلق پوچھ رہی تھی اور باوجود ان کے بھرپور تسلی کروانے کے اسے پھر بھی اطمینان حاصل نہیں ہو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

زبیر چچا کے گھر آکے ان کی فیملی اور اپنی کچھ دوسری کزنز سے ملتے۔ اور ان کی ساتھ بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے بھی اس کی نظریں داخلی راستے پر تھیں اور اس کا دل داور ابراہیم کی مدد کا منتظر تھا۔ وہ بہت بے چینی سے بار بار اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال رہی تھی۔ اور اپنے دل کو اس کے آنے کی پن پر ڈپٹ رہی تھی۔ وہ اچھا خاصا لیٹ پہنچا تھا اور اس نے آتے ہی زبیر چچا سے معذرت کی تھی داور ابراہیم کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پر اتنی بے ساختہ قسم کی خوشی آئی تھی

کہ اسے چھپانے کے لیے اسے تردد کرنا پڑ رہا تھا۔

وہ سب سے ملتا ملاتا اس جگہ تک پہنچا تھا جہاں وہ اپنی کچھ دوسری کزنز کے ساتھ بیٹھی تھی باقی سب کے ساتھ اس نے عشاء کو بھی ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہیلو کہا اور آگے بڑھ گیا تھا قیمتی لباس پہنے اور دو گھنٹے لگا کر تیار ہوئی عشاء عذیر وہیں کھڑے کھڑے ہی خاک ہوئی تھی۔

آپ جسے اپنی ساری زندگی سمجھتے ہوں اور اس شخص کی نظر میں آپ کی اتنی سی اہمیت ہو کہ وہ آپ کو اپنی سرسری سی نظر کے قابل سمجھے تو کھڑے کھڑے ہی جان دینے کا دل چاہتا ہے ساری دنیا کو آگ لگانے کو جی چاہتا ہے اس کا بھی یہی دل چاہ رہا تھا اس کا دل لمحوں میں یہاں سے غائب ہونے کو کرنے لگا تھا۔ اسے اس ماحول سے لوگوں سے یہاں تک خود سے بھی وحشت ہونے لگی تھی اور تب ہی اس نے جانا تھا کہ یہ اہم نہیں ہوتا کہ کوئی آپ کے لیے کتنا اہم ہے بلکہ اہم یہ ہوتا ہے آپ اس کے لیے کتنی اہمیت رکھتے ہیں۔

☼ ☼ ☼

وہ اپنی ماں کے ساتھ بیٹھی تھی۔ اس نے اپنی پلیٹ میں تھوڑے سے چاول ڈال رکھے تھے اور انہیں چمچے سے ادھر ادھر کر رہی تھی۔ اس نے ایک نوالہ تک نہیں لیا تھا اور اس کی نظریں ہال کے اس حصے پر تھیں جہاں وہ سامعیہ زبیر کے ساتھ کھڑا تھا اور ان دونوں کا انداز ان کی آپس کی بے تکلفی کو ظاہر کر رہا تھا اور عشاء عذیر کو ایک چیز سمجھ آگئی تھی کہ زندگی میں سب سے تکلیف دہ اور ناقابل برداشت شے یہ ہوتی ہے کہ جسے آپ دیکھیں وہ کسی اور کو دیکھے۔

☼ ☼ ☼

وہ نم آنکھوں اور بوجھل دل کے ساتھ گھر واپس آئی تھی اور آتے ہی اس نے صبا کو فون ملایا تھا۔

"مجھے ایک اس شخص کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اسے میرے سوا سب کچھ نظر آتا ہے میں ایسا کیا کروں اسے میں نظر آنے لگوں۔ وہ مجھے مل جائے کیونکہ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ وہ مجھے نہ ملے اور میں زندہ رہوں۔ میرے پاس جو کچھ ہے میں لٹانے کو تیار ہوں میں ہر قربانی دینے ہر آزمائش سے گزرنے کو تیار ہوں بس وہ ایک شخص مجھے مل جائے۔" وہ روتے ہوئے بول رہی تھی صبا خاموشی سے سن رہی تھی اور پاس کھڑی تقدیر مسکرا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کامیابی تو کوشش کے ساتھ ہی مشروط ہے عشاء بی بی۔ مگر کوشش کے ساتھ ایک اور چیز بھی ہے جس پر میرا ایمان ہے کہ وہ آپ کی زندگی میں بہت کچھ نہیں سب کچھ بدل دینے کی صلاحیت رکھتی ہے اور وہ شے "دعا" ہے۔" انہوں نے الماری میں سے چند کتابیں نکال کر اس کے آگے رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"مجبوری نے حیلے کے ساتھ وسیلہ بھی ڈھونڈا تھا۔ حیلے کے ساتھ وسیلہ ضروری ہوتا ہے بچے۔ انسان کا وسیلہ اس کی اپنی دعا ہوتی ہے۔" انہوں نے اپنا چشمہ اتار کر صاف کرتے اسے دیکھا وہ خاموشی سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"دعائیں قبول ہوتی ہیں کیا؟"

انہیں اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے دھیرے سے پوچھا تھا۔

"بالکل ہوتی ہیں۔ کم از کم میں نے تو یہی دیکھا ہے۔ میری عمر ساٹھ سال ہے اور مجھے اپنی ساٹھ سالہ زندگی میں کوئی ایسی دعا یاد نہیں جو میں نے مانگی ہو اور قبول نہ ہوئی ہو۔" اس نے رشک بھرے انداز میں انہیں دیکھا تھا۔

"تو آپ اللہ سے میرے لیے دعا کریں کہ مجھے وہ شخص مل جائے جس کی محبت میری رگوں میں خون کے ساتھ دوڑ رہی ہے۔ میں اس کے بعد کچھ نہیں مانگوں گی بس مجھے داور ابراہیم مل جائے۔ آپ کا شمار اس کے نیک بندوں میں ہوتا ہے جبھی تو آپ کی دعائیں قبولیت کا شرف پالیتی ہیں۔ آپ اس سے میرے لیے مانگیں۔ مجھے یقین ہے وہ آپ کی دعا رد

نہیں کرے گا۔" وہ بہت التجائیہ لہجے میں ان سے کہہ رہی تھی۔ انہوں نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا جہاں امید و بیم کی سی کیفیت تھی۔

"مجھ پر اتنا بھروسا ہے جو آپ ہی کی طرح کا ایک خطاؤں سے پر عام سا بندہ ہے اس رب پر نہیں ہے جو زندگی کے ہر لمحے پل آپ کے ساتھ رہا ہے، جس نے بن مانگے اتنا کچھ دے رکھا ہے کیا وہ مانگنے پر نہ دے گا؟" ان کے سوال پر اس نے بے ساختہ نفی میں سر ہلایا تھا۔

"نہیں ایسا نہیں ہے۔ بس مجھے مانگنے کا طریقہ نہیں آتا۔ مجھے نہیں معلوم کب اور کیسے مانگا جاتا ہے۔" اس نے سر جھکا کر کہا ڈاکٹر باسط ہولے سے مسکرائے تھے۔

"سوالی وقت نہیں دیکھتا۔ جگہ نہیں دیکھتا، موقع محل نہیں دیکھتا۔ اس کا واسطہ تو بس مانگنے سے ہوتا ہے یقین مانیے جس طرح آپ خود اپنے لیے مانگ سکتی ہیں کوئی دوسرا شخص آپ کے لیے نہیں مانگ سکتا۔"

"تو کیا مانگنے پر "وہ" مجھے مل جائے گا؟"

"یقین، بھروسے اور صبر کے ساتھ مانگیں گی تو اس بات کا اطمینان رکھیں اگر آپ کے حق میں بہتر ہوا تو ضرور مل جائے گا۔"

☼ ☼ ☼

اگلے چھ ماہ اس نے باقی ہر چیز کو پس پشت ڈالے خدا سے داور ابراہیم کو مانگتے گزارے تھے۔ اس نے پانچ وقت کی نماز شروع کر دی تھی۔ اس نے سر پر دوپٹا لینا شروع کر دیا تھا۔ اور ان چھ ماہ کی ایک سو اسی راتیں اس نے سجدوں میں گر کر رو رو کر داور ابراہیم کو مانگتے گزاری تھیں مختلف حیلوں سے، وسیلوں سے، دعاؤں سے اس نے اللہ سے اپنے لیے داور ابراہیم کو مانگا تھا اس کے ماں باپ اس میں اچانک در آنے والی تبدیلی پر خوش بھی تھے حیران بھی۔ ان کی بیٹی اچانک سے بہت مذہبی ہو گئی تھی۔ اس نے نماز روزے کی پابندی شروع کر دی تھی یہ تبدیلی تھی جو ان کے لیے بہت

خوش آئند تھی۔

☼ ☼ ☼

ان چھ ماہ کا ایک ایک لمحہ اس نے رب سے داور ابراہیم کو مانگتے ہوئے گزارا تھا۔ اور چھ ماہ بعد وہ شام کی چائے بنا رہی تھی جب اس نے اپنی ماں کی آواز سنی تھی۔

"آج صفیہ کا فون آیا تھا بتا رہی تھی کہ وہ بہت جلد سامعہ اور داور کی منگنی کر رہے ہیں۔"

وہ کھولتے پانی میں چینی ڈالنے لگی تھی جب اس نے اپنی ماں کے الفاظ سنے تھے چینی سے بھرا چمچہ پکڑے اس کا ہاتھ وہیں پہلے ساکت ہوا تھا پھر زور سے کانپا تھا چمچے میں موجود چینی چولہے اور فرش پر بکھری تھی۔

"ہاں آج زبیر آیا تھا آفس بتا رہا تھا کہ داور کا بہت جھکاؤ ہے سامعہ کی طرف اور دونوں کی بہت اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہے۔" اس کے باپ نے سر ہلاتے ہوئے اس کی ماں کی بات کی تصدیق نہیں کی تھی اسے موت کا مژدہ سنایا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ رات اس نے جلے پیر کی بلی کی طرح تڑپتے گزاری تھی بار بار اس کے کانوں میں اس کے ماں باپ کی باتیں گونجتی اور اسے نئے سرے سے گہری اذیت میں مبتلا کر دیتی تھیں۔ آنے والے دنوں میں اسے سونا، جاگنا، کھانا، پینا بھول گیا۔ اسے اپنا آپ بھول گیا۔ اسے وقت کا احساس کرنا بھول گیا۔ وہ کتنی کتنی دیر چپ بیٹھی دیواروں کو گھورتی رہتی۔ اس کی ماں اس کی اچانک خاموشی کی وجہ پوچھ پوچھ کے تھک گئی تھی مگر اس کے لبوں پر لگے چپ کے قفل نہ ٹوٹتے تھے۔ اسے لگتا اس کے پاس لفظ ختم ہو گئے ہیں اور اسے بات کرنا بھول چکا ہے۔ اس نے نماز چھوڑ دی اس نے دعا مانگنا چھوڑ دیا اور اپنے دل میں سینکڑوں شکوے شکایت جمع کر لیے۔

☼ ☼ ☼

شام کے دھندلکے تیزی سے پھیلتے جا رہے تھے جب وہ ایک بار پھر ان کے روبرو آ کر بیٹھی تھی۔

"آپ کہتے تھے وہ مانگنے پر دے دیتا ہے پر میں آپ کو بتاؤں وہ مانگنے پر بھی نہیں دیتا۔ وہ صرف وہ دیتا ہے جو اس کی مرضی ہوتی ہے، اور جو اس کی مرضی نہ ہو وہ کبھی نہیں دیتا۔ پتا ہے کیوں؟" وہ ایک لمحہ کو چپ ہوئی تھی وہ ٹیبل کی سطح پر نظر جمائے خاموش بیٹھے اسے سن رہے تھے۔

"کیونکہ زندگی میں کچھ بھی نہ تو یونہی ملا کرتا ہے نہ دیا جاتا ہے کچھ پانے سے پہلے کچھ کھونا پڑتا ہے۔ دنیا میں ہر چیز کی قیمت طے کی جاتی ہے ہر چیز کی قیمت ادا کی جاتی ہے۔ کسی بھی چیز کو پانے کے لیے اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے آسانی سے اور مانگنے پر کچھ نہیں ملتا کوئی نہیں دیتا۔ رب بھی نہیں۔"

"انسانوں کی قیمت نہیں ہوا کرتی عشاء عذیر احمد۔" انہوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"انسانوں ہی کی تو قیمت ہوتی ہے سر۔"

"میں نے زندگی میں پہلی بار اس سے کچھ مانگا رو کر، سجدوں میں گر کر، منتوں مرادوں، حیلوں، وسیلوں سے مانگا اور فقط ایک شخص ہی تو مانگا اور اس نے وہی نہیں دیا۔ محبت میں کروں، دعائیں اور منتیں میں مانگوں اور وہ کسی اور کو مل جائے میں یہ کیسے برداشت کر لوں۔" اس نے روتے ہوئے سر اٹھا کر ان سے سوال کیا تھا۔

"بات یہ ہے عشاء بی بی کہ انسان کو وہی دیا جاتا ہے جو اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ جو مل جائے اس پر شکر اور جو نہ ملے اس پر صبر ہی بہترین ہے۔" ڈاکٹر باسط کا نرم لہجہ تسلی بھرا تھا۔ انہوں نے اسے بہترین راہ دکھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ "آنکھ" کھولتی تو دیکھ پاتی۔

"آپ یہ بات اس لیے کہہ رہے ہیں کیونکہ آپ نہیں جانتے میری زندگی میں فرسٹ، سیکنڈ، تھرڈ آپشن نہیں ہے میری زندگی میں اول آخر صرف ایک شخص ہے جس سے میری زندگی مشروط ہے اور جسے حاصل کرنے کے لیے میں کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ بات اگر قیمت ادا کرنے کی ہے تو میں ہر قیمت ادا کر سکتی ہوں۔ اور میں کروں گی۔"

☼ ☼ ☼

اس کی پریشان صورت اور گم کیفیت نے اس کی ماں کو اس کی بچپن کی دوست صبا انور کو کال کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ چھٹیاں گزارنے لاہور گئی ہوئی تھی۔ کل واپس آئی تھی اور آج اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ اور اسے سمجھانے کی کوشش میں مصروف تھی۔

"تم کچھ نہیں جانتیں صبا۔ محبت تو ہر کوئی کر لیتا ہے محبت بنا جینا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ سلگتی شاموں کے جاں گسل لمحوں کو دل و جان پر کسی عذاب کی صورت اترتے دیکھنا اور پھر برداشت کرنا۔ بنجر آنکھوں سے لہو رونا۔ ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔" اس کا لہجہ خون روتا تھا اور اس کی ویران آنکھوں میں اتنی شکستگی تھی کہ صبا کو بے اختیار خوف آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس نے خدا سے داور ابراہیم کو مانگا اس نے نہیں دیا وہ اب خود داور ابراہیم سے اسی کو مانگنے اس کے در پر چلی آئی تھی۔ وہ سوالی بن کر آئی تھی اور ایسی سوالی جس کا سوال محبت تھا۔ وہ اس کے سامنے بیٹھی تھی اس کے روبرو اور پہلی بار تھا وہ اسے دیکھ رہا تھا، سرتاپا وہ اس کی نظروں کے حصار میں تھی عشاء عذیر اس کی نگاہوں کا مرکز تھی۔ اسے بے اختیار خود پر رشک آیا۔ اسے وہاں موجود ہر شے خود پر رشک کرتی محسوس ہوئی تھی۔ اسے لگا لمحے ٹھہر گئے ہیں۔ وقت رک گیا ہے۔ اسے لگا اس کا دل ٹھہر گیا ہے۔ اس نے گلا کھنکار کر سگریٹ سلگایا تھا۔ اور اب سگریٹ کے طویل کش لیتے وہ شاید نہیں یقیناً" اس کے بولنے کا منتظر تھا۔ وہ آج اگر اس کے گھر آئی تھی اس سے ملنے آئی تھی تو کسی وجہ سے ہی آئی تھی۔ یہ "وجہ" جاننا چاہ رہا تھا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھی تھی اور دھیمے قدموں سے

چلتی وہ عین اس کے قدموں میں آبیٹھی تھی۔ داور ابراہیم کے چہرے پر حیرت کے شدید قسم کے تاثرات ابھرے تھے مگر دوسرے ہی لمحے وہ کمال مہارت سے انہیں چھپا چکا تھا۔

"اس دنیا میں بہت سارے لوگ ہیں جو کسی نہ کسی سے محبت کرتے ہیں۔ مگر ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہوگا جو کسی سے اتنی محبت کرسکے جتنی محبت میں آپ سے کرتی ہوں۔ ابھی تک اس دنیا میں کوئی ایسا پیمانہ ہی نہیں بنا جس سے میں اس محبت کو ناپ سکوں جو مجھے آپ سے ہے۔ میرے لیے اس دنیا میں اگر کوئی سب سے اہم ہے تو وہ آپ ہیں۔ جس دن سے میں نے آپ کو دیکھا ہے میں پھر کچھ اور نہیں دیکھ سکی ہوں۔ آپ میری آنکھوں کو دیکھیں۔ ان میں موجود عکس کو دیکھیں وہ آپ ہی کا ہے۔ آپ میرے لہجے میں موجود خوشبو کو محسوس کریں یہ میں نے ان ہواؤں سے چرائی ہے جن میں آپ نے سانس لیا۔ میں 'میرا سارا وجود اس رنگ میں رنگا ہے جو آپ کا رنگ ہے۔ سامعہ زبیر آپ کے لیے کیا ہے میں نہیں جانتی۔ میرے لیے آپ جینے کی پہلی اور آخری وجہ ہیں پر میں ضرور جانتی ہوں۔ مجھے آپ سے محبت ہے اور اپنی محبت پانے کے لیے میں کچھ بھی کرسکتی ہوں۔"

اسے خبر نہیں تھی وہ کیا کہہ رہی ہے کیسے کہہ رہی ہے اسے تو بس اتنا پتا تھا اس کے سامنے وہ شخص بیٹھا تھا جو اس کے دل میں بستا تھا اور جسے وہ اپنے دل کا حال سنا رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اسے سن رہا تھا وہ چپ ہوئی تو بھی وہ خاموش تھا۔ اس نے کسی قسم کا کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ خفگی 'نہ خوشی یہاں تک کہ کسی قسم کی حیرت نہیں۔ وہ واقعی پتھر تھا یا بن رہا تھا؟

"تو تم مجھے پانے کے لیے سب کچھ کرسکتی ہو؟" کچھ دیر بعد وہ عجیب سے لہجے میں بولا تھا۔ وہ جو سب کچھ کہنے کے بعد اب سر جھکائے بیٹھی تھی اس نے سر اٹھایا تھا۔

"آپ کو شک نہیں ہونا چاہیے۔" اس کا لہجہ بہت مضبوط تھا اور ابراہیم نے ایک ثانیے کو اس کی سنہری آنکھوں سے چھلکتی محبت کو غور سے دیکھا تھا اور زیر لب مسکرایا تھا۔

"میرے ساتھ وقت گزار سکتی ہو۔ آج اور ابھی۔" دوسرے لمحے سگریٹ جلاتے اس نے جو کچھ کہا تھا اس نے ایک پل کو اسے ششدر کردیا تھا۔

"میری بات کو آزمانا چاہتے ہیں؟"

"اب تمہیں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔" اس نے بے نیاز لہجے میں کہتے راکھ جھاڑی تھی۔

"اور اگر میں آزمائش میں پوری اتری تو۔؟"

"تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں تمہیں وہ دے دوں گا جو تم چاہتی ہو۔ فیصلہ اب تمہارے ہاتھ میں ہے۔" وہ کہتے ہوئے اٹھا تھا اور کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔

فیصلہ تو واقعی اس کے ہاتھ میں تھا اور اسے لمحوں میں کرنا تھا ایک طرف اس کا ایمان تھا اس کی عزت تھی۔ دوسری طرف اس کی محبت تھی اسے دونوں میں سے کسی ایک چیز کو چننا تھا۔ اس نے ایک لمحے کو سوچا اور پھر اس نے ایک چیز چن لی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کرکے سوچا تھا کہ کیا وہ داور ابراہیم کے بغیر رہ سکتی ہے کیا داور ابراہیم کو گنوا کے پھر اس کے اندر کسی شے کو پانے کی خواہش کبھی جاگ سکے گی؟ اندر سے آنے والے جواب نے اسے فیصلہ کرنے میں آسانی فراہم کی تھی۔ اس نے ایک بار پھر اپنے سامنے موجود دونوں چیزوں کو دیکھا۔ پھر اس نے اپنی انگلی محبت پر رکھ دی تھی اس نے "عزت" اور "محبت" میں سے محبت کو چن لیا تھا اس نے عزت پر محبت کو ترجیح دے دی تھی۔ اسے لگا تھا اس کا فیصلہ بالکل درست ہے وہ جب واپس جارہی تھی تو بے انتہا خوش تھی اسے لگتا تھا آج اس نے سب کچھ "پا" لیا ہے اسے خبر نہیں تھی آج اس نے سب کچھ "لٹا" دیا ہے۔

☆ ☆ ☆

صبا انور نے اپنے سامنے بیٹھی عشاء عذیر کو انتہائی

بے یقینی سے دیکھا تھا۔

"نہیں۔ تم ایسا۔ کیسے کرسکتی ہو؟" اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"تمہیں پتا ہے کسی چیز کو پانے کے لیے اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ میں نے بھی قیمت ادا کی ہے۔" اس کا انداز اطمینان بھرا تھا۔

"ہاں ادا کرنی پڑتی ہے مگر قیمت اگر "عزت" ہو تو انسان کو پیچھے ہٹ جانا چاہیے کیونکہ عزت کے بغیر جینے کا تو تصور بھی محال ہے۔" صبا نے تاسف بھری نظروں سے اسے دیکھتے کہا تھا اس نے لاپروائی سے سر جھٹکا تھا۔

"ہوسکتا ہے مگر میرے لیے محبت کے بغیر جینا ناممکن ہے۔"

"اور تمہیں کیا لگتا ہے عزت دے کر محبت پائی جاسکتی ہے؟" صبا کا طنزیہ لہجہ تلخ تھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔ مجھے ان سوالوں میں مت الجھاؤ مجھے تو بس اتنا علم ہے مجھے داور ابراہیم سے محبت اور میرے لیے سب سے اہم اسے پانا ہے پھر چاہے بات عزت پر آئے یا جان پر۔" سکون سے کہتے وہ آخر میں مسکرائی تھی۔

"تم نے غلط کیا عشاء اور میں خدا سے دعا کروں گی کہ وہ تمہاری اس غلطی کو معاف کردے وہ اسے تمہارے لیے "سزا" نہ بنادے۔

☼ ☼ ☼

وہ دن اسے اپنی زندگی کے سب سے خوب صورت دن لگتے تھے خوشی اس کے چہرے پر چمکتی اور اس کی آنکھوں سے چھلکتی تھی اور اس کے قدم زمین کے بجائے ہواؤں پر پڑتے تھے وہ بات بے بات ہنستی تھی۔ اور اس کی آنکھیں اس کے لبوں کا ساتھ دیتی تھیں اس کے ماں باپ کے لیے اطمینان کی بات یہ تھی کہ وہ اپنی پچھلی چند روزہ چپ چپ والی کیفیت سے نکل آئی تھی۔ اس کی شوخی شرارتیں اور ہنسی لوٹ آئی تھی۔

وہ اتنی خوب صورت ہوگئی تھی اس کی ماں دن میں کئی بار اس کی نظر اتارتی اور خود آنکھ بھر کے نہ دیکھتی کہ مبادا اس کی اپنی نظر ہی نہ لگ جائے داور ابراہیم نے اس سے کہا تھا وہ بہت جلد اس کا ہاتھ اس کے ماں باپ سے مانگ لے گا اور اسے اس دن کا شدت سے انتظار تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب اسے لگا کوئی چیز اس کا گلا گھونٹ رہی ہے اسے اپنے سینے پر شدید دباؤ محسوس ہو رہا تھا اور اسے سانس لینے میں دشواری پیش آرہی تھی وہ ہڑبڑاتے اٹھی تھی۔ اپنی گردن پر ہاتھ پھیرتے اس نے ٹیبل لیمپ آن کیا تھا چند گہرے سانس لے کر اس نے خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کی تھی۔ دوپٹے سے چہرے پر آیا پسینے کو پونچھ کر اس نے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلا تھا۔ اکٹھے دو گلاس پانی پی کر وہ بیڈ سے اتر آئی تھی یخ ٹھنڈے فرش پر ننگے پاؤں چلتے آکر اس نے کھڑکی کھولی تھی۔ سرد ہوا اس کے جسم سے ٹکرائی تو اسے اپنے سارے وجود میں کپکپی سی دوڑتی محسوس ہوئی تھی مگر اس نے کھڑکی بند نہیں کی تھی۔ وہ وہیں کھڑی اپنی بے چینی کی وجہ تلاشتی رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ سفید دیواروں والے کمرے میں ڈاکٹر ایمن کے روبرو بیٹھی تھی اور اس کی نظریں ڈاکٹر ایمن کے چہرے پر تھیں۔ اسے اپنی طرف دیکھتا پاکر وہ مسکرائی تھی۔

"مبارک ہو۔ یو آر پریگننٹ" ڈاکٹر ایمن نے سفید لفافہ اس کی طرف بڑھاتے جو کچھ کہا تھا اسے سن کر اندر آتی صبا کے ہاتھ میں تھا موبائل چھوٹ کر نیچے جاگرا تھا اور وہ خود اپنی جگہ پر ہی ساکت رہ گئی تھی۔ عشاء عذیر نے پھٹی پھٹی نظروں سے پہلے لفافے اور پھر ڈاکٹر ایمن کے چہرے کو دیکھا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا میرے ساتھ ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ اور میری سمجھ میں نہیں آرہا میں اب کیا کروں۔" گاڑی میں بیٹھ کر اس نے پریشان آواز میں کہتے اپنا سر ہاتھوں میں گرالیا تھا۔ صبا کو اس پر جی بھر کے غصہ آیا تھا۔

"تم ابھی اور اسی وقت داور ابراہیم کے گھر جاؤ اور اس سے کہو کہ تمہارے گھر پرپوزل بھیجے۔" صبا کی بات پر وہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ سب سے پہلے داور ابراہیم کے گھر آئی تھی وہ اسے وہاں نہیں ملا تھا۔ وہ وہاں سے سیدھی اس کے آفس آئی تھی اور تین گھنٹے کے انتظار کے بعد بھی وہ اس سے نہیں مل پائی تھی۔

"آپ کی اپائنٹمنٹ۔" سیکریٹری نے اس سے پہلا سوال ہی کیا تھا اور اس کے نفی میں سر ہلانے پر اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتے دور رکھے صوفوں پر بیٹھ کر انتظار کرنے کو کہا تھا۔ وہ چپ چاپ وہاں جاکے بیٹھ گئی تھی اور ذہن میں وہ الفاظ ترتیب دینے لگی تھی جو اسے داور ابراہیم سے کہنے تھے وہ ہر آدھے گھنٹے بعد ریسپشن پر جاکر اس کی سیکریٹری کو یاددہانی کرواتی اور وہ مسکرا کر سر ہلاتی تھی۔

"میم سر ابھی میٹنگ میں ہیں وہ جیسے ہی فارغ ہوتے ہیں میں انہیں انفارم کردوں گی۔"

تین گھنٹے تک اس کی سیکریٹری ردوبدل کے ساتھ یہی الفاظ دہراتی رہی تھی۔ بالآخر تین گھنٹے بعد میٹنگ ختم ہوئی تو وہ کسی فارن ڈیلی گیشن کے ساتھ لنچ پر چلا گیا تھا۔ تین گھنٹے کے لاحاصل انتظار کے بعد وہ واپس لوٹ آئی تھی۔

اگلا پورا دن اس نے داور ابراہیم سے ٹیلی فونک رابطہ کرنے کی کوشش میں گزارا تھا۔ اس کا نمبر یا تو بزی مل رہا تھا یا بند۔ گھر کے نمبر پر تو وہ ملتا ہی نہیں تھا۔ بالآخر پورے دن کی کوشش کے بعد وہ رات گیارہ بجے بہت مایوسی کے عالم میں اسے کال ملا رہی تھی اور اب

کی بار [illegible]

"یس داور ابراہیم اسپیکنگ" اس کے کانوں میں اس کی بھاری آواز سنائی دی تھی اور اس کا دل دھاڑیں مار کر رونے کو چاہا تھا بمشکل خود کو کمپوز کرکے اس نے اس سے ملنے کو کہا تھا اور یہ وہ اسے کچھ بتانا چاہتی ہے داور ابراہیم نے اسے گھر آنے کا کہہ کر فون بند کردیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تو۔" ہاتھ میں پکڑی رپورٹ پر نظر ڈالنے کے بعد اس نے اسے دیکھا تھا۔ اس کا "تو" بہت بے تاثر قسم کا تھا اور یہی حال اس کے چہرے کا تھا جو ہر قسم کے تاثرات سے پاک سپاٹ سا تھا۔

"اس میں کیا مسئلہ ہے؟" اس نے یونہی بیٹھے بیٹھے لفافہ سامنے میز پر پھینک دیا تھا۔ عشاء کو لگا اسے سننے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔

"یہ میری رپورٹ ہے جو پوزیٹو آئی ہے اور آپ کہہ رہے ہیں مسئلہ کیا ہے؟" اس نے ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیٹھے سگریٹ جلاتے داور ابراہیم کی طرف حیرت سے دیکھا تھا۔

"تو ختم کردو۔" وہ اس کی پریشانی سے بے نیاز بہت آرام سے مشورہ دے رہا تھا۔

"ختم کردوں کیا یہ اتنا ہی آسان ہے؟" اس نے بے یقینی سے اپنے سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا تھا۔

"جو لڑکی میرے ایک بار کہنے پر میرے ساتھ وقت گزار سکتی ہے اس کے لیے کچھ مشکل بھی ہے یہ میں مان نہیں سکتا۔" داور ابراہیم نے جس لہجے میں کہا تھا اس میں طنز نہیں تھا تمسخر نہیں تھا وہ "کچھ" اور تھا جس نے اسے نظریں جھکانے پر مجبور کردیا تھا۔

"اور پلیز اب یہ مت کہنا کہ میں ابھی کے ابھی تم سے شادی کرلوں کیونکہ شادی فی الحال میری ترجیحات میں شامل نہیں ہے۔ میں زندگی کو پری پلان طریقے سے گزارنے کا قائل ہوں اور ابھی شادی جیسی کوئی چیز میری پلاننگ کا حصہ نہیں ہے اور جہاں تک اس

ہے ... یہ تمہارا مسئلہ ہے اسے تمہیں ہی حل کرنا ہے اس میں مجھ سمیت کوئی بھی تمہاری مدد نہیں کرسکتا۔" وہ کندھے اچکاتا بہت آرام سے کہہ رہا تھا۔ عشاء عذیر نے اپنی آنکھوں کے آگے گہری دھند چھاتی محسوس کی تھی۔ اس نے داور ابراہیم کو دیکھنا چاہا اسے اس کا چہرہ دھندلا نظر آیا۔

"اور ویسے بھی تم لڑکیوں کی جس کیٹگری سے تعلق رکھتی ہو۔ ویسی لڑکیوں کو تو اس طرح کے "مسئلے" سے نبٹنا بہت اچھی طرح آتا ہے۔" اس کے منہ سے نکلے اگلے چند الفاظ نے اسے عرش کی بلندیوں سے نیچے زمین کی پستیوں میں گرادیا تھا۔ اسے لگا تھا اس نے وہ چند الفاظ نہیں کہے تھے بالٹی بھر کے کالک اس پر گرادی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا ان پر کالک لگی تھی۔ اس کے پاؤں اس کا سارا وجود سیاہی میں لتھڑے ہوئے تھے۔ اس نے دیوار پر لگے آئینے میں نظر آتے اپنے عکس پر نگاہ ڈالی اور اس کی چیخیں نکل گئی تھیں۔ اس کے چہرے پر کالک لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسے اندازہ نہیں تھا وہ کہاں سے آئی ہے اسے خبر نہیں تھی اسے کدھر جانا ہے وہ بے ارادہ بے سمت چلی جارہی تھی۔ اس کا دوپٹا سر سے اتر کر کندھوں پر آپڑا تھا۔ اور ایک پلو زمین کو چھو رہا تھا اس کے چہرے پر کوئی ایسی چیز تھی جو لوگوں کو اسے دیکھنے اور پھر دیکھ کر ٹھٹک جانے پر مجبور کررہی تھی۔

"بی بی یہ اپنا دوپٹا تو سنبھالو۔ دیکھو سفید دوپٹے پر مٹی لگ گئی ہے۔" ایک عورت نے اسے شانے سے پکڑ کر کہا تھا اور اسے حیرت ہوئی تھی اسے اس کے دوپٹے پر لگی مٹی نظر آگئی تھی۔ اسے اس کے پورے وجود پر لگی کالک کیوں نظر نہیں آئی تھی؟

☼ ☼ ☼

اسے خبر نہیں تھی وہ گھر کیسے پہنچی ہاں اپنی ماں کو دیکھتے ہی اسے ضبط کے بندھن ٹوٹتے محسوس ہوئے تھے۔ وہ اپنی ماں کے گلے لگتے ہی دھاڑیں مار مار کے روئی تھی اسے لگتا تھا اس نے محبت کی قیمت چکائی ہے اسے کون سمجھاتا قیمتیں اتنی آسانی سے نہیں چکائی جاسکتیں۔ اس کی ماں اسے یوں روتا دیکھ کر گھبرا گئی تھی وہ حواس باختہ سی اسے چپ کروارہی تھی۔ ہچکیوں کے ساتھ روتے روتے کھڑے کھڑے ڈھیر ہوگئی تھی۔

محبت نیلے موسموں میں گلابی تتلیوں جیسی
محبت زندگی کی طرح محبت موت جیسی

☼ ☼ ☼

دوبارہ جب اس کے حواس لوٹے تو وہ اپنے کمرے میں اپنے بیڈ پر تھی اور سامنے کھڑی اس کی ماں اسے انتہائی سرد نگاہوں سے گھور رہی تھی۔ اس کی ماں کی آنکھوں میں ہمیشہ والی محبت کی جگہ نفرت تھی بے انتہا اور بے تحاشا نفرت۔ جس نے اسے دوبارہ سے آنکھیں بند کرنے پر مجبور کردیا تھا۔

"ہمیشہ خدا کا شکر ادا کیا کہ جس نے ہمیں اولاد جیسی نعمت سے نوازا۔ آج پہلی بار خدا سے شکوہ کرنے کا دل چاہ رہا ہے کہ اگر اس نے تم جیسی بے غیرت اولاد دینی تھی تو ہمیں بے اولاد ہی رکھتا۔ جب تم پیدا ہوئی تھیں تو تمہارا باپ اپنی استطاعت اور اوقات سے بڑھ کر ایک ماہ تک مٹھائیاں تقسیم کرتا رہا تھا سینکڑوں نہیں ہزاروں اس نے تمہارے صدقے خیرات پر خرچ کیے تھے۔ وہ ہمیشہ کہتا تھا خدا اس سے بہت خوش ہے جو اس نے تمہیں رحمت بنا کر اس کے گھر بھیجا۔ پر اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ بیٹی جسے وہ خدا کی رحمت کہتا ہے۔ جسے اس نے اپنے ہاتھ کا چھالا بنا کر رکھا ہے۔ جس کے لاڈ اٹھاتے وہ تھکتا نہیں ہے اور جسے دیکھے بغیر اس کی صبح نہیں ہوتی وہ بیٹی ایک دن اس کے لیے بدنامی اور رسوائی کا ایسا طوفان لائے گی جو اس کی برسوں کی بنائی عزت کو لمحوں میں اپنے ساتھ بہا کر لے جائے گا۔ اس کی لاڈلی بیٹی اس کے چہرے پر ایسی کالک مل دے گی جو پھر تاعمر نہیں دھل سکے گی۔ ابھی بھی وہ باہر پریشان

بیٹھا ہے وہ مجھ سے پوچھ رہا ہے اس کی بیٹی کو کیا ہوا ہے اور اگر میں اسے بتادوں کہ اس کی بیٹی کو کیا ہوا ہے تو وہ ابھی ابھی تمہارا اگلا گھونٹ...." اس کی ماں کے باقی الفاظ منہ میں ہی رہ گئے تھے جب دھاڑ سے دروازہ کھول کر غصے سے سرخ چہرہ لیے اس کا باپ اندر داخل ہوا تھا اس کی ماں دہل گئی تھی اور اس کے چہرے پر ہراس چھا گیا تھا۔ اور خود وہ ساکت نظروں سے باپ کو دیکھ رہی تھی۔ جس کی خون چھلکاتی آنکھیں اس کی ماں پر جمی تھیں۔

"تو ثابت ہوا کہ خون کا اثر ضرور ہوتا ہے جیسی تم تھیں ویسی ہی تمہاری بیٹی بھی ہے۔ بے غیرت اور بدکردار۔" اس کے باپ کے منہ سے نکلے چند الفاظ نے وہاں موجود ہر شے کو ساکت کردیا تھا۔ اٹھائیس سال پہلے اس کی ماں سے دوران تعلیم کسی کو پسند کرنے کی غلطی ہوئی تھی اور اٹھائیس سال بعد اس غلطی پر اسے طعنہ ملا تھا اور اپنی سگی اولاد کی وجہ سے ملا تھا۔ اس کی ماں نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر وہیں گر گئی تھی کبھی نہ اٹھنے کے لیے وہ یہ طعنہ برداشت نہیں کرپائی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسے داور ابراہیم بھول گیا۔ اسے محبت بھول گئی اسے اپنی غلطی بھول گئی۔ اسے اپنے باپ کا غصہ اور نفرت بھول گئی اسے صرف "ماں" یاد رہ گئی تھی اور اپنی ماں کی وہ آخری نظریں۔ وہ سارا دن صبا کے کندھے پر سر رکھ کر سسکتے گزارتی اور ساری رات بے چین روحوں کی طرح ننگے سر اور ننگے پاؤں گھومتی رہتی وہ ٹیرس پر ہوتی اسے لان میں ماں نظر آتی۔ وہ بھاگ کر لان میں جاتی اور "ماں" وہ کہیں نہیں ہوتی اسے ہر جگہ ماں نظر آتی' وہ روتی معافیاں مانگتی اور ماں۔ وہ یونہی ناراض چہرہ لیے غائب ہوجاتی۔

☼ ☼ ☼

وہ زمین پر دیوار سے سر لگائے بیٹھی تھی۔ اور اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی گزشتہ زندگی کی کہانی کسی فلم کی طرح چل رہی تھی۔ اسے ماں یاد آرہی تھی۔ اسے ماں کا پیار یاد آرہا تھا۔ وہ دونوں چیزیں جو اب اس کی زندگی میں کہیں نہیں تھیں۔ بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی ماں کا چہرہ آرہا تھا مختلف دنوں میں۔ مختلف جگہوں پر۔ مختلف نظروں میں۔ پر ایک چیز اس چہرے پر ہر جگہ موجود تھی اور وہ تھا اس کے لیے پیار۔ اور ان نرم روشن آنکھوں سے چھلکتی محبت۔ اور اب نہ وہ آنکھیں رہی تھیں۔ نہ وہ محبت رہی تھی۔ اور ان آنکھوں کے کھونے پر اس کا دل دھاڑیں مارتا تھا اور آنکھیں خون روتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

ماں دنیا سے چلی گئی تھی اور باپ روٹھ گیا تھا۔ وہ اس کی شکل دیکھنے کے بھی روادار نہیں تھے۔ ماں کھو گئی تھی۔ اس کے کھونے پر اس نے اب تمام عمر رونا تھا مگر باپ ابھی پاس تھا۔ معافی مانگی جاسکتی تھی۔ مگر وہ حوصلہ کہاں سے لاتی کہ باپ کے سامنے جاسکتی۔

رات کے اس تاریک پہر جب اس نے دبے پاؤں ان کے کمرے میں قدم رکھا ہر طرف سناٹے کا راج تھا۔ وہ آہستہ روی سے چلتی ان کے بستر تک آئی تھی۔ اور پھر ان کے قدموں پر سر رکھے اس نے بے تحاشا آنسو بہائے تھے انہیں سوتے میں کچھ عجیب سا احساس ہوا تو ان کی آنکھ کھل گئی تھی اور اپنے قدموں پہ سر رکھ کر روتی عشاء کو دیکھ کر ان کے سارے اعصاب تن گئے تھے انہوں نے سرعت سے اپنے پاؤں کھینچ لیے تھے۔

"پلیز ابا۔" اس نے تڑپ کر سر اٹھایا تھا۔

"مم' مجھے معاف کردیں۔ اپنی بیٹی اپنی عشاء کو معاف کردیں۔" وہ پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قدموں میں آبیٹھی تھی۔

"پلیز ابا ایک بار مجھے معاف کردیں۔" شدتوں سے روتے وہ فقط ایک ہی جملے کی تکرار کیے جارہی تھی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے عشاء' ہر غلطی قابل معافی ہوتی ہے۔ آپ کسی کو جیتے جی ماردیں زندہ درگزر

کردیں اور پھر لیں کہ مجھے معاف کردو۔ جانے والی خوش نصیب تھی جو ذلت اور رسوائی سہنے سے پہلے ہی آنکھیں موند گئی۔ میں اپنی چلتی پھرتی لاش اور کالک زدہ چہرہ لے کر کہاں جاؤں؟ اپنے احسان نہیں جتاؤں گا۔ نہ ہی اپنے مان' بھروسے اور اعتماد کے ٹوٹنے کا گلہ تم سے کروں گا مگر تم سے یہ ضرور پوچھوں گا کہ کیا ایک بیٹی ہونے کے ناتے یہ تمہارا فرض نہیں تھا کہ تم اپنے ماں باپ کی عزت کی حفاظت کرو۔" اسے ان کا سوال ساکت کر گیا تھا۔ وہ خود کو داور ابراہیم کی پجارن سمجھنے لگی تھی۔ اسے بھول گیا تھا وہ ایک بیٹی بھی ہے۔

☼ ☼ ☼

"اس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ میں نے اس سے داور ابراہیم کو مانگا اس نے نہیں دیا میں نے اپنی کوشش سے پانا چاہا اور اس نے میری کوشش کو میرے لیے پھندا بنادیا۔" صبا نے گہری سانس بھر کے اسے دیکھا۔

"اس لیے کیونکہ اس نے حدیں بنادی ہیں۔ دائرے' لائنیں' قانون' ضابطے' ہر کوشش انہی کی حد میں رہ کر کی جاتی ہے۔ انسان جب اپنی کوشش میں حد پھلانگ جاتا ہے۔ سارے دائرے' ساری لائنیں' سارے قانون اور ضابطے توڑ دیتا ہے تو پھر اس کی کوشش کو اسی پر الٹا دیا جاتا ہے۔ انسان کو اس کی اپنی تدبیروں میں الجھا دیا جاتا ہے۔" صبا کی بات پر اس نے یاسیت سے سر جھٹکا۔

"میں کیا کرتی میں بری نہیں تھی۔ بدکردار اور بے عزت بھی نہیں تھی۔ احمق اور بے وقوف بھی نہیں تھی۔ مجھے تو محبت کے ناگ نے ڈس لیا تھا۔ میرا سارا وجود نیلا ہو گیا تھا میں نے تو تریاق ڈھونڈنا چاہا تھا۔ اس شخص نے میرے سامنے سودا رکھا اور میں نے ایک لمحے کے لیے اس میں ہونے والے فائدے کو سوچا کاش میں دو لمحے لے لیتی اور دوسرے لمحے میں ان خساروں کو بھی نگاہ میں رکھ لیتی جو مجھے ہونے تھے۔ میں تمہیں بتاؤں محبت کے بغیر مرنا عزت کے بغیر جینے سے ہزار درجے بہتر ہوتا ہے۔"

☼ ☼ ☼

ایمان' عزت' رشتے' مان' بھروسا' اعتبار۔ وہ ہر روز خسارے گننے کی کوشش کرتی جو ایک شخص کو پانے کے لیے اس نے اٹھائے تھے۔ حساب ختم ہو جاتا۔ خسارے ختم نہ ہوتے۔ اسے اپنا آپ اس شخص جیسا لگتا جس نے اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر کھودی ہو۔ اور خود ہی اس میں چھلانگ لگائی ہو۔ اور اب اس قبر میں پچھتاووں کے ناگ ہر لمحہ اسے ڈستے رہتے۔ سانس جتنی مشکل سے اندر جاتی اس سے دگنی مشقت سے باہر آتی۔ ایک ایک لمحہ گزارنا اسے قیامت سے گزرنے کے مترادف لگتا۔

اور یہ اس سے ایک ہفتے بعد کی بات تھی جب اس کے باپ نے اس کے کمرے میں قدم رکھا تھا۔ وہ حیران نظروں سے انہیں دیکھتے گئی تھی۔ اس کے باپ نے آتے ہی جو کچھ کہا تھا اس نے اس کے وجود کو زلزلوں کی زد میں لا کھڑا کیا تھا۔

"داور نے تمہارے لیے پرپوزل بھیجا ہے۔ وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ میں چاہتا تو اسے کچھ بھی بتائے بغیر پرپوزل قبول کر لیتا۔ مگر میں اسے دھوکا نہیں دینا چاہتا اس لیے میں نے اسے سب کچھ سچ بتا دیا اور اس سے التجا کی کہ وہ میری عزت رکھ لے۔ میں کہتے ہوئے شرم سے مرا جا رہا تھا کہ وہ میرے چہرے کی کالک اتار کر اپنے چہرے پر مل لے۔ مگر میرے پاس اور کوئی راستہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں جڑے ہوئے ہاتھوں سے اس کے سامنے التجا کرتا رہا کہ وہ میری داغ دار بیٹی کو اپنی عزت کی چادر سے ڈھانپ لے اور اس نے میرے جڑے ہوئے ہاتھوں کی لاج رکھ لی۔ اس نے مجھے شرمندہ ہونے سے بچالیا اس نے تم سے شادی پر رضامندی ظاہر کردی اور اب تم بھی اس کے گھر کو ہی اپنا آخری ٹھکانہ سمجھنا کیونکہ اس گھر کے دروازے تم پر ہمیشہ کے لیے بند ہو چکے ہوں گے۔"

بنجر آنکھوں' ویران چہرہ اور شکستہ وجود لیے وہ

داور ابراہیم کے گھر آگئی تھی داور ابراہیم نے اسے اپنا نام دے دیا کافی تھا۔ عزت وہ اپنے ساتھ نہیں لائی تھی اسے آگے کہاں سے ملتی۔ اس نے پہلے دن کی پہلی رات ہی بتا دیا تھا کہ اس کے دل میں اس کے لیے رتی برابر بھی عزت نہیں اور جو چیز اس کے پاس ہے ہی نہیں وہ اسے وہ چیز کیسے دے سکتا ہے اور محبت جیسی کسی چیز کے وجود کا وہ قائل ہی نہیں۔ اس لیے وہ کم از کم ان دو چیزوں کی توقع نہ رکھے۔ ہاں اگر اس کے بعد "کچھ" بچتا ہے تو وہ اسے دینے کی کوشش وہ ضرور کرے گا۔

تو یہ تھا داور ابراہیم جو اسے لگتا اسے نہ ملا تو وہ مر جائے گی۔ وہ اسے نہ ملتا وہ تب بھی مر جاتی۔ وہ اسے مل گیا تھا وہ تب بھی زندہ نہیں رہی تھی۔ داور ابراہیم اس کی زندگی میں نہیں تھا تو سکون نہیں تھا۔ داور ابراہیم اس کی زندگی میں آگیا تھا۔ سکون اب بھی نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

"ہم جو چاہتے ہیں ہمیں نہیں ملتا وہ اس لیے نہیں ملتا کیونکہ کہ وہ ہمارے حق میں بہتر نہیں ہوتا مگر ہم یہ بات سمجھتے تب تک" وہ میرس پر کھڑی تھی جب وہ کف الٹتا اس کے پیچھے آکھڑا ہوا تھا۔

"تم اس دنیا کی واحد لڑکی ہو جو اپنی محبت پا کے بھی ناخوش دکھائی دیتی ہے۔" گرل پکڑ کر آگے کی سمت جھکتے اس نے اپنی محبت پر زور دے کر کہا تھا۔

"محبت کے بدلے محبت ملے تو ہی وہ خوشی بنتی ہے۔" اس نے بنا اس کی سمت دیکھے جواب دیا تھا وہ نہیں چاہتی تھی وہ اس کی آنکھوں میں موجود ندامتوں کے اشک دیکھ سکے۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

"یہ تمہیں اب پتا چلا ہے یا پہلے سے جانتی تھیں۔" وہ سفید شرٹ کے بٹن کھولتے محظوظ سا ہوتا پوچھ رہا تھا۔

"نہیں مجھے لگتا تھا میں اپنی محبت کا بیج ڈال کر آپ کے دل پر محبت کی فصل اگا دوں گی پر میں بھول گئی تھی

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

کچھ زمینوں پر جتنی مرضی محنت کرلو وہ بنجر ہی رہتی ہیں۔" وہ پلٹ گئی تھی وہ وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔

٭ ٭ ٭

"تم کھانا کیوں نہیں کھا رہیں؟" وہ کتنی دیر سے خالی پلیٹ سامنے رکھے اسے گھورنے میں مشغول تھی جب وہ اچانک سے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا۔" اس نے خالی پلیٹ بھی سامنے سے ہٹادی تھی۔

"لیکن تمہیں اچھی خوراک کی ضرورت ہے یہ تمہارے اور آنے والے دونوں کے لیے ضروری ہے۔" اس کی اگلی بات نے جیسے اس کے سارے زخم پھر سے ادھیڑ دیے تھے۔ اسے پہلی بار اس وجود کا احساس ہوا تھا جو ان دونوں کے گناہ کا نتیجہ تھا۔ وہ گناہ جو قابل معافی نہیں تھا اور جس نے اس سے اس کا سب کچھ چھین لیا تھا' وہ اس کی لمحوں کی غلطی تھی جس کے اثرات اس کی باقی کی ساری زندگی پر حاوی ہوچکے تھے۔ وہ فوراً" وہاں سے اٹھی تھی۔ اور بھاگ کر اندر چلی گئی تھی جہاں آکر اس نے ندامتوں کے نجانے کتنے سارے اشک بہائے تھے۔

وہ فریش ہو کر نکلی تھی جب ملازمہ نے اسے سامعہ کے آنے کی اطلاع دی تھی۔ اسے خوشی کے ساتھ حیرت بھی ہوئی تھی۔ کیونکہ آپس میں کزنز ہونے کے باوجود ان میں بے تکلفی نام کو بھی نہیں تھی۔ وہ کافی پرجوش انداز میں سامعہ سے ملی تھی جب کہ سامعہ کا انداز کافی سرسری سا تھا۔

"تم اتنی کمزور اور بجھی بجھی سی کیوں لگ رہی ہو؟" اس کی آنکھوں کے گرد گہرے حلقوں کو دیکھتے سامعہ نے پوچھا تھا اس کا انداز ٹوہ لینے والا تھا۔

"نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ دانستہ خود کو فریش ظاہر کرتے ہوئے اس کی بات کی تردید کررہی تھی۔

"لگتا ہے داور تم پر توجہ نہیں دیتا حالانکہ تم اس کی نئی نویلی دلہن ہو" سامعہ نے تمسخر اڑاتے لہجے میں کہتے ایک کٹیلی سی نظر اس پر ڈالی تھی۔ تو وہ یہاں اس سے "ملنے" تو ہرگز نہیں آئی تھی۔ اس نے بے ساختہ سوچا۔

"ویسے مجھے تو حیرت اس بات کی ہے کہ میں نے آج تک کبھی اس کے منہ سے تمہارا نام تک نہیں سنا۔ پھر اس نے یوں اچانک تم سے شادی کیسے کرلی؟" سوالیہ پرسوچ نگاہوں سے اسے دیکھتے اس نے عشاء کو دیکھ کر ابرو اچکائے تھے۔

"یہ سوال آپ داور سے ہی پوچھیے گا۔" اس نے سامعہ کو کہا تھا اور شام کو یہی سوال داور ابراہیم کے آگے رکھا تھا۔ اس کا اپنے گیلے بالوں کا سنوارتا ہاتھ رکا تھا۔ اس نے عشاء کے چہرے کو دیکھا اور مسکرایا تھا۔

"مجھے رحم آگیا تھا تم پر۔" وہ ساکت رہ گئی تھی بنا پلک جھپکے وہ اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی یہ وہ شخص تھا جس سے وہ پچھلے پانچ سالوں سے آنکھیں بند کیے محبت کررہی تھی یہ وہ شخص تھا جس کے پیچھے اس نے اپنی دین دنیا گنوائی تھی۔ یہ وہ شخص تھا جس سے محبت کی قیمت اس نے اپنی سب سے قیمتی متاع دے کر چکائی تھی اور یہ وہ شخص تھا جو کہہ رہا تھا اس نے اس پر رحم کھایا ہے۔ اسے لگا اس نے وہ چھ الفاظ نہیں کہے تھے۔ اسے زندہ درگور کردیا تھا۔

٭ ٭ ٭

رات اپنے پورے جوبن پر تھی اور وہ گلاس وال کے سامنے ادھورے چاند پر نگاہ جمائے کھڑی تھی عرصہ ہوا اس کو آنکھ بھر کر نیند لیے۔ اس کی اکثر راتیں یونہی سود و زیاں کا حساب کرتے گزر جاتی تھیں۔ سیل کی تیز بجتی ٹون پر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ وہ جو بہت آرام کی نیند سو رہا تھا۔ پہلی بیل پر ہی جاگ گیا تھا اور اب سیل کان سے لگاتا کراؤن سے ٹیک لگا رہا تھا۔ دوسری طرف سے ملنے والی اطلاع نے اس کے چہرے پر پریشانی پھیلادی تھی۔

"کب؟ کیسے؟" جیسے الفاظ ادا کرکے وہ اب کسی کو اپنے پہنچنے کا کہہ کر فون بند کرچکا تھا۔

"کیا ہوا؟" اس نے پوچھا نہیں تھا اس کے چہرے پر لکھا تھا جسے نظر انداز کرتا وہ عجلت میں جوتے پہن رہا تھا۔

"میں کچھ دیر میں آتا ہوں" مختصر الفاظ' چھوٹی بات اور وہ باہر۔ وہ اسی طرح کھڑی رہ گئی تھی۔

٭ ٭ ٭

اس کے باپ کو بہت شدید قسم کا ہارٹ اٹیک ہوا ہے اور وہ آئی سی یو میں ہے یہ خبر اسے تیسرے دن پتا چلی تھی اور اس کی جان نکل گئی تھی۔ نجانے ابھی کتنی قیمت ادا کرنا باقی تھی؟ اس دن وہ خالی کمرے میں دھاڑیں مار کر روئی تھی اور اسے چپ کروانے والا کوئی نہیں تھا۔

"بی بی جی آپ اپنے ابو کی صحت کے لیے دعا کریں رب سے ان کی زندگی ان کی سلامتی مانگیں۔" ملازمہ کے نیک نیتی سے دیے گئے مشورے پر اس نے سر ہلایا۔ وضو کیا۔ جائے نماز بچھائی مگر اس پر کھڑے ہونے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔ وہ آج تک ماں باپ کی ناراضی کو روتی رہی تھی۔ اس کی ناراضی کا احساس آج ہوا تھا جس کی اس نے سب سے زیادہ نافرمانی کی تھی۔

٭ ٭ ٭

وہ صبا کے ساتھ اسپتال آئی تھی۔

"میں اندر نہیں جاؤں گی میں ان کے سامنے نہیں ہوں گی میں باہر کھڑے رہ کر بس ایک نظر انہیں دیکھ لوں گی۔" اس نے صبا کو یقین دہانی کرائی تھی صبا اندر چلی گئی تھی اور وہ باہر کھڑی دروازے کی جھری سے ان کا زرد چہرہ دیکھ رہی تھی صبا کے ساتھ بات کرکے ان کی طبیعت اچانک سے خراب ہوئی تھی۔ اس نے صبا کو گھبرا کر ڈاکٹرز کو بلانے کے لیے بھاگتے دیکھا۔ اس نے وہاں اچانک سے مچ جانے والی بھگدڑ کو دیکھا اس نے سامنے بیڈ پر موجود کمزور وجود کو درد سے تڑپتے دیکھا اور وہ الٹے پاؤں وہاں سے نکلی۔ اسے لگا تھا اگر وہ وہاں ایک منٹ بھی مزید رکی تو خدانخواستہ اس کے باپ کو کچھ ہوجائے گا باہر آکر اس نے بنا سوچے سمجھے بنا کسی سمت کا تعین کیے بھاگنا شروع کردیا تھا۔ وہ بھاگ رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے بے تحاشا نمکین پانی بہہ رہا تھا جس نے اس کے چہرے کو تر کر رکھا تھا اور اس کے کانوں میں مختلف آوازیں گونج رہی تھیں۔

"میری بیٹی جیسی بیٹی اس پوری دنیا میں کسی کی نہیں ہوسکتی" اس کا باپ اسے کندھے سے لگائے مسکراتے ہوئے اس کی ماں سے کہہ رہا تھا۔ وہ درست کہہ رہا تھا واقعی اس کی بیٹی جیسی بیٹی کسی اور کی کیسے ہوسکتی ہے؟ ہر بیٹی اپنی ماں کی موت کی وجہ اور باپ کے چہرے پر ملی کالک کا سامان کب بنا کرتی ہے؟ بھاگتے ہوئے اس کے پاؤں سے جوتی نکل گئی تھی اس کے سر سے دوپٹا اتر گیا تھا۔ لوگ حیرت سے اسے مڑ مڑ کر دیکھتے تھے۔

"میں جب بیمار ہوں گا تو میری بیٹی ہے نا وہ میری خدمت کرے گی۔" اس کے باپ نے اس کی ماں کی ناراضی کے جواب میں کہا تھا۔ اس کی ماں اس کے باپ سے اپنا خیال نہ رکھنے پر خفا ہورہی تھی اور انہیں صحت کے بگڑ جانے کا ڈراوا دے رہی تھی جب انہوں نے اسے آنکھ سے ہلکا سا اشارہ کرتے ہوئے اس کی ماں سے کہا تھا اور کہتے ہوئے اس کے باپ کا لہجہ یقین بھرا تھا۔ بھاگتے ہوئے اس نے آنکھوں کے آگے تنی آنسوؤں کی دھند کو بازو سے ہٹانا چاہا اور یہی وہ لمحہ تھا جب وہ سڑک کنارے پڑے پتھر سے ٹھوکر کھا کر گری تھی اور گرتے ـــ ہی ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔

٭ ٭

(دوسرا اور آخری حصہ آئندہ ماہ)

سرورق کی شخصیت

ماڈل ـــــــ زارا گل
میک اپ ـــــــ روز بیوٹی پارلر
ژانسپھرنسی ـــــــ موسیٰ رضا

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

مکمل ناول

روک لیں یا بڑھنے دیں
تھام لیں یا گرنے دیں
وصل کی لکیروں کو
توڑ دیں یا ملنے دیں
راستوں کی مرضی ہے
اجنبی کوئی لا کر
ہمسفر بنا ڈالیں
ساتھ چلنے والوں کی
دھول تک اڑا ڈالیں
یا مسافتیں ساری
خاک میں ملا ڈالیں
راستوں کی مرضی ہے
بے نشاں جزیروں پر
بدگمان شہروں میں
بے زباں مسافر کو
جس طرف بھی بھٹکا دیں
راستوں کی مرضی ہے
بے زمین لوگوں کو
بے قرار آنکھوں کو
بدنصیب قدموں کو
جس طرف بھی لے جائیں
راستوں کی مرضی ہے

اکمل جس طرح مہربانو کو لوگوں کے ہجوم اور میڈیا کی آنکھ سے دور اپنی گاڑی تک لایا تھا انداز محسوس کرنے، سمجھنے یا جانچنے کے لیے اس وقت مہربانو کا ذہن بالکل سپاٹ تھا ــــــ بلکہ ہر قسم کے احساسات و جذبات سے بالاتر ہو کر اس وقت اس کے جسم کا روم روم اکمل کا احسان مند تھا کہ وہ اسے ان تمام نظروں سے اوجھل کر پایا تھا جو اس کے جسم میں زہر سے بجھے نیزے کی مانند داخل ہو کر اس کی روح تک کو زخمی کیے دے رہی تھیں۔

وہ اس وقت اکمل کے ساتھ اس کی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی نہیں جانتی تھی کہ آج راستے سے زندگی کے کون سے موڑ کی طرف لیے جا رہے ہیں۔ اکمل کا خاموش چہرہ اور بھنچے ہوئے جبڑے بتا رہے تھے کہ اسے بھی ذہن و دل میں ہونے والی جنگ کا سامنا ہے۔ یوں میڈیا پر ہونے والی اس افسوسناک رپورٹنگ کے بعد خود مہربانو اپنی ذات کو ہوا میں معلق محسوس کر رہی تھی۔ اب جبکہ میڈیا کی مہربانی سے گھر گھر میں اس کے متعلق عجیب و غریب قیاس آرائیاں

کی جا رہی ہوں گی تو ایسے میں خود اس کے گھر والوں کا کیا ردِ عمل ہوگا؟ میران یا شاہ سائیں یہ ساری حقیقت مختلف ٹی وی چینلز کی زبانی جاننے کے بعد کس کیفیت کا شکار ہوں گے؟ اور اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ یہ اور اس جیسی تمام سوچیں اس کے ذہن کو بری طرح جکڑے ہوئے تھیں۔

وہ خود تو لفٹ سے نکلنے کے بعد سے اب تک ایک لفظ بھی نہیں بولی تھی البتہ اکمل نے سوالات کی بوچھاڑ کے جواب میں سارا معاملہ واضح کرنے کی کوشش ضرور کی مگر رپورٹرز شاید اس تمام معاملے کی رپورٹنگ حسب منشا کرتے ہوئے معاملے کو اپنی مرضی کا رنگ دینا چاہتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ ایسے بے تکے سوالات کرنے لگے کہ اکمل نے ان میں سے کسی بھی سوال کا جواب دینا مناسب خیال نہ کرتے ہوئے مہربانو کا ہاتھ تھاما اور اس ہجوم سے باہر نکل آیا اور اب شاید وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ بس راستوں کے رحم و کرم پر گاڑی سیاہ تارکول کی سڑک کو اپنے پہیوں تلے (روندتی) جا رہی تھی۔

یوں بھی اس وقت اگر اسے فکر تھی تو صرف اور صرف مہربانو کی کیونکہ وہ اب اس کے فیملی بیک گراؤنڈ سے بہت اچھی طرح واقف ہو چکا تھا اور جانتا تھا کہ اس کا تعلق معاشرے کی ایک ایسی سوچ سے ہے جہاں قدموں کی ہلکی سی لغزش بھی پاؤں کٹوانے کا باعث بن سکتی ہے اور یہ تو پھر بات ہی بہت بڑی تھی۔ میران جس ذہنیت کا انسان تھا اس کے سامنے یہ سارا ماجرا کھلنے پر وہ کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتا تھا۔ شاہ سائیں کا بھی ایک مضبوط سیاسی حلقہ تھا۔ ایک جانی مانی حیثیت تھی۔ ان کے دوست دشمن جب ٹی وی پر بار بار چلنے والی یہ خبر دیکھیں گے اور ظاہراً رسمی طور پر جب ان کے ساتھ طنز کے زہر میں بجھے لفظوں سے اظہار ہمدردی کریں گے تو وہ اپنے حلقہ احباب میں خود کو کس طرح Stable کریں گے۔

"کہاں جانا چاہیں گی آپ؟"

اکمل نے گردن موڑ کر ساتھ بیٹھی مہربانو سے پوچھا جس کی بڑی بڑی آنکھیں ڈیش بورڈ پر مرکوز تھیں۔ اس کی آواز پر وہ بے اختیار چونک سی گئی تھی۔ ایسے جیسے کسی ویرانے میں اچانک ہی کوئی اپنے جیسا انسان نظر آ گیا ہو۔

"میں۔۔۔۔" بغیر آواز کے صرف ہونٹوں کی جنبش سے مہربانو نے خود اپنے آپ سے ہی سوال کرتے ہوئے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

واقعی اب آخر اسے جانا کہاں چاہیے تھا؟ ہاسٹل؟ جہاں اب تک لڑکیاں یقینی طور پر اسے ٹی وی پر دیکھ کر ایک دوسرے سے حیرت کا اظہار کرتی جانے خود سے کیا کیا قیاس آرائیاں کر رہی ہوں گی اور یقیناً میری اور کنول سے سارے واقعے کی تفصیلات کرید کرید کر پوچھنے میں معروف ہوں گی۔

"مجھ نہیں آ رہا کہ کیا کروں، اگر ہاسٹل جاؤں تو وہاں لڑکیوں نے ابھی میڈیا اور رپورٹرز کی طرح اِدھر اُدھر کے بے شمار فضول سوال کرنے ہیں۔"

اکمل کو اپنے جواب کا منتظر پا کر مہربانو نے اپنے دل کی الجھن اس کے ساتھ شیئر کی۔ یوں بھی پوری رات لفٹ میں گزارنے کے بعد وہ اس کے کردار کی دلی طور پر معترف ہو گئی تھی اور اس کی نظروں میں اکمل ایک بہت اچھا اور قابل بھروسہ دوست بننے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اب یہ الگ بات تھی کہ وہ اسے دوست کا درجہ بھی نہیں دے سکتی تھی اور آج کے بعد ایک بار پھر ان دونوں کو اجنبی بن کر بچھڑ جانا تھا۔ کسی اور اچانک اور غیر ارادی ملاقات تک کے لیے۔

"بابا سائیں اور بھائی وغیرہ کو بھی یقیناً اب تک سارے معاملے کی خبر ٹی وی کے ذریعے ہو چکی ہو گی اور وہ بھی اس وقت یقینی طور پر انتہائی غصے میں ہوں گے۔"

اضطرابی کیفیت میں مہربانو اپنی دونوں ہاتھوں کی انگلیاں مسل رہی تھی۔ اکمل نے نظر بھر کر اسے دیکھا۔ صرف وہ جانتا تھا کہ مہربانو بے خطا، بے قصور اور پاک دامن ہے مگر یہ بات ساری دنیا کو آخر کس طرح سمجھائی جا سکتی تھی اور دنیا والوں سے پہلے شاہ

سائیں، میران اور ملکانی سائیں کو۔ مہربانو نے سر جھکا کر آنکھوں کو مضبوطی سے بند کرنے کے بعد پھر سے کھولا۔

گاڑی کی اسپیڈ پہلے کی نسبت اب ذرا کم تھی۔ ایک عجیب خوف اور انجانا سا دھڑکا دل کو سرد کیے دے رہا تھا۔ بمشکل تھوک نگلنے کے بعد وہ اکمل کی طرف دیکھنے لگی۔

"اور وہ لوگ غصے میں کس حد تک چلے جائیں گے، اس بارے میں، میں خود بے یقینی کا شکار ہوں۔" یہ پہلا موقع تھا کہ مہربانو یوں ارادتاً اسے دیکھ رہی تھی اور تب اکمل نے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی دھند ابھرتے دیکھی تھی مگر ساتھ ساتھ باوجود اس کے کہ وہ بات کچھ اور کر رہی تھی مگر اکمل کو لگا جیسے اس کی آنکھیں اکمل کا ساتھ چاہ رہی ہوں۔ اس مشکل وقت میں اسے اکیلا نہ چھوڑ جانے کی التجا کر رہی ہوں اور بھلا وہ جو پہلے ہی یہ سب کچھ سوچ چکا تھا ان غزالی آنکھوں کو ناامید لوٹاتا؟

"مہربانو! میں آپ کو کہیں بھی چھوڑ کر اس وقت تک واپس نہیں آؤں گا جب تک آپ خود وہاں مطمئن نہ ہوں۔۔۔ اور یقین کریں میں کسی بھی مشکل گھڑی میں ہمیشہ آپ کو مشکل سے نکال لینے کی ہمت بھی رکھتا ہوں اور جرأت بھی۔ You just trust me۔" بات دل سے نکلی ہو تو براہ راست دل تک رسائی بھی حاصل کر لیتی ہے۔ مہربانو کو یقین تھا کہ وہ جو کہہ رہا ہے محض رسماً یا اس کا دل بہلانے کے لیے نہیں کہہ رہا بلکہ ان تمام باتوں میں لفظوں سے کہیں زیادہ سچائی تھی مگر پھر بھی انہونی کا خوف ذہن پر یوں اپنے نوکیلے پنجے گاڑے ہوئے تھا کہ دھڑکنوں کی رفتار بھی سست ہو چلی تھی اور ہاتھ پاؤں سرد ہوتے ہوئے جسم سے الگ محسوس ہونے لگے۔

دعا کے انداز میں دونوں ہاتھوں کا پیالہ بنا کر وہ چہرے تک لے گئی اور دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیاں آنکھوں پر رکھ دیں۔

"یا اللہ! میں نے آج تک اپنے والدین کی عزت اور حرمت کو ہمیشہ اپنی پہلی ترجیح کے طور پر سامنے رکھا۔ کبھی کوئی ایسا کام کرنے کا ارادہ تک نہیں کیا جس کی وجہ سے ان کا سر جھکے، وہ دنیا والوں کے سامنے شرمندہ ہوں یا پھر ان کا مجھ پر قائم اعتماد ڈگمگائے۔۔۔ مالک! آج میں اور میرے گھر والے اپنی زندگی کے مشکل ترین موڑ پر کھڑے تیری رحمت کے امیدوار ہیں۔ اے بڑی عزت و عظمت والے رب سائیں! بے شک تو جسے چاہے عزت اور جسے چاہے ذلت دینے پر قادر ہے مگر ہمیں سزا کا وہ بوجھ ڈھونے سے بچا لے جس کی طاقت ہم میں نہیں ہے۔ تو جو میری شہ رگ سے بھی قریب اور میری خلوت و جلوت کا ساتھی ہے، خوب جانتا ہے کہ میں اس سارے معاملے میں بے گناہ ہوں۔ تو اے خدا تو میری بے گناہی کو ثابت کر کے مجھے میرے بابا سائیں اور سب کے سامنے سرخرو کر دے، اے میرے پاک رب تجھ سے مدد مانگتی ہوں کہ تیرے سوا کوئی میری مدد کرنے والا نہیں یا رحیم یا رحمٰن، رحم کر دے مالک رحم۔۔۔۔"

آنسو بڑی خاموشی اور غیر محسوس طریقے سے اس کے چہرے کو بھگوئے جا رہے تھے۔ ڈرائیونگ کے ساتھ ساتھ اس کا دھیان مکمل طور پر اس کی طرف ہی تھا مگر اسے اندازہ تھا کہ وہ دعا کر رہی ہے اسی لیے کچھ بھی کہنا مناسب خیال نہ کرتے ہوئے یونہی بے مقصد اپنی گاڑی کو سڑک پر یہاں سے وہاں دوڑاتا رہا مگر جب بہت دیر تک مہربانو کے آنسوؤں میں کوئی بھی کمی نہ آئی تو آخر وہ بول ہی پڑا۔

"مہربانو! یوں رونے سے مسئلہ حل نہیں ہو جائے گا، میرا خیال ہے آپ کو اپنے بابا سائیں سے بات کرنی چاہیے۔ اگر وہ آپ پر اعتماد کر کے سب کی مخالفت کے باوجود یہاں پڑھنے کے لیے بھجوا سکتے ہیں تو یقیناً آپ کی بات پر بھروسہ کریں گے۔"

ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں مسلتے ہوئے مہربانو نے جھکی ہوئی گردن تائید میں ہلائی۔

"اور اگر ایسا بالفرض نہ ہوا تو پھر بھی آپ خود کو

WWW.PAKISTANWEB.PK

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

اکیلا ہرگز نہ سمجھیں، میں ہوں نا آپ کے ساتھ۔" مہربانو بھی اس دوران سوچتے ہوئے یہی فیصلہ کر چکی تھی کہ اسے ہر حال میں بابا سائیں کو اعتماد میں لینا چاہیے تبھی بولی۔

"جی ہاں، میرا بھی یہی خیال ہے کہ والدین سے بڑھ کر کوئی بھی ہماری بات کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس لیے مجھے اُنہی سے بات کرنی چاہیے کیونکہ اگر انہوں نے میری بات کا اعتبار کرلیا تو دنیا کچھ بھی کہتی رہے مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہوگی کہ میری دنیا میرے والدین ہی ہیں بس۔"

"اور اگر انہوں نے آپ کی بات پر یقین نہ کیا تو۔۔۔؟"

"سوری اکمل! میں ایسا کوئی بھی "اگر" اپنے ذہن میں لانا نہیں چاہتی جو میرے دل سے اس یقین کو متزلزل کرے جو مجھے رب سائیں کی رحمت پر ہے۔"

اکمل نے محسوس کیا کہ وہ خود کو آہستہ آہستہ کمپوز کرنے کی کوشش میں ہے۔

"پتا ہے، رب سائیں کا وعدہ ہے کہ اگر اس کا بندہ اس کی جانب ایک قدم بڑھائے گا تو وہ اپنے بندے کی جانب رحمت کے دس قدم بڑھائے گا۔" گہری سانس لے کر اس نے سڑک کے دائیں طرف قطار سے موجود درختوں کو دیکھا۔ "میں نے دعا کر کے اور اس کی مدد طلب کر کے اس کی طرف ایک قدم تو بڑھا دیا ہے، اب اس کے دس قدم بڑھانے کی باری ہے اور بے شک وہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔" مہربانو کی باتوں نے خود اکمل کے اندر بھی ایک توانائی پھونک ڈالی تھی۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ مہربانو بس ہاتھ پاؤں چھوڑ کر خود کو حالات کے تھپیڑوں کے حوالے کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔

"میرا فون تو بند پڑا ہے، کیا میں آپ کا فون یوز کرسکتی ہوں؟" مہربانو نے کہا تو اکمل نے فوراً سامنے ہی رکھا موبائل اٹھایا جو خوش قسمتی سے گاڑی سے چوری نہیں ہوا تھا۔

"کیا پوچھنے کی ضرورت تھی؟" فون اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اکمل نے گہری نظروں سے اسے دیکھا لیکن مہربانو نے کسی بھی قسم کا جواب دینے کے بجائے فون اس کے ہاتھ سے لیا اور مخالف سمت دیکھنے لگی۔

بابا سائیں، میران اور ملکانی سائیں کے نمبرز تو اسے ویسے بھی یاد ہی تھے لیکن وہ سوچ رہی تھی کہ فون کس کو کیا جائے اور آخر وہ بابا سائیں کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ آگے سگنل پر ریڈ لائٹ آن تھی سو گاڑیاں ایک دوسرے کے پیچھے قطار بنانے لگیں مگر اس وقت اس کے قدموں تلے زمین ہی سرکتی محسوس ہونے لگی جب اسے لگا کہ شاید کوئی اسے مسلسل دیکھے جارہا ہے۔ غیر ارادی طور پر اس نے گردن موڑی تو چمچماتی "PORSCHE" میں ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شاہ سائیں سرخ ہوتی آنکھوں سے اسی کو دیکھ رہے تھے۔ کانپتے ہاتھوں سے موبائل لڑھک کر گود سے ہوتا اس کے قدموں میں آن گرا تھا۔

☆☆☆

بات کردار کی ہوتی ہے وگرنہ عارف
قد میں تو سایہ بھی انساں سے بڑا ہوتا ہے

جب سے عائشہ بھابھی نے ناصر بھائی کو یوں ادھ کھلے دروازے سے خاموش طوفان بنے دیکھا تھا، تب سے لے کر اب تک وہ خود کو شرمندگی کی دلدل سے باہر نہیں نکال پائی تھیں۔ اس وقت اگر ناصر بھائی اپنا غصہ نکال لیتے تو یقیناً اب تک عائشہ بھابھی کی بھی کیفیت ذرا مختلف ہوتی لیکن اب ایک تو انہیں ناصر بھائی کی طرف سے کیے جانے والے کسی بھی ممکنہ اقدام کا خوف تھا تو دوسری طرف اپنی سوچ کے ظاہر ہوجانے کا رنج۔ وقت کا پہیہ ایک بار پیچھے کی طرف گھما ڈالنے کی خواہش دل میں حسرت بن کر ابھرتی اور ڈوبتی جارہی تھی اور ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کیا جائے اور آخر وہ کس سے مشورہ کریں۔ ممی سے بات کرتیں تو وہ یقیناً جذباتی ہو کر پریشان ہوجاتیں۔ سو اب ناصر کے سامنے ہزیمت

اٹھانے سے بچنے کے لیے ایک واحد رستہ جو ان کے ذہن میں آیا وہ ان سب کے آنے سے پہلے گھر چھوڑ کر جانے کا تھا۔ اس سے پہلے کہ ناصر بھائی انہیں گھر سے نکل جانے کا کہتے وہ خود ہی اٹھیں اور ملحقہ اسٹور سے خالی بیگ لے کر اس میں کپڑے ڈالنے لگیں۔

ضمیر تھا کہ پہلے آرام سے تھپکتا رہتا مگر اب کوسنے پر تُلا تھا۔ گھر اور گھر والوں کے لیے کیے گئے منفی اقدام محدب عدسے کے ذریعے دکھا رہا تھا اور صرف عائشہ بھابھی ہی کے ساتھ نہیں بلکہ اکثر اوقات ضمیر جاگتا ہی گناہ کے سرزد ہونے کے بعد ہے مگر پھر وہ جاگنا بھی بھلا کیا جاگنا اور کس کام کا کہ جس میں صرف پچھتاوا ہو، تو بہ احساس، خلش چبھن یا تلافی کا ارادہ کوئی وجود ہی نہ رکھتا ہو۔ اُن کا ارادہ میکے میں کسی کو بھی بتائے بغیر گھر پہنچ جانے کا تھا کیونکہ وہ اپنے اندر اتنی ہمت جمع نہیں کر پارہی تھیں جس کے بل بوتے پر وہ ناصر کا سامنا کر پاتیں۔

"عائشہ۔۔۔!" وہ وارڈروب کی طرف منہ کیے کھڑی ہینگرز میں سے کپڑے نکال رہی تھیں کہ ثروت آپا کی آواز سن کر چونک گئیں۔ مڑ کر دیکھا تو وہ دروازے کے عین بیچوں بیچ کھڑی بڑی عجیب سی نظروں سے انہیں ہی دیکھ رہی تھیں۔

"کیوں کیا تم نے یہ سب؟"

"میں نے؟ کیا کیا ہے میں نے؟" انجان بننے اور معاملے سے لاتعلقی ظاہر کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔

"بہت ہوگیا تمہاری مصنوعی معصومیت کا ڈھونگ۔ اللہ کا واسطہ ہے اب ختم کرو یہ ڈرامے بازی۔" ثروت آپا نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ لیے تھے ان کے سامنے۔

عائشہ جو شاید یہ سمجھے بیٹھی تھیں کہ معاملہ ان میاں بیوی کے درمیان ہی حل ہوجائے گا اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوگی۔ وہ جانتی تھیں کہ ناصر بھائی ساری فون کال سن چکے ہیں اور رات بھر کی سوچ بچار کے بعد وہ یہی نتیجہ اخذ کیے بیٹھی تھیں کہ اگر ان کے گھر ہوتے ہوئے ہی ناصر بھائی واپس آئے تو وہ ان سے سوری کر کے اپنے رویے کی معافی مانگ لیں گی تاکہ گھر کے دوسرے افراد کو اس معاملے کی بھنک نہ پڑے اور اب اتنا وقت بیت جانے کے بعد بھی ان کے نہ آنے پر اب وہ اپنا بیگ تیار کرتے ہوئے ثروت آپا کو سامنے پا کر بوکھلا گئی تھیں۔

"ہوا کیا ہے آخر؟ اور آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟"

"وہی سب کہنا چاہتی ہوں جسے سننے کی تم میں ہمت نہیں ہے۔ میں تو سوچتی ہوں تم کیسی عورت ہو جو اسی گھر کی بنیاد کھوکھلی کرتی رہی جو اس کی بھی پناہ گاہ ہے۔ تم نے ایک بار بھی نہیں سوچا کہ اگر اس گھر کی رسوائی ہوگی تو وہ تمہاری بھی تو رسوائی ہے نا۔ تمہاری جیسی ہی بہوئیں ہوتی ہیں جو سچ جھوٹ ملا کر ہر صورت اپنے سسرال والوں کو دنیا کے سامنے برا بناتی ہیں۔" عائشہ جان گئی تھیں کہ ناصر کے ذریعے وہ تمام حقیقت سے آگاہ ہوچکی ہیں۔

"یاد کرو عائشہ! ہم میں سے کسی نے بھی کب تمہاری کوئی حق تلفی کی؟ حقوق ادا نہیں کیے؟ تم پر ظلم کیا؟ آخر کیا گناہ کیا تھا ہم نے اور اس معصوم نمری نے کہ تم نے دنیا بھر میں کہیں منہ دکھانے کے لائق بھی نہیں چھوڑا۔"

"میں جب سے اس گھر میں آئی، مانتی ہوں کہ میرے تمام حقوق ادا کیے گئے مگر نمری نے میرے اس خواب کو بے دردی سے توڑ دیا جس میں، میں نے ہمیشہ اسے اکمل کی شریکِ سفر کے روپ میں دیکھا تھا۔ کوئی میرے بھائی کا دل توڑے یہ میں بھی برداشت نہیں کرسکتی۔"

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟" اس ڈھٹائی پر ثروت آپا کا خون کھول گیا تھا۔

"اکمل نے تو کبھی یہ خواہش کی ہی نہیں۔ یہ زبردستی کا خواب جو تم اس کی آنکھوں میں سجانا چاہ رہی تھیں اس نے ہم سب کی آنکھوں میں مرچیں بھر دی ہیں۔ آنٹی بھی یہ ساری حقیقت جان کر بہت ٹینشن میں ہیں۔"

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

"کیا؟ ممی کو کس نے کہا یہ سب؟" عائشہ بھابھی جو ساری بات اپنے انداز میں بتانا چاہ رہی تھیں پہلے ہی انہیں پتا چل نے پر ہکا بکا رہ گئیں۔

"ناصر نے خود فون کر کے ان سے ساری بات کی ہے کیونکہ اس کا کہنا ہے کہ تم جب تک اس گھر میں ہو، وہ یہاں قدم نہیں رکھے گا اور آنٹی کو اسی لیے فون کیا تھا کہ وہ تمہیں لے جائیں آ کر۔" ثروت آپا سے ان کے چہرے کی شکستگی دیکھی نہیں گئی جبھی دانستہ طور پر ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگیں۔

"لیکن۔۔۔؟" دور کہیں سے عائشہ بھابھی کی آواز آتی محسوس ہوئی۔

"انہوں نے تمہیں گھر لے جانے سے انکار کر دیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ اس طرح کے معاملے کے بعد وہ تمہیں گھر نہیں رکھیں گی۔۔۔ آ رہی ہیں وہ تھوڑی دیر میں۔" عائشہ بھابھی وہیں اپنے بیگ کے پاس ہی خاموش ہو کر بیٹھ گئیں۔

اپنے سامان کو باندھے ہوئے اس سوچ میں ہوں
جو کہیں کے نہیں رہتے وہ کہاں رہتے ہیں

نہ تو میکے میں ان کے لیے جگہ تھی اور نہ سسرال میں اور دل چاہ رہا تھا کہ بس کسی کا سامنا نہ کرنا پڑے، کوئی صفائیاں نہ دینی پڑیں اور وہ کسی کے آگے جوابدہ نہ ہوں لیکن اب یہ ممکن نہیں تھا۔ حساب کا وقت شاید آن پہنچا تھا اور اب انہیں لگ رہا تھا کہ شاید وہ اپنی حد سے واقعی تجاوز کر گئی تھیں۔ وہ ان سب کی نظروں میں کس قدر گر گئی تھیں یہ احساس انہیں مارے ڈال رہا تھا۔ کل تک طنطنے کے ساتھ سر اٹھا کر چلنے والی عائشہ بھابھی کا آج رنگ پھیکا اور سر جھکا ہوا تھا۔ وقت کی بھی تو خاصیت ہے کہ بدل جاتا ہے، رکتا نہیں، ٹھہرتا نہیں۔ اس لیے اچھے وقت میں برے وقت نہ آنے اور اس سے بچنے کی دعا کرنے کے ساتھ برے وقت میں اچھے وقت کے آنے کی امید رکھنی چاہیے۔

"تم نے ہمیں خاندان اور دنیا بھر میں بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی عائشہ! اور اب تمہاری باری ہے۔"

باہر گاڑی کے ہارن کی آواز پر ثروت آپا تاسف بھری نظر شکست خوردہ عائشہ بھابھی پر ڈالتے ہوئے گیٹ کھولنے چلی گئیں جہاں عائشہ کی ممی اپنی بیٹی کا گھر بچانے کی آس میں آئی تھیں۔

☆☆☆

ناصر بھائی جب سے شاہ زین کے گھر سے آئے تھے کچھ الجھے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ ندی کے ساتھ وہ اور ثروت آپا امی کے کمرے تک آئے تو ان کی خیریت وغیرہ کے بارے میں تسلی کرنے کے بعد جتنی دیر کمرے میں موجود رہے ندی نے محسوس کیا کہ بس بے چینی سے پہلو بدلتے رہے، خود ثروت آپا بھی مطمئن دکھائی دینے کے بجائے کسی کشمکش کا شکار دکھائی دے رہی تھیں۔

ندی کو اندازہ تھا کہ شاید وہ دونوں اس امر سے واقف ہو چکے ہیں کہ امی کو خون دینے والا کوئی اور نہیں بلکہ وہی شاہ زین ہے جسے آج سے پہلے تک ناصر بھائی گھر کے امن و سکون کو برباد کرنے کا ذمہ دار سمجھا کرتے تھے۔ لیکن خود سے کچھ بھی کہنے یا پوچھنے کے بجائے اس نے انتظار کیا کہ وہ دونوں کسی بات کا آغاز کریں مگر اس کے برعکس ناصر بھائی نے کمرے سے باہر جاتے ہوئے ثروت آپا کو بھی اپنے ساتھ آنے کا کہا اور دونوں کمرے سے باہر چلے گئے۔ سو ندی کچھ لمحے ان دونوں کے تاثرات میں الجھی رہی اور پھر مٹھی میں توڑ موڑ کر دبایا ہوا ثمینہ کا لیٹر کھول کر پڑھنے لگی۔

"معصوم صورت اور پیاری آنکھوں والی ندی! السلام علیکم۔

اپنے نام میرا خط دیکھ کر یقیناً آپ حیران ہو رہی ہوں گی اتنی ہی حیران جتنی میں اس وقت ہوئی تھی جب مجھے پتا چلا کہ آپ وہی ہیں جن کی بدولت بھائی نے ایک بار پھر مسکرانا اور زندگی کو خوش دلی سے جینا شروع کیا تھا۔ آپ سے ملنے اور روبرو دیکھنے کی خواہش یوں اسپتال میں پوری ہوگی یہ تو سوچا بھی نہیں تھا اور نہ ہی یہ سوچا تھا کہ جب آپ سے ملاقات ہوگی تو آپ کے حوالے سے ہماری آنکھوں میں اترنے والے خواب اپنی تعبیر کھو چکے ہوں گے لیکن شاید ہم سب کی قسمت میں ایسا ہی ہونا لکھا تھا مگر اس کے باوجود ایک الجھن جواب تک میرے ذہن سے نکل نہیں پا رہی وہ یہ کہ یونیورسٹی میں تو جو ہوا سو ہوا اگر آپ نے اب چند روز بعد میران شاہ سے ہی شادی کرنی تھی تو میرے بھائی کے جذبات سے کھیلنے کا حق آپ کو کس نے دیا تھا۔ ایک جیتے جاگتے انسان کی فیلنگز کی پروا کیے بغیر آپ محض وقت گزاری کے لیے اتنا آگے نکل گئیں کہ اخبارات میں تصاویر چھپنے کے بعد آپ کو کوئی فرق پڑا ہو یا نہیں لیکن ہمیں اپنا گھر، محلہ بھائی کو یونیورسٹی سب کچھ چھوڑنا پڑا۔

کیا ملا آپ کو یہ سب کر کے؟ اور کیا آپ خود خوش رہ پائیں گی اپنی نئی زندگی میں میران کے ساتھ؟ کبھی وقت ملے تو سوچیے گا ضرور، شاید آپ کو اپنے دل کے اندر پچھتاوے کا احساس ہو، زیادہ دیر تک نہ سہی لمحہ بھر ہی کے لیے مگر مجھے یقین ہے کہ آپ سوچیں گی ضرور کہ آپ نے میران کے ساتھ ساتھ اپنے بھائی بھابھی اور بہن کے ہاتھوں میرے بھائی کی بے عزتی کروا کر بہت برا کیا ہے، ہو سکے تو رخصتی سے پہلے ایک دفعہ اللہ سے معافی مانگ لیجیے گا تاکہ جو دکھ آپ نے بھائی کو دیے ہیں ان کی پرچھائیاں آپ کی شادی شدہ زندگی پر کبھی نہ پڑ جائیں۔

دعا گو
ثمینہ

ہاسپٹل کے پیپر پیڈ کو استعمال میں لاتے ہوئے لکھا گیا یہ خط تھا یا اب تک اسی پر بجی گئی مشکلات کا راز۔ شاہ زین کے بدلے ہوئے رویے کی گتھی اب آہستہ آہستہ ندی کے ذہن میں کھلتی جا رہی تھی لیکن اپنے اور اس کے درمیان موجود غلط فہمیوں نے ندی کو حیران کر ڈالا تھا اور اس پر یہ انکشاف کہ اس کی میران سے شادی ہو رہی ہے، ندی کو معلق ہی تو کر گیا تھا، وہ انسان جس کی وجہ سے اس کی زندگی آج یہاں تک آ پہنچی تھی جس نے اسے اپنوں میں بیگانہ بنا ڈالا تھا۔ اسی کے ساتھ ساری زندگی اور وہ بھی اس کی ملکیت بن کر بھلا وہ کیسے گزار سکتی تھی اور ناصر بھائی وغیرہ شاہ زین سے کب ملے اور کس انداز سے ملے تھے یہ سب تو ندی کو خبر ہی نہیں تھی۔

"اتنا کچھ ہوتا رہا اور وہ بالکل انجان ہی رہی۔"

ندی نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔ شاہ زین کے کہے گئے لفظوں کا مفہوم اسے اب سمجھ آ رہا تھا۔ یوں بھی دل تو پہلے بھی اسے قصور وار ماننے کو تیار نہیں تھا اور اب تو سارا معاملہ واضح ہو کر سامنے تھا مگر اس کے باوجود ایک گلہ ضرور تھا کہ شاہ زین نے اس کی محبت پر اعتبار نہیں کیا اور یہی سمجھا کہ شاید وہ محض وقت گزارنے کے لیے اس کے ساتھ دوستی رکھے ہوئے ہے۔

وہ اپنی اگر مگر اور لیکن میں الجھی ہوئی تھی کہ ناصر بھائی کے کمرے میں آنے کی آہٹ سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ خط اب تک اس کی مٹھی میں دبا ہوا تھا۔ ناصر بھائی نے کمرے میں آنے کے بعد ندی کو دیکھا، دل تو چاہا کہ اس سے بات کریں مگر وہ سیدھے چل کر امی کے بیڈ کی بائیں طرف آ کھڑے ہوئے۔ ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو، خود کو گھسیٹنے کے انداز میں چلتے ناصر بھائی جو کبھی اس حالت میں اتنے ست نہیں دیکھے گئے تھے۔ ندی کا دل بھر آیا مگر بے حد خواہش کے بعد بھی اس نے انہیں مخاطب کرنے سے خود کو باز رکھا کہ نہیں چاہتی تھی یہاں کوئی بدمزگی ہو یا پھر ان کا کہا ہوا کوئی ایسا جملہ امی کے کان میں پڑے جو انہیں دکھ دے۔ سو یہی کچھ سوچ کر خاموش رہی۔

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

ناصر بھائی عین امی کے تکیے کے پاس کھڑے ہو کر ان کے بالوں کو سہلانے لگے تو امی نے بائیں طرف گردن لے جا کر آنکھیں کھول دیں۔ ناصر بھائی کو سامنے پا کر جہاں ان کی آنکھوں میں چمک آئی تھی وہیں ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ محسوس ہوئی تھی۔ ناصر بھائی کا سر جھکا ہوا تھا۔ وزیٹرز کے لیے موجود کرسی کھینچ کر وہ بالکل بیڈ کے ساتھ ہی بیٹھ گئے تھے اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر نظریں نیچے کیے بولے۔

"مجھے معاف کردیں امی!"

نہ کوئی لمبی چوڑی تمہید اور نہ ہی جذبات کا طویل بیان مگر ان چند لفظوں نے بے انتہا خوش گوار حیرت امی کی آنکھوں میں ضرور بھر دی تھی جیسے پوچھتی ہوں تم جانتے تو ہو نا کہ کہہ کیا رہے ہو؟

"مجھے احساس ہوگیا ہے کہ میں غلط تھا۔ میں نے آپ سب کے ساتھ، بابا کے ساتھ زیادتی کی، دنیا کے ساتھ مل کر اپنے ہی گھر کو برا سمجھا، کسی بھی قسم کی منطق یا دلیل کے بغیر آپ سے بھی بات چیت بند کر دی، ندی کی طرف سے کوئی بھی وضاحت سنے بغیر اسے سزا سنا دی تو یقین کریں صرف اس لیے کہ میرے حواس اس غیر متوقع واقعے کے بعد مفلوج سے ہو کر رہ گئے تھے اور میں تمام مناظر عائشہ کی آنکھوں سے دیکھنے لگا تھا۔ ان آنکھوں سے جن کی سطح پر ہی حسد اور بدگمانی کے منظر چسپاں تھے۔ معاف کردیں امی! آپ کا صبح کا بھولا شام ہونے سے پہلے گھر آگیا ہے۔" انہوں نے اپنا سر جھکا کر پیشانی امی کے ہاتھوں پر رکھ دی تھی اور تب امی کو احساس ہوا کہ ان کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں اور یقیناً وہ بے آواز رو رہے تھے۔ وہ جو کبھی نہیں روئے تھے یہاں تک کہ بابا کی وفات پر بھی بلاشبہ غمگین تھے مگر کسی کے سامنے انہیں روتا نہیں دیکھا گیا تھا۔ وہ آج یوں گھٹ گھٹ کے رو رہے تھے کہ رونا بھی چاہتے تھے اور آواز دبانا بھی۔

امی کا کلیجہ کٹ کے رہ گیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ شاید ان کی اچانک طبیعت بگڑنے پہ ناصر بھائی کا ضمیر جاگا تھا۔ درحقیقت کہانی کیا تھی اس بات سے تو وہ قطعی طور پر لاعلم تھیں۔ خود ندی کی آنکھیں بھی یہ جذباتی منظر دیکھ کر بھیگنے لگی تھیں۔ یہ انہونی کیسے ہوئی تھی کہ ناصر بھائی کو اپنے کیے پر شرمندگی ہو رہی تھی اور کیا سارے مناظر پر چھائی دھند اب چھٹنے کو تھی۔ خواہش تو بے اختیار دل میں یہی ابھری تھی کہ ناصر بھائی کے پاس چلی جائے اور ان سے کہہ دے کہ وہ اب بھی ان کے لیے ویسے ہی عظیم اور محبت کرنے والے ہیں جیسے پہلے کبھی ہوا کرتے تھے مگر جھجک راستہ روکے ہوئے تھی سو امی کے بیڈ کے ایک طرف بھیگی آنکھیں لیے وہ بیٹھی تو دوسری طرف ناصر بھائی۔ امی نے اپنے دونوں ہاتھ ان کے سروں پر رکھے اور دھیمی آواز میں بولیں۔

"خوش رہو بیٹا! مجھے تم سے کوئی وضاحت یا معافی تلافی نہیں چاہیے۔ میرے لیے اتنا ہی بہت ہے کہ تمہارا احساس جاگ گیا ہے کیونکہ جن رشتوں سے احساس ختم ہو جائے ان کا ہونا نہ ہونے سے کہیں زیادہ اذیت ناک لگنے لگتا ہے۔"

لاڈ سے ان کے بال سنوارتے ہوئے امی نے کہا تو انہوں نے وہیں سر جھکائے ہوئے ہی ایک ہاتھ سے آنکھیں پونچھیں شاید وہ اپنا رونا ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے۔

"میں مانتا ہوں ندی! کہ تمہیں اچھا برا بتانا اور صحیح غلط میں تمیز سکھانا ہماری ذمہ داری تھی مگر ہماری غلطی یہ تھی کہ ہم جَو کاشت کر کے گندم کاٹنے کی خواہش کر بیٹھے تھے۔ سورج مکھی کا بیج بو کر ہم بضد تھے کہ پھول گلاب کا کیوں نہیں نکلا۔" اس بات کی یقین دہانی ہوجانے کے بعد کہ ان کی آنکھیں خشک ہیں انہوں نے سر اوپر اٹھا کر ندی کو مخاطب کیا۔

"ایسی بات نہیں ہے ناصر بھائی! غلطیاں مجھ سے بھی ہوئی ہیں لیکن خوشی اس بات کی ہے کہ اللہ نے ہمیں ایک بار پھر اکٹھے رہنے کا موقع دیا ہے میں امی بھابی۔۔۔"

"نہیں صرف میں، تم اور امی۔۔۔ عائشہ اب مزید اس گھر میں نہیں رہے گی۔" ناصر بھائی کے دو ٹوک لہجے پر ندی کے ساتھ ساتھ امی کو بھی حیرت ہوئی تھی۔

"کیونکہ مجھے آپ سب سے دور کرنے اور خاندان بھر میں ہماری ذلت و رسوائی کروانے میں سب سے پیش پیش وہی تھی۔" ندی اور امی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اگر خاندان میں لوگ باتیں کرتے بھی تو اس کا رویہ دیکھ کر اس کے سامنے بات کرنے کی ہمت نہ کرتے مگر وہ تو خود سب کو مبالغہ آرائی کے ساتھ واقعہ بتاتی اور ان کے ساتھ مل کر تبصرے کرتی۔ ندی کے موبائل سے اگر میرے سامنے شاہ زین کو مختلف میسجز کر سکتی تھی تو اب تک موبائل اس کے پاس ہے جانے کس کس کو ندی کے نام سے میسجز کرتی رہی ہوگی۔" موبائل کی گتھی سلجھنے پر ندی کی حیرت یہ جان کر مزید سوا ہوگئی تھی کہ عائشہ بھابی اس کی طرف سے میسجز بھی کرتی رہی ہیں۔

"اور اب میں نے ثروت آپا کو بھی یہی کہلوا کر گھر بھیجا ہے کہ میرے آنے سے پہلے ہی عائشہ گھر چھوڑ کر چلی جائے ورنہ جب تک وہ گھر میں رہے گی میں وہاں قدم نہیں رکھوں گا۔" رات کو عائشہ کی ٹیلیفونک بات چیت سننے کا واقعہ بتانے کے بعد ناصر بھائی نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا اور امی ایک مرتبہ پھر بھونچکا سی رہ گئیں کہ ندی کی طرف سے اگر کچھ سکون ملنے کی امید ہوئی تھی تو اب بیٹے کی ازدواجی زندگی ڈانواڈول دکھائی دے رہی تھی۔

"تمہیں اندازہ بھی ہے کہ تم یہ کیا کر رہے ہو؟ جذباتیت میں آکر اپنا بسا بسایا گھر داؤ پر لگا رہے ہو؟" امی نے نقاہت بھرے انداز میں سمجھانا چاہا۔

"امی جھوٹ کے تو پاؤں نہیں ہوتے نا، اور یہ بات عائشہ بھی اچھی طرح جانتی ہے تو کیا اس نے یہ سب کرتے ہوئے رائی کا پہاڑ بناتے ہوئے اتنا بھی نہیں سوچا ہوگا کہ اگر یہ سب ہمارے سامنے آگیا تو کیا ہوگا؟ اس کی اپنی زندگی پر کیا اثر پڑے گا؟" ناصر بھائی کے لہجے میں یقین ٹوٹنے کا دکھ بول رہا تھا اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ یہ سب ان کا آنکھوں دیکھا اور کانوں سنا تھا۔ کسی بھی قسم کے شک کی کوئی بھی گنجائش نہیں تھی۔

"بھائی وہ۔۔۔ ایک چھوٹی سی بات کہنا تھی اگر آپ۔۔۔" ندی اپنے اور ناصر بھائی کے درمیان اب بھی وہ پہلے سی بے تکلفی محسوس نہیں کر پا رہی تھی اسی لیے جھجک گئی۔ یوں بھی تمام رشتوں کو سابقہ حالت میں آنے کے لیے یقینی طور پر ایک وقت درکار تھا۔

"ہاں بولو ندی! کیا کہنا چاہتی ہو؟" ناصر بھائی نے آواز میں ہر ممکن حد تک ملائمت سمونے کی کوشش کی تاکہ سابقہ محسوسات کی پرچھائیں تک محسوس نہ ہو۔

"وہ بھائی دراصل۔۔۔" ندی نے ایک نظر امی کو دیکھا تو ان کی آنکھیں اسے حوصلہ بڑھاتی محسوس ہوئیں۔

"اصل قصوروار عائشہ بھابی تو نہیں ہیں نا، جرم سرزد تو میران شاہ سے ہوا تھا جس نے جان بوجھ کر سازش کے تحت میری تصاویر کسی اور کے ساتھ جوڑ کر انہیں اخبار کی زینت بنا دیا اور بات پھر یہاں تک آن پہنچی۔"

"لیکن اس تمام صورت حال میں اگر عائشہ بات کو اتنا نہ اچھالتی اور ہر وقت میرے سامنے دانستہ طور پر اس بات کا اعادہ نہ کرتی رہتی تو شاید حالات مختلف ہوتے۔۔۔ اور شاید بابا یوں مجھ سے خفا ہو کر یہ دنیا نہ چھوڑ جاتے۔" ناصر بھائی کو ایک مرتبہ پھر پچھتاووں نے آگھیرا تھا اور شاید یہ ملال تو اب عمر بھر کا تھا جو بابا کے رخصت ہونے سے ذہن و دل پر پھیل گیا تھا۔

"ان کا اسی طرح جانا لکھا تھا بیٹا! تم دل چھوٹا نہ کرو، لیکن ہاں اپنی حالیہ زندگی کو ماضی پر قربان نہ کرو۔" وہ کسی طور نہیں چاہتی تھیں کہ ان کے چھوٹے

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

سے کہنے میں دراڑیں پڑیں اسی لیے یاسر بھائی کو کسی بھی انتہائی فیصلے سے روکنا بھی چاہتی تھیں مگر موبائل کی بجتی ہوئی گھنٹی نے ان کی بات چیت میں وقفہ پیدا کردیا۔

☆☆☆

ٹیلی ویژن کی اسکرین پر چلتی خبر تھی یا دہکتی ہوئی سرخی سے نکلی ہوئی آگ جو میران شاہ کے جسم کو دھیرے دھیرے اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی، جلا رہی تھی مگر ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ پاؤں کے ناخنوں سے شروع ہو کر سر تک پہنچتی اور اس کی سلگتی ہوئی لپٹیں وہاں سے پھر واپسی کا سفر کرنے لگتیں۔ چند لمحوں پہلے شاہ زین پر طنز کرتے اور اپنی باتوں اور طعنوں سے اپنے زعم میں اسے رسوا کرتے میران کی حالت اس شخص کی سی تھی جو خوش گپیوں میں مصروف ہاتھ میں بندوق لیے سامنے اڑتی معصوم فاختہ کا شکار کرنے کا ارادہ باندھے اور شکار کی طرف بڑھتے ہوئے اس سے پہلے کہ بندوق کی لبلبی دبائے خود سامنے موجود گڑھے میں جا گرے اور ساتھیوں کے قہقہوں کے باعث اپنے اندر اتنی بھی ہمت موجود نہ پائے کہ باہر نکل کر ان کا سامنا ہی کر سکے۔

جس طرح میڈیا پر اس نے یہ خبر سنی اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس چینل اور خبر پہنچانے والوں کو اڑا ہی دے لیکن یہ سلوک آخر کس کس کے ساتھ کیا جاتا کہ اب تو پاکستان میں ٹی وی چینلز بھی تھوک کے حساب سے کھلنے لگے ہیں۔

خود شاہ زین کے لیے بھی یہ خبر یقیناً چونکا دینے والی تھی، جس کی بڑی وجہ اکمل تھا کیونکہ ندی کے حوالے سے اکمل اس کے لیے اجنبی ہرگز نہیں تھا اور پھر مہربانو جس کا تعلق شاہ سائیں سے تھا اور شاہ سائیں دنیا والوں کے لیے جیسے بھی ہوتے، اخبارات و جرائد میں ان کے متعلق جو بھی چھپتا مگر شاہ زین کے دل میں ان کا رویہ گھر کر چکا تھا اور یوں سر عام ان کی بیٹی کا نام اچھلنا شاہ زین کے لیے بھی کوئی خوش کن امر ہرگز نہیں تھا کہ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو دوسروں کی تکلیف میں دیکھ کر خوش ہوتے ہوئے انہیں وہ وقت یاد دلانے لگتے ہیں جب خود انہیں بھی تکلیف پہنچائی گئی تھی۔ اس نے ایک نظر میران کو دیکھا جو فوراً وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ شیشے کی میز پر ایک زوردار مکا مارا اور کرسی کو پوری طاقت سے یوں گھمایا کہ وہ کتنی ہی دیر دائرے میں گھومتی ہی رہی۔ شاہ زین سے نظریں ملائے بغیر وہ اسی لمحے کمرے سے نکل گیا تھا۔ آندھی طوفان کی رفتار سے پارکنگ میں کھڑی گاڑی نکالی اور ہوا کی رفتار سے حویلی کی طرف موڑ دی۔

مہربانو پوری رات لفٹ میں کیوں اور کیسے بند رہی؟ اس نے فون کر کے حویلی میں یا اپنی کسی دوست کو فوراً مدد کے لیے کیوں نہیں کہا؟ بابا سائیں نے جس طرح سب سے ٹکر لے کر اسے وہاں بھیجا تھا اور سب کی مخالفت لی تھی اس نے ان سب باتوں کو بھی سامنے کیوں نہیں رکھا؟ اور کیا یہ سب سچ بھی ہے کہ نہیں؟ سڑک سے گاڑی زمینوں کی طرف موڑتے ہوئے بھی میران کے ذہن میں بس انہی سوالوں کی بازگشت تھی۔ اس کا دل نہیں مان رہا تھا کہ مہربانو بھی کوئی غلط قدم اٹھا سکتی ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ وہ حویلی کے سخت ماحول سے اچھی طرح واقف تھی اور دوسرا وہ بھائی ہونے کی حیثیت سے اس کی نیچر کو اچھی طرح سمجھتا تھا اور پھر اپنی فطرت سے مجبور ہو کر ان ڈائریکٹ طریقے سے وہ کسی اور کے ذریعے ہاسٹل میں ہی موجود ایک دو لڑکیوں سے مہربانو کے آنے جانے کے معمولات، اس کی تفریح، مشاغل اور دوستوں کی کمپنی کے بارے میں بھی گاہے بگاہے معلومات رکھتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ مطمئن تھا کہ اگر بابا سائیں نے اسے اتنی دور اکیلا بھیجا ہے تو وہ اب تک ان کی بات اور اس کی ذات پر کیے جانے والے اعتبار کا مان رکھے ہوئے ہے۔ اسی لیے وہ اوائل روز کے علاوہ اب کبھی بھی اس کی تعلیم اور وہاں رہائش پر اعتراض نہیں کرتا تھا۔ مگر اب جو یہ اتنی بڑی بات پتا چلی تو سب کے ساتھ وہ بھی بھونچکا رہ گیا تھا۔ بات سچ تھی جھوٹ تھی یا فسانہ، یہ تو پتا چلنا ابھی باقی تھا لیکن

لوگوں کے ہاتھ ایک موضوع تھا جو لگ چکا تھا اور یوں بھی لوگوں کے پاس محض وقت گزاری کے لیے کوئی نہ کوئی موضوع ہونا چاہیے جس سے ان کا وقت گزرے اور بس۔ تصدیق یا تردید میں کسی کو دلچسپ نہیں ہوتی اور یہی بات میران شاہ کا خون کھولا رہی تھی کہ اب ٹکے ٹکے کے لوگوں کے منہ پر اس کی بہن کا نام ہوگا اور حویلی کی عزت اب یوں سر بازار موضوع گفتگو بنے گی۔

دل تو چاہ رہا تھا کہ فوراً سے بیشتر شاہ سائیں سے رابطہ کرے لیکن پھر اس خیال سے کہ نہ جانے اب تک ان کے علم میں یہ بات آ بھی چکی ہے کہ نہیں اس نے یہ خیال ملتوی کرتے ہوئے حویلی کے سامنے پہنچ کر ابھی ہارن کے لیے ارادہ کیا ہی تھا کہ گیٹ کھلا اور فوراً ماتھے تک ہاتھ لے جا کر سلام کرتے ہوئے چوکیدار نے برق رفتاری سے گیٹ کے دونوں پٹ وا کر دیے۔ ملکانی سائیں برآمدے میں ہی سنگ مرمر کے فرش پر اضطرابی کیفیت میں چہل قدمی کرتی نظر آئیں۔ میران شاہ نے تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے برآمدے کو جاتی چند سیڑھیاں عبور کیں اور ملازموں کی موجودگی کے باعث کچھ بھی کہنے کے بجائے انہیں اپنے ساتھ حویلی کے اندرونی خانے کی طرف لے آیا۔ پیلی پڑتی رنگت اور سرد ہوتے ہوئے ہاتھ، میران شاہ دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ اس سارے معاملے سے آگاہ ہو چکی ہیں۔

"اماں سائیں! کوئی آیا تھا کیا یہاں؟" وہ خود ٹی وی دیکھنے کی قطعاً شوقین نہیں تھیں جبھی میران کو حیرت اسی بات پر تھی کہ وہ کون تھا جو اس سے بھی پہلے آ کر انہیں یہ سب بات بتا گیا تھا۔

بغیر کچھ بھی بولے ملکانی سائیں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بمشکل تھوک نگلا۔

"رحمٰن شاہ آیا تھا پتر! ایہہ سب کی ہو رہیا ہے؟ مہربانو دا کش پتا چلیا؟" میران شاہ کی صورت میں انہیں گویا ایک امید نظر آئی تھی۔ رحمٰن شاہ کے جانے کے بعد سے اب تک وہ تنہا اس ساری صورت حال کو برداشت کر کر کے نڈھال ہو گئی تھیں۔ جبھی ٹی وی اسکرین پر سے خبر تبدیل ہوئی تو انہیں لگا شاید اب وہ اپنے قدموں پر کھڑی نہیں ہو پائیں گی، جسم میں نہ تو طاقت و ہمت موجود تھی اور نہ ہی اتنا حوصلہ کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہوتیں۔ اسی پل انہیں اپنی آنکھوں کے سامنے اندھیرا ہوتا محسوس ہوا اور قریب تھا کہ ہوش و حواس ان کا ساتھ چھوڑ دیتے اپنی تمام تر توانائی مجتمع کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ اِدھر اُدھر ہاتھ رکھ کر سہارا لیتے ہوئے وہ بالآخر حویلی کے کشادہ اور طویل برآمدے میں آ کھڑی ہوئی تھیں جنہیں اب میران شاہ اپنے ساتھ لے کر اندر چلا آیا تھا۔

"رحمٰن شاہ کیا کرنے آیا تھا؟" میران شاہ اس غیر متوقع نام پر چونکا۔

"ساڈی عزت دے جنازے اُتے فاتحہ پڑھن لئی آیا تھا۔"

"لیکن اسے یہ سب پتا کیسے چلا؟" میران نے ایک نہایت احمقانہ سوال کیا تھا۔

"پتر! او دنیا دے بندے بندے نوں ایس ٹی وی دے نال پتا لگ گیا، تو بتا میری دھی رانی دا کش پتا چلیا؟ ساری رات او ہاسٹل کیوں نہیں گئی تے لفٹ اندر کس طرح۔۔۔ ایہہ سب کی ہو رہیا اے میریا سوہنیا ربا۔۔۔"

آنسو قطار در قطار آنکھوں سے نکل کر گالوں سے ہوتے ہوئے ان کے لباس میں جذب ہو رہے تھے۔

"فکر نہ کر اماں سائیں! اسے کچھ نہیں ہوا، ٹھیک ہے وہ۔"

"پر ہے کتھے؟ تے اے سب کی ہویا پتر؟"

"فی الحال تو کچھ پتا نہیں ہے اماں سائیں! مہربانو کو بھی کتنی دفعہ فون کر چکا ہوں کوئی جواب ہی نہیں آ رہا۔ فون مسلسل بند ہے اور بابا سائیں۔۔۔"

"ہاں او تے فون کر کے پوچھو پتر! وہ بھی اس کے ہاسٹل ہی گئے ہیں۔" وہ بے تابی سے بولیں تو میران حیران رہ گیا۔

"کیا مطلب ہے اماں سائیں! وہ کب گئے اور

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

کیسے؟؟ اور کیا انہیں ٹی وی پر آنے سے پہلے پتا چل گیا تھا کہ مہربانو رات بھر ہاسٹل نہیں پہنچی۔

اس کے لیے یہ اطلاع نہایت چونکا دینے والی ہی تو تھی۔ ملکانی سائیں بھی بات کرکے لحہ بھر کے لیے گڑبڑا سی گئیں کہ شاہ سائیں کے منع کرنے کے باوجود میران کے سامنے ان کے منہ سے یہ بات نکل گئی ہے لیکن پھر خیال آیا کہ صرف میران کیا اب تو سبھی اس بارے میں جان چکے تھے اس لیے پریشانی کی کوئی ضرورت نہیں اور تب انہوں نے میران کو مہربانو کی دوست کی فون کال کے متعلق سب کچھ من و عن کہہ سنا دیا۔

"اتنی بڑی بات ہوگئی اور آپ نے اور بابا سائیں نے مجھ سے چھپائے رکھی، اتنی دور وہ اکیلے چلے گئے کیا بیٹا ہونے کے ناتے اور مہربانو کا بھائی ہونے کی وجہ سے یہ میرا فرض نہیں تھا کہ بابا سائیں کو اس پریشانی میں تنہا نہ جانے دیتا۔۔۔ کیا میں اتنا ہی برا ہوں اماں سائیں! کہ آپ لوگ مجھے ہر معاملے سے الگ ہی رکھتے ہیں۔"

"نہ پتر! ایہہ گل نئیں، میں نے تے رات توں کتنی دفعہ فون کیا پر کوئی جواب ہی نہیں آیا۔"

اور ملکانی سائیں کی بات پر تب میران کو یاد آیا تھا کہ واقعی فون تو کافی دیر سے بج رہا تھا لیکن اس نے ہی اٹھانے کی زحمت نہیں کی بلکہ دوبارہ فون نہ کرنے کا بھی کہہ دیا اور ساتھ ہی بند بھی کر دیا تاکہ نہ ہی بیل کی آواز آئے اور نہ ہی اس کی تفریح میں کوئی مخل ہو۔

"اللہ جاندا اے، میں تے آج تک کسی دی بہن یا بیٹی دا برا نئیں سوچیا، شاہ سائیں دا وی مزاج جیسا وی ہے پر ہمیشہ دوسریاں دی عورتاں نوں عزت دی نظر نال ای ویکھیا، فیر میری بچی تے بھولی جئی مہربانو نال اے کی ہویا۔" وہ مسلسل روئے جا رہی تھیں اور دھیمی آواز میں میران سے مخاطب ہو کر اپنے اندر کا بوجھ بھی ہلکا کر رہی تھیں۔

"مینوں خود سے بڑھ کر اپنی دھی تے یقین اے او کوئی غلط قدم نہیں اٹھا سکدی، اوہدے قدم نئیں لڑکھڑا سکدے، او کدی وی کوئی ایسا کم نہیں کرے گی جس دے نال شاہ سائیں دا سر نیچے ہو جائے۔ اے ضرور کسے دی بددعا لگی ہے، نظر لگی ہے یا کسے ٹوٹے ہوئے دل دی ہاہ لگ گئی ہے۔"

سونی خراماں خراماں چلتی ہوئی داخل ہوئی تھی اور ملکانی کا موڈ دیکھ کر صوفے پر چڑھنے کے بجائے وہیں ان کے قدموں کے قریب سست سی ہو کر بیٹھ گئی۔ ملکانی سائیں زارو قطار آنسو بہا رہی تھیں اور ان کی باتوں پر میران کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا تھا۔ یہ سچ تھا کہ مہربانو بے حد سیدھی سادی اور صاف ستھرے خیالات کی مالک اور اپنے اصولوں کی پابند لڑکی تھی۔ شاہ سائیں اور ملکانی سائیں بھی بے حد خدا ترس مشہور تھے۔ ملکانی کے انداز میں ان کے میکے کی طرف سے وراثت میں ملنے والا چوہدراہٹ والا رویہ تو ضرور تھا مگر ان کے خیالات بہت حد تک اپنے بھائیوں سے مختلف تھے۔ ان سب باتوں کے بعد رہ جاتی تھی میران شاہ کی اپنی ذات۔۔۔ اور وہ نہ صرف رویہ میں اپنے ننھیال والوں کی تقلید کرتا تھا بلکہ اس کے مشاغل اور دلچسپیاں بھی اکثر اوقات انہی کا رنگ لیے ہوئے نظر آتیں۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو عورت کو ہمیشہ اپنے سے نچلے درجے پر ہی دیکھتے ہیں۔ ملکانی سائیں اعمال کے آئینے میں باری باری سب کی ذات کھنگال رہی تھیں اور تب میران کو احساس ہوا کہ چھوٹی موٹی حرکتیں تو ایک طرف مگر اس نے جان بوجھ کر اور باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ اگر کسی لڑکی کی زندگی برباد کی تھی تو وہ کوئی اور نہیں بلکہ ندی ہی تھی۔ جسے یونیورسٹی میں تو ہر ممکن طریقے سے تنگ کیا تھا مگر اب اسی کے ساتھ شادی کر کے وہ ساری زندگی اگر اپنی حاکمیت کے زیر اثر رکھنا چاہتا ہے تو صرف اس لیے کہ اس میں میران کی بات سے اختلاف کرنے اور سب کے سامنے اسے اس کی اوقات دکھانے کی جرأت بھی تھی اور ہمت بھی اور اس کی یہ ہمت ہی تھی کہ میران نے اس کا غرور توڑنا چاہا تھا۔ اس کے مقابلے میں ہمیشہ شاہ زین کو اہمیت دے کر جو طمانچہ وہ میران کے منہ پر مارتی تھی اس نے وہ تمام قرض سود کے ساتھ اتارنے کا فیصلہ کیا تھا اور اسی مقصد کے لیے پہلے اسے شہر بھر میں رسوا کیا اور پھر بڑی چالاکی سے شادی تک کرنے کا ارادہ کر لیا۔

مگر یہ کیا۔۔۔؟ اب ملکانی سائیں کی باتیں اور آنسو اسے یہ احساس دلانے پر تلے ہوئے تھے کہ اگر آج مہربانو اور سارے گھر کے افراد کی سرعام رسوائی ہوئی ہے تو اس کی وجہ کوئی اور نہیں بلکہ صرف اور صرف میران خود ہے۔ یہ اسی کا مکافات عمل ہے جس کی وجہ سے آج سارے حویلی کے افراد کو یہ دن دیکھنا پڑے۔ غرور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ اعمال میں سے ایک ہے اور یہ کسی بھی انسان کو زیبا نہیں کہ وہ کسی بھی ایسی چیز پر غرور کرے جس پر اس کا کوئی اختیار نہیں اور ابھی تو عین اسی لمحے جب میران، شاہ زین کے سامنے اپنے تئیں اسے رسوا کر کے خود غرور اور تکبر کی سیڑھیاں پھلانگ رہا تھا تو ٹی وی اسکرین پر نوبج کے ساتھ چلتی خبر نے اس کے قدموں تلے سے زمین سرکا دی تھی۔

اس نے ندی کو صرف اخبارات کے ذریعے اسکینڈلائز کیا تھا لیکن چونکہ سود ہمیشہ اصل سے کہیں زیادہ ہوتا ہے اس لیے اس کی اپنی بہن کا معاملہ اخبارات تک بعد میں پہنچا ٹی وی اسکرین کے ذریعے گھر گھر میں پہلے پہنچ گیا۔ یعنی اللہ کی لاٹھی حرکت میں آچکی تھی۔ عزت، غیرت، غرور اور تکبر اکڑ سبھی کچھ تو پل بھر میں مٹی میں جا ملا تھا۔ دوسروں کی طرف ایک انگلی اٹھانے والے میران کی طرف باقی چاروں انگلیاں اٹھ گئی تھیں اور یوں اٹھی تھیں کہ اس کی اکڑی ہوئی گردن جھک گئی تھی۔

"شاہ سائیں نوں فون کر کے پتا کر پتر!" ملکانی سائیں نے بوجھل آنکھوں سے اسے یوں کسی سوچ بچار میں گم دیکھا تو بولیں اور ان کی آواز نے میران کو چونکا ہی تو دیا تھا۔ بڑی خاموشی سے کچھ بھی بولے بغیر جیب سے موبائل نکالا اور شاہ سائیں سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر بہت زیادہ بیلز جانے کے بعد دوسری طرف سے فون ریسیو نہیں کیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ دونوں مزید پریشان ہو گئے۔ کوئی اور ایسا ذریعہ بھی نہیں سجھائی دے رہا تھا جس سے وہ ان کے متعلق کوئی معلومات حاصل کر سکتے۔ اسی دوران میران کے فون پر بیل ہوئی۔

"سائیں! ابھی ٹی وی میں ایک خبر چلتے دیکھی ہے، پوچھنا یہ تھا کہ اگر آپ نے اس خبر کی کوئی تردید وغیرہ دینی ہو یا کوئی وضاحت۔۔۔"

یہ ایک شام کے اخبار کے ایڈیٹر کا فون تھا جو بالواسطہ طور پر اس سے خبر لگانے یا نہ لگانے کے متعلق اجازت چاہتا تھا اور یہ بھی باور کروانا چاہتا تھا کہ خبر ان تک بھی پہنچ چکی ہے مگر وہ بہ وجہ ان سے قرابت داری کے یہ خبر چھاپنے سے گریز کر رہے ہیں جبھی براہ راست بات کرنے کے لیے یہ انداز اپنایا گیا تھا۔

"لگتا ہے اخبار چھاپنے کے لیے یا تو تمہارے پاس خبریں کم پڑ گئی ہیں یا روپے۔۔۔" میران نے بڑے کھردرے انداز میں جواب دیا۔ ملکانی سائیں مکمل دھیان سے اس کی طرف متوجہ تھیں۔

"نہیں سائیں! روپے تو ابھی وہی چل رہے ہیں جو آپ نے کچھ عرصہ پہلے تصویروں کو کاٹ چھانٹ کر چھپوانے پر دیے تھے اور ہم تو ایسے وفادار ہیں کہ ابھی تک شاہ سائیں کو بھی نہیں بتایا۔" اس کے لہجے سے لالچ کی بو آرہی تھی۔ یہ وہی شخص تھا جسے میران شاہ نے ندی اور شاہ زین کی تصویروں کی ایڈیٹنگ کر کے اپنے اخبار میں چھاپنے اور دوسرے اخبارات تک بھی پہنچانے کا ٹاسک دیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی وفاداری اور راز فاش نہ کرنے کو جتا رہا تھا مگر یہ معاملہ ایسا تھا کہ اس میں میران کو قطعاً اس کی ضرورت نہیں تھی۔

"چلو ٹھیک ہے پھر اپنے کام سے کام رکھو، میں ملتا ہوں تمہیں کسی وقت۔" اس نے جان چھڑانے کے انداز میں بات کرتے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔ ملکانی سائیں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ مگر وہ اس وقت خود احتسابی کے عمل سے گزرتے ہوئے

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

اپنے آپ سے بھی نظریں چرانے پر مجبور تھا سو انہیں بھلا کیا جواب دیتا۔

☆☆☆

ناصر بھائی اور ثروت آپا کے جانے کے بعد اماں ایک عجیب سے سکون کی کیفیت میں تھیں۔ ماں سے بڑھ کر اس پوری دنیا میں کسی کے لیے کوئی رشتہ اہم نہیں ہوتا۔ ہاں ایک ایسا مرکز ہوتا ہے جہاں پر ساری اولاد جمع ہوتی اور اپنے دکھ سکھ بیان کرتی ہے۔ ماں ہی اولاد کو اکٹھا رکھتی ہے اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبتیں بڑھانے کی کوشش میں لگی رہتی ہے اور آج انہیں جب یہ معلوم ہوا کہ شاہ زین نے اپنا خون دے کر امرِ الٰہی سے کسی اور کی ماں کی جان بچائی ہے تو احساسِ شکر سے اب تک وہ جیسے ایک سرور کے حصار میں تھیں اور شکر گزار تھیں کہ ایسے موقع پر جب شاہ زین کو پتا چلا کہ اس کا خون کسی کی جان بچانے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے تو اس نے پل بھر دیر نہ لگائی۔

"کیا سوچ رہی ہیں اماں؟" ثمینہ چائے کے برتن دھو کر کچن سے آئی تو انہیں یوں مسکراتے لبوں کے ساتھ بڑی خوشی سے تسبیح کے دانے گراتے دیکھ کر پوچھ بیٹھی۔

"سوچنا کیا ہے بیٹا! میں تو بس شکر کر رہی ہوں اس ذاتِ پاک کا جس نے مجھے شاہ زین سا بیٹا عطا کیا اور دعا گو ہوں کہ اللہ ہر ماں کو فرماں بردار اولاد سے نوازے۔"

"سچ اماں! مجھے بھی جب پتا چلا نا کہ بھائی نے انہیں خون دیا تو یقین کریں میرا بھی سر فخر سے اونچا ہو گیا تھا۔" ثمینہ کا لہجہ اور انداز دونوں ہی پرجوش تھے۔

"جب بھی ہم خدا کی رحمت سے کوئی ایسا عمل کر گزریں کہ جس سے دنیا کی طرف سے داد و تحسین وصول ہونے لگے، چاروں اطراف سے تعریفی کلمات ہمارے کانوں میں پڑنے لگیں اور اس بات کا بھی احساس ہونے لگے کہ دنیا ہمیں معتبر گردانے لگی ہے تو سر فخر سے اونچا کرنے کے بجائے شکر کرتے ہوئے عاجزی سے جھکا لو کہ اس پاک ذات نے ایک مرتبہ پھر ہمارے عیبوں پر پردہ ڈالتے ہوئے دنیا کے سامنے صرف ہماری خوبیاں ہی ظاہر کی ہیں۔"

"بالکل اماں! بات تو آپ کی بھی ٹھیک ہے۔" وہ مسکرائی۔

"اور ویسے بھی اللہ تو اجر دے گا ہی لیکن خوشی ہوتی ہے نا کہ جن کے لیے بندہ کوئی اچھا کام کرے وہ بھی ایسی بات کو سراہیں۔ جیسے یہ لوگ ابھی صرف بھائی کا تھینکس کرنے گھر پر آئے۔"

"ہاں بیٹا! اس میں تو کوئی شک نہیں، ویسے بھی ایک دوسرے کا شکریہ ادا کرنا بھی ہم پر ایک اخلاقی فرض ہوتا ہے نا، لیکن ایک بات شاہ زین کی مجھے اچھی نہیں لگی۔" بات کے دوران وقفہ کرتے ہوئے انہوں نے کمر کے پیچھے کشن رکھا۔

"یہ تو چلو بہت اچھا کیا کہ اس نے کسی کی جان بچاتے ہوئے خون دیا لیکن ایسا بھی کیا کہ گھر میں مجھے بتایا نہ تمہیں اور بس وہی روٹین میں دفتر بھی چلا گیا۔ ایسی لاپروائی کرنی چاہیے کیا؟"

"میں بھی اس وقت سے یہی سوچ رہی ہوں اماں! اگر بھائی بتا دیتے تو کم از کم آج کے دن تو میں انہیں ہرگز آفس نہ جانے دیتی۔ آ لینے دیں اب انہیں پھر دیکھیے گا میں انہیں کیسا ڈانٹوں گی۔" اماں کی بات پر ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے ثمینہ نے بھی اپنا غصہ ظاہر کرنا بہت ضروری سمجھا تھا اور اس کی ڈانٹنے والی بات پر تو اماں بھی بے اختیار مسکرا دیں۔

"ویسے بھی جب تک اس کی شادی نہیں ہوتی بے شک ڈانٹ ڈپٹ لیا کرو لیکن پھر بہو کے سامنے میں تمہیں شاہ زین کو کچھ بھی نہیں کہنے دوں گی۔"

"اماں ایک بات بتاؤں آپ کو۔" ان کے شگفتہ سے مذاق پر وہ ان کے پاس ہی آ بیٹھی تھی اور اب سہیلیوں کی طرح کا انداز اپنائے ہوئے تھی۔ اماں نے بھی چند لمحے تسبیح کے دانے روک کر استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے ندی کو دیکھا تھا اور بھائی کی بھی اس سے ملاقات ہوئی تھی۔" اپنے تئیں اس نے انکشاف کیا اور واقعی اس کی بات پر اماں کے چہرے پر حیرت ابھر آئی تھی۔

"کیا ملا تھا وہ اس سے؟ اور تم نے کیسے دیکھا؟"

"جب آپ ہاسپٹل میں تھیں اور بھائی مجھے گھر سے لے کر آئے تھے نا تب ملاقات ہوئی تھی میری۔ وہ بھی اپنی والدہ کو لے کر ہاسپٹل آئی تھیں لیکن اماں سچ بتاؤں تو میں نے اتنی معصومیت آج تک کسی کے چہرے پر نہیں دیکھی۔ خوب صورتی کی بات تو ایک طرف اماں! لیکن پتا نہیں ان میں ایسا کیا تھا کہ آپ یقین کریں خود میرا دل چاہ رہا تھا کہ بس ان کے چہرے سے نظر نہ ہٹے۔ وہ بولتی جائیں اور میں چپ چاپ بیٹھی سنتی جاؤں۔"

"ہوں۔۔۔" اماں نے ایک گہری سانس لی۔

"وہ اور میں باتیں کر رہے تھے کہ اتفاق سے بھائی بھی وہاں آ گئے۔ روکھے پھیکے اور اکھڑے ہوئے لہجے میں تھوڑی سی بات کی اور مجھے بھی ساتھ لے کر آپ کے روم میں آ گئے حالانکہ میرا پتا نہیں کیوں دل ہی نہیں چاہ رہا تھا کہ ان کو یوں اکیلا چھوڑوں۔" ثمینہ ایک جذب کے عالم میں تصوراتی آنکھ سے وہ مناظر دوہراتے ہوئے جو بولنا شروع ہوئی تو بولتی ہی گئی۔

"اماں! وہ بہت پریشان تھیں، ان کی امی بھی اسی ہاسپٹل میں تھیں نا، تو جیسے ہی میں نے ان سے بات کی وہ مجھ سے یوں باتیں کرنے لگیں جیسے میری اور ان کی بہت پہلے کی جان پہچان ہو۔"

"کاش کہ تمہاری اس سے ملاقات کسی خوش گوار ماحول میں شاہ زین کے ذریعے اس کی نسبت سے ہوئی ہوتی تو آج صورت حال قدرے مختلف ہوتی لیکن ہمیشہ وہی سب کچھ تو نہیں ہوتا نا جو ہم سوچتے ہیں۔"

"اماں! ساری باتیں ٹھیک، لیکن بھائی کو دیکھ کر جس بے تابی سے وہ ایک دم ان کی طرف لپکی تھیں اور ان کی آنکھوں میں بھائی کے لیے جو جذبات میں نے دیکھے تھے، میں اب تک ان ہی کی وجہ سے شدید ذہنی الجھن کا شکار ہوں کیونکہ مجھے نہیں لگتا کہ بھائی کے سامنے آنے پر ندی کی آنکھوں میں اترتے جگنو میری غلط فہمی ہو سکتے ہیں۔"

ثمینہ نے اماں کے سامنے ساری بات تفصیلاً بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے احساسات بھی پیش کر دیے تھے اور اماں اس کی ایک ایک بات کو بہت توجہ سے سن رہی تھیں۔

"اگر انہوں نے میر ان کے ساتھ ہی شادی کرنی ہے یا ہونے والی ہے تو بھائی کو دیکھ کے ان کے انداز میں اتنی وارفتگی کیوں تھی؟ مجھے لگا جیسے وہ بھائی سے بہت ساری باتیں کرنا چاہتی ہیں مگر بھائی نے تو کوئی لفٹ ہی نہیں کروائی۔"

"شادی کی بات تو خود زمین نے بتائی تھی جو یقیناً جھوٹ تو نہیں ہو سکتی پھر ندی کا رویہ۔۔۔" اماں ثمینہ کے چہرے پر نظریں مرکوز کرتے ہوئے کسی سوچ میں پڑ گئی تھیں اور پھر ایک دم ہی جیسے اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

"کہیں شاہ زین نے ندی ہی کی والدہ کو تو خون نہیں دیا۔" اماں کی بات پر ثمینہ چونکی۔

"ابھی جو دونوں بہن بھائی آئے تھے انہوں نے اپنا نام ثروت اور ناصر ہی بتایا تھا نا؟" ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے اماں نے تصدیق چاہی اور ثمینہ نے فوراً اثبات میں سر ہلا کر تائید کی۔

"ندی کے بڑے بھائی اور بہن کا نام بھی تو یہی تھا نا؟ شاہ زین نے جب ایک دفعہ اس واقعے کے بعد وہ لوگ شاہ زین سے ہوٹل میں ملے تھے۔"

ثمینہ نے سوچنے کی کوشش تو کی مگر بے سود، اس کے ذہن میں شاید وہ نام محفوظ نہیں رہ سکے تھے۔

"تم شاید بھول گئی ہو لیکن مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے کہ ان کے یہی نام تھے۔" اماں کے لہجے میں اپنی بات پر مکمل اعتماد ظاہر ہو رہا تھا۔

"اگر ایسا ہے پھر تو ہم انہیں فون کر کے ان کی

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

امی کی خیریت معلوم کرنے کے بہانے ساری باتوں کی تصدیق کر سکتے ہیں نا۔" ثمینہ کا جوش دیدنی تھا۔ لگتا تھا اندھیرے راستوں میں چلتے چلتے اچانک روشنی کا سراغ مل گیا ہو اور اب جلد از جلد وہ اس روشنی تک پہنچنا چاہتی ہو۔

اماں نے اس کے چہرے پر پھوٹتی روشنی کی کرنوں کو اپنی آنکھوں میں سموتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا اور بغیر کچھ کہے تسبیح کے دانوں کی طرف متوجہ ہو گئیں کہ وہ شاہ زین کے مشورے کے بغیر کوئی قدم اٹھانا نہیں چاہتی تھیں۔

☆☆☆

مہربانو کے ہاتھ سے موبائل فون چھوٹ کر نیچے گرا تو اکمل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور اس کا ساکت چہرہ اور پتھرائی ہوئی آنکھیں دیکھ کر حیران سا رہ گیا۔ سامنے ہی موجود گاڑیوں کی قطار میں بیٹھے شاہ سائیں سپاٹ چہرے اور سرد تاثرات سے مہربانو ہی کو دیکھ رہے تھے۔ اکمل سے نظریں ملی ہی تھیں کہ سگنل کی لائٹ سبز ہوئی اور گاڑیاں آہستہ آہستہ ایک مرتبہ پھر اپنی اپنی منزل کی طرف رینگنے لگیں۔ شاہ سائیں نے اشارے سے اکمل کو گاڑی فالو کرنے کا کہہ کر اپنی گاڑی دھیرے سے آہستہ بڑھائی۔ اکمل نے دانستہ طور پر گاڑی کی رفتار معمول سے کم رکھ کر گاڑی اسی قطار میں داخل کر دی جس میں شاہ سائیں کی گاڑی موجود تھی۔ یوں اب وہ اپنی گاڑی میں شاہ سائیں کے بالکل عقب میں موجود تھے۔

مہربانو کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ اب بھی گود میں دونوں ہاتھ رکھے اسی طرح ساکت و جامد بیٹھی تھی۔ قسمت اب اس کے حق میں کیا فیصلہ سنانے والی ہے؟ اور حویلی کے مکین اس کی بات کا اعتبار کرتے ہیں کہ نہیں؟ اور اگر ان لوگوں نے اس کا اعتبار نہ کیا تو اس کی اگلی منزل کیا ہوگی؟ خدشات کا ایک بے معنی سا ہجوم تھا جو دھیرے دھیرے اس کے ذہن کو اپنے قبضے میں لیتا جا رہا تھا۔

شاہ سائیں کی گاڑی سیدھی جا رہی تھی اور انہیں بہرحال ان کی تقلید کرنی تھی۔ اکمل کی بلال سے بات ہو چکی تھی اور اس نے اسے معاملہ سمجھا کر کچھ دیر تک دوبارہ فون کرنے کا کہا تھا۔ تھوڑی دیر کی مسافت کے بعد شاہ سائیں کی گاڑی بائیں طرف مڑ کر ایک ریسٹورنٹ کے سامنے جا رکی اور گاڑی سے اترتے ہوئے یہ دیکھ کر مہربانو کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ان کے ساتھ ہی گاڑی سے میری اور کنول بھی نکل کر اب اس کی طرف حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ دیکھ رہی تھیں اور یقیناً یہ شاہ سائیں کی ذات کا رعب ہی تھا کہ وہ دونوں یوں چپ چاپ ہاتھ باندھے کھڑی تھیں ورنہ دل تو ان کا چاہ رہا تھا کہ بس کسی طور فوراً جا کر مہربانو کے گلے لگ جاتیں اور اس سے پوچھتیں کہ آخر یہ سب معاملہ کیا تھا؟ کیسے ہوا اور اب وہ کہاں جا رہی تھی؟ لیکن ظاہر ہے کہ ماحول ایسا نہ تھا کہ وہ یہ سب کر پاتیں لہٰذا خاموشی سے چپ چاپ شاہ سائیں کے ساتھ ہی ہاتھ باندھے کھڑی رہیں۔ اکمل نے قریب پہنچ کر شاہ سائیں سے مصافحہ کیا ان دونوں کو سر کے اشارے سے سلام کیا اور شاہ سائیں کے دائیں طرف جا کھڑا ہوا۔ اسی دوران مہربانو چپ چاپ گم صم سی ان تک پہنچی اور سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ شاہ سائیں نے حسب معمول اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور سب ریسٹورنٹ کے اندر تک قدم بڑھانے لگے۔

نیم تاریکی اور ہلکے میوزک کے پھیلے ہوئے فسوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے شاہ سائیں نے ریسپشن سے اپنے کمرے کی چابی حاصل کی اور نہایت خاموشی سے پہلی منزل تک پہنچنے کے لیے لفٹ کے بجائے سیڑھیوں کا استعمال کرنے کے بعد آہستگی سے کمرہ کھول کر اندر داخل ہوئے، لائٹس آن کیں اور صوفے پر بیٹھنے کے بجائے اسٹڈی ٹیبل کے ساتھ رکھی نشست سنبھالی اور ان سب کے بیٹھنے کا انتظار کرنے لگے۔

مہربانو اور اکمل کے لیے گاڑی میں ان کے دیکھنے سے لے کر اب تک کا وقت انتہائی مشکل تھا۔

ایک ایک لمحہ اتنا طویل لگنے لگا تھا کہ گزرنے میں ہی نہ آتا۔ اسی طرح اب بھی اتنی دیر سے کمرے میں راج کرتی خاموشی ہی سب سے زیادہ تکلیف کا باعث بن رہی تھی۔ مہربانو سر جھکا کر بیٹھی اس انتظار میں تھی کہ وہ کچھ پوچھیں اور وہ بتائے جبکہ شاہ سائیں اس وقت ایک عجیب قسم کی اذیت سے اس لیے بھی دوچار تھے کہ میراں نے ان کا فون ریسیو نہ کرنے پر میسج کے ذریعے ٹی وی پر نظر آنے والی تمام صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا اور انہیں جلد از جلد رابطہ کرنے کا بھی کہا تھا۔ اکمل کی خاموشی کی ایک وجہ تو ان کے مزاج سے ناشناسائی تھی اور دوسرا یہ معاملہ چونکہ بہت پیچیدہ اور حساس نوعیت کا تھا اس لیے وہ نہیں چاہتا تھا کہ منہ سے نکلی کوئی ذرا سی بات بھی بات کو بڑھانے کا باعث بنے اور آخر مہربانو اٹھی اور چھوٹے چھوٹے قدم لے کر شاہ سائیں کے قدموں میں جا بیٹھی۔

"مجھے معاف کر دیں بابا سائیں! میری وجہ سے آپ اتنی ٹینشن میں ہیں لیکن یقین کریں اس سب میں میری کوئی غلطی نہیں تھی۔"

شاہ سائیں نے یوں اس کے کارپٹ پر بیٹھ جانے سے ایک دم اپنے پاؤں اس انداز میں پیچھے کیے گویا کوئی برقی رو ان کے پاؤں کو چھو کر گزری ہو۔

"یہ تم کیا کر رہی ہو؟ اندازہ بھی ہے تمہیں؟" ڈپٹنے کے انداز میں انہوں نے مہربانو کو اس کے دونوں شانوں سے پکڑ کر دوبارہ بیڈ پر بٹھاتے ہوئے سرزنش کی۔

"بابا سائیں! وہاں پر وہ میڈیا والے جو کچھ کہہ رہے تھے نا سب جھوٹ ہے، میں پوری رات اگر لفٹ میں بند رہی تو وہ صرف حادثاتی طور پر، ورنہ یہ سب دانستہ نہیں ہوا۔۔۔ اگر آپ چاہیں تو میں قسم اٹھانے کو بھی تیار ہوں، لیکن خدارا آپ میری بات کا یقین کریں کہ ایسا کچھ غلط نہیں ہوا بابا سائیں! کہ جس کی وجہ سے آپ کو کسی کے بھی سامنے صفائیاں دینی پڑیں یا آپ کا سر کسی کے سامنے جھکے۔ میں بالکل وہی مہربانو ہوں جس کے لیے آپ نے سب کی مخالفت

مول لی تھی اور یہ اکمل۔۔۔" تھوک نگلتے ہوئے اس نے اکمل کو دیکھا جو دل ہی دل میں اس کے لیے بے حد دعا گو تھا۔ اسی طرح چادر میں خود کو لپٹائے ہوئے وہ شاہ سائیں کے سامنے اپنی صفائیاں پیش کرتے ہوئے یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں میری اور کنول کے ساتھ شاپنگ مال پر جانے سے لے کر اب تک کا واقعہ بتانے کے بعد اکمل کا تعارف کروا رہی تھی۔

"یہ بہت اچھے انسان ہیں بابا سائیں! ساری رات لفٹ میں یہ بھی میرے ساتھ ہی بند ہو گئے تھے لیکن انہوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے میں کسی کے بھی سامنے شرمندہ ہوتی اور آپ خود بھی سوچیں نا بابا سائیں! اگر ایسا ہوتا تو کیا میں ان کے ساتھ گاڑی میں یوں بیٹھی ہوتی؟" اکمل کے کردار کی بلندی بیان کرتے ہوئے وہ ان ڈائریکٹ طریقے سے اپنی ذات اور وجود کی ہی صفائیاں دے رہی تھی۔ ڈھکے چھپے انداز میں وہ کیا سمجھانا چاہ رہی تھی۔ یہ کمرے میں موجود سبھی لوگ بہت اچھی طرح سے جان گئے تھے۔

"آپ کو اللہ کا واسطہ ہے بابا سائیں! کہ میری باتوں کی سچائی پر یقین کریں۔" ان کی اس قدر طویل خاموشی مہربانو کے کرب میں اضافہ کرتی ہوئی اب اعصاب شکن ثابت ہو رہی تھی۔

"کیا اب میری بیٹی کو اپنے بابا سائیں کے سامنے اپنی ہی ذات اور کردار کی صفائیاں دینی پڑیں گی۔" شاہ سائیں آخر بول ہی پڑے تھے اور یوں کہ مکمل طور پر حیران کر گئے۔

"دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہوگا جو مجھ سے بڑھ کر میری بیٹی کو جانتا ہوگا۔ پہلے تمہیں سب کی مخالفت کے باوجود اگر یہاں بھیجا تھا تو صرف اسی وجہ سے کہ مجھے علم تھا کہ میری بیٹی کبھی بھی کوئی ایسا کام نہیں کرے گی جس سے اس کے بابا سائیں کا سر کسی کے بھی سامنے جھکے اور میں یہ بات بڑے فخر اور اطمینان سے کہہ سکتا ہوں کہ جیسے میں کل سر اٹھا کر چلتا تھا۔ آج بھی میں اسی انداز میں دنیا والوں کے سامنے سر اٹھا کر

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

چل بھی سکتا ہوں اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہر قسم کی بات کا منہ توڑ جواب بھی دے سکتا ہوں۔"

شاہ سائیں کے مضبوط لہجے اور اس درجہ اعتماد پر جہاں میری، کنول اور اکمل نے سکھ کا سانس لیا تھا وہیں مہربانو اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ پاتے ہوئے مسکرانے کی کوشش میں ان کے گلے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ شاہ سائیں سمیت کسی نے بھی اسے چپ نہیں کروایا تھا اور ان کا خیال تھا کہ ایک مرتبہ اسے کھل کر رو لینے دیا جائے تاکہ کل سے اعصاب پر موجود خدشات کا کہر ڈھل سکے۔

شاہ سائیں اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے سہلا رہے تھے، حوصلہ دے رہے تھے اور اپنے اس عمل سے باور کروا رہے تھے کہ ان کے لیے صرف اور صرف مہربانو کی بات کی اہمیت ہے۔ دنیا والے کیا کہہ رہے ہیں، کیا سوچتے ہیں اس سے ان کو کوئی غرض نہیں ہے۔ ادھر اکمل نے بھی ان کے اس ردِ عمل پر سکون کا سانس لیا تھا کیونکہ یہ سب بالکل اس کی توقعات کے برعکس تھا۔ جس طرح کے خاندان سے ان کا تعلق تھا وہاں ایسا بولڈ اسٹیپ لینا یقیناً قابلِ تحسین تھا۔ لیکن مسئلہ اب بھی اس کے نزدیک پوری طرح حل اس لیے نہیں ہوا تھا کہ ندی کے معاملے میں بھی اس کے امی اور بابا نے اس سے کوئی بھی صفائی نہیں مانگی تھی۔ اس کی باتوں پر اور اس کے کردار پر اپنے مکمل اعتبار کا اظہار کیا تھا لیکن ہاں اتنا ضرور تھا کہ شاید وہ شاہ سائیں کی طرح مضبوط حیثیت نہ رکھتے تھے۔ گھر پر ناصر بھائی کا عمل دخل اور حیثیت ایسی تھی کہ انہوں نے مخالف اسٹینڈ لیا تو وہ اندر ہی اندر کڑھنے کے علاوہ اور کچھ بھی نہ کر سکے۔ اب مہربانو کے معاملے میں اگر شاہ سائیں نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا تو میران کا ردِ عمل ابھی باقی تھا۔

کافی دیر رونے سے مہربانو کی ہچکی بندھ گئی تھی۔ کنول نے روم فریج سے منرل واٹر کی بوتل نکالی اور ٹیبل سے گلاس اٹھا کر اس میں پانی ڈالا اور مہربانو کو شاہ سائیں سے الگ کر کے تھوڑا سا پانی پلا کر اس کی ہتھیلیاں سہلانے لگی۔ مہربانو بھی پانی پینے کے بعد اب سنبھل چکی تھی۔

"بابا! میں اگر ساری زندگی بھی کوشش کروں تو آپ کے اس عمل اور اعتماد کا بدلہ نہیں اتار پاؤں گی۔" مہربانو ایک بار پھر بولی۔

"یہ کوئی احسان نہیں ہے بیٹا! یہ تمہارا اپنا قائم کردہ اعتماد ہے۔ میں نے تو بس اس کی تصدیق کی ہے تمہیں میرے ہوتے کسی بھی قسم کی کوئی ان سیکورٹی محسوس نہیں ہونی چاہیے۔"

"بھائی۔۔۔؟" وہ کچھ کہتے کہتے جھجک کر رک گئی تھی۔

"تمہارے سر پر ابھی میں زندہ ہوں۔ اس لیے تمہیں کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود دیکھ لوں گا سب کو۔" شاہ سائیں نے اس کے سر سے گویا منوں وزن چند ہی لمحوں میں اتار پھینکا تھا۔ وہ خود کو بالکل ہلکی پھلکی محسوس کرنے لگی تھی اور اللہ کی شکر گزار تھی کہ اس نے اتنے پیارے بابا سائیں کو اس کے والد کے طور پر منتخب کیا۔

"تم تینوں دوستیں مل کر تھوڑی دیر ریسٹ کرو، گپ شپ کرو، میں ذرا اکمل کے ساتھ باہر لابی میں بیٹھ رہا ہوں۔"

اکمل اور شاہ سائیں اٹھ کھڑے ہوئے تھے، اکمل نے نظر بھر کر مہربانو کو دیکھا جو مسکراتے ہوئے شاہ سائیں کی بات سن کر گردن ہلا رہی تھی اور اچانک اکمل سے نظریں ملنے پر گڑبڑا کر ایک دم سنجیدہ ہو گئی تھی۔

"اور ہاں انٹرکام سے اپنے اور اپنی دوستوں کے لیے کچھ کھانے کو منگوا لو اور فریش ہو جاؤ۔ ہم وہیں کچھ کھا لیتے ہیں۔" مہربانو کو ہدایت دیتے ہوئے وہ اکمل سے مخاطب ہوئے۔

"جی بالکل۔" اکمل نے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی اور وہ دونوں کمرے سے نکل کر لابی کی طرف بڑھ گئے۔

☆☆☆

میرے ہم سفر ہیں تیری نظر میرے جذبۂ دل کی شدتیں
میرے خواب میری بصارتیں میری دھڑکنیں میری چاہتیں
وہ جو ساتھ چلنے کا خواب تھا، کہیں رہ گیا کہیں کھو گیا
کہیں کھو گیا میرا ہمسفر رہیں پاس اب نہ وہ چاہتیں

ندی کے ساتھ جس طرح شاہ زین کی ملاقات ہوئی تھی اس طرح اس سے سامنا ہونا تو شاہ زین کے کہیں وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ندی سے کبھی اس کی یوں اچانک ہی سرِ راہ ملاقات ہو جائے گی۔ ملگجے کپڑے جو شکنوں سے بھرپور تھے ان پر اوڑھی گئی بڑی سی سیاہ چادر جو اس کے ایڑیوں کو چھو رہی تھی۔ شفاف آنکھوں کا ہر عکس دھندلا کر ماند پڑ چکا تھا۔ مگر پھر بھی اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی شاہ زین کو یوں اپنے سامنے دیکھ کر بے تابی سے اس کی طرف لپکنا اور بڑی امید بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھنا شاہ زین کو اب تک پریشان کیے ہوئے تھا۔

وہ جو یہ سوچے بیٹھا تھا کہ اب اگر اس کی کبھی ندی سے ملاقات ہوئی بھی تو وہ اپنے مخصوص شوخ انداز میں اس کے ہاتھ پہ ہاتھ مارتے ہوئے بتائے گی کہ یونیورسٹی ٹائم میں جو کچھ بھی ہوا وہ سب ایک مذاق تھا جو بڑھتے بڑھتے اتنی سنجیدہ صورت حال کا باعث بنا۔ اس کے بعد وہ مزے لے لے کر اسے اپنی اور میران کی شادی کے قصے سنا کر دوبارہ ملنے کا کہتے ہوئے واپس لوٹ جائے گی اور شاہ زین ہر وہ ذریعہ مقفل کر دے گا جس سے کبھی بھی کہیں بھی دوبارہ ندی سے ملنے کا کوئی بھی امکان نظر آتا ہو۔ مگر یہ سب جو ہوا، وہ اتنا غیر متوقع تھا کہ اب تک شاہ زین اپنی آنکھوں کی پتلیوں پر ندی کا عکس اسی طرح منجمد محسوس کر رہا تھا گویا وہ منظر اس کی زندگی کا آخری منظر ہو۔ تب سے اب تک وہ اسی منظر کے سحر میں گرفتار تھا۔ رات کو خون دینے کے بعد اصولاً اسے آج آفس سے چھٹی کر کے گھر پر ریسٹ کر لینا چاہیے تھا لیکن آج بھی اگر وہ مقررہ وقت پر آفس آ پہنچا تھا تو اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ بہت دیر اس معاملے کے بارے میں نہیں سوچنا چاہتا تھا۔ سو چپ چاپ صبح اٹھ کر معمول کا ناشتا کیا اور آفس آ پہنچا۔

وہ خود کو مصروف کر لینا چاہتا تھا۔ اتنا مصروف کہ اسے کچھ بھی سوچنے کا موقع نہ ملے۔ وہ یادیں جن سے دل کو سکون اور قرار ملنے کے بجائے افسردگی ہونے لگے۔ ایسی یادوں کو بھلا دینا ہی بہتر فعل ہے اور کسی بھی غم، مصیبت، فکر، پریشانی سے بچنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ خود کو مصروف کر لیا جائے۔ سو شاہ زین بھی یہی طریقہ اپنائے ہوئے تھا۔ آج کا دن عموماً اس نے پورے ہفتے کی کارکردگی کا جائزہ لینے، فائلز اور ڈاکومنٹس چیک کر کے انہیں سیٹ کر کے رکھنے، اپنی نگرانی میں کام کرنے والی مشینوں اور ان کے پرزوں کے بارے میں آگاہی لینے اور چھوٹی موٹی خرابی کو ٹھیک کروانے کے بجائے صرف اور صرف آفس ورک کے لیے مختص کر رکھا تھا۔ لیکن آج کا دن صبح سے ہی دوسرے دنوں سے مختلف اس لیے بھی رہا کہ رات سے ہی ذہن میں ندی کے ساتھ گزارے گئے خوش گوار وقت کی جو فلم چلنا شروع ہوئی تھی تو وہ اب تک رکنے میں نہیں آ رہی تھی۔ پہلے پہل اس سے ملاقات سے لے کر آخری دن تک ایک ایک لمحہ شاہ زین کے ذہن پر نقش تھا اور پھر آخری دن اس کا نظر لگ جانے کی حد تک پیارا لگنا اور شاہ زین کا اس کی سفید گداز ہتھیلی پر شعر لکھنا۔۔۔ اسے سبھی کچھ تو یاد تھا مگر تھا بہت تکلیف دہ اور اس پر یہ احساس کہ وہ اور میران دونوں اب ایک ہونے جا رہے ہیں۔ شاہ زین کے دل کو اندر ہی اندر کچوکے لگا رہا تھا۔

سو اپنا دھیان بٹانے کے لیے آج کا دن اس نے معمول سے ہٹ کر ڈیپارٹمنٹ کے ورکرز کے درمیان گزارنے کا سوچا تھا تاکہ اسے مشینوں کے شور میں اپنے اندر کے شور سے نجات مل جائے۔ وہاں موجود ورکرز سے تو یوں بھی اس کا رویہ بہترین تھا۔ سو آج یونہی چلتے ہوئے راؤنڈ لگانے کے دوران کسی کسی ورکر کے پاس رک کر ان کا حال چال پوچھنے لگا

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

اور اسی دوران کچھ پیپرز فائل میں رکھنے کی ضرورت پیش آئی تو آفس کے اندر قدم رکھتے ہی میران کو اپنی کرسی پر بیٹھا دیکھ کر یقیناً اسے حیرت کا ایک زوردار جھٹکا تو ضرور لگا تھا مگر یہ بھی سچ تھا کہ وہ ان لوگوں میں سے تھا جنہیں اپنے جذبات پر مکمل کنٹرول حاصل ہوتا ہے اور اصل فاتح تو وہ لوگ ہی ہوتے ہیں جو خود اپنے نفس کو فتح کرلیں۔ اپنی ذات کو جذبات کے ہاتھوں گروی رکھنے کے بجائے دل کی لگامیں دماغ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کوئی بھی ردِعمل ظاہر کرنے کے لیے مکمل ہوش و حواس سے کام لیں۔ سو یہی وجہ تھی کہ میران کی تمام تر توقعات کے برعکس نہایت تحمل سے شاہ زین نے اس کا سامنا کیا اور میران جو یہ سوچے بیٹھا تھا کہ شاہ زین کی ذرا سی ”گستاخی“ کی صورت میں وہ اسے سب کے سامنے ذلیل و رسوا کر کے اس کو آفس سے باہر نکال دے گا۔ یہ نہ ہوسکا بلکہ اس کے برعکس مہربانو کے حوالے سے ٹی وی اسکرین کی زینت بنی اس خبر نے خود میران شاہ کو ہی شاہ زین کے سامنے ٹھہرنے کے لائق نہ چھوڑا تھا اور تب شاہ زین حیران پریشان اس پیش آنے والے واقعے کے بارے میں بس سوچتا ہی رہ گیا۔

اب بھی وہ اپنے آفس میں موجود تقدیر کے صفحے پر ابھرنے والے ان نئے الفاظوں کو ورق الٹ کر سارے لفظوں سے ملاتا ہوا سوچ رہا تھا کہ آج سے کچھ ہی عرصے پہلے اسی طرح ٹی وی تک نہ سہی لیکن اخباروں میں اس کی اور ندی کی بھی تصاویر چھپوا کر انہیں رسوا کیا گیا تھا اور یقیناً وہ سب کرنے میں میران کے سوا اور کوئی نہیں تھا اور اب خود میران کی بہن کے ساتھ پیش آنے والے اس تمام تر واقعے میں کتنی سچائی ہے؟ اور اب شاہ سائیں اور میران سمیت دیگر لوگ اس معاملے پر کیا ردِعمل دیں گے، قطع نظر اس کے کہ اب میران اور ندی کے درمیان یقینی طور پر معاملات طے پاچکے ہیں جس کے نتیجے میں وہ دونوں اب شادی کے بندھن میں بندھنے والے ہیں مگر یہ سب ممکن کیسے ہوا؟ اس بات کی حیرت شاہ زین کے ذہن میں ابھی تک باقی تھی۔

☆☆☆

یہ سچ ہے کہ ہم سے خستہ تن
دکھوں کی دھوپ میں سایہ نہیں کرتے
ہماری مسکراہٹ میں زہر ہوتا ہے
ہمارے لب ہمیشہ طنز کے نشتر چلاتے ہیں
مگر ہم اپنے پیاروں کو کبھی بے خودی میں
کوئی ایسی بات کہہ دیں
کہ وہ افسردہ ہوکر رو پڑیں
تو سن لو۔۔۔
ہم بھی چین سے سویا نہیں کرتے

باقی گھر والوں کے ساتھ ذہنی طور پر عائشہ بھابھی کے کتنے ہی اختلاف کیوں نہ ہوتے مگر ناصر بھائی کے ساتھ ان کی محبت ایسی ہی تھی جیسی کسی بھی مشرقی بیوی کو اپنے بے حد محبت کرنے والے شوہر کے ساتھ ہوسکتی ہے۔ جب سے شادی کے بعد وہ اس گھر میں آئی تھیں، امی، بابا، ندی اور ناصر بھائی نے ہمیشہ انہیں اسپیشل پروٹوکول دیا تھا۔ امی، بابا ہر معاملے میں ان کی رائے کو اتنی اہمیت دیا کرتے کہ اگر کسی بھی معاملے میں وہ ”ویٹو“ کرجاتیں تو وہ ارادہ پایہ تکمیل تک پہنچانا پھر ناممکنات میں سے لگنے لگتا۔ ہر موقع پر ان کے حقوق کا بے حد خیال رکھا جاتا۔

ناصر بھائی اگر کام کی زیادتی کی وجہ سے عائشہ بھابھی کو باہر نہ لے جاپاتے تو امی خود انہیں اس کی کی یاددہانی کرواتے ہوئے ناصر بھائی کو سمجھایا کرتیں کہ وہ بھول رہے ہیں کہ بہت دنوں سے وہ عائشہ کو کہیں باہر لے کر نہیں گئے۔ عائشہ بھابھی کے میکے کے رشتہ داروں میں سے کسی کے بھی آنے پر انہیں وی آئی پی ٹریٹ کیا جاتا۔ صرف اس لیے کہ عائشہ بھابھی اب اس گھر کی بہو تھیں اور پہلا حق ان ہی کا تھا۔ ناصر بھائی کا غصہ ذرا تیز ضرور تھا مگر پھر بھی وہ عائشہ بھابھی کے لیے ایک بہت کیئرنگ شوہر کے طور پر ان کی زندگی میں آئے تھے۔ جو ہر لحاظ سے انہیں خوش رکھنے کی کوشش کرنے کے ساتھ ساتھ امی، بابا اور ندی کے

حقوق پورے کرکے گھر کو ہر لحاظ سے پرسکون بنانے میں اپنا کردار ادا کیے ہوئے تھے۔ لیکن مسئلہ پیدا ہوا تو تب کہ جب عائشہ نے خود ہی یہ بات اخذ کرلی کہ گھر میں ندی کو اس سے کہیں زیادہ اہمیت ملتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ خاندان بھر میں ندی کی خوب صورتی، اس کے اخلاق، پہننے، اوڑھنے کے انداز کی تعریفیں سن سن کر عائشہ بھابھی نادانستہ طور پر دل ہی دل میں اس سے حسد محسوس کرنے لگی تھیں۔

اور تابوت میں آخری کیل ٹھونکی گئی تب، جب ندی نے اکمل کے رشتے سے انکار کردیا اور ابھی دنوں یونیورسٹی میں ہونے والی بدمزگی سے عائشہ بھابھی کو موقع مل گیا کہ وہ اپنے ”حقوق“ حاصل کرکے رہیں، جبھی اس واقعے کو سب کے سامنے اور خصوصاً ناصر بھائی کے سامنے اس قدر اچھالا گیا کہ وہ نہ صرف ندی بلکہ اس کے نام سے ہی بدظن ہوگئے۔ مگر یہ سب کرتے ہوئے یقیناً عائشہ بھابھی یہ بات بھول بیٹھی تھیں کہ گیند جتنی زور سے زمین پر دے ماریں وہ اس سے بھی دگنی طاقت اور شدت کے ساتھ دوبارہ اوپر کی طرف واپس آئے گی۔

یہی وجہ تھی کہ اب جو ناصر بھائی کے سامنے ساری اصلیت خود عائشہ بھابھی کی زبانی ہی سامنے آئی تھی تو ان کا ردِعمل بھی اسی طرح شدید تھا جس طرح ندی کے معاملے میں تھا۔ ان سے بات چیت کرنا بند کی تھی اور انہیں گھر سے بھی نکل جانے کا حکم سنایا گیا تھا وہ بھی اس اضافے کے ساتھ کہ بصورتِ دیگر وہ گھر میں قدم نہیں رکھیں گے اور باقی سب کے ساتھ تو عائشہ بھابھی کے تعلقات جیسے بھی تھے مگر وہ ناصر بھائی کو چھوڑنے کا تو تصور بھی نہیں کرسکتی تھیں کیونکہ وہ اس بات سے اچھی طرح واقف تھیں کہ شادی کے بعد لڑکی کا اصل گھر وہی ہوتا ہے جہاں اس کا شوہر ہو لیکن اس سب کے باوجود وہ اس قدر شرمندہ تھیں کہ ان کے اندر ناصر بھائی کا سامنا کرنے کی نہ تو ہمت تھی اور نہ ہی اخلاقی جرأت۔ اور اسی لیے وہ کچھ دنوں کے لیے میکے جانا چاہتی تھیں تاکہ حالات ذرا اپنی نارمل روٹین میں بحال ہوسکیں اور ناصر بھائی کے ذہن میں جو تازہ بہ تازہ جذبات جنم لے رہے ہیں وہ ان سے وقتی طور پر بچ سکیں مگر ممی اس واقعے کو بڑی زیرک نگاہی سے دیکھ رہی تھیں جبھی اس سے پہلے کہ وہ میکے چلی جاتیں ممی نے خود ڈرائیور کو ساتھ لیا اور عائشہ بھابھی کو سمجھانے کی غرض سے ان کے پاس جا پہنچیں۔

”وہ تمہارا میکہ ہے، اس بات سے بھلا کس کو انکار ہوسکتا ہے مگر اس وقت اگر تم نے اس گھر سے قدم باہر نکالا تو ہمیشہ پچھتاؤ گی۔ یہ بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آرہی؟“

”سب سمجھ میں آرہا ہے ممی! بچی نہیں ہوں میں! لیکن ان سب کے باوجود میں ناصر کا سامنا نہیں کرسکتی۔ سب کچھ انہوں نے خود سن لیا ہے ایسے میں، میں اپنا دفاع کیسے کروں ان کے سامنے؟“ وہ جھنجھلائی ہوئی تھیں۔

”یہاں رہوں گی تو مجھے سامنے دیکھ کر ان کے منہ سے کچھ بھی غلط نکل سکتا ہے کیونکہ ان کے غصے سے تو آپ بھی واقف ہیں نا، لیکن اگر یہاں سے چلی گئی تو فون پر آج نہ سہی کل، کل نہ سہی کچھ روز بعد میں خود انہیں سمجھالوں گی۔“

وہ دونوں اس وقت عائشہ بھابھی کے بیڈروم میں تھیں۔ ان کے لیے چائے وغیرہ تیار کرنے کے بہانے سے ثروت آپا وہاں سے اٹھ گئی تھیں تاکہ وہ دونوں بلاجھجک ایک دوسرے سے بات کرکے اس مسئلے کو سلجھانے کی کوئی راہ نکال سکیں۔

”تم کیا سمجھتی ہو عائشہ! کچھ منہ سے غلط نکلنے کے لیے تمہارا سامنے ہونا ضروری ہے؟ کیا فون پر تم اس سے بات کروگی اور اپنی صفائیاں پیش کروگی تو وہ تم سے گھنٹہ بھر باتیں کرتا رہے گا تاکہ تم ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے مزید سو جھوٹ اس کے سامنے بول سکو؟“ ممی انہیں آئینہ دکھانے کی کوشش کررہی تھیں ہر طرح سے انہیں سمجھانا چاہ رہی تھیں مگر وہ شاید سن ہی نہیں رہی تھیں اور یقیناً اس وقت ان کا سمجھنے کا کوئی

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

ارادہ بھی نظر نہ آتا تھا۔ اسی لیے وہ ممی کی کہی ہوئی ہر بات کو صرف جواب دینے کے نظریے سے سن رہی تھیں، سمجھنے کی نیت سے نہیں۔

"ممی! آپ تو خواہ مخواہ بس نیگیٹو سوچ رہی ہیں اور چاہتی ہیں کہ بس میں بھی ہتھیار ڈال دوں لیکن میں ایسا ہرگز نہیں کرنے والی۔"

"نیگیٹو میں سوچ رہی ہوں؟ یا نیگیٹو تم نے کیا ہے ان گھر والوں کے ساتھ؟ چھوٹی موٹی باتیں جو تم میرے ساتھ کیا کرتی تھیں میں تو یہی سمجھتی رہی کہ تم اپنا دل ہلکا کر رہی ہو میرے ساتھ اور جب تھوڑا بہت مجھے کہہ سن لو گی تو ریلیکس ہو جاؤ گی اور ذہن سے وہ سب باتیں نکال دو گی لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ تم اپنے اندر اس قدر زہر پال رہی ہو۔ مجھے کہتے ہوئے شرم آتی ہے لیکن میری بیٹی اس قدر بدنیت ہو گی، میں تو اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتی اور اب جب تمہارے کیے گئے سارے وار ناکام ہو گئے ہیں اور ناصر اپنی والدہ اور بہن سے اپنے کیے گئے تمام غلط فیصلوں اور اعمال کی معافی طلب کر چکا ہے پھر بھی تم شرمندہ ہونے اور پچھتانے کے بجائے جلی ہوئی رسی کا بل بننے پر تلی ہوئی ہو۔"

"مجھے کم از کم آپ سے یہ امید ہرگز نہیں تھی ممی! اور میں نے بھی اس بات کا کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ جب خود ناصر تک میرے مخالف ہو جائیں گے تو آپ ماں ہو کر میرا ساتھ چھوڑ دیں گی، آپ نے مجھے بہت ہرٹ کیا ہے ممی!! اپنے جیتے جی آپ میرے میکے کے دروازے مجھ پر بند کر رہی ہیں۔ کل کو کوئی بھابھی آئے گی وہ تو یقیناً آپ ہی کے نقش قدم پر عمل کرے گی۔" وہ روہانسی ہو گئی تھی تب ممی اس کے نزدیک آ بیٹھی تھیں اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور بولیں۔

"میری کہی ہوئی باتیں تمہیں آج بری اس لیے لگ رہی ہیں کیونکہ تم اس وقت جذبات سے سوچ رہی ہو، مگر یقین کرو میری جان! کل کو انہی سب باتوں کی وجہ سے تم خود کو اپنی ماں کا احسان مند سمجھو گی، جس نے تم پر میکے کے دروازے وقتی طور پر بند کر کے تمہاری خوش حال اور پرسکون زندگی کے دروازے تم پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھلے رہنے دیے تھے اور جہاں تک بات رہ گئی تمہاری مستقبل کی بھابھی کی، تو جب تک تم خود کسی کی اچھی بھابھی نہیں بنو گی تو یہ کیسے امید کرو گی کہ کوئی تمہاری اچھی بھابھی بنے؟"

ممی نے اسے نہایت نرم الفاظ سے سمجھانے کی کوشش کی تھی باوجود اس کے کہ وہ اس وقت عائشہ بھابھی کی ذہنی حالت کا اندازہ کر سکتی تھیں مگر وہ چاہتی یہی تھیں کہ وہ اپنے اس وقتی جذبات کو خود پر اس قدر سوار نہ کر لیں کہ پھر ان کے پاس پچھتاوے اور کاش کے سوا کچھ باقی نہ رہ جائے کیونکہ ایک دفعہ زندگی سنوارنے کا موقع جان بوجھ کر ہاتھ سے نکال دیا جائے تو آئندہ وقتوں میں "کاش" راکھ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔

"میں مانتی ہوں ممی! کہ میں نے غلط کیا ہے۔ میں نے ندی کا برا چاہا اور پھر جذبات کی رو میں میں اس قدر آگے نکل گئی کہ میں نے خود اپنی شادی شدہ زندگی بھی داؤ پر لگا دی لیکن۔۔۔۔" وہ چند لمحے کے لیے رکیں اور کچھ کہتے کہتے ممی سے نظریں چرا لیں۔

"اگر سچ کہوں ممی! تو۔۔۔ میرے اندر ناصر کو فیس کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ اسی لیے میں کچھ دنوں کے لیے منظر سے ہٹ جانا چاہتی ہوں اور بس۔۔۔ مجھ سے ایک نہیں کئی غلطیاں ہوئی ہیں، ناصر کے دل کو گھر والوں سے تو اچاٹ کیا سو کیا، لیکن میرا رویہ امی اور ندی کے ساتھ بھی بہت روکھا پھیکا سا ہو گیا تھا۔ وہ لوگ جو ہمیشہ ناصر کے سامنے میری ڈھال بنا کرتی تھیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی میری سائیڈ لیتی تھیں، پتا نہیں میں اتنی اندھی کیسے ہو گئی کہ پھر ان سے سیدھے منہ بات تک کرنا چھوڑ دی۔۔۔ اب آپ خود بتائیں میں ان کا سامنا کیسے کروں؟ اور کیسے خود کو ڈیفینڈ (Defend) کروں ان کے سامنے؟"

"صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آ جائے نا تو اسے بھولا نہیں کہتے بیٹا! مانا کہ تم سے غلطیاں ہوئی ہیں لیکن

یہ بھی تو سچ ہے نا کہ تمہیں اپنے کیے پر پچھتاوا اور پشیمانی ہے۔ ناصر سمیت یہ تمام گھر والے صاف نیت اور محبت کرنے والے لوگ ہیں اور مجھے امید ہے کہ اگر تم ان سے سچے دل سے معافی مانگو گی تو یہ سب ایک مرتبہ پھر تمہیں گلے لگا لیں گے۔"

عائشہ بھابھی نے بھیگی آنکھوں سے سر اوپر اٹھا کر ممی کو دیکھا اور ان کے تائید میں ہلتے سر اور مسکراتے ہونٹوں کو دیکھ کر رہ گئیں۔ اسی دوران ثروت آپا چائے کی ٹرالی میں لوازمات سجائے کمرے میں داخل ہوئیں اور عائشہ بھابھی سوچ میں پڑ گئیں کہ آخر اب کیا ہونے والا ہے۔ ثروت آپا نے چائے کا کپ ممی کی طرف بڑھایا۔

"ثروت آپا! یہ سب جاننے اور محسوس کرنے کے باوجود کہ میرا امی اور ندی کے ساتھ کیا رویہ رہا آپ ابھی بھی میری ممی کے ساتھ وہی پہلے سا رویہ رکھے ہوئے ہیں۔ آپ کا دل نہیں چاہا کہ جیسے میں نے کیا وہی رویہ آج آپ میری ممی کے ساتھ رکھتیں؟" ذہن میں آئی بات کو عائشہ بھابھی نے زبان دے ڈالی۔

"عائشہ! جب گھر بسانے کے بارے میں سوچا جاتا ہے نا تو بہت سی چھوٹی بڑی باتوں کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔ سمجھوتے، مصلحت، برداشت اور نظر انداز کرنے کو اگر منفی کر دیا جائے تو کسی بھی گھر کا وجود ختم ہو جاتا ہے اور میں اپنا میکہ آباد دیکھنا چاہتی ہوں۔" انہوں نے عائشہ بھابھی کو سمجھانا چاہا تھا اور پھر ممی کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

"ویسے بھی جو کچھ غلطیاں جانے انجانے میں سرزد ہوئیں وہ تم سے ہوئیں، اس میں ممی کا کیا قصور، یہ ہمارے لیے آج بھی اتنی ہی محترم ہیں جتنی پہلے ہوا کرتی تھیں اور میں بڑی بہن ہونے کے ناتے تمہیں بھی یہی مشورہ دوں گی کہ اپنا گھر بچا لو، ٹوٹنے سے جھک جانا بہتر ہے۔ ناصر شدید رنج اور غصے میں ضرور ہیں لیکن کوئی بھی حرف زندگی میں حرف آخر تو نہیں ہوتا نا۔ وہ بھی مان جائیں گے۔ تم پہلے امی سے بات کرو پورے سچے دل سے اور مجھے یقین ہے کہ اگر امی بات کریں گی تو وہ کبھی بھی ٹال نہیں پائیں گے۔"

خواب لفظوں میں ڈھل نہیں سکتے
کاش آنکھیں پڑھا کرے کوئی
لوگ تسخیر ہو بھی سکتے ہیں
لفظ دل سے ادا کرے کوئی

ثروت آپا کی باتیں عائشہ بھابھی کے دل کو لگی تھیں۔

☆☆☆

میران شاہ بے چینی کے عالم میں یہاں سے وہاں ٹہل رہا تھا۔ ملکانی سائیں بھی شاہ سائیں کے فون کے انتظار میں مجسم دعا بنی ہوئی تھیں۔ اتنی بڑی بات ہو جانے کے بعد وہ شاہ سائیں سے کسی بھی قسم کے ردعمل کی توقع کر سکتی تھیں اور یہی ایک خوف تھا جو ان کے ذہن پر مسلط ہو کر انہیں ہلکان کیے دے رہا تھا۔ میران شاہ اب تھک ہار کر صوفے پر آن بیٹھا تھا اور اضطراب و بے چینی کی حالت میں مونچھوں کو بل دیتے ہوئے دائیں ٹانگ ہلاتا جا رہا تھا۔

اگر خود اس کے ساتھ کچھ غلط ہو جاتا تو شاید کیفیت کچھ اور ہوتی لیکن اب بات اس کی عزت پہ آ گئی تھی۔ اس کی بہن کے ساتھ ساتھ پوری حویلی کا مقام داؤ پر لگا ہوا تھا۔ رحمٰن شاہ تو جو کچھ کہہ کے گیا سو گیا خود ملکانی کے بھائیوں نے بھی آ کر بجائے اس پریشانی کے لمحے میں انہیں تسلی دینے، ہمدردی کے دو بول بولنے کے صرف اور صرف شاہ سائیں کی ذات کو ہی تنقید کا نشانہ بنایا کہ جن کے غلط فیصلے کی وجہ سے آج یہ دن دیکھنا پڑے اور جب جذبات کی روانی میں وہ مہر بانو کو بھی یوں قصوروار ٹھہرانے لگے تو میران سے برداشت نہ ہوا اور ملکانی سائیں کے سامنے ہی ان کے بھائیوں سے الجھ بیٹھا۔ مہر بانو کے متعلق وہ کسی کی زبان سے بھی کچھ غلط بات برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ملکانی سائیں زرد رنگت لیے اپنے بھائیوں کو سمجھانے کی کوشش کرتی رہیں لیکن ان کے نزدیک سب سے بڑے قصوروار مہر بانو اور شاہ سائیں تھے سو

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

تھے اور اسی طرح بکتے جھکتے ہوئے آخر وہ حویلی سے نکل گئے۔ بار بار شاہ سائیں کو فون کرنے کے بعد بھی ان سے بات نہ ہو پانا ایک تشویش ناک بات تھی جس نے انہیں مزید پریشان کر کے رکھ دیا تھا اور ان کے علاوہ وہ کسی سے رابطہ کر نہیں پا رہے تھے۔ اسی پریشانی میں بیٹھے بیٹھے ایک دم میران کے فون پر ہوتی بیل نے ان دونوں کو چونکا دیا۔ دوسری طرف شاہ سائیں تھے جو اس سے پہلے کہ تمام تفصیل بتاتے میران شاہ نے انہیں بتایا کہ وہ ٹی وی پر سب کچھ دیکھ چکا ہے۔ اس بات پر انہوں نے ایک گہری سانس لی اور بولے۔

''تمہارا کیا خیال ہے میران؟ اس سارے معاملے میں قصور وار کون ہے؟ اور اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟'' فیصلہ تو بلاشبہ وہ کر چکے تھے لیکن پھر بھی وہ جاننا چاہتے تھے کہ اس اہم ترین معاملے میں میران شاہ کے سوچنے کا انداز کیا ہے اور آیا کیا وہ ان کی طرف سے کیے گئے کسی بھی فیصلے کی حمایت میں کھڑا نظر آئے گا یا کہ مخالفت میں۔

''بابا سائیں! سب سے پہلے تو اللہ کا شکر ہے کہ مہربانو خیریت سے ہے، قصور سراسر شاپنگ مال کی انتظامیہ کا ہے جنہوں نے لفٹ کے خراب ہونے پر اسے بند کرنے کے بجائے اِن سروس رکھا اور کوئی وارننگ وغیرہ بھی جلی حروف میں لکھ کر نہیں لگائی، آپ سیدھا سیدھا کیس کریں ان لاپروا لوگوں پر۔'' میران شاہ نے بہت اچھا نقطہ اٹھایا تھا۔

''اور دوسری بات یہ کہ مہربانو کو یقین دلائیں کہ اسے ہمارے ہوتے ہوئے نہ تو کسی کو صفائیاں پیش کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی اپنا یقین دلانے کی۔ ہمارے لیے اس کے آج اور کل میں کوئی بھی فرق نہیں آیا ہے۔ جس قدر اعتماد، محبت اور بھروسہ ہمیں اس پر کل تھا، آج شاید اس سے بھی بڑھ کر ہے۔'' ملکانی سائیں کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ آج سے پہلے میران شاہ نے کبھی بھی اس بات کا اظہار نہیں کیا تھا کہ اس کے لیے زندگی میں موجود ان رشتوں کی کیا اہمیت ہے۔ لیکن محبت اظہار کے بغیر ادھوری ہوتی ہے۔ رشتہ کوئی بھی ہو لیکن اپنے رویے کے ساتھ ساتھ لفظوں سے بھی اپنی محبت کا اظہار کرنا اسی طرح ضروری ہوتا ہے جس طرح پودوں کو پانی دینا۔۔۔ ملکانی سائیں جو رحمٰن شاہ اور اپنے بھائیوں کے رویے کے بعد شاہ سائیں کو تنہا خیال کر رہی تھیں۔ اب ان کا سر فخر سے بلند ہو رہا تھا اور وہ گزرے لمحوں کی پریشانی کے برعکس ان آنسوؤں میں اپنی ساری گھٹن بہا رہی تھیں۔

میران شاہ کی باتوں نے شاہ سائیں کو بھی ایک نیا حوصلہ بخشا تھا اور وہ خود کو پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط محسوس کر رہے تھے۔ ملکانی سائیں نے ان سے بات کرنے کے دوران انہیں رحمٰن شاہ کے رویے اور اپنے بھائیوں کے شور و غوغا مچانے کے بارے میں بھی بتایا اور یہ جان کر شاہ سائیں کو ناقابل بیان اطمینان نصیب ہوا کہ رحمٰن شاہ جو خود ہی مہربانو سے رشتہ ہونے کا دعوے دار بنا بیٹھا تھا اب بغیر کسی مزید بدمزگی کے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ بقول اس کے کہ وہ کسی ''باعزت اور شریف'' لڑکی کو اپنی دلہن بنائے گا اور اس کے لیے چاہے اسے مزید دس سال بھی انتظار کرنا پڑے یعنی مہربانو اور تمام حویلی والوں کو ایک وقتی پریشانی کا سامنا کروا کر مکمل اور دائمی مصیبت سے بچا لیا گیا تھا اور اس بات کے لیے ملکانی سائیں اللہ کا شکر ادا کرتے نہ تھکی تھیں۔ شاہ سائیں نے چند لمحے آئندہ کے لائحہ عمل پر بات کرنے کے بعد انہیں یہ بھی بتایا کہ وہ نیکسٹ فلائٹ سے جلد از جلد مہربانو کے ساتھ حویلی پہنچ رہے ہیں۔

ایک سکون سا جیسے حویلی کی در و دیواروں پر مسکرانے لگا تھا۔ صبح سے پھیلی وحشت اور پریشانی منہ لپیٹ کر کسی دوسری طرف جا نکلی تھی۔ قدموں میں بیٹھی سونی کو ملکانی سائیں نے شدتِ جذبات سے گود میں بھر لیا تھا اور میران شاہ بند آنکھوں پر ہاتھ رکھے رب کے حضور معافی کے ساتھ ساتھ شکر کے الفاظ بھی ادا کر رہا تھا۔ لیکن دل پر بوجھ پتھر کی سِل کی طرح ٹس سے

مس ہونے کا نام لیتا نظر نہ آتا تھا۔ یہ خیال کہ ندی اور اس کے گھر والوں پر اس وقت کیا گزری ہوگی جب میران کی زیرِ ہدایت جعلی تصاویر اخبار میں چھپ کر ہر گھر میں موضوعِ گفتگو بنی ہوں گی۔ اس کا بھائی کیا محسوس کر رہا ہوگا جب ہر طرف سے لوگ ظاہر و خفیہ ان پر انگلی اٹھاتے ہوں گے اور شاہ زین۔۔۔ اور جب سارے خیالات ایک بگولے کی طرح اس کے ذہن کو اپنی لپیٹ میں لینے لگے تو آخر کار اس نے ایک ایک بات ملکانی سائیں کو کہہ سنائی۔

اول و آخر ایمان داری سے اس نے بغیر کسی مبالغے یا جھوٹ کی آمیزش کیے واقعات کو جمع تفریق کی مسند پر بٹھائے بغیر جو کچھ اور جیسا ہوا تھا سب بیان کر دیا اور آخر میں یہ بھی اعتراف کر ڈالا کہ آج مہربانو کے ساتھ جو کچھ ہوا اس میں قصور وار مہربانو نہیں بلکہ حقیقتاً وہ خود تھا اور موردِ الزام اگر کوئی ہے تو وہ صرف اور صرف اس کی ذات ہے۔

ملکانی سائیں دم بخود ساری باتیں سنتی رہی تھیں۔ وہ اس کی فطرت سے بخوبی واقف تھیں اور جانتی تھیں کہ یہ سب اسی طرح ہوا ہوگا۔ لیکن ان کے لیے باعثِ حیرت و شکر بات یہ تھی کہ وہ اپنے کیے پر نادم تھا اور اب اس عمل کی تلافی کرنا چاہتا تھا یعنی آج کے واقعے نے اس کی ذہنیت میں موجود اکڑ اور غرور کی بلند دیوار میں دراڑ ڈال دی تھی۔

☆☆☆

یونیورسٹی میں میران کی طرف سے کی جانے والی بدتمیزی کے بعد جو صورت حال پیدا ہوئی اور اس کے نتیجے میں ندی اور شاہ زین کے درمیان رابطہ منقطع ہو جانے کے بعد بھی ندی کے دل میں شاہ زین کے لیے کسی قسم کی بدگمانی نے جنم نہیں لیا تھا اور نہ ہی اس نے کبھی کسی موڑ پر شاہ زین کو ان تمام حالات پر قصور وار ٹھہراتے ہوئے موردِ الزام ٹھہرایا تھا۔ اس کا دل ہمیشہ سے بس یہی کہتا تھا کہ ایک دفعہ شاہ زین سے ملاقات ہو جائے تو سارے معاملات خود بخود طے پا سکتے ہیں۔ اسی کوشش میں وہ انتہائی رسک لیتے ہوئے شاہ زین کے گھر تک بھی گئی اور اس کی شادی کے جلد ہونے کی خبر سن کر بھی وہ اپنے دل سے اس کی محبت میں رتی بھر بھی کمی نہیں کر پائی تھی۔ اب یہ الگ بات ہے کہ ہاسپٹل میں ہونے والی ملاقات نے اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اس کا لیے دیے والا روکھا پھیکا انداز، اجنبیوں کا سا برتاؤ اور بس سرسری سا اندازِ گفتگو، ندی کو حقیقتاً ہرٹ کر گیا تھا اور اس پر ثمینہ کا وہ خط جس نے سراسر ندی کو ہی موردِ الزام ٹھہرا دیا تھا اور تب ندی کو لگا کہ شاید وہ ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہے۔ بس یہ خیال آنا تھا کہ دل نے شاہ زین کے خلاف دہائیاں دینی شروع کر دیں۔ مرد ہونے کے باوجود اس کی خاطر کوئی اسٹرونگ اسٹیپ نہ لینے، اسے حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دینے، اس کی خیر خبر نہ لینے اور سب سے بڑھ کر اس بات پر یقین کرنے کہ وہ میران شاہ سے شادی کر رہی ہے۔ ان سب باتوں نے مل کر اسے پہلی دفعہ شاہ زین سے ناراض کر دیا تھا اور اسی غصے میں جب ثمینہ کا خط پھاڑ کر روم ڈسٹ بن کے بجائے باہر پھینک کر آئی تو کمرے میں امی کے پاس موجود ثروت آپا، عائشہ بھابھی اور ان کی ممی کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اسے محسوس ہوا کہ ان کے آنے سے چند لمحوں پہلے تک وہ سب گفتگو میں مصروف تھے جو اس کے آنے کے بعد ہی منقطع ہوئی۔ سو دھیمی آواز میں سب کو ایک ساتھ سلام کرتے ہوئے امی کے تکیے کے قریب کھڑی ہوئی تو ان کی بھیگی ہوئی آنکھیں دیکھ کر چونک گئی۔ استفہامیہ نظروں سے ثروت آپا کو دیکھا مگر عائشہ بھابھی اٹھ کر اس کے قریب چلی آئیں۔

''ندی! میں جانتی ہوں کہ مجھ سے ایک نہیں کئی غلطیاں ہوئی ہیں۔ لیکن میں یہ بھی جانتی ہوں کہ جو کچھ ہوا وہ ماضی تھا اور گزر چکا ہے اور تم مجھے موقع دو تو میں اپنے کیے ہوئے ہر قصور اور غلطی کی تلافی کرنے کو تیار ہوں۔۔۔ لیکن صرف ایک دفعہ تم سب لوگ مجھے معاف کر دو۔''

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں بھابھی؟" ان کی باتوں نے اسے حیران بھی کیا تھا اور اسے افسوس بھی ہو رہا تھا۔

"اور ہم کون ہوتے ہیں آپ کو معاف کرنے اور سزا دینے والے؟ کیا آپ کو معاف کرنے سے یا سزا دینے سے میرے بابا واپس آجائیں گے؟ آخری لمحات جس کرب میں انہوں نے گزارے اور ان کی میت پر ہی جس طرح آپ نے سب خاندان والوں کے سامنے میری کردار کشی کی وہ وقت واپس آئے گا؟ آپ کی وجہ سے میری ماں آج یہاں تک پہنچیں، ایک ایک لمحہ کس اذیت میں گزارا ہے انہوں نے، کس طرح یہ صرف ناصر بھائی کو دیکھنے اور ان کی آواز سننے کو ترسا کرتی تھیں، اس کا اندازہ کر سکتی ہیں آپ؟" ندی جذباتی ہو گئی تھی۔

"اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ زبردستی کسی بھی شخص کو آپ دنیا بھر سے دور کر کے صرف اور صرف اپنا بنا لیں گی تو یہ بھول ہے کیونکہ لوگ صرف اور صرف رویوں کی وجہ سے ایک دوسرے سے دور بھی ہوتے ہیں اور نزدیک بھی۔۔۔ اور ناصر بھائی تو آپ کے ہی ہیں پھر بھلا آپ کو کیا بے یقینی تھی کہ آپ ہم سب کے خلاف اس قدر آگے چلی گئیں۔"

عائشہ بھابھی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ بس سر جھکا ہوا تھا اور زبان خاموش۔ ندی کو بھی اس لیے خاموش نہیں کروایا گیا تھا تاکہ وہ کہہ سن کر اپنے جی کو ہلکا کر لے۔

"ندی بیٹا! جو کچھ ہوا وہ ماضی تھا۔ اب اپنے نئے کل کا آغاز کرو اور دل صاف کر کے ایک دوسرے کے گلے لگ جاؤ۔"

امی نے بیٹھتے ہوئے کہا تو ندی ہلکا سا مسکرا دی۔

"ڈونٹ وری امی! میرے دل میں جو تھا وہ میں نے کہہ دیا ہے اور اگر آپ انہیں معاف کر چکی ہیں تو میرا دل بھی ان کے لیے صاف ہے۔" ندی نے آگے بڑھ کر عائشہ بھابھی سے مسکراتے ہوئے ہاتھ ملایا تو انہوں نے ندی کو گلے لگا لیا۔

اسی دوران ناصر بھائی ہاتھ میں امی کی ڈسچارج سلپ لے کر اندر آتے آتے یہ منظر دیکھ کر چونک گئے اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے امی نے آنکھوں کے اشارے سے انہیں خاموش رہنے کا کہہ دیا۔

"آج کتنے ہی عرصے بعد جب ہم گھر جائیں گے تو وہاں سکون اور اپنائیت کا احساس ملے گا۔" ثروت آپا نے امی کی آنکھوں کا آرڈر دیکھنے کے بعد مسکراتے ہوئے ناصر بھائی کا پھولا ہوا منہ دیکھا۔

"ناصر! تم ایسا کرو گھر جانے سے پہلے صدقہ دے کر آؤ اور آتے ہوئے ساتھ مٹھائی بھی لے آنا۔"

"جی امی!" عائشہ بھابھی کی والدہ کو سر کے اشارے سے سلام کرتے ہوئے وہ عائشہ بھابھی کو مکمل نظر انداز کر گئے تھے اور امی کی بات کے جواب کے بعد واپس باہر کی طرف مڑنے ہی لگے تھے کہ امی کی آواز پر پھر سے پلٹ آئے۔

"عائشہ کو بھی ساتھ لے جاؤ۔" امی کی بات پر جہاں عائشہ بھابھی جز بز دکھائی دیں وہیں ناصر بھائی نے بھی آنکھوں کے ذریعے احتجاج کیا جو رد کر دیا گیا اور امی کے کہنے پر عائشہ پرس سنبھالتے ہوئے ناصر بھائی کے ساتھ کمرے سے نکلیں مگر اس سے پہلے ایک شرمسار مسکراہٹ کے ساتھ ندی کے ہاتھ میں اس کا موبائل دبا گئی تھیں۔

☆☆☆

شاہ زین آج عام دنوں کی نسبت ذرا جلدی گھر آگیا تھا۔ ایک تو یہ کہ وہ کچھ نقاہت محسوس کر رہا تھا اور دوسری بات یہ کہ وہ ذہنی جنگ سے اب بری طرح تھک چکا تھا۔ تبھی خلاف معمول ریسٹ کرنے کے ارادے سے گھر جا پہنچا جہاں ثمینہ دھلے ہوئے کپڑوں کو بالٹی میں رکھے گھر کے دائیں اور بائیں طرف پچھواڑے میں لگائی جانے والی نائیلون کی تار پر سوکھنے کی غرض سے پھیلا رہی تھی۔ بیل ہوئی تو باہر آنے والے کے بارے میں اندازے اور مفروضے قائم کرتے ہوئے گیٹ کھولا اور سامنے شاہ زین کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"بھائی! آپ۔۔۔ اس وقت۔۔۔؟ آج جلدی آگئے۔" اپنی حیرت کا برملا اظہار کیا تو شاہ زین مسکرا دیا۔

"کہتی ہو تو واپس چلا جاتا ہوں۔"

"ارے نہیں، سوری بھائی! وہ دراصل آپ کبھی اس طرح وقت سے پہلے آئے نہیں نا اس لیے۔" کھسیا کر وضاحت دیتے ہوئے اس نے رستہ چھوڑ کر انہیں اندر آنے دیا۔

اماں جو ابھی چند لمحوں پہلے ہی لیٹی تھیں شاہ زین کی آواز سن کر وہ بھی اٹھ بیٹھی تھیں اور شاہ زین کے جھک کر سلام کرنے کے جواب میں حسب معمول اس کے کندھے پر ہاتھ پھیرا تو وہ ان کے قریب ہی صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا انداز سے صاف عیاں تھا کہ وہ آج بے انتہا تھکاوٹ کا شکار ہے۔ ثمینہ جلدی سے فریج میں سے انار کا جوس گلاس میں ڈال کر لے آئی تھی۔

"بیٹا! کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ آج دفتر جانے کے بجائے چھٹی کر کے گھر رہ کر ریسٹ کرتے۔" جوس پی لینے کے بعد خالی گلاس ثمینہ کو تھمایا تو اماں بولیں۔

"ریسٹ۔۔۔؟ لیکن کیوں اماں۔۔۔! ایسا کون سا پہاڑ توڑا ہے میں نے کہ گھر بیٹھ کر ریسٹ کرتا۔"

"اوہ یعنی اب تم ہم سے باتیں چھپانے بھی لگے ہو۔" اماں نے مسکرا کر شاہ زین کو دیکھا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا ثمینہ کے منہ سے اچانک ہی نکلا۔

"پوری ایک بوتل خون کی دے کر تو لوگ ہفتہ بھر ریسٹ کرتے ہیں، طاقت والی غذا کھاتے ہیں اور ایک آپ ہیں کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔"

"اوہ۔۔۔! یعنی آپ لوگوں تک خبر پہنچ گئی۔" خجل ہو کر اس نے سر کھجاتے ہوئے کن انکھیوں سے اماں کو دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید اب وہ کچھ کہیں گی مگر وہ خاموش ہو کر اس کے جواب کی منتظر رہیں تو وہ مکمل طور پر ان کی طرف رخ کر کے بیٹھ گیا۔

"دراصل اماں! میں نے سوچا یہ کوئی اتنی اہم بات نہیں ہے اسی لیے نہیں بتایا ورنہ تو آپ میری اچھی دوست اور پیاری اماں ہیں نا، اور آپ سے تو میں نے کبھی بھی کچھ نہیں چھپایا، یہ بات تو آپ بھی مانتی ہیں نا۔" بچوں سے انداز میں اپنے سامنے بیٹھے شاہ زین کی بات پر وہ مسکرائیں۔

"اور پھر میں نے یہ بھی سوچا کہ نیک کام ہے خوامخواہ تشہیر کرنے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔"

"بات تو تمہاری ٹھیک ہے میری جان! لیکن اگر بتا دیتے تو ہم نے تو خوش ہی ہونا تھا نا کہ تم کسی کام آئے لیکن ہاں اتنا ضرور ہے کہ تمہیں زبردستی ہی سہی فوری طور پر کوئی پھل فروٹ وغیرہ تو کھلا دیتے نا، اب آج تمہیں کس قدر کمزوری محسوس ہوتی رہی ہوگی سارا دن۔"

وہ پریشان ہو چکی تھیں اور اب چونکہ یہ بات ان کے علم میں تھی کہ شاہ زین نے خون دیا ہے اس لیے نفسیاتی طور پر بھی انہیں شاہ زین بہت کمزور اور اس کا چہرہ بھی پھیکا پڑتا نظر آ رہا تھا۔

"دیکھو تو چہرہ بھی کیسا زرد ہو رہا ہے میرے بچے کا۔ ثمینہ۔۔۔! اٹھو بھائی کے لیے یخنی بنا کر لاؤ۔"

"اماں۔۔۔! وہ تو میں نے آپ کے کہنے سے پہلے ہی جب جوس لینے گئی تھی تب ہی چڑھا دی تھی، اور اگر مجھے پتا ہوتا کہ بھائی آج جلدی آنے والے ہیں تو اب تک تیار کر کے رکھ دیتی۔"

"اوہو۔۔۔ اسی لیے تو میں نے بتایا نہیں تھا۔ اب بھلا اس میں اتنا پریشان ہونے اور یوں ایکسٹرا کیئر کرنے والی کیا بات ہے؟" وہ اپنی جھنجھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے مسکرایا۔

"بات تو ہے نا بھائی! آپ اپنا خیال رکھیں گے، اچھی ڈائٹ لیں گے تبھی تو کسی اور کو بھی خون دے کر اس کی مدد کر سکیں گے نا۔۔۔ اس لیے صحت بنائیں اور تگڑے ہو جائیں۔" ثمینہ نے بڑوں کی طرح اسے سمجھایا۔

"لیکن ایک بات سمجھ نہیں آئی۔" باری باری اس نے ثمینہ اور اماں دونوں کو دیکھا، دونوں ہی مکمل دلچسپی

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

اور توجہ کے ساتھ اس کی باتیں سن رہی تھیں۔

"اس بارے میں اگر میں نے آپ کو نہیں بتایا تو پھر آپ دونوں کو کیسے پتا چلا؟"

"ہمیں ہمارے ذرائع سے یہ مصدقہ اطلاع ملی تھی بھائی! کہ آپ جذبۂ ہمدردی میں خون دے کے آرہے ہیں۔" ثمینہ مذاق کے موڈ میں تھی لیکن وہ حقیقتاً جاننا چاہ رہا تھا۔

"دراصل بیٹا! وہ لوگ گھر آئے تھے تمہارا شکریہ ادا کرنے مگر تم سے ملاقات نہیں ہو سکی۔"

"گھر آئے تھے؟ مگر کون؟"

"جنہیں تم نے خون دیا تھا ان کا بیٹا ناصر اور بیٹی ثروت، ان کے آنے پر ہی ہمیں بھی پتا چلا تھا۔"

"اوہ اچھا، ہاں انہوں نے وہیں ہاسپٹل سے ایڈریس لیا ہوگا۔" شاہ زین نے ریلیکس ہو کر کہا۔

"ثمینہ بتا رہی تھی کہ وہاں تمہاری ندی سے بھی ملاقات ہوئی۔" اماں کی بات منہ سے نکلنے کی دیر تھی کہ شاہ زین کے چہرے پر ایک واضح تناؤ کی سی کیفیت پیدا ہوتی محسوس ہوئی۔

"جی ہاں اس کی والدہ بھی شاید وہیں پر ایڈمٹ تھیں۔"

"اور اس کے بہن بھائی کا نام بھی ناصر اور ثروت ہی ہے نا۔" وہ جو سمجھ رہا تھا کہ شاید اماں اب ملاقات کی نوعیت کے بارے میں پوچھیں گی یا احساسات کے بارے میں بات ہوگی اس سب کے برعکس انہوں نے ایک دم ہی زنجیر کی ایک کڑی کو کہاں سے اٹھا کر کہاں سے جوڑا تھا کہ خود شاہ زین بھی حیران ہو کر چونکے بغیر نہیں رہ پایا تھا۔

"جی جی، بالکل نام تو یہی تھے۔" اسے ذہن پر زور دینے کی بھی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی تھی کہ ندی اور اس سے وابستہ ہر چیز اور شخص تو یوں ہی اس کے ذہن و دل پر نقش تھے۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ تم نے ندی کی والدہ کو خون دیا ہو۔" شاہ زین کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ سب اتفاقات کیوں ہو رہے ہیں۔ وہ بغیر کچھ کہے بس اماں کا منہ دیکھنے لگا۔

"مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہے اور اتفاقات زمانہ چاہے تم دونوں کو اب ایک دوسرے سے دور کر بھی چکا ہو مگر شاید قدرت پھر بھی کسی نہ کسی بہانے ان دونوں گھرانوں کو جوڑے رکھنا چاہتی تھی بھی تو ظاہری صورت میں نہ سہی لیکن اب ندی کی والدہ کے جسم میں خون بن کر تم ہمیشہ ان کے ساتھ ہی رہو گے۔" اماں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"بھائی! میں اماں کو بھی کہہ رہی تھی کہ ندی کو دیکھ کر بالکل نہیں لگتا تھا نا کہ یہ وہی ندی ہیں جن کی باتیں آپ سناتے تھے یا پھر جن کی چند روز میں شادی ہونے والی ہو، ایسا نہیں لگتا تھا نا؟" وہ شاہ زین سے تائید چاہتی تھی۔

"اور نہ ہی ایسا لگتا تھا کہ وہ کبھی جھوٹ بولتی ہوں گی اتنی پیاری اور معصوم کہ اماں یقین کریں میرے پاس تو مثال بھی نہیں ہے کہ آپ کو بتاؤں اور اسی لیے مجھے دکھ بھی زیادہ ہوا تھا نا اور میں بھی ان کے نام خط لکھ کر دے آئی۔" باتیں کرتے کرتے ثمینہ کے منہ سے پھر بات پھسل گئی تھی۔

"کیسا خط؟" اماں اور شاہ زین دونوں الجھ کر ثمینہ کو دیکھنے لگے تو اس نے خط کا مکمل متن بیان کر دیا۔

"لیکن تمہیں کیا ضرورت تھی ثمینہ! یہ سب باتیں لکھنے کی۔" شاہ زین کو ثمینہ کا یہ عمل بالکل پسند نہیں آیا تھا جبھی چڑ کر بولا۔

"سوری بھائی! لیکن میرا بھی دل چاہ رہا تھا نا کہ ذرا میرا بھی غبار نکلے اور ندی بھی یہ نہ سمجھیں کہ ہم ان تمام واقعات سے ناواقف ہیں۔" ثمینہ نے اپنے تئیں عقلمندی کی تھی اور چاہتی تھی کہ اب اسے داد دی جائے لیکن شاہ زین نے سر جھٹک کر سامنے رکھا ریموٹ اٹھایا اور نیوز چینل پر ہیڈ لائنز سننے کی غرض سے اوکے کا بٹن دبایا۔ پہلی دوسری اور یہ کیا تیسری ہی خبر نے شاہ زین سمیت اماں کی بھی آنکھیں حیرت سے کھول دیں۔

"ممبر صوبائی اسمبلی حیدر شاہ کا بیٹی اور سید اکمل پر مکمل اعتماد کا اظہار، شاپنگ مال انتظامیہ پر کسٹمرز ایکٹ کے تحت مقدمہ درج، رات بھر انتظامیہ کی غفلت سے لفٹ میں بند ہونے پر ایک کروڑ کا ہرجانہ طلب۔"

اسکرین پر مہربانو اور اکمل کی وہی فوٹیج چلائی جارہی تھی اور ساتھ ہی انہیں پریس کانفرنس کرتے دکھایا گیا جس میں مہربانو اور اکمل شاہ سائیں کے دائیں بائیں موجود تھے۔ میری، کنول اور وکیل بھی ساتھ ہی تھے اور اس پریس کانفرنس میں ہاسٹل کے واچ مین کے مطابق اس نے بچیوں کے پریشان ہونے پر پولیس کو اطلاع دی تا کہ مہربانو کا کھوج لگایا جاسکے اور تب پولیس کھوج لگاتے ہوئے میڈیا کے نمائندگان کو بھی مدعو کرنا ہرگز نہیں بھولی تھی تا کہ ان کی اس کارروائی پر حکام بالا کی بھی نظر پڑے۔

"یہ۔۔۔ یہ کون ہے؟" اماں نے اسکرین پر نظر جماتے ہوئے حیرت سے آنکھیں پھیلا کر پوچھا تو شاہ زین جواب خبرنامہ کی شہ سرخیاں ختم ہو جانے پر تفصیل سے یہ خبر جاننے کے لیے باقی نیوز چینل چیک کر رہا تھا بولا۔

"اماں یہ جو سفید شلوار سوٹ میں تھے نا، وہی تو ہیں شاہ سائیں، میران کے والد اور اس فیکٹری کے مالک جہاں اب میں جاب کرتا ہوں۔"

"کیا کہا۔۔۔؟ میران۔۔۔ حیدر شاہ کا بیٹا ہے؟ اور۔۔۔ اور مہربانو۔۔۔ میران کی بہن؟" اماں کو تو جیسے اس نئے انکشاف پر یقین کرنا مشکل لگ رہا تھا۔

"بالکل اماں! لیکن دیکھیں کتنا تضاد ہے نا میران کی شخصیت، عادات اور فطرت میں، شاہ سائیں کے تو بالکل متضاد ہیں اس کی تمام حرکتیں۔"

اماں کے چونکنے اور حیرت سے بھرپور تاثرات کو وہ خبر کی تفصیل جاننے کے لیے اِدھر اُدھر چینلز بدلتے ہوئے نوٹ نہیں کر پایا تھا۔ یوں بھی یہ پریس کانفرنس اب سے چار پانچ گھنٹے پہلے کی تھی اور تب براہ راست دکھائی بھی گئی تھی مگر اب خبرنامے میں موجود تمام خبریں ظاہر ہے کہ ایک ترتیب سے آنا تھیں، سو شاہ زین کو انتظار کرنا ہی تھا۔ تب تک وہ اس سے پہلے کہ اماں کے ساتھ اسی موضوع پر کوئی بات شروع کرتا باہر ہوتی بیل نے اسے چونکا دیا تھا۔ ثمینہ کچن میں تھی اور یوں بھی شاہ زین کے گھر ہونے کی صورت میں وہ خود ہی اٹھ کر دروازہ کھولا کرتا تھا مگر اس وقت شاہ زین کو اپنی آنکھوں پر یقین کرنا مشکل ہو گیا جب گیٹ کھولنے پر سامنے نہ صرف شاہ سائیں بلکہ ملکانی سائیں میران اور مہربانو سمیت کھڑے نظر آئے۔

"شاہ سائیں آپ۔۔۔!" ابھی چند ہی لمحوں پہلے انہیں ٹی وی اسکرین پر دیکھنے کے بعد یوں اچانک اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر شاہ زین کی حیرت دیدنی تھی اور سونے پہ سہاگہ پوری فیملی یوں آئی تھی جیسے اپنے کسی عزیز رشتے دار کے گھر جایا جاتا ہے۔

"آیئے نا اندر آئیں۔" وہ انہیں اپنے ساتھ ڈرائنگ روم میں لے آیا تھا اور اس دفعہ یقینی طور پر حیران ہونے کی باری شاہ سائیں کی تھی۔ ملکانی سائیں نے بھی اماں کو دیکھا تو جیسے یک ٹک دیکھتی ہی رہ گئیں۔ ان کے استقبال کے لیے کھڑی اماں اب تک اپنی حیرت پر قابو پا چکی تھیں مگر دونوں گھرانے کا ایک ایک فرد ابھی تک حیرت کے طلسم میں جکڑا ہوا تھا اور آخر فسوں ٹوٹا تو تب جب شاہ سائیں اور ملکانی سائیں نے امی کے نزدیک ہی نشست سنبھالی اور گویا ہوئے۔

"بھابھی آپ۔۔۔!" شاہ سائیں یقیناً کچھ مزید کہنا چاہتے تھے مگر آدھے ادھورے لفظوں ہی کی مدد سے تصدیق چاہی تو اماں نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

"ہاں حیدر شاہ میں۔۔۔ سلطان شاہ کی بیوہ!" اماں کے الفاظ تھے یا کوئی بہت زور کا دھماکا جو ثمینہ اور شاہ زین کی سماعتوں کے عین قریب ہوا تھا۔

"شاہ۔۔۔؟" دونوں ہی نے زیر لب اس لفظ کو دوہرایا۔

"بابا سائیں کی وفات کے بعد میں نے آپ کو اور بھائی صاحب کو بہت ڈھونڈا، ہر جگہ کوشش کی کہ

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

کسی طرح آپ دونوں کا پتا چل جائے اور میں آپ کو منا لوں، بابا سائیں کی طرف سے آپ سے اور بھائی صاحب سے معافی مانگ کر ان کا جائز حق ان کے حوالے کر سکوں، لیکن میری بہت سی کوششوں کے بعد بھی میں ناکام ہی رہا، لیکن کاش! کہ میں بھائی صاحب کی زندگی میں ہی ان کو ڈھونڈ پاتا۔" شاہ سائیں کو اگر اپنے بھائی کے خاندان کے یوں اچانک مل جانے پر خوشی تھی تو بھائی کی وفات کا دکھ بھی تھا۔ ادھر میران اور شاہ زین یہ سوچ کر کہ وہ دونوں ایک ہی نسب، نسل اور خون سے تعلق رکھتے ہیں عجیب سی کیفیات کا شکار تھے۔

"تم بھلا ہمیں کیسے ڈھونڈ پاتے حیدر! جب بابا سائیں نے میرے حویلی جانے پر سلطان شاہ اور مجھے یہ کہہ کر وہاں سے نکال دیا تھا کہ میں نے ان کی نسل خراب کر کے ان کی ذات پر دھبا لگا دیا ہے اور اس دن کے بعد سے سلطان شاہ نے خود کو ہمیشہ صرف سلطان کہلوایا اور بچوں کے ناموں میں بھی کسی ایسے لفظ کا اضافہ نہیں کیا جس سے بابا سائیں کے نام تک ذرا سا بھی شک جاتا۔" اتنے بڑے انکشافات جو آج ہو رہے تھے، اماں نے جانے کب سے اپنے دل میں چھپا رکھے تھے۔

"جو کش بابا سائیں کولوں ہو گیا، جو غلطی ساڈے کولوں ہو گئی تے جو غلطی میرے پتر میران توں ہوئی، تسی سب دل صاف کر کے معاف کر دیو۔" ملکانی سائیں نے اماں سمیت ثمینہ اور شاہ زین کو مخاطب کیا۔

"شاہ زین! مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میں نے دانستہ طور پر تمہاری زندگی میں بہت سی مشکلات کھڑی کیں، بہت سے ایسے عیب جو سرے سے تم میں تھے ہی نہیں وہ تمہارے نام سے منسوب کر کے اچھالے۔ لیکن یقین کرو کہ میں بہت سخت پچھتاوے کا شکار ہوں، مجھے کسی پل چین نہیں آ رہا اور نہ ہی آئے گا، جب تک کہ تم مجھے معاف نہ کر دو۔"

"میران تم مجھے شرمندہ کر رہے ہو، میرے لیے شاہ سائیں کا مقام اوّل روز سے دل میں بہت بلند تھا اور آج بھی ہے۔ ان کے آنے اور یہ حقیقت کھلنے کے بعد کہ ہم ایک ہی دادا کی اولاد میں سے ہیں میرے لیے کوئی وجہ نہیں کہ تمہارے لیے دل میں کوئی بھی منفی جذبہ برقرار رکھوں۔" شاہ زین نے گہری سانس لے کر پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔

"نہیں یار! تم مجھے معاف کرو میری اپنی وجہ سے بابا سائیں کی وجہ سے نہیں، اور اگر تم چاہو تو جس طرح میں نے بابا سائیں، مہربانو اور اماں سائیں کے سامنے اپنی کی گئی تمام غلطیوں کی تلافی کا ارادہ کیا ہے اس طرح ساری دنیا کے سامنے بھی تم سے معافی مانگنے کو تیار ہوں۔" میران کسی ضدی بچے کی طرح ضد پر اڑا دکھائی دیا تو مہربانو اور ثمینہ ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیں۔

"میران واقعی اپنی غلطیوں پر پشیمان ہے اور اسی لیے جب میں نے اسے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ صرف پچھتاوے سے کچھ حاصل نہیں، جاؤ اور جا کر براہ راست معافی مانگو تب یہ ہم سب کو بھی ساتھ صرف اس لیے لے کر آیا تاکہ اس کی بات نہ ٹالی جائے۔ اس لیے اب بھابھی آپ بھی ہم سب کے سمیت میران کو معاف کر دیں اور شاہ زین سے بھی میں یہی امید کرتا ہوں۔" شاہ سائیں نے ملتجی انداز اپناتے ہوئے اماں اور پھر شاہ زین کو مخاطب کیا تو اماں مسکرا دیں۔

"میں خوش اور میرا اللہ خوش، شاہ زین تم بھی راضی ہو جاؤ تاکہ رب اس سے راضی ہو اور پھر ہم اپنے بیٹے میران کی بارات خوب دھوم دھام سے لے کر جائیں۔" اماں کی بات مکمل ہوتے ہی شاہ زین نے میران کا ہاتھ تھام کر گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ گئے۔

"بالکل آنٹی! شادی تو اسی دھوم دھام، جوش و خروش اور ڈھول باجوں کے ساتھ ہوگی، لیکن ذرا سی تبدیلی کے ساتھ۔" مہربانو کے مسکرانے پر اس کا ذو معنی انداز شاہ سائیں، میران اور ملکانی سائیں کے

علاوہ ان تینوں کو ہی سمجھ نہیں آیا تھا۔

☆☆☆

وہ سب لوگ امی کو ہاسپٹل سے لے کر گھر آ گئے تھے۔ ذہن و دل ایک عجیب سی سرشاری اور سکون کے عالم میں تھے۔ عائشہ بھابھی کے پاپا بھی امی کو دیکھنے کی غرض سے ان کی طبیعت پوچھنے کے لیے وہیں موجود تھے اور ایسا کافی عرصہ بعد ہوا تھا کہ ان کے ممی، پاپا، ثروت آپا اور ساری فیملی یوں اکٹھی ہوئی ہو۔ مگر اسی دوران اِدھر اُدھر سے عزیز رشتے داروں کی آنے والی فون کالز نے سب کو مضطرب سا کر دیا تھا۔ امی کی پریشانی اور پھر گھر میں پیدا اس مسئلے کی وجہ سے وہ سب تو خود ہی اس قدر پریشان تھے کہ نہ تو ٹی وی دیکھنے کا ہوش تھا اور نہ ہی کسی کا فون سننے کا وقت، لہٰذا اب گھر آنے کے بعد اکمل کے متعلق کچھ باتیں اب ہی سننے کو ملی تھیں اور اتفاق سے اس سے پہلے کہ وہ خود اسے فون کر کے تفصیلات معلوم کرتے، اکمل کا فون آ گیا۔ وہ گھر کے باہر کھڑا تھا اور ظاہر ہے کہ گھر لاک ہونے کی وجہ سے، پاپا کا یہاں ہونا تھا، سو اسے بھی یہیں بلا لیا گیا۔ ثروت آپا سب کے لیے چائے بنا رہی تھیں، جب اکمل آیا۔

اتنے عرصے بعد یوں سب کا اکٹھا بیٹھنا اور خوش باش انداز میں اکٹھا بیٹھنا اکمل کو بھی شاد کر گیا تھا۔ سب کے درمیان بیٹھی ندی کا مسکراتا چہرہ اور باقی سب کے چہروں پر نظر آتا اطمینان اکمل کو وہ تمام پریشانی اور تھکاوٹ بھلا گیا تھا جس کا سامنا اسے حالات کے ساتھ ساتھ اپنے محکمے کی طرف سے بھی رہا تھا۔

اور پاپا کی طرف سے گردش کرتی باتوں کی تصدیق یا تردید کا سوال کرتے ہوئے اکمل نے انہیں سب باتوں سے من و عن آگاہ کر دیا اور مہربانو کے گھر والوں کا اس پر حد درجہ اعتماد اور پھر ان کے دنیا بھر کے سامنے انتظامیہ اور دیگر لوگوں کو قصور وار ٹھہراتے ہوئے مہربانو کو ہر لحاظ سے تحفظ فراہم کرنا ناصر بھائی کو لمحہ بھر کے لیے شرمندہ سا کر گیا تھا۔

اسی دوران سب کے بیچوں بیچ بیٹھی ندی کے ہاتھ میں موجود فون پر ہلکی سی تھرتھراہٹ نے وصول ہونے والے میسج کی اطلاع دی تو نا سمجھی کی کیفیت میں ندی کی نظریں ہلکی سبز اسکرین پر دوڑنے لگیں۔

"میرے ہمنوا کو خبر کرو، مجھے زندگی کی نوید دے
میرے رت جگے ہیں طویل تر، انہیں روشنی کی سعید دے
سر لوح شام فراق پھر بھی ساتھ تیرا نصیب ہو
وہی پل ہوں جاں سے عزیز تر جنہیں تیرا قرب کشید دے
ہے سماعتوں میں سرور سا وہی لفظ ہیں ابھی گونجتے
ہے کوئی جو ماضی قریب سے مجھے بیتے لمحے خرید دے
وہ شفق شفق سا ہو سامنے اسے دیکھ لیں تو قرار ہو
سر خامشی ہو یوں گفتگو کہ جو زندگی کی امید دے
سر دشت دل جو سحاب تھیں نہیں اب رہیں وہ محبتیں
جو تیرے حوالوں کا ناز تھے انہیں ایک موقع مزید دے
تمہارا شاہ زین"

شاہ زین کا نام پڑھتے ہی دل ایک عجیب سے انداز میں دھڑکا تھا اور پورے جسم میں گویا سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ آخری ملاقات اور آج کا یہ انداز ایک دوسرے کے اس قدر متضاد تھا کہ ندی سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ آخر سچ کسے سمجھا جائے۔ کن انکھیوں سے اس نے اپنے اردگرد موجود سب لوگوں کو دیکھا جو بڑے ہی پرلطف انداز میں اس خوش گوار ماحول کا فائدہ اٹھاتے ہوئے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ شاہ زین کو کوئی جواب دے یا نہ دے اور اگر جواب دے بھی تو کیا؟

دل ہی دل میں خود سے سوال کرتے ہوئے کسی بھی نتیجے پر پہنچ پانے کی صورت میں ندی نے یہ سوچنے کا خیال ملتوی کرنا چاہا مگر اس سے اگلے ہی لمحے ناصر بھائی کے ساتھ شاہ زین اور میران کی اپنی مکمل فیملی سمیت آمد نے اسے ششدر کر دیا تھا اور حیرت کی بات یہ بھی تھی کہ اس کے ساتھ یقینی طور پر لاعلم بھی تھے سوائے ناصر بھائی کے۔ جبھی وہ سب آ کر بیٹھے اور سلام دعا اور حال احوال دریافت کرنے کا دور ختم ہوا تو ناصر بھائی نے امی سے ان سب کا تعارف

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

ناول

ریحانہ امجد بخاری

کروایا۔

"امی یہ ہے شاہ زین، جس کا خون اب آپ کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔" سب سے آخر میں شاہ زین کا تعارف کروایا گیا تو امی کے دل سے شاہ زین کے لیے دعائیں نکلنے لگیں یوں بھی دعاؤں کی ایک وجہ ندی کے منہ سے اس کی سنی جانے والی باتیں بھی تھیں۔

اتفاق سے ایسا تھا کہ شاہ زین بالکل ندی کے سامنے والی نشست پر براجمان اپنی پُرشوق نظریں گاہے بگاہے اس کے چہرے پر ڈالتا جا رہا تھا۔ کتنا ہی وقت بیت گیا تھا اسے اپنے سامنے دیکھے ہوئے اور وہ بھی یوں اتنے پرسکون ماحول میں، دل تو چاہ رہا تھا کہ بس ایک ہی جگہ نظریں جمائے ندی کے چہرے پر ڈولتی اس سرخی کو دیکھتا ہی جائے جو اس کے لیے اجنبی تھی کہ یہ شرمانا گھبرانا تو بھلا ندی کو آتا ہی کب تھا۔

"ندی! ناصر بھائی سے تو میں معافی مانگ چکا ہوں لیکن کیا تم بھی مجھے میری بھابھی بننے سے پہلے معاف کرو گی؟" میران نے سوال کچھ اس انداز میں کیا تھا کہ ندی ہاں، نا میں یوں الجھی کہ سبھی کا قہقہہ ابل پڑا۔

"آپا! ناصر کے ساتھ مل کر یہ پروگرام طے پایا ہے کہ شادی کی ساری رسومات انہی دنوں اور تاریخوں میں صرف دولہا کی تبدیلی سے اس طرح قرار پائیں گی کہ بارات آئے گی تو حویلی سے ہی لیکن دولہا ہوگا شاہ زین ۔۔۔ اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو ۔۔۔" شاہ سائیں نے امی سے اجازت چاہی تو وہ حالات کی اس دھوپ چھاؤں پر مسکرا دیں اور دل ہی دل میں شکر بجالانے لگیں۔

"اللہ میری بچی سمیت سب کی بیٹیوں کے نصیب اچھے کرے، مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"بھائی صاحب! انتظامات تو آپ کی طرف مہربانو کی شادی کے بھی مکمل ہیں، کیا ہی اچھا ہو اگر آپ مہربانو کو ہماری بیٹی بنا کر اکمل کے ساتھ رخصت کردیں۔"

ممی نے موقع اچھا دیکھا تو اکمل کی ہدایت کے عین مطابق بات چھیڑ دی جو کہ ندی کے لیے بھی ایک خوش گوار خبر بن کر اس کے چہرے پر بھی پھول کھلا گئی تھی۔ مہربانو نے سب کی نظروں سے بچنے کے لیے نظریں جھکالی تھیں۔ اس کا بس چلتا تو ابھی اور اسی وقت وہاں سے غائب ہو جاتی لیکن یقیناً ایسا ممکن نہ تھا۔

"ہمارے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات بھلا کیا ہو گی کہ اکمل جیسا سلجھا ہوا شخص ہماری بیٹی کا ہمسفر ٹھہرے۔"

مبارک سلامت کے شور میں شاہ سائیں وغیرہ کے ساتھ آئی گئی مٹھائی کی ٹوکریاں کھول کر سب کا منہ میٹھا کروایا گیا اور ایسا نادر لمحہ تھا جب سب کے دل ہر قسم کے بغض، نفرت اور رنجشوں سے پاک صرف اور صرف محبت ہی اپنے اندر بسائے ہوئے تھے۔ اماں نے خوشی سے بھیگی آنکھوں سے یہ سارا منظر دیکھا۔ ثمینہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ندی کے پاس آ بیٹھی تھی۔ عائشہ بھابھی مہربانو کے کانوں میں کھسر پھسر کر کے اس کا چہرہ شرم سے سرخ کیے دے رہی تھیں۔

تمام بڑے مل کر چند ہی دنوں بعد ہونے والی تقریبات کو حتمی شکل دے رہے تھے۔

اکمل، میران اور شاہ زین مل کر ایک طرف خوش گپیاں کرنے میں مصروف تھے اور ان مسکراہٹوں، قہقہوں اور محبتوں کو دیکھ کر گھر کے در و دیوار کو بھی اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ مشکل وقت اب گزر چکا تھا اور اٹھکیلیاں کرتی بہاریں تمام تر رنگینیوں، رعنائیوں اور خوشنما سچائیوں کے ساتھ اب سب کی زندگیوں میں یوں داخل ہوئی تھیں کہ اب ایک دوجے کی سچی محبت میں جینا ہی ان کی زندگی کا اصول بھی تھا اور نظریہ بھی۔

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

۲۱ اکیسویں اور آخری قسط

تو کہاں تھا مرے خالق، کہ مرے کام آتا؟
مجھ پہ چلتے رہے پتھر کے خداؤں والے
ہم نے ذروں سے تراشے تری خاطر سورج
اب زمیں پر بھی اتر، زرد خلاؤں والے
اب کے بستی نظر آتی نہیں اجڑی گلیاں
آؤ ڈھونڈیں کہیں درویش دعاؤں والے

گلیوں گلیوں بھٹکتے کئی پہر بیت چکے تھے لیکن نہ تو اس کے قدموں کی گردش تھمی تھی اور نہ ہی بے کل دل کو قرار آرہا تھا۔ وہ چل رہا تھا، بھٹک رہا تھا، مسلسل سفر کر رہا تھا۔ بال گرد آلود تھے، جسم مٹی سے اٹ چکا تھا، لباس میلا کچیلا ہوگیا تھا۔

کچھ کھوجنے کی، کچھ پانے کی ایک انوکھی لگن تھی جو اسے کشاں کشاں لیے پھر رہی تھی لیکن اس کی منزل نہیں آئی تھی، اس کی تلاش ختم نہیں ہوئی تھی کہ تلاش ختم ہوجائے تو شوق سفر زندہ نہیں رہتا۔ منزل مل جائے تو سفر اختتام پذیر ہوجاتا ہے۔ اس کا سفر ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔

سو وہ ادھر ادھر بھٹکتا پھر رہا تھا۔ کبھی کسی بستی میں، کبھی گاؤں میں، کبھی کسی قصبے میں تو کبھی کسی شہر میں، کبھی جنگل تو کبھی میدان میں، کبھی اس گلی، کبھی اس گلی، کبھی کسی دریا کے کنارے تو کبھی کسی بازار میں۔ اس کا سفر آگے ہی آگے جاری رہا کہیں بچے پاگل سمجھ کر اس کے پیچھے لگ جاتے تو کہیں کوئی دیوانہ یا مجذوب سمجھ کر اسے کھانا کھلا دیتا۔ مل گیا تو کھالیا نہیں ملا تو شاید اسے اس کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اس کو تو بس مارا مارا پھرنا ہی اچھا لگتا تھا اور وہ اپنے اس فرض کو پوری تندہی سے سرانجام دے رہا تھا۔

کتنے سورج طلوع ہوئے اور کتنے چاند افق کے اس پار جا سوئے۔ اسے اس بات کا بھی کوئی اندازہ نہیں تھا۔

آج بھی وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھا پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ اس کھانے کے ساتھ پورا انصاف کر رہا تھا جو ایک بزرگ صورت آدمی خود ہی اس کے سامنے رکھ گیا تھا جب اچانک اس کے کانوں سے وہ مانوس آواز ٹکرائی۔

"ہی ہی۔۔۔ ہی ہی ہی۔۔۔ ہی ہی ہی۔۔۔"

کوئی انتہائی بے ڈھنگے انداز سے ہنس رہا تھا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا اور پھر وہ چہرہ آواز کے تعاقب میں جانے والی اس کی نظروں کے حصار میں آگیا۔

پھٹے پرانے لباس میں ملبوس وہ مجہول صورت شخص، جس کی بے تحاشا بڑھی ہوئی بے ترتیب داڑھی اور سر کے بال بھی اس کی داڑھی ہی کی مانند الجھے اور بکھرے ہوئے نظر آرہے تھے ہاتھ میں کسی درخت کی مڑی تڑی سی سوکھی ہوئی شاخ اس کی جانب بلند کیے بری طرح سے ہنس رہا تھا۔ فرزان یک ٹک اسے دیکھے چلا جا رہا تھا۔ بالکل خاموش مگر انتہائی توجہ سے۔۔۔ جیسے اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

ادھر وہ مجہول صورت شخص جسے فرزان کے اس انداز نے شاید بے پناہ لطف دیا تھا۔ اب اس شاخ نما لکڑی کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر سر سے بلند کیے بے تحاشا رقص کر رہا تھا۔

"یہ شخص۔۔۔ یہ رقص۔۔۔ یہ انداز۔۔۔ یہ سب کچھ نیا تو نہیں ہے۔ کون ہے یہ آدمی؟" فرزان نے حیرت سے سوچا پھر دھیرے دھیرے اس کی آنکھوں میں شناسائی کی چمک نمودار ہونے لگی۔ اسے یاد آگیا تھا کہ یہ آدمی کون ہے۔ اندھیرے چھٹ گئے تھے مگر روشنی نہیں ہوئی تھی۔

"جس روشنی کی مجھے تلاش ہے شاید اس کا سراغ اسی شخص سے ملے گا۔"

اس نے سوچا اور اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

ٹھیک اسی وقت بے ہنگم رقص میں مصروف اس ملنگ صورت شخص کے قدموں کی حرکت مفقود ہوگئی۔ وہ ناچتے ناچتے یکلخت رک گیا اور پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غرایا۔

"لگی نا۔۔۔ اندر آگ لگی نا۔۔۔؟ جب آگ جلتی ہے، روشنی ہوتی ہے تب ہی روشنی ہوتی ہے۔۔۔ روشنی تو اندر ہوتی ہے۔۔۔ تو دنیا کے اندھیروں میں روشنی کی بھیک مانگتا پھرتا ہے۔۔۔؟ ہی ہی ہی۔۔۔ ہی ہی ہی۔۔۔"

ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اس ملنگ صورت آدمی نے اس کے پردۂ ذہن پر ابھرنے والی تحریر کو پڑھ لیا تھا۔ جسے اب وہ اپنے بے ربط الفاظ میں بیان کر رہا تھا۔ فرزان کو اس کے الفاظ سن کر جھرجھری سی آگئی اور اس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ فقیر کا انداز طنزیہ ہونے کے ساتھ ساتھ کسی قدر تمسخرانہ بھی تھا جس کا ثبوت آخر میں بلند ہونے والی اس کی وہی مخصوص ہنسی تھی جو اس کے وجود کی طرح بے ڈھنگی تھی۔

"ہی ہی ہی۔۔۔ ہی ہی ہی۔۔۔" مجذوب نے ہنسی کا بہت ٹھیلی کاسٹ لگایا اور ایک مرتبہ پھر بے تکے اور بے ڈھنگے انداز میں والہانہ رقص کرنے لگا۔ فرزان جو بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا دل ہی دل میں ایک فیصلہ کرنے کے بعد دھیرے دھیرے اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہونے لگا۔ ٹھیک اسی لمحے ملنگ ٹھٹک کر اپنی جگہ کھڑا ہوگیا پھر فرزان کی جانب دیکھتے ہوئے نصیحت آمیز لہجے میں بولا۔

"دیکھ اندھیروں میں ہاتھ ٹوئیاں مت مار۔۔۔ جو کرنا ہے وہ کر۔۔۔ اپنے اندر کی آگ کو پہچان۔۔۔ وہی روشنی ہے۔۔۔ اس روشنی کو پہچان۔۔۔ دور تک نظر آئے گا۔"

فرزان دھیرے دھیرے آگے کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن ملنگ صورت آدمی شاید اس کے ارادوں کو بھانپ چکا تھا کیونکہ دوسرے ہی لمحے اس نے ایک جانب چھلانگ لگادی اور پھر بگٹٹ بھاگنے لگا لیکن آج فرزان بھی شاید کچھ اور ہی سوچے ہوئے تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح اس کے پیچھے لپکا اور چلایا۔

"رک جاؤ۔۔۔ میری بات سنو۔۔۔ مجھے تمہاری مدد چاہیے ورنہ اندر کی آگ مجھے جلا کر خاک کردے گی۔ سنو۔۔۔ میں کہتا ہوں رک جاؤ۔"

فرزان بے تحاشا بھاگتے ہوئے اس کا پیچھا کر رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ چیخ چیخ کر اسے رکنے کے لیے بھی کہہ رہا تھا لیکن بے سود۔

وہ ملنگ نما آدمی چند ہی لمحوں میں اس کی پہنچ سے بہت دور نکل گیا اور پھر نظروں سے بھی اوجھل ہوگیا۔

ایک منزل ہے کہ سورج سے بھی کھو جاتی ہے
ایک رستہ ہے کہ جگنو بھی دکھا دیتا ہے
وسعت دشت بتا، کون مرے رستے میں
روز دیوار بگولوں کی اٹھا دیتا ہے

☆☆☆

کیسے کٹے گی رات، کٹے گی کیسے بیا بن رات
کون سنے گا بات، کٹے گی کیسے بیا بن رات
ساون کی رت، برکھا موسم، بادل کالے کالے
برسے گی برسات، کٹے گی کیسے بیا بن رات

برسات ہو، بہار ہو یا خزاں موسم آتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں کہ وقت اچھا ہو یا برا گزر ہی جاتا ہے۔ یہاں بھی چند لمحے پہلے تک سب ہی کی آنکھیں برکھارت کا سا منظر پیش کر رہی تھیں لیکن اب نا صرف چھم چھم

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

بڑھتے آنسو رک چکے تھے بلکہ ماحول کی وہ سوگواریت بھی ختم ہو چکی تھی۔ بالکل یوں جیسے چلتے ہوئے ٹیپ ریکارڈر کو کچھ دیر کے لیے بند کر دیا جائے اور پھر کچھ دیر بعد پلے کا بٹن دوبارہ دبا دیا جائے۔

میوزک کی تانیں ایک بار پھر سے بلند ہو رہی تھیں۔ چمکتے دمکتے چہروں والی لڑکیاں شوخ بھڑکیلے لباس پہنے گھر کے مرکزی دروازے کے دونوں اطراف صحن میں قطاریں باندھے کھڑی تھیں، ہاتھوں میں پھولوں کی پتیوں سے لبریز پلیٹیں تھامے ہوئے یہ لڑکیاں اس وقت کسی اور ہی دنیا کی مخلوق دکھائی دے رہی تھیں۔ پورے گھر میں روشنیوں کا جیسے سیلاب سا امنڈ آیا تھا۔ ماحول بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔

ابھی چند لمحے قبل ہی غل اٹھا تھا کہ "لڑکی والے آگئے۔۔ لڑکی والے آگئے۔" جس کے نتیجے میں یہ دو رویہ قطاریں وجود میں آگئی تھیں۔ دور سے سنائی دینے والی ڈھول کی آواز اب بالکل قریب پہنچ گئی تھی اور شاید یہی وہ آواز تھی جس نے گھر میں موجود لڑکیوں بالیوں کو لڑکی والوں کی آمد کے متعلق خبردار کیا تھا اور جسے پھر گھر میں موجود لڑکی نے لفظوں کا روپ دے ڈالا تھا۔

گھر میں بھگدڑ مچ گئی تھی لیکن اب اس بھگدڑ کا نام و نشان تک باقی نہیں تھا جبکہ ماحول میں خاصا نظم و ضبط پیدا ہو گیا تھا۔ زرق برق لباسوں میں ملبوس لڑکیاں پھولوں کی طشتریاں اٹھائے مہمانوں کے استقبال کے لیے بالکل تیار کھڑی تھیں اور پھر وہ گھڑی بھی آن پہنچی جس کا وہ سب بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ چمکتے ہوئے رنگین پیپر سے سجائی گئی پلیٹوں میں نصب شدہ شمعیں جلائے ہوئے دو تین لڑکیاں جوں ہی دروازے سے اندر داخل ہوئیں۔ ایک لڑکی نے بھاگ کر کیسٹ پلیئر میں کیسٹ تبدیل کرتے ہوئے نیا گانا چلا دیا۔

مہندی لگا کے رکھنا، ڈولی سجا کے رکھنا
لینے تجھے او گوری آئیں گے تیرے سجنا

جیسے ہی گانے کی آواز بلند ہوئی اندر داخل ہونے والی لڑکیوں میں سے آگے والی لڑکی نے باآواز بلند کہا۔

"ارے جناب یہ گانا تو ہماری طرف پہنچ کر گانے والا تھا۔ آپ کو تو استقبالیہ گیت لگانا چاہیے تھا۔" قطار در قطار کھڑی لڑکیوں میں سے ایک نے جلدی سے جواب دیا۔

"عالیہ! جب رشتہ جوڑا جاتا ہے تو میں اور تُو والا معاملہ ختم ہو جاتا ہے اور ہم میں "ہم" بھی شامل ہیں۔ اب گانا آپ نے گایا یا ہم نے بات ایک ہی ہے۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ میں سے مٹھی بھر کر گلاب کی پتیاں اٹھائیں اور اندر داخل ہوتے مہمانوں پر نچھاور کر دیں۔ اس کی دیکھا دیکھی دیگر تمام لڑکیوں کے ہاتھ بھی حرکت میں آگئے اور وہ سب کی سب مہمانوں پر پھول نچھاور کرنے لگیں۔ تمام مہمان پھولوں کی بارش میں نہاتے ہوئے صحن کراس کرنے کے بعد اپنے لیے رکھی گئی نشستوں تک جا پہنچے۔

بزرگ خواتین اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئیں جبکہ گھر میں موجود لڑکیوں اور آنے والی مہمان لڑکیوں میں ڈانڈیاں مقابلہ شروع ہو گیا۔ خوب اودھم مچایا گیا۔

اذان سفید کرتا شلوار میں ملبوس گلے میں پیلا پٹکا لٹکائے اور پیروں میں سلیم شاہی کھسہ پہنے بہت خوب صورت دکھائی دے رہا تھا۔ اسے اس کے لیے مخصوص نشست پر بٹھا دیا گیا اور مہندی کی رسم شروع ہو گئی جبکہ اذان کی آنکھوں میں ماہم کا صبیح چہرہ ابھر آیا۔

وہ مرے آس پاس ہو جیسے
زندگی اک خیال ہو جیسے
وہ جسے سوچنا بھی مشکل تھا
اب مرا ہم خیال ہو جیسے

☆☆☆

مرے قبیلۂ سرکش کا تاجور ہے وہ شخص
بڑھے جو دار کی جانب پیمبروں کی طرح
جنہیں غرور زر آگہی بہت تھا وہ لوگ
تری تلاش میں نکلے گداگروں کی طرح

آدمی کتنا ہی خودسر ہو، کتنا ہی سرکش ہو، کتنی ہی ذہنی صلاحیتوں کا مالک ہو لیکن زندگی میں کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں ایسا وقت آجاتا ہے کہ خودسری خود سر اٹھانے کے قابل نہیں ہوتی۔ سرکشی نڈھال ہو کر سپر ڈال دیتی ہے۔

جب ذہن کرب و اذیت کے طاقتور جھٹکوں کی زد میں آتا ہے تو تمام تر ذہنی صلاحیتیں مفقود ہو کر رہ جاتی ہیں۔ ایسے لمحات بڑے جاں گسل ہوا کرتے ہیں۔

ایسے وقت میں یا تو انسان ذہنی شکست و ریخت کے باعث ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جاتا ہے۔ ہمیشہ کے لیے ہوش و حواس سے بے گانہ ہو جاتا ہے یا پھر خود آگہی اور خود شناسی کے عمل سے گزرتا ہے۔ دیوانگی اور فرزانگی کی یہ درمیانی کیفیت جہاں انتہائی حساس اور نازک ہوتی ہے۔ وہیں عرفان ذات کی کلید ہوتی ہے۔ گلیوں گلیوں بھٹکتا فرزان اس وقت اسی مخدوش ذہنی حالت کا شکار تھا۔ کب چل رہا ہے؟ کہاں بیٹھ رہا ہے؟ کہاں گر پڑا ہے اور کہاں لیٹا ہوا ہے۔ وہ ان تمام تر احساسات سے بے نیاز تھا۔ جسم پر موجود کپڑے چیتھڑوں کی شکل اختیار کر چکے تھے۔ ناخن اور بال بے تحاشا بڑھ چکے تھے۔ جسم مٹی سے اٹا ہوا لیکن سانسوں کی ڈور سلامت تھی۔

زندگی سانس لے رہی تھی۔ وقت کا پہیہ چل رہا تھا اور یہ پہیہ بڑا ہی ظالم ہوتا ہے کبھی کبھی انسان اس کی رفتار کا ساتھ دینے کی کوشش میں کامیاب ہو جاتا ہے تب کامیابیاں آپ کے قدموں کو بوسہ دیتی ہوئی پیچھے رہ جاتی ہیں اور انسان آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

آپ کے قدموں کی رفتار وقت کی رفتار ہوتی ہے اور جب انسان وقت کی رفتار سے چلتا ہے تو ایک کے بعد ایک کامیابیاں اس کی راہ تکتی ہیں اور اس کے راستوں میں سربسجود ہو جاتی ہیں لیکن وقت کا یہی پہیہ کبھی کبھی انسان کو تھکا دیتا ہے۔ نڈھال کر دیتا ہے انسان تمام تر صلاحیتوں کے باوجود پوری تیز رفتاری اور تگ و دو کے بعد بھی اس کی رفتار کا ساتھ نہیں دے پاتا۔ وقت کا پہیہ آگے بہت آگے نکل جاتا ہے اور انسان بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔ تب اس کے اردگرد رقص کرنے والی کامیابیاں ناکامیوں کا روپ دھار لیتی ہیں اور وہ حسرت و یاس کے سمندر میں غرق ہو کر رہ جاتا ہے۔

اور کبھی کبھار تو یوں بھی ہوتا ہے کہ وقت کی ڈور ہاتھوں سے پھسل جائے تو سانسوں کی ڈور بھی ٹوٹ جایا کرتی ہے لیکن یہاں تو معاملہ ہی یکسر مختلف تھا۔

جیت کے جھنڈے گاڑتے ہوئے کامیابیوں کا یہ سفر فرزان نے اتنی تیز رفتاری سے طے کیا تھا کہ جب پلٹ کر دیکھا تو کسی الف لیلوی داستان کا کردار بن کر رہ گیا۔ وہ پیچھے مڑ کر دیکھنے پر پتھر ہو گیا تھا۔

وقت اور اس کا گردش کرتا ہوا پہیہ میلوں دور رہ گیا تھا اور وہ بہت آگے بڑھ آیا تھا۔ وہاں جہاں سوچیں نہیں تھیں، جذبے نہیں تھے، احساسات نہیں تھے، پریشانیاں نہیں تھیں اور کوئی خواہش بھی نہیں تھی وہ ایسا پتھر ہوا تھا کہ سب کچھ پتھر ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ اس علاقے میں نکل آیا تھا جہاں وقت ٹھہر گیا تھا۔

یہ وہ دنیا تھی جہاں سانسوں کا چلنا زندگی کی علامت نہیں سمجھا جاتا کیونکہ زندگی اور اس کی علامتوں کو سمجھنے کے لیے جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ فرزان کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ وہ ہوش و خرد سے بے گانہ تھا۔ پاگل تھا۔ سودائی تھا۔ مجذوب تھا۔۔۔ دیوانہ تھا۔۔۔ کوئی صورت، کوئی چہرہ، کسی بھی شخص کی کہی ہوئی بات، کوئی جملہ آنکھوں کے آگے ابھرنے والی کوئی تصویر کوئی نظارہ اس پر اثر انداز نہیں ہو رہا تھا۔

ذہن جیسے نقطۂ انجماد پر پہنچ کر برف ہو گیا تھا مگر برف کے اس ٹکڑے کے نیچے کہیں نہ کہیں کوئی چنگاری ضرور موجود تھی جو اس کے وجود کو متحرک رکھے ہوئے تھی۔ شاید وہ چنگاری کسی ایسے لمحے کی تلاش میں تھی کہ جب کوئی جملہ، کوئی نظارہ، کوئی شبیہ، کوئی پرچھائی یا کوئی فرد برف کے نیچے دبی اس چنگاری کو بھڑکا کر الاؤ کا روپ دے ڈالے۔

وہ آلتی پالتی مارے سڑک کے بیچوں بیچ مین روڈ پر بیٹھا ہوا تھا۔ ٹریفک کے شور کے ساتھ ساتھ لوگوں کے جملے اور گاڑیوں کے ہارن کی تیز آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ کوئی صاحب تو ہارن پر ہاتھ رکھ کر اٹھانا ہی بھول گئے تھے پھر دو چار گاڑیوں کے دروازوں کے بند ہونے اور کھلنے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ اب کے جملوں کی آوازیں بھی گڈمڈ ہونے لگی تھیں لیکن فرزان کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

"ابے کون ہے یار یہ ملنگ کدھر سے آن مرا۔ مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے۔ کتنی دیر سے ہارن بجا رہا ہوں

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

ہلنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔" کسی کی غصیلی آواز بلند ہوئی۔

"پاگل لگتا ہے بے چارہ۔"

ایک دوسری آواز سنائی دی۔

"ابے یار پاگل ہے تو ہم سب کو کیوں پاگل کر رہا ہے۔ دونوں طرف کا ٹریفک رک چکا ہے اور یہ ایسے بیٹھا ہے جیسے اپنے گھر کے لان میں بیٹھا ہو۔"

پہلی غصیلی آواز دوبارہ سنائی دی۔ پھر ایک تیسری آواز گونجنے لگی۔

"ابے او سائیں! یہ سڑک ہے تمہارے باوا کا گھر نہیں۔۔۔ اٹھو یہاں سے کتنی پریشانی ہو رہی ہے لوگوں کو۔" بلیک کوٹ پینٹ میں ملبوس گلے میں ٹائی لٹکائے اس نوجوان نے فرزان کو کندھے سے پکڑ کر بری طرح جھنجھوڑتے ہوئے کہا مگر فرزان کی بے نیازی تو اس سطح پر تھی کہ اس نے نظریں اٹھا کر اس چہرے کا جائزہ لینے کی بھی کوشش نہیں کی اور نہ ہی اس کے جھنجھوڑنے پر کوئی احتجاج کیا۔ ایسے عالم میں اس نوجوان کے کہے ہوئے جملے کی اثر اندازی کا بھی بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سوٹڈ بوٹڈ نوجوان کی اس حرکت کا انجام دیکھنے کے بعد اردگرد دبی دبی ہنسی کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ نوجوان نے کھسیانے سے انداز میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور پھر سیخ پا ہو گیا۔ اس بار اس کی پہلے سے زیادہ بلند اور دھاڑتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ابے سنتا نہیں ہے کیا؟ کتنی چڑھا رکھی ہے؟"

لیکن جوابی ردِعمل جوں کا توں رہا۔

"پاگل لگتا ہے یار۔۔۔! یہ ایسے نہیں مانے گا۔ چلو اٹھا کر اسے سڑک کی دوسری جانب چھوڑ آتے ہیں۔" پہلی آواز دوبارہ سنائی دی ایک اور ممی ڈیڈی ٹائپ نوجوان تیزی سے قریب آ گیا۔

ٹائی والے نوجوان نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور پھر اس کی حمایت پا کر فرزان کو ایک جانب گھسیٹنے کی کوشش کی۔ قریب آنے والے ممی ڈیڈی ٹائپ نوجوان نے بھی اس کارِ خیر میں حصہ لیا۔

اب صورت حال یوں تھی کہ دونوں نوجوان فرزان کے دونوں کندھے پکڑ کر ایک جانب گھسیٹنے میں کامیاب ہونے ہی والے تھے۔

اردگرد جمع ہو جانے والا مجمع دلچسپی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا اور سب کے چہروں پر دبی دبی مسکراہٹیں بھی تھیں، ٹھیک اسی لمحے ٹائی والے نوجوان کے سر پر جیسے قیامت ٹوٹ پڑی اور وہ اپنی جگہ پر ناچ کر رہ گیا۔ صرف یہ ہی نہیں ممی ڈیڈی ٹائپ نوجوان کے منہ سے بھی "اوغ" کی آواز بلند ہوئی اور وہ اپنی کمر مسلتے ہوئے رمبا سمبا ناچنے لگا۔ یہ ہی وہ لمحہ تھا جب ایک گونج دار آواز سنائی دی۔

"باپ کا راج ہے کیا؟ ہٹو پیچھے ہٹو۔۔۔ اندھے ہو کیا؟ نظر نہیں آتا ظلِ الٰہی قیلولہ فرما رہے ہیں۔۔۔ اور تم سب ان کے آرام میں مخل ہو رہے ہو۔۔۔ اور حد تو یہ ہے کہ چھینا جھپٹی بھی کی جا رہی ہے۔ نہ تو تم کوے ہو اور نہ یہ چوزہ۔۔۔ خبردار جو کسی نے ہاتھ لگایا تو۔۔۔ ورنہ تمہیں نپولین بونا پارٹ کے قہر سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔"

اول جلول حلیہ، پھٹے پرانے چیتھڑوں میں ملبوس بڑی بڑی لیکن گرد اور مٹی سے اٹی ہوئی جھاڑ جھنکار داڑھی، جٹاؤں جیسے بال منہ سے بہتی ہوئی رالیں اور ہاتھ میں کسی درخت کی مڑی تڑی شاخ تھامے وہ ادھیڑ عمر ملنگ اس وقت غیض و غضب کی تصویر نظر آ رہا تھا۔

اچھل کود کرتے ٹائی والے نوجوان اور دونوں ہاتھوں سے اپنی کمر کو مسلتے اور ناچتے ہوئے نوجوان کو اب قدرے فرحت ملی تو انہوں نے پلٹ کر کھا جانے والی نظروں سے اس عجوبہ روزگار شخص کو دیکھا جو کینہ توز نظروں سے ان کی جانب دیکھ رہا تھا۔ ٹھیک اسی لمحے مجمع میں سے کسی کی آواز بلند ہوئی۔

"یک نہ شد دو شد۔۔۔ ایک نے ہی عذاب میں ڈالا ہوا تھا ایک اور آ گیا۔ پتا نہیں کیا ہو گا اس ملک کا؟"

ملنگ ٹائپ اس آدمی کو یہ آواز سنائی دی تو جیسے اس کے وجود کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے مڑ کر کینہ توز نظروں سے اس شخص کی جانب دیکھا جو ملک کی فکر میں ادھ مرا ہوا جا رہا تھا۔

"ابے او ماڈرن بقراط دو شد کبھی نہیں ہوتا ایک پر ہی ختم شد ہے۔۔۔ عذاب ہو یا ثواب آنے والا ایک جانے والا ایک، ہمیشہ رہنے والا ایک۔۔۔ دو کہاں ہیں؟ عقل کے اندھوں ہر طرف ایک نظر آئے تو کچھ اچھا ہو تم لوگوں کو تو دو کے بھی چار نظر آتے ہیں۔ ایک کو پہچانو، اصل کو پہچانو، سب اچھا ہو گا ورنہ جیسا تمہارا بیڑہ غرق ہوا ہے ویسا ملک کا ہو گا۔"

آواز ہوا کے دوش پر تیرتی ہوئی فرزان کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھی اور آواز کی آنچ سے برف پگھل رہی تھی۔ چنگاری شعلہ بن چکی تھی اور یہ شعلہ کسی بھی وقت الاؤ کا روپ دھارنے کے لیے تیار تھا۔ وہ ان تمام تر تبدیلیوں سے بے نیاز اپنا بے ربط لیکچر انتہائی جذباتی اور انتہائی غصیلے انداز میں جاری رکھے ہوئے تھا۔

فرزان کی انگارہ آنکھیں اس کی پشت کو گھور رہی تھیں۔ یہ پہلی آواز تھی جو اسے ہوش کی جانب کھینچ لائی تھی اور ہوش آنے کے بعد یہ پہلا نظارہ تھا جسے وہ دیکھ رہا تھا۔

جتنا تیز چلو گے اتنی جلدی سفر ختم ہو گا۔۔۔ اتنی تیزی اچھی نہیں۔۔۔ تھوڑا سانس لو۔۔۔ اسپیڈ کم کرو۔۔۔ ورنہ کنویں میں گرو گے۔۔۔"

وہ شاید ابھی اور کچھ کہتا لیکن اچانک ہی اس کے وجود کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔ اس نے ہڑبڑا کر پیچھے دیکھا تو اسے اپنے جیسا ایک دوسرا دکھائی دیا۔ یہ فرزان تھا جس کا دایاں ہاتھ مضبوطی سے اس کے کالر پر جما ہوا تھا اور بایاں ہاتھ اس کے ہاتھ میں دبی مڑی تڑی شاخ پر۔۔۔ ملنگ کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے سراسیمگی کے تاثرات نمودار ہوئے پھر وہ حواس باختہ انداز میں بولا۔

"ہش۔۔۔ ہش۔۔۔ ہررر۔۔۔ چھوڑ۔۔۔ نقب لگاتا ہے چور۔۔۔ چھوڑ مجھے۔۔۔ چھوڑ۔۔۔ نہیں تو ایف آئی آر کاٹ دوں گا تیری سیدھا جیل بھیجوں گا۔"

"ہا۔۔۔ ہا۔۔۔ ہا۔۔۔" فرزان کے منہ سے ایک ہذیانی قہقہہ آزاد ہوا پھر اس کی بھرائی ہوئی گونجیلی آواز بلند ہوئی۔

"چور مچائے شور۔۔۔ میں تو خاموش ہوں۔ میں تو خاموش رہا لیکن اب نہیں۔ جیل بھیج یا تھانے مگر آج میں تمہیں بھاگنے نہیں دوں گا۔" ملنگ نے فرزان کی آواز کو سنا۔ پھر جیسے کان سے مکھی اڑاتے ہوئے بولا۔

"پاگل ہے۔۔۔ پاگل ہی رہے گا۔۔۔ بھاگنا تو پڑتا ہے شروع سے آخر تک، زندگی سے موت تک، ازل سے ابد تک۔۔۔ سارے بھاگ ہی تو رہے ہیں۔۔۔ میں۔۔۔ تو۔۔۔ اور یہ بقراط۔" اس نے ایک جانب اشارہ کیا اور پھر دونوں نوجوانوں کی جانب دیکھا۔

"اور یہ دونوں ہیرو۔۔۔ یہ مٹی کے مادھو سب بھاگ ہی تو رہے ہیں، میں بھی بھاگ جاؤں گا، کون روکے گا مجھے۔"

ٹھیک اسی لمحے مجمع کی جانب سے دبی دبی سی آواز فرزان کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"جیل تھانے کی بات ہو رہی ہے۔۔۔ لگتا ہے پولیس ہی ان دونوں کو یہاں سے ہٹائے گی۔"

پھر ایک دوسری آواز سنائی دی۔

"مجھے تو یہ دونوں خفیہ والے لگتے ہیں۔۔۔ یہ ڈراما کسی مقصد کے بغیر ہرگز نہیں ہو سکتا۔" ملنگ بابا کو جیسے پھر غصہ آ گیا۔ وہ پلٹ کر سنسناتی ہوئی آواز میں بولا۔

"ابے او بقراط! تو باز نہیں آئے گا۔۔۔ خفیہ والا میں ہوں یہ تو دشمن ملک کا جاسوس ہے۔ دیکھ نہیں رہا میں اسے گرفتار کر کے لے جا رہا ہوں۔ خبردار! جو کوئی بیچ میں بولا تو۔۔۔ چپ چاپ کھڑے دیکھتے رہو۔" ٹھیک اسی لمحے ایک اور مسخرانہ آواز سنائی دی۔

"بڑے میاں! گردن تو تمہاری اس نے ناپی ہوئی ہے، تم کیسے خفیہ والے ہو؟"

ملنگ بابا نے ایک نظر اس شخص کی جانب دیکھا پھر پلٹ کر فرزان کی جانب دیکھتے ہوئے لجاجت بھرے لہجے میں بولا۔

"سن رہے ہو؟ یہ دنیا ایک تماشا ہے۔ تم بھی تماشا، میں بھی تماشا اور یہ سب تماش بین۔۔۔ چھوڑ دو مجھے۔۔۔ مجھے جا کر لکڑیاں بھی کاٹنی ہیں، خرگوشوں کو دودھ پلانا ہے، شتر مرغ نے بچے دے دیے ہوں گے ان بچوں کو دانا بھی ڈالنا ہے۔"

"ہاہاہا۔۔۔" فرزان کا ایک اور جنونی قہقہہ بلند ہوا۔ پھر اس کی مجنونانہ آواز سنائی دی جو اپنے اندر قطعیت لیے ہوئی تھی۔

"شتر مرغ انڈے دے یا بچے، آج میں تمہیں

WWW.PAKISTANWEB.PK

جانے نہیں دوں گا۔ تم نے بہت دھول جھونکی ہے میری آنکھوں میں، ہر بار تم بچ کر نکل جاتے ہو، کیا سمجھتے ہو؟ ہمیشہ اپنی سناؤ گے آج تم میری سنو گے بہت کچھ کہنا ہے مجھے۔ آج تمہاری ایک نہیں چلے گی۔" پھر ملنگ نے ہتھیار ڈال دیے۔

"چل پھر ٹھیک ہے تُو میری سن اور میں تیری سنتا ہوں مگر میرے اور تیرے درمیان بھیڑ بکریوں کا کیا کام؟ شیر شہر میں نہیں جنگل میں رہتے ہیں مگر جنگل میں دو شیر نہیں رہ سکتے۔ چل چل کر فیصلہ کرتے ہیں کہ شیر تُو ہے یا میں۔۔۔ چل میرے ساتھ۔"

اور اس کے ساتھ ہی ملنگ نے ایک جانب دوڑ لگا دی۔

حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس کے دوڑنے کی تمام تر تیز رفتاری کے باوجود فرزان نے اس کا کالر نہیں چھوڑا تھا اور وہ اس کے ساتھ جیسے اڑتا جا رہا تھا۔ جلد ہی وہ روڈ کراس کر کے نشیب میں اترے اور پھر بے تحاشا اگی جھاڑیوں اور سرکنڈوں میں گم ہو گئے۔ لوگوں نے بلا ٹل جانے پر کلمہ شکر ادا کیا اور اپنی اپنی گاڑیوں کی جانب متوجہ ہو گئے۔

میں نے سمجھا ہے تجھے منصف دوراں اکثر
میری ناکردہ گناہی کی سزا دے مجھ کو
جو مرے درد کی آواز سمجھ سکتا ہو
اے زمانے کوئی ایسا بھی خدا دے مجھ کو

☆☆☆

سورج کی سواری سوا نیزے پہ رکی ہے
اے قامت دلدار تو اس وقت کہاں ہے
ٹوٹے تیری انگڑائی تو سوچے ترا فنکار
خوشبو کا بھنور ہے، یہ دھنک ہے کہ کماں ہے

ادھوری اور نا تمام خواہشیں کسی دہکتے ہوئے الاؤ کی مانند ہوتی ہیں۔ سونا بھٹی میں تپ کر کندن ہو جاتا ہے مگر خواہشیں دن رات لگاتار اس الاؤ میں جلنے کے باوجود بھی ادھوری کی ادھوری ہی رہتی ہیں۔ بالکل یوں جیسے تنور کے پوری طرح تپے ہوئے ہونے کے باوجود کبھی کبھار اس میں لگنے والی روٹی آدھی پکی اور آدھی کچی ہی رہ جاتی ہے مگر یہ کبھی کبھار والا عمل خواہشوں۔۔۔ کی تشنہ کامی پر لاگو نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو خود پروان نہیں چڑھتیں بلکہ جس جسم کے تنور میں دہکتی ہیں اسی کو جلا کر خاک کر دیتی ہیں۔

ادھورے پن کی چادر میں لپٹی ان ساری نا تمام خواہشوں کا گٹھڑ باندھ کر سر پر لادے امید کی پگڈنڈیوں پر چلنے والے مسافروں کو اگر منزل کے آثار دکھائی دے جائیں تو وہ سب سے پہلے اپنے اسی رخت سفر سے چھٹکارہ حاصل کرتے ہیں۔ تب جذبوں کے جزیروں پر بہار آجاتی ہے۔ یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب وہ ہر بوجھ، ہر بندش سے آزاد ہو کر منزل کو اپنی بانہوں میں بھر لیتا ہے۔

اس سے تکمیل کے مسافروں کی سج دھج ہی جدا ہوتی ہے۔ بادل، چاند، ستارے، صحرا، خوشبوئیں، پھول، سب ہی کچھ ان کی دسترس میں ہوتا ہے کیونکہ ادھورے پن کو تکمیل کی لذت سے آشنائی بھی حاصل ہوتی ہے جب ہم سفر بن جاتا ہے۔ اذان کو بھی عمر بھر کی مشقت کے بعد اعتماد ذات کا اعزاز حاصل ہوا تھا۔ اس نے سرزمین دل میں مدفون محبت کے شہر کا دروازہ کھولنے میں کامیابی حاصل کر لی تھی اور وہاں بسنے والی پری اب اس کی محبتوں کی مقروض تھی۔

اس کے اجلے چہرے کی دہکتی رنگت اور سوتی جاگتی بوجھل آنکھوں میں تیرتے ہوئے سرخ ڈورے اس کی زندگی میں سکون کی پرچھائیاں گھول رہے تھے۔ شب و روز شعر و نغمہ اور لمحات کی جھانجھریں ہوا کے دوش پر چھنچھناتی جسم و روح کو طہارت بخشنے کے ساتھ ساتھ روشنیاں اور رعنائیاں بھی بانٹتی تھیں۔ اب اس کے دنوں میں محبت کی چاندنی کا امرت گھلتا اور راتوں میں جگنوؤں کا سیماب کھلتا تھا اور وہ ہر لمحہ محبت کی سیپیوں سے سانس لیتے لمحوں کے موتی نکالنے میں مشغول تھا اور یہ موتی اسے دنیا بھر کے خزانوں سے زیادہ قیمتی لگتے تھے۔

سرخروئی کے نشے میں چور من کا یہ گیت اس نے رنگ و نور کی دھنک پر سوار ہو کر گایا۔ یہاں تک کہ برف اوڑھے ہوئے پہاڑوں کی ہری بھری چوٹیاں نمودار ہونے لگیں اور ان کے سینوں سے پھوٹتے ہوئے آبشار دامن زمین کی پیاس بجھانے کے لیے بے قرار ہو گئے۔

ایک دوسرے کے تعاقب میں دوڑتے بھاگتے دن اور رات، تیزی سے آگے بڑھتے چلے گئے۔ ماہم کی آمد نے جیسے اس گھر کی تقدیر بدل دی تھی۔ خوشیوں نے اس گھر کا رستہ دیکھا تو ایک کے بعد ایک دوڑتی بھاگتی آتی چلی گئیں۔ بنا سوچے، بنا سمجھے بن بلائے، راوی نے چین ہی چین لکھ دیا تھا تو پھر بھلا چین کی بنسی بجانے میں اذان کوئی عار کیوں محسوس کرتا؟ موسم تبدیل ہوا تو خزاں کے بعد بہار کی آمد ہوئی اور اس کے ساتھ ہی بہار سے آنکھ بچا کر اس کے کچھ رنگ چپکے سے فیضی ہاؤس کے کونے کھدروں میں آن چھپے۔ مسرت کا وہ عالم دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا جب پہلی مرتبہ ذکیہ بیگم کو یہ پتا چلا کہ ماہم ماں اور وہ دادی بننے والی ہیں، وہ سرشار ہو گئیں اور فوراً ہی خالق کائنات کی ان لامحدود نوازشوں پر اس کے حضور سجدہ ریز ہو کر شکرانے کے نفل ادا کرنے لگیں۔ جب کہ شرماتی لجاتی اور قدرے اتراتی ہوئی ماہم نے باورچی خانے کا رخ کیا۔ جلد ہی وہ ناشتا تیار کر چکی تھی۔ جوں ہی ذکیہ بیگم دسترخوان پر آکر بیٹھیں وہ تیزی سے اذان کے کمرے کی جانب لپکی کیونکہ اس کے اٹھا کر آنے کے باوجود اذان شاید ابھی تک بے دار نہیں ہوا تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا محنت اور محبت سے بنایا ہوا ناشتا ٹھنڈا ہو جائے۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو بیڈ پر سینے کے نیچے تکیہ دبائے اذان کسی معصوم بچے کی مانند اوندھا لیٹا ہوا تھا۔ ماہم نے آگے بڑھ کر آہستگی سے تکیہ کھینچنا چاہا اس کی کوشش اذان نے کروٹ بدلتے ہوئے نہ صرف ناکام کر دی بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ ماہم اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھی۔ وہ ڈگمگاتی ہوئی سیدھی بیڈ پر جا گری۔

اس نے گھبرا کر اٹھنے کی ایک بے اختیارانہ کوشش کی لیکن بے سود۔۔۔ کیونکہ اذان اس کے بکھرے ہوئے بے ترتیب وجود کو سمیٹ کر پوری طرح بانہوں میں بھر چکا تھا۔

ماہم کا دہکتا ہوا چہرہ کسی قندھاری انار کی مانند مزید سرخ ہو گیا۔ جب اس نے اذان کی گرفت سے آزاد ہونے میں پوری طرح ناکامی محسوس کی تو اس کے ہونٹوں سے کمزور سی صدائے احتجاج بلند ہوئی۔

"چھوڑیں نا۔۔۔ کیا کر رہے ہیں۔۔۔ ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے اور امی جان انتظار کر رہی ہیں اور آپ ہیں کہ شوخیاں سوجھ رہی ہیں۔۔۔ کب سے جگا کے گئی ہوں آپ کو۔۔۔ جلدی سے اٹھیں اور ناشتے کے لیے چلیں۔۔۔ کیونکہ۔۔۔"

ماہم کا جملہ ادھورا رہ گیا کیونکہ اذان نے اس کو بات پوری نہیں کرنے دی تھی اور ناچار اسے جملہ ادھورا ہی چھوڑنا پڑا۔ اذان کی اس سرکشی کے سامنے کمزور سی مزاحمت کرتے ہوئے اسے ہمیشہ بہت اچھا لگتا تھا لیکن بہرحال اس سب کے لیے یہ وقت نامناسب تھا سو وہ موقع ملتے ہی جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر پھرتی سے پیچھے ہٹتے ہوئے اذان کی پہنچ سے دور جا کھڑی ہوئی۔ اپنے اور اذان کے درمیانی فاصلے کو محسوس کرنے کے بعد جب مطمئن ہو گئی تو محبوبانہ انداز میں بولی۔

"ظلِ الٰہی سورج سوا نیزے پر آچکا ہے اور آپ ہیں کہ ابھی تک بارہ بجے ہوئے ہیں اور ہوشیار، خبردار! کہ اب اس دھینگا مشتی سے احتراز برتا جائے کیونکہ اب اس کی گنجائش نہیں ہے۔" اذان جو اس کے بات کرنے کے دوران اٹھ چکا تھا اور مزید کسی شرارت کے بارے میں سوچ رہا تھا، ماہم کے ان الفاظ پر قدرے چونکتے ہوئے بولا۔

"ظلِ الٰہی اپنی ریاست کے مطلق العنان حکمران ہیں ملکہ عالیہ! پھر ہمیں سرحدوں کی پاسداری کا درس کیوں دیا جا رہا ہے؟" اس کی بات سن کر ماہم کے ہونٹوں پر ایک میٹھی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر جب وہ بولی تو یہ مسکراہٹ اس کے لہجے میں بھی گھلی ہوئی تھی۔

"ظلِ الٰہی آپ اتنے "بھوندو" ہیں ہمیں اس بات کی ہرگز امید نہ تھی۔" اذان نے ماہم کی بات سنی اور سرعت سے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"مطلب کیا ہے تمہارا۔۔۔ تم جو پروگرام بولتے ہاتھ کی میزبان بنی ہوئی ہو تو اس کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ میں بھی اشاروں کی زبان سمجھتا ہوں۔"

ماہم نے چونکنے کے انداز میں اذان کی طرف دیکھا

اور پھر اس کے ارادوں کو بھانپتے ہوئے بیرونی دروازے کی طرف لپکتے ہوئے بولی۔

"ترجمہ اور تفسیر تو آپ کو امی جان ہی بتائیں گی میں تو چلی اور اب آپ بھی جلدی سے میرے پیچھے پیچھے آجائیں شرافت سے۔۔۔"

جملہ مکمل ہونے تک وہ لپکتی ہوئی کمرے سے باہر نکل چکی تھی۔

اذان نے مسکراتے ہوئے سر جھٹکا اور پھر پلٹ کر واش روم میں داخل ہوگیا۔ فریش ہونے کے بعد تاول سے چہرہ رگڑتے ہوئے وہ جلد ہی دستر خوان پر پہنچ گیا۔

ذکیہ بیگم اور ماہم کو ساتھ ساتھ بیٹھے دیکھ کر اسے ہمیشہ کی طرح طمانیت کا احساس ہوا، ذکیہ بیگم کپ میں چائے ڈال رہی تھیں جبکہ ماہم شرارتی انداز میں اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس نے نچلا ہونٹ دانتوں کے نیچے دبا کر آنکھیں نکالتے ہوئے ماہم کو گھورا اور پھر دستر خوان کے دوسری جانب بیٹھ کر تاول کو گھٹنوں پر پھیلاتے ہوئے بولا۔

"السلام علیکم امی جان!"

ذکیہ بیگم نے محبت سے بیٹے کی جانب دیکھا پھر شفقت بھرے لہجے میں گویا ہوئیں۔

"وعلیکم السلام بیٹا! جیتے رہو۔۔۔"

اذان نے چونک کر ماں کے چہرے کی جانب دیکھا کیونکہ امی جان کے عام سے جواب نے اسے کچھ "خاص" احساس دلایا تھا۔ اذان نے حسب معمول سلام کیا تھا اور جواب بھی روایتی انداز میں ملا تھا لیکن آج ان کے لہجے میں چھپی ہوئی کچھ خاص بات جو اس نے محسوس کی تھی ان کے چہرے پر نظر ڈالنے کے بعد وہ اس کا اندازہ لگانے میں کامیاب رہا تھا کیونکہ جو مسرت ان کے لہجے سے چھلکتی محسوس ہوئی تھی وہ ان کے چہرے سے بھی مترشح تھی۔۔۔ اس نے نظروں کا زاویہ ذرا سا تبدیل کیا تو ماہم کے چہرے پر کھلتے رنگ اسے اپنے اندر معنی خیزیت لیے نظر آئے۔

اس نے حیرت سے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچا کہ ہو نہ ہو آج کچھ خاص بات ضرور ہے جو روٹین سے ہٹ کر ہے۔ ماہم کے آنے کے بعد گھر کی فضاؤں میں ایک خوش گوار تبدیلی تو آئی ہی تھی لیکن آج تو بقول شخصے رنگ ڈھنگ ہی نرالے تھے۔

ٹھیک اسی لمحے اس کے ذہن میں ماہم کا کہا ہوا جملہ گونج اٹھا۔

"ترجمہ اور تفسیر تو آپ کو امی جان ہی بتائیں گی۔"

اور اذان کو دل میں کچھ نہ کچھ کالا ہونے کا سو فیصد یقین ہوگیا۔ جاننے کی دھن میں انسان فطری طور پر جلد باز واقع ہوا ہے لیکن اذان نے خاموشی میں ہی عافیت جانی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اگر اس نے اپنی دلچسپی اور بے چینی کا اظہار کر دیا تو ساس بہو مل کر اسے خوب تنگ کریں گی لہٰذا بہتر یہی تھا کہ اس وقت کا انتظار کیا جائے جب یہ عقدہ خود بخود کھل جائے اور اسرار پر سے پردہ اٹھ جائے۔ وہ ناشتے کی جانب متوجہ ہوا تو ذکیہ بیگم قدرے کھنکار کر جیسے گلا صاف کرتے ہوئے بولیں۔

"اذان! کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ آج تم دکان سے چھٹی کرلو؟"

اذان نے ایک مرتبہ پھر پوری طرح سے چونکتے ہوئے ان کے چہرے کی جانب دیکھا جہاں کسی انجانی خوشی کی پرچھائیاں رقص کرتی نظر آرہی تھیں۔ اذان نے ایک مرتبہ پھر ہونٹوں پر مچلتے سوالوں کا گلا گھونٹتے ہوئے صرف اسی ایک سوال پر اکتفا کیا۔

"کیوں امی جان! خیریت؟"

ذکیہ بیگم نے نظریں اٹھا کر اذان کے چہرے کی طرف دیکھا پھر بے اختیار ان کی نظریں ماہم کے چہرے سے جا ٹکرائیں اور ماہم جو ان کے ہونٹوں سے ادا ہونے والے جملے کی منتظر تھی، نظریں چار ہونے پر اس نے شرما کر چہرہ جھکالیا۔ لیکن اس کا یہ انداز جہاں ذکیہ بیگم کے چہرے پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ کو مزید گہرا کر گیا تھا وہیں یہ اذان کی نظروں سے بھی پوشیدہ نہیں رہ سکا تھا۔ جان لینے کی خواہش اس کے اندر لہریں لینے لگی مگر اذان نے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا۔ پھر شاید ذکیہ بیگم کو یہ احساس ہوگیا کہ زیادہ سسپنس کری ایٹ نہیں کرنا چاہیے سو انہوں نے کھل کر بات کرتے ہوئے کہا۔

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

"ہم حضرت صاحب کے مزار پر سلام کرنے جائیں گے اور ماہم بھی ساتھ جائے گی کیونکہ اگر آغاز کسی نیک کام سے ہو تو انجام بخیر ہوتا ہے۔ تم باپ بننے والے ہو اذان!"

اور اذان جو بغور ان کی بات سن رہا تھا ان کا جملہ مکمل ہوتے ہی اس کے چہرے پر بھی مسرت آمیز تاثرات نمودار ہوگئے۔ اس نے سرخوشی کے عالم میں ماہم کی جانب دیکھا تو وہ جلدی سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"چائے ٹھنڈی ہوگئی۔ میں دوسری بنا کے لاتی ہوں۔" اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ تیزی سے چلتی ہوئی کچن میں جا گھسی۔

"یعنی کہ آپ دادی بننے والی ہیں اور مجھے پتا ہی نہیں۔" اذان کے سوالیہ جملے نے اس کی اندرونی کیفیت کو آشکار کر دیا تھا جو یقیناً خوش گوار کیفیت ہی تھی۔

"بیٹا! کچھ باتیں بزرگوں کے لیے بھی چھوڑ دینی چاہئیں۔ اگر میرے ذریعے پتا چل رہا ہے تو یہ مناسب نہیں لگا تمہیں؟" اور ذکیہ بیگم کے اس جملے نے اذان کو شرمندہ ہونے پر مجبور کر دیا۔

"ارے نہیں امی جان! ایسی تو کوئی بات نہیں۔ چلیں ٹھیک ہے میں آج نہیں جاتا آپ ناشتے کے بعد تیاری کرلیں پھر جہاں کہتی ہیں چلے چلتے ہیں۔"

اذان نے کسی حد تک ان سے نظریں چراتے ہوئے جلدی سے کہا اور پھر قریب ہی رکھے ہوئے اخبار کو اٹھا کر چہرے کے سامنے کرتے ہوئے اپنی جھینپ مٹانے کی کوشش کی۔ ٹھیک اسی لمحے ماہم واپس کمرے میں داخل ہوئی اور پھر چائے کا کپ اذان کے سامنے رکھتے ہوئے اپنی جگہ پر واپس بیٹھ گئی۔

"تو ٹھیک ہے تم دونوں جلدی سے ناشتا کرلو میں بھی کپڑے تبدیل کرلوں۔"

ذکیہ بیگم جو اس گفتگو کے دوران ناشتا کر چکی تھیں اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے بولیں اور پھر اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئیں۔

اذان نے ہاتھ بڑھا کر چائے کا کپ اٹھایا اور پھر ایک گھونٹ لیتے ہوئے اخبار کا صفحہ پلٹا لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے ہاتھ میں موجود چائے کا کپ بری طرح سے چھلک گیا۔ ماہم جو ذکیہ بیگم کے چلے جانے کے بعد اذان کی جانب سے کسی نئے شرارتی جملے کے انتظار میں پوری طرح اس کی جانب متوجہ تھی اس کی اس غیر ارادی حرکت پر قدرے پریشان ہوگئی اور جلدی سے بولی۔

"کیا ہوا اذان! خیریت؟ کوئی خاص خبر ہے کیا؟"

ماہم کے سوالیہ جملے کے جواب میں اذان نے عجیب سی نظروں سے ماہم کی جانب دیکھا اور پھر خاموشی سے اخبار اس کی جانب بڑھاتے ہوئے ایک خبر پر انگلی رکھ دی۔

ماہم نے پریشانی سے اذان کے اس انداز کو دیکھا پھر اس کی تمام تر توجہ اس کی بتائی ہوئی خبر کی جانب مبذول ہوگئی۔ جس کی سرخی کچھ یوں تھی۔

"مشہور زمانہ دہشت گرد فاروق ملک مبینہ پولیس مقابلے میں ہلاک۔"

☆☆☆

ذہن رسا کی محفل خاموش میں کبھی
وہ شور کر کہ کچھ بھی سنائی نہ دے مجھے
اے دوست چھوڑ کر یہ رگ جاں کی پستیاں
اتنا بلند ہو کہ دکھائی نہ دے مجھے

کبھی کبھی خاموشیوں کا شور بھی اتنا گراں گزرتا ہے کہ آپ کو اپنی سماعتوں کے پردے مجروح ہوتے محسوس ہوتے ہیں مگر یہ احساس ہر کس و ناکس کے لیے نہیں ہے۔ وہ لوگ اور ہی مقام رکھتے ہیں جو خاموشی کی زبان میں گفتگو کرنا جانتے ہیں یا اس زبان کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ خاموشی کی یہ محفلیں یقیناً کسی ایسے ہی مقام پر منعقد ہوسکتی ہیں جہاں حضرت انسان کی رسائی مشکل ہو۔

ایسی جگہ کا انتخاب کرنا بھی جوئے شیر لانے کے مترادف ہے لیکن جو لوگ ان محفلوں کے رسیا ہیں وہ کسی نہ کسی طرح کھوج نکال ہی لیتے ہیں۔ ان کہی ان سنی اور ان دیکھی راہوں کے مسافر جب اپنے سفر کا آغاز کرتے ہیں تو پھر پاتال کی گہرائیاں ہوں یا آسمان کی بلندیاں۔۔۔ سب ہی کچھ ان کی پہنچ میں ہوتا ہے۔۔۔ دسترس میں ہوتا ہے۔ ان کی آنکھ وہ سب کچھ دیکھ سکتی ہے

جو ہمیں نظر نہیں آتا۔

ان کے کان وہ سب کچھ سن سکتے ہیں جو ہمیں سنائی نہیں دیتا۔ یہاں معاملہ قدرے مختلف تھا، چاروں طرف پھیلے ہوئے گھنے اور بے ہنگم درختوں کے اس وسیع و عریض جنگل میں جہاں دور دور تک کسی ذی روح کا وجود محسوس نہیں ہوتا تھا وہاں وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کو بخوبی محسوس کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ وہ نا صرف ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے بلکہ ایک دوسرے کی آواز کو سن بھی سکتے تھے۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہ دونوں ہی ہوش و خرد سے بے گانہ نظر آرہے تھے۔ اگر کوئی تیسری آنکھ اس وقت یہ منظر دیکھ رہی ہوتی تو محو حیرت رہ جاتی کیونکہ یہ منظر اتنا ہی حیرت انگیز تھا۔ طویل القامت مگر گھنے درخت کی سب سے اوپری شاخوں کے اوپر براجمان یہ وجود اپنی مفلوک الحالی کی وجہ سے عجیب نظر نہیں آرہا تھا بلکہ عجیب بات یہ تھی کہ اتنی پتلی اور کمزور شاخوں پر کسی پرندے کی طرح جم کر بیٹھنا کسی انسان کے بس کی بات یقیناً نہیں تھی۔

قصہ کچھ یوں ہوا کہ دوڑتے دوڑتے اس عجیب الخلقت شخص نے اپنے ہاتھ میں دبی ہوئی مڑی تڑی عجیب و غریب شاخ کو اپنے ساتھ بھاگتے ہوئے شخص کی ٹانگوں میں پھنسا دیا۔ جس کی وجہ سے وہ بری طرح لڑکھڑا کر رہ گیا لیکن اس نے اسی پر اکتفانہ کیا تھا۔ اس نے بے اختیار گرتے ہوئے اور اپنے ساتھ لٹک کر اس قدر جھول جانے والے اس شخص کو ایک زوردار دھکا دیا اور اس کا کالر اس کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔ نوجوان لڑکھڑا کر گرا۔

وہ ادھیڑ عمر شخص بگٹٹ ایک جانب دوڑ پڑا۔ لیکن نوجوان بھی جو فرزان کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ شاید یہ تہیہ کیے ہوئے تھا کہ آج اس شخص کا پیچھا ہرگز نہیں چھوڑنا کیونکہ اس نے سنبھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی اور پھر اگلے ہی لمحے وہ بھی اس کے تعاقب میں اندھادھند بھاگتا دکھائی دیا۔

آج ہمیشہ کی طرح درمیانی فاصلہ بڑھنے کے بجائے تیزی سے کم ہونے لگا۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ یہ بھاگ دوڑ آج نہ تو کسی پارک میں ہو رہی تھی نہ کسی کشادہ سڑک پر اور نہ ہی کسی وسیع و عریض میدان میں۔ اس گنجان جنگل میں بے تحاشا پھیلی ہوئی جھاڑیاں، جابجا سر اٹھائے کھڑے کسی آسیب کی مانند بلند و بالا درخت جہاں اس کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ وہیں فرزان کے لیے کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھے کیونکہ یہ رکاوٹ اگر سامنے والے کی رفتار کے راستے میں حائل تھی تو وہیں اندھادھند بھاگتے ہوئے فرزان کے لیے سودمند بھی تھی۔

دوڑتے ہوئے اس مجہول انسان نے ایک بار پلٹ کر دیکھا تو اسے لگا کہ فرزان جلد ہی دوبارہ اس کی گردن ماپ لے گا۔ سو اس نے بھاگتے بھاگتے یکلخت اپنا رخ تبدیل کیا اور پھر سامنے ہی نظر آنے والے ایک درخت پر بندر کی سی تیزی اور پھرتی کے ساتھ چڑھتا چلا گیا اور اب وہ اسی درخت کی سب سے اونچی شاخ پر براجمان تھا۔ بلاشبہ فرزان کے لیے اس کا یہ عمل خاصا غیر متوقع تھا۔ لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری کیونکہ بہت جلد وہ بھی درخت پر چڑھتا دکھائی دیا۔ اس کے انداز میں پہلے چڑھ جانے والے اس مجہول صورت شخص جیسی مشاقی و مہارت تو نہیں تھی لیکن جیسے تیسے بہر حال وہ بھی درخت پر چڑھنے میں کامیاب ہو ہی گیا اور خاصی بلندی تک جا پہنچا لیکن ظاہر ہے کہ اتنی بلندی اور اتنی باریک شاخوں تک پہنچنا اس کے لیے قابل عمل نہ تھا۔

اب فرزان اور اس شخص کے درمیان تقریباً سات سے آٹھ فٹ کا فاصلہ حائل تھا لیکن اب صورت حال کچھ ایسی تھی کہ اگر فرزان مزید اوپر جانے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا تو اوپر موجود شخص بھی اس سے بچ کر نیچے پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔

"ہی ہی ہی ہی۔۔۔ بڑی اچھل کود مچا رہے تھے۔ بس اتنا ہی پھڑ پھڑا سکتے تھے؟ مارو۔۔۔ اور اڑاری مارو۔۔۔ دیکھتا ہوں کتنا اڑ سکتے ہو؟"

فرزان نے غور سے اس کی بات کو سنا پھر قدرے ہانپتے ہوئے بولا۔

"میں اور نہیں اڑ سکتا۔۔۔ ہاں مگر اڑ ضرور سکتا ہوں۔۔۔ اگر میں مزید اوپر نہیں آسکتا تو تمہیں بھی نیچے نہیں اترنے دوں گا۔"

"اوہ۔۔۔ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔۔۔ نیچے تو اترنا نہیں تھا اتارنے والے نے اتار دیا۔ اچھا خاصا جنت کے مزے لے رہا تھا۔۔۔ حرے میں کشش ہے اور کشش واپس کھینچتی ہے۔ جانا تو اوپر ہی چاہیے۔۔۔ اور اوپر۔۔۔ واپسی کے لیے۔۔۔ مگر کشش تو بہت سی چیزوں میں ہے نا۔۔۔ اور تجھ جیسے لوگ اصل کو بھول کے گم ہو جاتے ہیں۔۔۔ نیچے تو اس نے اتار دیا مگر تم لوگ اوپر آنے کے شوق میں اور نیچے چلے جاتے ہو۔۔۔ اتنا نیچے کہ اپنی سطح سے ہی گر جاتے ہو۔۔۔ کوشش کرو۔۔۔ شاباش اور کوشش کرو۔۔۔ اوپر آؤ۔۔۔ اور اوپر۔۔۔ اصل کی طرف۔۔۔ بلندی کی طرف۔۔۔ یا پستیاں اچھی لگتی ہیں؟"

فرزان زمین و آسمان کے بیچ معلق اپنی عجیب و غریب حالت پر توجہ دینے کے بجائے بغور اس کی الجھی ہوئی گفتگو کو نا صرف سن رہا تھا بلکہ آج اسے اس کی تمام باتیں پوری طرح سمجھ میں بھی آرہی تھیں۔ وہ اس مشکل کردار کی اصل کو شناخت کر چکا تھا اور اب وہ اس کے ہنر کی گہرائیوں کو ماپ رہا تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مجھے اب پستیوں سے خوف آنے لگا ہے۔ مجھے مزید اوپر آنا ہے تم اپنا ہاتھ بڑھاؤ اور میرا ہاتھ تھام لو۔۔۔ مجھے اوپر روشنی نظر آرہی ہے اور نیچے اندھیرا۔۔۔ مجھے روشنی کی طرف بڑھنا ہے۔"

فرزان کے لہجے میں لجاجت تھی۔

"ہی ہی ہی ہی۔۔۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں ہنسا پھر قدرے طنزیہ انداز میں بولا۔

"روشنی بھیک میں نہیں ملتی۔۔۔ خریدنی پڑتی ہے۔۔۔ اور تم جیسے فلاش قیمت ادا کرنے کی ہمت کہاں سے لائیں گے۔۔۔ تم نے تو بادشاہی کے مزے لیے ہیں۔ بڑی کنیزیں اور غلام جمع کر رہے تھے۔۔۔ اندر باہر قمقمے روشن تھے۔۔۔ بڑے مزے آرہے تھے اس سلطنت میں حکمرانی کے۔۔۔ وہ تو میں تھا جو گھنٹی بجاتا رہا۔۔۔ تمہیں جگاتا رہا۔۔۔ ہر سونے والے کے مقدر میں جگانے والا تو نہیں۔"

فرزان نے بغور اس کی باتوں کو سنا جو سیدھا اس کے دل پر اثر انداز ہو رہی تھیں۔ اسے پتلی پتلی شاخوں پر بندر کی طرح براجمان اس خستہ حال اور مجہول صورت شخص کے اندر کل کائنات دکھائی دے رہی تھی۔ اسے وہ شخص روشنی کا مینار نظر آرہا تھا۔ وہ اسے بادشاہت کے طعنے دے رہا تھا لیکن وہ تو ازل سے تہی دست تھا۔ بادشاہ تو وہ تھا جو دیکھنے میں بے سروسامان نظر آرہا تھا مگر اب بھی وہ اس سے سات فٹ اونچائی پر تھا۔ گتھیاں سلجھتی چلی جارہی تھیں۔ گرہیں کھلتی جارہی تھیں اور جب ادراک کے در کھلنے لگیں تو طلب اور بڑھ جاتی ہے۔

"دیکھو۔۔۔ مجھے اور طعنے مت دو میں جان گیا کہ سچ اور جھوٹ کے درمیان ایک باریک سا پردہ حائل ہوتا ہے۔ میری آنکھوں پر بندھی پٹی کھل چکی ہے۔ اب میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اندھیرے نہیں صرف روشنی۔۔۔ روشنی کے اس سفر میں مجھے تمہارے پیچھے پیچھے چلنا ہے اور اب تم انکار نہیں کر سکتے۔۔۔۔

میں تمہیں اسی کا واسطہ دوں گا۔ دنیا کی تمام تر روشنیاں جس کا پرتو ہیں۔۔۔ بولو کیا تم انکار کر سکو گے۔ آج تم اونچے ضرور ہو اور میں بہت نیچے۔۔۔ لیکن مجھے بلندی کا وہ سفر طے کرنا ہی ہے۔ جس کی طرف آج میں نے پہلا قدم بڑھا دیا ہے۔ سمجھے۔۔۔ تمہیں میری مدد کرنا ہی پڑے گی۔"

فرزان نے قطعیت سے کہا تو اس کے جواب میں اس کی وہی تاؤ دلاتی تمسخرانہ ہنسی کی آواز بلند ہوئی۔

"ہی ہی ہی ہی۔۔۔ بلندی کا سفر آسان نہیں ہے بچہ۔۔۔ پھسل جاؤ تو سیدھی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے۔۔۔ اور تجھے تو پھسلنے کی عادت ہے۔۔۔ تیرے بس کی بات ہے کیا؟ چل سکے گا؟"

"نہیں پھسلوں گا۔۔۔ میں ضرور چلوں گا۔" اس کا جملہ ختم ہوا تو فرزان نے جلدی سے جواب دیا۔

"اچھا تو پھر آجا اوپر۔۔۔ آجا۔۔۔ یہ لے پکڑ میرا ہاتھ۔۔۔"

اس کی سنجیدہ آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا ہاتھ نیچے کی جانب دراز کیا۔

فرزان نے اس کا ہاتھ دراز ہوتا دیکھا تو سب کچھ بھول بھال کر انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ بے ساختہ اس کی جانب لپکا اور یہ بھی بھول گیا کہ وہ کہاں اور کس حالت میں کھڑا ہے۔ نتیجہ وہی نکلنا تھا جو نکلا۔

اپنی بے احتیاطی اور عجلت کی وجہ سے وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا اور شاخوں کے درمیان میں سے رگڑ کھاتا ہوا اس کا وجود تیزی سے زمین کی جانب سفر کرنے لگا۔

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

زمین سے ٹکرانے کے بعد اس کی سماعتوں سے ٹکرانے والی آخری آواز وہی تمسخرانہ ہنسی تھی۔

"ہی ہی ہی ہی۔"

اور اس کے بعد اس کا ذہن اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

موت کی بے رخی کے متوالو
زندگی کے اسیر بن جاؤ
فقر کی سلطنت نرالی ہے
بادشاہو! فقیر بن جاؤ

☆☆☆

وہ تیرے ہجر کے دن، وہ سفیر صدیوں کے
تو ان دنوں میں بھی دیکھنا مرا چہرہ
جدائیوں کے سفر میں رہے ہیں ساتھ سدا
تری تلاش، زمانے، ہوا مرا چہرہ
کتاب کھول رہا تھا وہ اپنے ماضی کی
ورق ورق پہ بکھرتا گیا مرا چہرہ
ہوا کا آخری بوسہ تھا یا قیامت تھی
بدن کی شاخ سے پھر گر پڑا مرا چہرہ

اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بے مصرف پیدا نہیں کی۔ زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے، گھٹائیں، پھول، پھل، انسان، حیوان غرض یہ کہ ہر چیز جہاں اس کائنات میں اپنی جگہ ایک مسلم حیثیت رکھتی ہے وہیں ہمیں اس بات کا ادراک بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنی جگہ کس قدر اہمیت کی حامل ہے۔

چاند، سورج، ستارے، زمین اگر اپنی اپنی جگہ، اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہے ہیں تو اس کا کوئی مقصد ضرور ہے کہ اس کا کوئی بھی کام معنویت سے خالی ہرگز نہیں ہوتا۔۔۔ ہر چیز کو فنا ہونا ہے۔۔ ہر ذی روح جو اس دنیا میں آیا ہے اسے ایک نہ ایک دن اسی کی طرف واپس لوٹ جانا ہے۔ یہ ہی حقیقت ہے اور یہ ہی سچ ہے۔۔۔ اگر اس سچ سے آشنائی حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ انسان کو اپنی ذمہ داریوں کا ادراک بھی ہو جائے تو یہ مختصر زندگی بے مصرف نہ رہے۔ جب ہر چیز اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہی ہے تو آخر ہم انسان اس مدار سے باہر نکلنے کی جستجو میں کیوں لگے رہتے ہیں۔ اس کے متعین کیے ہوئے راستے کو چھوڑ کر ادھر اُدھر کیوں بھٹکنے لگتے ہیں۔ یہ ہی وہ سوال ہے جس کا جواب اگر انسان کو مل جائے تو پھر دنیا اور جنت میں کوئی خاص فرق باقی نہ رہے کیونکہ شاید پھر یہ ہی دنیا جنت کی شکل اختیار کر جائے۔

وہ جنت جسے پانے کی آرزو میں کچھ لوگ ساری عمر سجدہ ریز رہتے ہیں تو کچھ لوگ اپنی طاقت یا دولت کے بل بوتے پر دنیا میں ہی اپنے اردگرد جنت تشکیل دینے میں مصروف رہتے ہیں۔ فرق صرف جھوٹ اور سچ کے درمیان قائم حد فاصل کا ہے اور ایک جنت اور بھی ہے جسے شاعر نے کچھ یوں بیان کیا ہے۔

خالق کو اپنی خلق سے الفت تھی اس لیے
جنت اتار ڈالی ہے ماؤں کے روپ میں

ماہم کے قدموں تلے بھی جنت آنے والی تھی۔ یہ بات اگر ماہم کے لیے باعثِ اطمینان تھی تو اذان اور ذکیہ بیگم کے لیے بھی یہ خبر قارون کے خزانے سے کم نہ تھی۔ فیضی صاحب کی وفات، فرزان کا بچھڑنا، زارا کی بے وقت موت ایسے سانحے تھے، ایسی قیامتیں تھیں جنہوں نے ایک ہنستے بستے گھر کا نقشہ تبدیل کر ڈالا تھا۔ ایک طویل عرصے کے بعد ماہم اس گھر کے آنگن میں کسی خوب صورت پھول کی مانند کھلی تھی تو اب اسی کی وساطت سے ایک نیا غنچہ مہکنے والا تھا۔

مدتوں بعد خوشیاں ملی تھیں تو ذکیہ بیگم اپنے رب کا جتنا بھی شکر بجا لاتیں وہ کم تھا۔ سو انہوں نے خبر سنتے ہی شکرانے کے نفل ادا کیے تھے اور اس وقت وہ اذان اور ماہم کے ہمراہ حضرت صاحب کے مزار کے احاطے میں داخل ہو رہی تھیں۔۔۔

فاتحہ خوانی کے بعد وہ لوگ واپس پلٹے تو ایک فقیر لپک کر قریب آ گیا اور اپنا کشکول ذکیہ بیگم کے سامنے کرتے ہوئے بولا۔

"اللہ دل کی مراد پوری کرے، خوشیاں دے اور آپ کو چاند سا پوتا عطا کرے۔۔۔ فقیر کو کچھ دیتے جاؤ۔"

ذکیہ بیگم قدرے ٹھٹک کر رکیں اور پھر ہاتھ میں موجود پرس کھول کر کچھ نوٹ نکال کر ماہم کی جانب بڑھاتے ہوئے بولیں۔

"لو بیٹا! تم اپنے ہاتھ سے دے دو۔"

ماہم نے نوٹ فقیر کی جانب بڑھائے تو اس نے

دعائیں دینے کے بعد ذکیہ بیگم کو مخاطب کیا۔

"بی بی جی! آپ نے فقیر کا سوال پورا کیا ہے تو میں بھی آپ کو ایک کام کی بات بتا دیتا ہوں۔۔۔ یہاں سے تین گلیاں چھوڑ کر چوتھی گلی میں مڑتے ہی کچی مٹی سے بنا ہوا ایک حجرہ نظر آئے گا جس کے اوپر سرخ سبز کالے رنگ کے جھنڈے لگے ہوئے نظر آئیں گے۔ آپ لوگ یہاں تک آ گئے ہیں تو وہاں بھی ضرور جائیں۔ وہاں بڑے پہنچے ہوئے درویش کا ڈیرہ ہے۔ اللہ کا نیک بندہ ہے اس سے اپنے حق میں دعا ضرور کروا لینا۔ اللہ شاد و آباد رکھے۔ رنگ لگائے۔۔۔ اور کامیابیاں عطا کرے۔"

فقیر نے جملہ مکمل کیا اور ایک جانب بڑھ گیا۔

وہ تینوں مزار کے احاطے سے باہر نکلے تو ذکیہ بیگم گویا ہوئیں۔

"اذان بیٹے! جب آ ہی گئے ہیں تو اس فقیر کی بات کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کیوں نہ اس درویش سے بھی مل لیا جائے۔"

"جیسے آپ کی مرضی امی جان!" اذان نے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔

اور وہ تینوں کچھ ہی دیر کے بعد کچی مٹی سے بنی ہوئی اس حجرہ نما عمارت میں داخل ہو رہے تھے۔

اندرونی کمرے میں داخل ہوئے تو ایک شخص کمرے کے وسط میں بیٹھا یاد الٰہی میں مشغول نظر آیا۔ بے تحاشا بڑھے ہوئے جٹاؤں جیسے بال، پھٹے پرانے کپڑے اور ہاتھ میں تسبیح لیے بیٹھے اس شخص کی ان کی جانب پشت تھی۔ وہ تینوں سحر زدہ سے انداز میں چلتے ہوئے اس کے عقب میں جا کھڑے ہوئے۔ پھر ذکیہ بیگم کی آواز بلند ہوئی۔

"بابا جی! آپ اللہ کی عبادت میں مصروف ہیں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ ہمیں بھی نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور سیدھا راستہ دکھائے اور ہمیں وہ عطا کرے جو ہمارے حق میں بہتر ہو۔۔۔"

درویش نے جھرجھری سی لی اور اچھل کر یوں کھڑا ہو گیا جیسے اس کے وجود کو چار سو چالیس وولٹ کا کرنٹ لگا ہو کیونکہ درویش ذکیہ بیگم کی آواز کو میلوں دور سے شناخت کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ جوں ہی وہ پلٹا ذکیہ بیگم حیرت سے گنگ ہو کر رہ گئیں اور یہ ہی نہیں اذان بھی ششدر کھڑا تھا کیونکہ وہ درویش کوئی اور نہیں بلکہ فرزان تھا۔ حیرت کا یہ جھٹکا اتنا شدید تھا کہ چند لمحوں تک کسی کے منہ سے کوئی آواز برآمد نہ ہو سکی۔ پھر سب سے پہلے اذان ہی کی آواز سنائی دی۔

"فرزان۔۔۔! یہ تم ہو۔۔۔؟ یعنی وہ پہنچا ہوا اللہ کا نیک درویش کوئی اور نہیں میرا بھائی ہے۔۔۔ تم یہاں؟ اس حالت میں؟ یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے۔۔۔ پتا ہے جب تم گھر سے ہو کر گئے ہو تو میں نے کتنا تلاش کیا تمہیں، کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا تمہیں اور تم یہاں درویش بنے بیٹھے ہو۔۔۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔"

فرزان نے پوری توجہ سے اس کی بات سنی پھر دھیمے لہجے میں بولا۔

"میں کیا اور میری بساط کیا؟ میں اس قابل ہی کہاں کہ میں کچھ بن بیٹھوں۔۔۔ یہ سب تو اسی کے ہاتھ میں ہے جو بنانے اور بگاڑنے کی طاقت رکھتا ہے۔۔۔ تم مجھے ڈھونڈ رہے تھے اور میں کسی اور کو۔۔۔ فرق صرف یہ ہے کہ آج تمہاری تلاش ختم ہو گئی اور میری تلاش تم سے کچھ پہلے۔۔۔ تحریک کا دوسرا نام تلاش ہے جب تلاش ختم ہو جاتی ہے تو تحریک بھی ختم ہو جاتی ہے صرف زندگی متحرک رہتی ہے۔ زندگی چلتی رہتی ہے۔ آگے۔۔۔ اور آگے۔۔۔ اپنے اختتام کی طرف۔۔۔ اپنے اصل کی طرف۔"

فرزان خاموش ہو گیا تو ذکیہ بیگم جن پر شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری تھی اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے بولیں۔

"فرزان! تم پہلے بھی چلے گئے تھے اور آ کر پھر چلے گئے۔ اب ملے ہو تو اس انداز میں کہ اس ملاقات پر حیرت ہوتی ہے چلو گھر چلتے ہیں۔ باقی باتیں گھر بیٹھ کر کریں گے۔"

فرزان نے ذکیہ بیگم کی بات کو سنا پھر اسی دھیمے لہجے میں بولا۔

"گھر۔۔۔ وہ جگہ۔۔۔ وہ محدود سی جگہ۔۔۔ جسے آپ نے گھر کا نام دیا ہے میں اسے بہت عرصہ پہلے چھوڑ چکا ہوں۔۔۔ مجھے محدود مت کریں۔ میرا سفر تو لامحدود کی طرف ہے۔۔۔

ماں، باپ، بہن، بھائی، رشتے، ناتے، یہ ساری زنجیریں تو کب کی ٹوٹ چکی ہیں۔ ان کے لیے کچھ نہیں کر پایا شاید اپنے لیے کچھ کر لوں۔۔۔ آپ سب کی محبت

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

میرے دل میں زندہ ہے۔ آپ سب مجھ سے محبت کرتے ہیں۔۔۔ میں بھی آپ سے بہت محبت کرتا ہوں۔۔۔ یہ سچ ہے مگر اس سے بھی بڑا سچ ہے کہ میری دنیا تبدیل ہو چکی ہے۔ میں محبت سے بہت آگے کے سفر پر چل نکلا ہوں اور امی جان! آپ میری بات کو اچھی طرح سمجھ سکتی ہیں۔ مچھلی کو اگر پانی سے الگ کر دیا جائے تو وہ اپنی جان دے دیتی ہے کیونکہ وہ محبت نہیں پانی سے مودت رکھتی ہے۔ میں اب محبت سے مودت کی جانب سفر کر رہا ہوں۔ مجھے محدود مت کریں۔۔۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں ورنہ شاید میں زندہ نہ رہ سکوں۔"

فرزان نے اپنی بات مکمل کرنے کے بعد نظریں نیچے جھکا لیں تو اذان جلدی سے اس کی جانب لپکا اور اس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔

"کیا فلسفہ بگھار رہے ہو۔ اپنی محبت اور مودت کی فکر لگی ہے ہم سب کی محبت کوئی معنی نہیں رکھتی؟ سیدھی طرح چلو ورنہ میں تمہیں گھسیٹ کر لے جاؤں گا۔" اذان کے لہجے میں تلخی گھلی ہوئی تھی۔

اس سے پیشتر کہ وہ سچ میں اپنی بات کو عملی جامہ پہناتا ذکیہ بیگم کا ہاتھ اس کے کندھے پر آ جما۔

"نہیں اذان بیٹا! وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ زندگی میں پہلی بار وہ صحیح راستے پر چل رہا ہے۔۔۔ ہمیں اس کا راستہ کھوٹا نہیں کرنا چاہیے۔"

ذکیہ بیگم کی بھرائی ہوئی آواز میں اشکوں کی گیلاہٹ رچی ہوئی تھی۔ اذان نے نظریں اٹھا کر ان کے چہرے کی جانب دیکھا۔ پتا نہیں اسے ان کے پاکیزہ چہرے پر کیا نظر آیا کہ دوسرے ہی لمحے وہ فرزان کی کلائی چھوڑ کر پیچھے ہٹ آیا۔ پھر چند ہی لمحوں کے بعد ان کے قدم واپسی کا سفر طے کر رہے تھے۔

اور سماعتوں میں فرزان کا مخصوص لہجہ صدائے بازگشت بنا ہوا تھا۔

اے انوکھے سخی!
اے مرے کبریا!
میرے ادراک کی سرحدوں سے پرے
میرے وجدان کی سلطنت سے ادھر
تیری پہچان کا اولیں مرحلہ
میری مٹی کے سب ذائقوں سے جدا
تیری چاہت کی خوشبو کا پہلا سفر
میں مسافر ترا
خود سے ناآشنا
ظلمت ذات کے جنگلوں میں گھرا
خود پر اوڑھے ہوئے کرب وہم وگماں کی سلگتی ردا
ناشناسائیوں کے پرانے مرض
گمرہی کے طلسمات میں مبتلا
سورجوں سے بھری کہکشاں کے تلے
ڈھونڈتا پھر رہا ہوں ترا نقش پا
اے انوکھے سخی!
اے مرے کبریا!
کب تلک گمرہی کے طلسمات
ظلمات ذات میں
ناشناسائیوں سے اٹی رات میں
دل بھٹکتا رہے
ہجر کے دامان صد چاک میں بے اماں حسرتوں کا لہو
بے ثمر خواہشیں
رائیگاں جستجو
اے انوکھے سخی!
اے مرے کبریا!
کوئی رستہ دکھا
خود پہ کھل جاؤں میں
مجھ پہ افشا ہو تو
اے انوکھے سخی!
اے مرے کبریا!
لوح ارض وسما کے سبھی ناتراشیدہ، پوشیدہ
حرفوں میں لپٹے ہوئے
اسم پڑھنا سکھا
اے انوکھے سخی!
اے مرے کبریا!
میں مسافر ہوں تیرا

☆☆

دنیا اور آخرت کے صالحین لوگ

اور ابراہیم علیہ السلام کے دین سے کون روگردانی کر سکتا ہے۔ بجز اس کے جو نہایت نادان ہو۔ ہم نے ان کو دنیا میں بھی منتخب کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ صالحین میں ہوں گے۔ جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں۔

اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوب علیہ السلام نے بھی (اپنے بیٹوں سے یہی کہا) کہ بیٹا اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند فرمایا ہے تو مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔

(سورۃ البقرہ 2۔۔۔ ترجمہ آیات 130 تا 132)

صغریٰ یاسین۔ کراچی

بہترین رہنمائی

حضرت زید بن ارقم بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے پانی منگوایا۔ آپ کے خادم نے پانی کے ساتھ شہد بھی آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ پانی کے ساتھ شہد دیکھ کر آپ بے اختیار رونے لگے یہاں تک کہ قریب بیٹھے ہوئے تمام حضرات نے بھی رونا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے پھر پینے کا ارادہ فرمایا لیکن پانی اور شہد دیکھ کر دوبارہ رونے لگے یہاں تک کہ وہاں موجود لوگوں نے خیال کیا کہ ہم شاید اس رونے کا سبب دریافت نہ کر سکیں گے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے آنسو صاف کر لیے تو آپ کے مصاحبین نے دریافت کیا یا خلیفۃ المومنین! آپ کے آنسو بہانے کی وجہ کیا تھی؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی کا شرف حاصل ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم اطہر سے کسی نظر نہ آنے والی شے کو دور فرما رہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کس چیز کو دور فرما رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"ابھی میرے پاس دنیا آئی تھی میں نے اس سے کہا کہ مجھ سے دور ہو چنانچہ وہ واپس چلی گئی ہے اور یہ کہہ گئی ہے کہ آپ نے تو مجھ سے کنارہ کشی اختیار فرمالی ہے لیکن بعد میں آنے والے ایسا نہیں کر سکیں گے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقوال:

☆ گناہ کا ترک کرنا توبہ کرنے سے آسان تر ہے۔

☆ تعجب ہے انسان توبہ کے ہوتے ہوئے بھی مایوس ہے۔

☆ مصیبت پر صبر کرنا دشمن کے لیے خود بڑی مصیبت ہے۔

☆ تنہائیوں میں گناہ کرنے سے ڈرو کیونکہ جو گواہ ہے وہی حاکم۔

☆ غصہ سے دور رہو کیونکہ اس کی ابتداء جنون اور انتہا ندامت ہے۔

☆ اپنے مخاطب کو جمیل رکھو تاکہ جواب بھی جمیل بن سکو۔

☆ علم حاصل کرو اس سے تم پہچانے جاؤ گے اور

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

عمل کرو اس کے اہل ہو جاؤ گے۔

☆ اپنے پیٹ کو جانوروں کا قبرستان نہیں بناؤ۔

☆ بے شک مردوں کا بہترین اخلاق حلم و بردباری ہے۔

☆ تمہارے لیے بہترین مال وہ مال ہے جو تمہاری ضرورت کے وقت کام آئے۔

☆ جو مال جائے اور اس سے نصیحت حاصل ہو تو سمجھو کہ وہ ضائع نہیں ہوا۔

☆ پریشانی پر چیخنے کے بجائے مصروف سبب ہو جا۔

☆ زیادہ گفتگو سے دور رہ کیونکہ جس کی گفتگو بڑھی اس کے گناہ بھی بڑھ گئے۔

☆ عدل و انصاف بہترین سیاست ہے۔

☆ اپنے عقلمند دشمن سے مشورہ کر اور اپنے جاہل دوست کی رائے سے بچ۔

☆ طاقتور انسان کا سب سے نیک کام معاف کر دینا ہے۔

☆ اپنے کانوں کو موت کی آواز سناؤ اس سے قبل کہ تمہیں آواز دی جائے۔

☆ سب سے بہترین صدقہ پوشیدہ صدقہ ہے۔

☆ خوار ترین شخص شک کرنے والا ہے۔

☆ جسے جس کا عمل پیچھے چھوڑ دے، اسے اس کا حسب و نسب آگے نہیں کرتا۔

☆ نیکیوں کے کمانے سے زیادہ افضل بدی سے اجتناب ہے۔

☆ سب سے زیادہ پاکیزہ مال وہ ہے کہ جس سے آخرت خریدی جائے۔

سیدہ رملہ بخاری۔۔۔ جہلم

ریت کا دھاگا

حضرت امام شعبی رضی اللہ عنہما ایک جلیل القدر تابعی بزرگ تھے۔ آپ نے 500 صحابہ کرام سے ملاقات کی۔ آپ بہت زندہ دل، خوش مزاج اور بے حد باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے۔ ایک بار آپ رحمۃ ______ سے علماء کی ایک جماعت ملنے آئی جس میں ایک بزرگ عالم بھی تھے۔ آپ رح ______ نے بوڑھے عالم سے ان کا پیشہ پوچھا تو انہوں نے کہا۔ "پھٹے کپڑوں کو رفو کرتا ہوں۔"

آپ نے کہا کہ ہمارے ہاں کوئی پھٹا کپڑا تو نہیں مگر ایک ٹوٹا ہوا مٹکا ہے، کیا آپ اس مٹکے کو بھی رفو کر سکتے ہیں؟

بوڑھا بھی بڑا دلچسپ اور حاضر دماغ تھا۔ اس نے برجستہ کہا۔ "ہاں، ہاں! آپ ریت کا دھاگا منگوا دیجیے، میں آپ کے ٹوٹے ہوئے مٹکے کو ضرور رفو کر دوں گا۔"

بوڑھے کا یہ جواب سن کر امام شعبی رضی اللہ عنہما کو اس زور سے ہنسی آئی کہ ہنستے ہنستے اپنی مسند پہ لیٹ گئے۔

سیدہ منال فاطمہ بخاری۔۔۔ سیالکوٹ

کام کی باتیں

○ کوئی شیشہ انسان کی اتنی حقیقی تصویر پیش نہیں کر سکتا جتنی کہ اس کی گفتگو

○ کسی نے سے کہے ہوئے کلام کو مت بھولو

○ عمدہ چیز حاصل کرنا کوئی خوبی نہیں بلکہ عمدہ طریقے سے استعمال کرنا اصل خوبی ہے

○ وفا کے موتی پروتے رہو گے تو نفرت کے کانٹوں سے پاک رہو گے

یاسمین حنفی۔ کراچی

فاؤنٹین چکن

ویسٹ انڈیز کے ڈومنیکا جزیرے میں ہمارا میچ تھا مجھے یہ جزیرہ کبھی نہیں بھولے گا کوہساروں، پہاڑوں کے درمیان راستہ طے کرنا پڑا ہم لوگوں کو جس ہوٹل میں ٹھہرایا گیا تھا، وہ شہر سے باہر تھا ہمیں کھانا بھی اسی ہوٹل میں کھانا ہوتا تھا میں جاوید میاں داد اور ہارون رشید عموماً" اکٹھے کھانا کھاتے، ایک روز ہم ڈائننگ

ہال میں پہنچے، بیرے سے مینو منگوایا اور اس سے پوچھا "آج کی خاص ڈش کیا ہے" تو اس نے کہا "فاؤنٹین چکن" ہم نے کہا "دیکھو ہم سور نہیں کھاتے" اس نے کہا "یہ سور نہیں ہے" ہم نے یہ سوچ کے کہ یہ چکن ہے، اسے فاؤنٹین چکن کا آرڈر دے دیا اسی دوران ہمارے منیجر کرنل شجاع اور ایسوسی ایٹ منیجر امتیاز احمد بھی آگئے انہوں نے پوچھا "کیا منگوایا ہے" ہم نے کہا "فاؤنٹین چکن" تو انہوں نے بھی وہی آرڈر کر دیا، بیرا آرڈر لے کر آیا تو عجیب و غریب چکن تھا تلی ہوئی پتلی پتلی اور لمبی ٹانگیں سر بہت چھوٹا بہرحال کھانے میں بہت لذیذ ڈش تھی کرنل شجاع کو تو زیادہ مزا آیا فرمانے لگے "میں تو ایک اور پلیٹ منگواؤں گا۔"

ہم کھانا کھا چکے تو صادق محمد ہال میں داخل ہوئے انہوں نے پوچھا "تم لوگوں نے کھانا کھا لیا کیا کھایا؟" ہم نے کہا "آج کی خاص ڈش فاؤنٹین چکن کھایا ہے۔" انہوں نے چونک کر ہمیں دیکھا اور کہا "ڈوڈو یعنی بڑا مینڈک کھا لیا" یقین جانیے ان کی یہ بات سنتے ہی ہم لوگوں کا برا حال ہو گیا ہم سب الٹیاں کرنے لگے طبیعت اتنی خراب ہوئی کہ بیان سے باہر، صرف کرنل شجاع ہوش و حواس درست رکھنے میں کامیاب رہے، ہم لوگ الٹیاں کر کر کے اپنے معدے صاف کر چکے لیکن خفت بھی بڑی اٹھانی پڑی، لوگوں نے بہت مذاق اڑایا۔ اس رات کا کھانا زندگی بھر یاد رہے گا۔ ڈکشنریوں سے اعتماد اٹھ گیا بھلا چکن کو مینڈک کیسے سمجھا جائے ہم تو جنگلی مرغی سمجھ کر کھا گئے اور مینڈک نکلا۔

(اقبال قاسم کی کتاب "اقبال قاسم اور کرکٹ" سے اقتباس)

ثمرہ۔ کراچی

معصوم سی فرمائش

آج میرا جنم دن ہے
ہمیشہ کی طرح آج بھی تم مجھے
شاندار قلم، خوب صورت ڈائری، دلنشیں وش کارڈ
اور مزے دار چاکلیٹ گفٹ کرو گے
مگر میرے پیا!
اب میری ترجیحات بدل گئی ہیں
اب مجھے!
قلم، ڈائری اور کارڈ کے ساتھ ساتھ
جھمکے، کنگن، انگوٹھی، ہار اور پائل بھی چاہئیں
وہ بھی گولڈ کے۔۔۔!

امبر گل۔۔۔ ٹھنڈو سندھ

دابتہ الارض

قیامت سے قبل ایک عجیب الخلقت جانور کا خروج اہم علامات میں سے ایک ہے۔ جس کا ذکر قرآن حکیم میں "دابتہ الارض" کے نام سے موجود ہے۔ جب دنیا میں ہر طرف کفر کا دور دورہ ہو گا اور زمین اہل ایمان سے خالی ہو جائے گی تو یہ جانور مکہ مکرمہ میں صفا و مروہ کے درمیان سے خروج کرے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس کے ہاتھوں میں موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہو گا جسے وہ لوگوں کی پیشانیوں پر پھیرے گا جو مومن ہو گا اس کا چہرہ روشن ہو جائے گا جبکہ کافر کا چہرہ اس کی ضرب سے مکروہ اور سیاہ پڑ جائے گا (ترمذی) پھر یہ جانور غائب ہو جائے گا اور لوگوں کو سنبھلنے کی مہلت دی جائے گی مگر جب وہ اپنی سرکشی پر قائم رہیں گے تو آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے کا واقعہ پیش آ جائے گا جس کے بعد کسی کافر یا فاسق کی توبہ قبول نہ ہو گی پھر اس کے بعد جلد ہی قیامت آ جائے گی (تفسیر قرطبی)

فاطمہ۔ کراچی

☼

☼

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

بشریٰ محمود

خالدہ بشیر، کی ڈائری میں تحریر

جگر مراد آبادی کی غزل

ہم کو مٹا سکے یہ زمانے میں دم نہیں
ہم سے زمانہ خود ہے زمانے سے ہم نہیں

بے فائدہ اَلم نہیں بے کار غم نہیں
توفیق دے خدا تو یہ نعمت بھی کم نہیں

میری زباں پہ شکوہ اہل ستم نہیں
مجھ کو جگا دیا یہی احسان کم نہیں

شکوہ تو ایک چھیڑ ہے لیکن حقیقتاً
تیرا ستم بھی تیری عنایت سے کم نہیں

مرگ جگر پہ کیوں تیری آنکھیں ہیں اشک بار
اک سانحہ سہی مگر اتنا تو اہم نہیں

حجاب، کی ڈائری میں تحریر

گلزار کی نظم

ابھی نہ پردہ گراؤ،

ابھی نہ پردہ گراؤ، ٹھہرو کہ داستاں آگے اور بھی ہے
ابھی نہ پردہ گراؤ، ٹھہرو...
ابھی تو ٹوٹی ہے کچی مٹی، ابھی تو بس جسم ہی گرے ہیں
ابھی تو کردار ہی بجھے ہیں
ابھی سلگتے ہیں روح کے غم
ابھی دھڑکتے ہیں درد دل کے
ابھی تو احساس جی رہا ہے...
یہ لو بچا لو، جو تھک کے کردار کی ہتھیلی پہ گر پڑی ہے
یہ لو بچا لو، یہیں سے اٹھے گی جستجو پھر بگولا بن کر
یہیں سے اٹھے گا کوئی کردار پھر اسی روشنی کو لے کر
کہیں تو انجام و جستجو کے سرے ملیں گے
ابھی نہ پردہ گراؤ، ٹھہرو!

نوخیز انجم، کی ڈائری میں تحریر

ابن انشاء کی غزل

رات کے خواب سنائیں کس کو، رات کے خواب سہانے تھے
دھندلے دھندلے چہرے تھے، پر سب جانے پہچانے تھے

ضدی، وحشی، الھڑ، چنچل، میٹھے لوگ، رسیلے لوگ
ہونٹ ان کے غزلوں کے مصرعے، آنکھوں میں افسانے تھے

وحشت کا عنوان ہماری، ان میں سے جو نار بنی
دیکھیں گے تو لوگ کہیں گے، انشاء جی دیوانے تھے

یہ لڑکی تو ان گلیوں میں روز ہی گھوما کرتی تھی
اس سے ان کو ملنا تھا تو اس کے لاکھ بہانے تھے

ہم کو ساری رات جگایا، جلتے بجھتے تاروں نے
ہم کیوں ان کے در پر اترے کتنے اور ٹھکانے تھے

سائرہ پرواعلی، کی ڈائری میں تحریر

نوشی گیلانی کی نظم

نہ کوئی خواب نہ سہیلی تھی
اس محبت میں، میں اکیلی تھی
عشق میں تم کہاں کے سچے تھے
جو اذیت تھی، ہم نے جھیلی تھی
یاد اب کچھ نہیں رہا لیکن
جس نے اُلجھا کے رکھ دیا دل کو
وہ محبت تھی یا پہیلی تھی
میں ذرا سی بھی کم وفا کرتی
تم نے میری جان لے لی تھی
وقت کے سانپ کھا گئے اس کو
میرے آنگن میں اک چنبیلی تھی
اس شب غم میں کس کو بتلاؤں
کتنی روشن مری ہتھیلی تھی

نمرہ اقراء، کی ڈائری میں تحریر

ساقی امروہوی کی غزل

میں پیمبر نہ سہی، ہوں تو پیمبر جیسا
کوئی گھر بھی نہیں ویران مرے گھر جیسا

میں نے اعصابوں کو پتھر کا بنا رکھا ہے
اک دل ہے کہ جو بنتا نہیں پتھر جیسا

اہل دل، دل کی نزاکت سے ہیں واقف ورنہ
کام لفظوں سے بھی لے سکتے ہیں خنجر جیسا

ہم غریبوں کو کبھی راس نہ آیا ورنہ
ہم نے پایا تھا مقدر تو سکندر جیسا

سمیرا عبدالغنی بٹ، کی ڈائری میں تحریر

عندلیب شادانی کی غزل

دیر لگی آنے میں تم کو شکر ہے پھر بھی آئے تو
آس نے دل کا ساتھ نہ چھوڑا ویسے ہم گھبرائے تو

شفق دھنک مہتاب گھٹائیں تارے نغمے بجلی پھول
اس دامن میں کیا کیا کچھ ہے ہاتھ وہ دامن آئے تو

چاہت کے بدلے میں ہم تو بیچ دیں اپنی مرضی تک
کوئی ملے تو دل کا گاہک کوئی ہمیں اپنائے تو

کیوں یہ سحر انگیز تبسم مدِ نظر جب کچھ بھی نہیں
ہائے کوئی انجان اگر اس دھوکے میں آجائے تو

سنی سنائی بات نہیں یہ اپنے اوپر بیتی ہے
پھول نکلتے ہیں شعلوں سے چاہت آگ لگائے تو

جھوٹ ہے سب تاریخ ہمیشہ اپنے کو دہراتی ہے
اچھا میرا خواب جوانی تھوڑا سا دہرائے تو

نادانی اور مجبوری میں یارو کچھ تو فرق کرو
اک بے بس انسان کرے کیا ٹوٹ کے دل آجائے تو

اقصیٰ ناصر، کی ڈائری میں تحریر

رئیس باغی کی غزل

روٹھنے والے کو کس دل سے منانے جائیں
نئے مل جائیں گے اگر زخم پرانے جائیں

مینہ نہ برسے تو رہے پیاس سے دھرتی بے کل
بارشیں ہوں تو پرندوں کے ٹھکانے جائیں

وہ جہاں گیر، نہ انصاف ہے ویسا، لوگو!
ہم کہاں عدل کی زنجیر ہلانے جائیں

ہیں فروکش ترے دل ریش تو اس خوف سے ہیں
گھر سے نکلیں تو کسی جرم میں مارے جائیں

ہے وہ اندوہ دل و جاں کی نشانی پھر بھی
روز اس قبر پہ ہم پھول چڑھانے جائیں

شہر خوباں میں محبت کی، اگر لے باغی
بارشیں ہوں تو کبھی ہم بھی نہانے جائیں

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

شگفتہ سلیمان

مجھے یہ شعر پسند ہے

امبر گل ———— جھڈو (سندھ)

تم سے بچھڑنے کی آج سالگرہ ہے
نہ پوچھو اس ایک سال میں کون کیسے جیا ہے
آنکھ میں رہے آنسو اور ہنستے رہے ہم
زہر جدائی یوں بھی ہم نے پیا ہے

عذرا ناصر ———— کراچی

یہ محبتوں کے ساحل، یہ رفاقتوں کے دریا
کوئی ہرج تو نہیں ہے، انہیں جس قدر سراہو
مگر اپنی چاہتوں سے مجھے ڈر سا لگ رہا ہے
کہ بچھڑ نہ جاؤ تم بھی، مجھے اس قدر نہ چاہو

شمع مسکان ———— جام پور

جب وہ پڑھتا ہی نہیں میری تحریر چشم کو
پھر اپنے الفاظ ارزاں میں کیوں کر کروں

بینش، کرن ———— فیصل آباد

رنگ مے آپ کے رخسار سے آگے نہ گیا
عکس آئینہ انوار سے آگے نہ گیا
زندگی وصل کی امید میں گزری لیکن
نالۂ دل لب گفتار سے آگے نہ گیا

کوثر پروین ———— سیلسی

عبث ہے جستجو محبت کے کنارے کی
ہے اس میں اتر جانا ہی اے دل پار ہو جانا

مدیحہ، ندا یوسف ———— محراب پور

ستم کے ہیں اور بھی کئی ردِ عمل
ضروری تو نہیں کہ چشم ہی تر ہو

صائمہ جبیں ———— کراچی

آتش غم تو سلگتی ہے ہمارے دل میں
آنچ کیوں آپ کے رخسار تک آ پہنچی ہے

نمرہ، اقراء ———— کراچی

تیرے رخسار و گیسو سے بتا تشبیہ دوں کیونکر
نہ ہے لالہ میں رنگ ایسا نہ ہے سنبل میں بو ایسی

صدف عمران ———— کراچی

پھولوں سے بھرے کنج میں چپ چاپ تھے دونوں
تب باغ بھی مجھ کو کوئی صحرا سا لگا تھا

سعدیہ عرفان ———— گارڈن

مکمل چاند ہو بہو تم جیسا تھا محسن
وہی حسن، وہی غرور، وہی دوری

فوزیہ ثمر بٹ ———— گجرات

چاہت میں ہم نے طور پرانے بدل دیے
جذبہ ہر اک سنبھال کے خانے بدل دیے
بے فائدہ ہے لوٹ کے آنا ہواؤں کا
ہم نے سبھی پرانے ٹھکانے بدل دیے

عائشہ، تحریم ———— گوجرہ

سب بہلتے ہیں دنیا داری سے
کس نے کس کا سکون لوٹا ہے
سچ تو یہ ہے کہ زمانے میں
میں بھی جھوٹی ہوں تو بھی جھوٹا ہے

عظمیٰ ———— کراچی

تیرے رخسار سے بہتے ہوئے آنسو تو بہ
ہم نے شعلوں پہ مچلتی ہوئی شبنم دیکھی

عابدہ نثار ———— کراچی

مانا کہ میرا ہے وہ طلب گار ابھی تک
لیکن ہے انا بیچ میں دیوار ابھی تک
تھا اس کا سراپا کہ کوئی نور جہاں تاب
روشن ہیں شب وصل کے رخسار ابھی تک

کرن کا دسترخوان

خالدہ جیلانی

لاہوری تو افش

ضروری اشیا :

مچھلی (بڑے پیس)	ایک کلو
سیاہ زیرہ	ایک کھانے کا چمچہ
کوکنگ آئل	فرائنگ کے لیے
سیاہ مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
بادیان کا پھول	ایک عدد (پیس لیں)
نمک	حسب ذائقہ
لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
بیسن	آدھا کپ
کھٹائی پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب :

مچھلی میں سیاہ زیرہ، سیاہ مرچ پاؤڈر، بادیان، نمک، لہسن پیسٹ، بیسن اور کھٹائی پاؤڈر لگا کر رات بھر میرینیٹ ہونے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔
ایک توے پر کوکنگ آئل کو درمیانی آنچ پر اچھی طرح گرم کریں اس کے بعد اس میں میرینیٹ کیے ہوئے مچھلی کے ٹکڑے ڈال کر گولڈن براؤن ہونے تک درمیانی آنچ پر فرائی کریں۔ مزے دار لاہوری تو افش تیار ہے۔ سرونگ ٹرے میں نکال کر رائتے اور سلاد کے ساتھ سرو کریں۔

برگنڈی چکن

اشیا :

مرغی	ڈیڑھ کلو
(بگے جتنے بڑے ٹکڑے کٹوالیں)	
کوکنگ آئل	دو کھانے کے چمچے
پیاز	۲۰ گرام (چھیل کر سلائس کاٹ لیں)
مشروم	ڈیڑھ کپ (سلائس کاٹ لیں)
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچے
لہسن کے جوے	دو عدد (کوٹ لیں)
سرکہ	ایک کپ
مرغی کی یخنی	دو کپ
آلو	تین عدد (گول چھوٹے سائز کے)
مکھن	دو کھانے کے چمچے
(چار کھانے کے چمچے میدہ کے ساتھ مکس کرلیں)	
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
سرخ شملہ مرچ	گارنشنگ کے لیے
(کیوبز کاٹ لیں)	
سلاد پتے	گارنشنگ کے لیے

ترکیب :

اوون کو 160.c پر پہلے سے گرم کرلیں۔ کوکنگ آئل کو ایک کیسرول ڈش میں گرم کریں اور اس میں مرغی کے ٹکڑے ڈال کر براؤن کرلیں۔ اب پیاز، مشروم اور لہسن ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔ اب لیموں کا رس، سرکہ، یخنی، آلو، نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر ڈال کر مکس کریں اور ڈھک کر ایک گھنٹے تک بیک کریں۔ اب کیسرول میں سے مرغی کے ٹکڑوں کو نکال کر الگ رکھ دیں۔ اس کے بعد اس میں مکھن اور میدے کا آمیزہ شامل کرکے سوس کو گاڑھا ہونے تک پکائیں، آمیزے کو اتنا پکا کر میش کریں کہ وہ بالکل خشک ہو جائے۔ گوشت کی ٹکڑوں کو واپس کیسرول ڈش میں ڈالیں اور آٹھ سے دس منٹ تک بیک کریں۔ شملہ مرچوں کے کیوبز اور سلاد پتے سے گارنش کرکے سرو کریں۔

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

یسٹ پزا

اشیا :

پزا روٹی کے لیے :

گرم پانی	ایک چوتھائی کپ
چینی	دو کھانے کے چمچے
خمیر	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	دو کھانے کے چمچے
میدہ	تین کپ
نمک	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب :

اوون کو ۲۲۰ سینٹی گریٹ پر گرم رکھ دیں۔ پانی اور چینی فوڈ پروسیسر میں ڈال کر مکس کرلیں اور چینی کو حل کرلیں۔ اس کے بعد اس میں خمیر شامل کریں اور ایک مرتبہ دوبارہ مکس کر کے پانچ منٹ کے لیے رکھ دیں جب تک کہ خمیر میں بلبلے بننے لگیں۔ اس کے بعد تیل، میدہ، نمک ایک بڑے پیالے میں ڈال دیں اور ان کو مکس کر کے خمیر کے آمیزے میں ڈال کر خوب اچھی طرح گوندھ کر ڈو تیار کرلیں (اگر ضرورت ہو تو اضافی میدہ ڈالا جاسکتا ہے) اس کے بعد ڈو کو ایک بڑی روٹی کی شکل میں بیل لیں۔ ایک بیکنگ ٹرے میں تیل لگا کر اسے چکنا کریں اور روٹی کو اس میں رکھ کر کچھ دیر کے لیے چھوڑ دیں۔ اس دوران من پسند ٹاپنگ تیار کرلیں۔ ٹاپنگ روٹی پر رکھنے کے بعد اس کو دس سے پندرہ منٹ تک بیک کریں اور جب روٹی سنہری ہوجائے تو نکال لیں۔

اولیو بیف پزا

ضروری اشیا :

زیتون کا تیل	دو کھانے کے چمچے
بٹن مشروم	۲۲۵ گرام (سلائس کاٹ لیں)
پزا بیس	ایک عدد
ٹماٹو سوس	ایک چوتھائی کپ
موزریلا چیز (باریک سلائس کاٹ لیں)	۳۰۰ گرام
گوشت کے باریک پارچے	۱۵ گرام
سیاہ زیتون	دس عدد (دو حصوں میں کاٹ لیں)
تازہ اوریگانو (چوپ کرلیں)	دو کھانے کے چمچے
پارمیزن چیز (کش کرلیں)	تین کھانے کے چمچے
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ
بند گوبھی	آدھا کپ

ترکیب :

ایک پین میں دو کھانے کے چمچے تیل گرم کرکے مشروم ڈال کر اتنا پکائیں کہ مشروم کا سارا پانی خشک ہوجائے۔ اتار کر ٹھنڈا کرلیں۔ پزا بیس پر زیتون کا تیل برش سے لگائیں اور تیل لگی ہوئی سائیڈ بیکنگ ٹرے میں نیچے کی طرف رکھ کر پہلے سے گرم اوون میں ۱۸۰ ڈگری سینٹی گریٹ پر چھ منٹ تک بیک کریں۔ اس کے بعد پزا بیس کو اوون سے نکال کر اس پر ٹماٹو سوس ڈالیں۔ اس کے اوپر موزریلا چیز کے سلائس ڈالیں۔ اب اس کے اوپر گوشت کے ریشے اور بند گوبھی ڈالیں۔ اب مشروم، سیاہ زیتون، تازہ اوریگانو اور پارمیزن چیز ڈال دیں۔ باقی بچا ہوا زیتون کا تیل، نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر ڈال کر دوبارہ گرم اوون میں رکھ کر پنیر کے پگھلنے تک پکائیں۔ گولڈن براؤن اور خستہ ہونے پر اتار کر سرو کریں۔

فرائیڈ سیخ کباب پزا

ضروری اشیا :

پزا ڈو	۲۵۰ گرام
پیاز	۲۰۰ گرام
زیتون کا تیل	ایک کپ
ٹماٹر	دو سے تین عدد
زیتون (چوپ کرلیں)	دو سے تین عدد
Capers	ایک کھانے کا چمچہ
تلسی کے پتے	تین عدد
پنیر (کش کرلیں)	۹۰ گرام
ہری مرچیں	دو سے تین عدد

فرائیڈ سیخ کباب بنانے کے لیے :

چکن کا قیمہ	آدھا کلو (دھو کر خشک کرلیں)
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
ہری مرچیں	چار سے چھ عدد (باریک چوپ کی ہوئی)
پیاز (چھوٹے سائز کی) (باریک چوپ کی ہوئی)	چار سے چھ عدد
لہسن ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
چائنیز نمک	ایک چٹکی
انڈہ	ایک عدد
ثابت دھنیا (بھون کر کوٹ لیں)	چوتھائی چائے کا چمچہ
زیرہ (بھون کر کوٹ لیں)	چوتھائی چائے کا چمچہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

فرائیڈ سیخ کباب بنانے کے لیے :

قیمے میں نمک، لال مرچ پاؤڈر، ہری مرچیں، پیاز، لہسن ادرک پیسٹ، چائنیز نمک، انڈہ، ثابت دھنیا، زیرہ شامل کر کے تھوڑی دیر کے لیے رکھ دیں۔ ایک اسٹیل کی گول والی سیخ لیں اس پر تیل لگا کر اسے چکنا کرلیں اور ہاتھوں پہ بھی تیل لگا کر قیمے کے آمیزے کو سیخ کباب کی طرح سیخ پر چڑھائیں اور احتیاط سے سیخ پر سے اتار کر پلیٹ میں رکھتے جائیں۔ اس طرح سیخ کباب کی طرح کے کئی کباب تیار کرلیں۔ فرائنگ پین میں تیل گرم کریں اس میں تیار کیے ہوئے سیخ کباب کو درمیانی آنچ پر گولڈن ہونے تک فرائی کرکے پلیٹ میں نکال لیں۔

فلنگ کے لیے :

فلنگ تیار کرنے کے لیے ایک فرائنگ پین میں دو کھانے کے چمچے زیتون کا تیل گرم کرکے اس میں پیاز ڈال کر پانچ منٹ تک — فرائی کریں۔ اب اس میں ٹماٹر، زیتون اور capers ڈال کر مزید پانچ منٹ پکانے کے بعد آنچ سے اتار کر ٹھنڈا کرلیں۔ اب اس آمیزے میں پنیر ڈال دیں۔

جب پزا ڈو پھول کر سائز میں دگنا ہوجائے تو اس کو گول بیل لیں۔ اب اس پر فلنگ ڈال کر پھیلا دیں۔ کناروں سے ایک انچ کا حصہ چھوڑ دیں۔ تیار کیے ہوئے سیخ کباب کے سلائس کاٹ کر ڈو کے اوپر اچھی طرح سیٹ کریں۔ باقی بچے ہوئے زیتون کے تیل سے اس کو اچھی طرح برش کریں اور پہلے سے گرم اوون میں ۲۲۵ ڈگری سینٹی گریٹ پر پینتیس منٹ تک بیک کریں۔

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

عشق کا خمیازہ

ایک شخص نے بس میں اپنے قریب بیٹھے ہوئے مایوس اور افسردہ شخص کو دیکھ کر باتوں باتوں میں کہا۔ "مجھے لگتا ہے کہ جیسے آپ نے زندگی میں عشق کیا اور ناکام ہو گئے۔"

وہ صاحب جھلا کر بولے۔ "میں نے زندگی میں ایک ہی بار عشق کیا تھا اور بدقسمتی سے کامیاب ہو گیا۔"

روبینہ ناز۔ کراچی

خوش فہمی

ایک صاحب ہوٹل میں گئے تو کھانا کھانے کے بعد بل ادا کرتے وقت انہوں نے فراخدلی سے ویٹر کو ٹپ دی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ ویٹر ان سے کافی خوش اور متاثر نظر آ رہا ہے۔

کئی دن بعد انہیں دوبارہ کچھ دوستوں کے ساتھ اسی ہوٹل میں جانے کا اتفاق ہوا تو انہوں نے دوستوں کو متاثر کرنے کی غرض سے اسی ویٹر سے پوچھا۔ "بھئی! تم نے مجھے پہچانا نہیں؟"

"جناب! میں آپ کو کیسے بھول سکتا ہوں۔" ویٹر نے باچھیں کھلاتے ہوئے جواب دیا۔ "آپ وہی ہیں نا، جنہیں باقی سب ویٹر نے "چھوہارے جیسے منہ والا" کا خطاب دیا تھا؟"

شائستہ خان۔ کراچی

قابل تعریف

ملازمت کا امیدوار اپنی پرانی فرم کی بے حد تعریف کر رہا تھا۔

"پرانی فرم اپنے ملازمین کو بچوں کی تعلیم کا الگ خرچ دیا کرتی تھی، فلیٹ کا کرایہ، میڈیکل کے اخراجات اور چھ ماہ کا بونس بھی دیا کرتی تھی۔"

"پھر تم نے وہ نوکری کیوں چھوڑی؟" منیجر نے پوچھا۔

"میں نے نہیں چھوڑی جناب۔!" امیدوار نے افسردہ لہجے میں کہا۔ "وہ فرم ہی دیوالیہ ہو گئی تھی۔"

نفیسہ۔ کراچی

نسخہ

"میں اپنے سر میں سخت درد محسوس کر رہی ہوں۔" ایک عورت نے اپنی سہیلی سے کہا۔

"جب میرے سر میں درد ہوتا ہے تو میرا شوہر بڑے پیار سے میرا سر دباتا ہے اور اتنی محبت کا اظہار کرتا ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے درد غائب ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں تم بھی یہ نسخہ آزما کر دیکھو۔" سہیلی نے مشورہ دیا۔

"ضرور۔ ضرور! تمہارا شوہر کب تک گھر آئے گا۔" عورت نے اشتیاق سے پوچھا۔

صائمہ خان۔ نارووال

اظہار تشکر

جمیلہ نے اپنے دفتر کے ساتھی فاروق سے کہا۔ "مجھے آج احساس ہوا ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ بہت غلط رویہ اختیار کیا تھا، جس کی وجہ سے تم مجھ سے ناراض ہو گئے اور ہمارے درمیان ایک ماہ تک بات چیت بند رہی۔ غلطی میری تھی، میں تم سے معذرت چاہتی ہوں، امید ہے کہ تم مجھے معاف کر دو گے۔"

"معذرت کی تو خیر کوئی بات نہیں۔" فاروق نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ "مگر اس ایک مہینے میں۔ جس میں ہماری بات چیت بند رہی۔ میرے بینک اکاؤنٹ میں پورے آٹھ ہزار روپے کا اضافہ ہو گیا۔ اگر ہماری بات چیت تین چار مہینے اور بند رہے تو مجھے امید ہے کہ میں نئی موٹر سائیکل خریدنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

رخشندہ عزیز۔ گوجرانوالہ

فیس

ایک ڈاکٹر کامیابی کے موضوع پر لیکچر دے رہے تھے۔ "ڈاکٹر کی کامیابی میں اس کی فیس کا بہت عمل دخل ہے۔ میری مثال لیجیے اگر میں کسی مریض کو دیکھنے اس کے گھر جاؤں تو پانچ سو روپے فیس لیتا ہوں۔ اگر مریض میرے کلینک میں آئے تو اسے تین سو روپے دینے پڑتے ہیں اور اگر کوئی شخص ٹیلیفون پر مجھ سے مشورہ مانگے تو اس کی فیس سو روپے ہے۔"

اچانک ہال کے ایک کونے سے آواز آئی۔ "ڈاکٹر صاحب! اگر آپ کسی مریض کے قریب سے گزریں تو آپ کی فیس کتنی ہو گی؟"

گل شاہ۔ وہاڑی

سوا سیر

ایک لڑکا رشتے کے سلسلے میں لڑکی دیکھنے گیا۔ لڑکے کو لڑکی پسند آ گئی تو اس نے لڑکی سے پوچھا۔ "کیا آپ کے والد کی حیثیت ہے کہ وہ سلامی میں مجھے کار دے سکیں؟"

لڑکی نے جواب دیا۔ "میرے ابا کی حیثیت تو ہوائی جہاز دینے کی ہے۔ کیا آپ کے ابا کی حیثیت ایئر پورٹ بنانے کی ہے؟"

اردی معطر بیگ۔ گجرات

خمیازہ

ایک شخص نے اپنے دوست کے سر پر پٹی اور بازو پر پلستر چڑھا دیکھ کر پوچھا۔ "خیریت تو ہے۔ کیا آج پھر موٹر سائیکل کا حادثہ ہو گیا؟"

"نہیں۔!" دوست نے مری مری سی آواز میں جواب دیا۔

"تو پھر یہ حالت کیسے ہو گئی؟" اس شخص نے پوچھا۔

"دراصل میں نے اپنے کزن سے 500 روپے کی شرط لگائی تھی کہ وہ مجھے اپنے کندھے پر بٹھا کر بس کی سیڑھی پر نہیں چڑھ سکتا۔" دوست نے بتایا۔

"تو پھر؟" اس شخص نے حیرت سے پوچھا۔

"تو پھر کیا۔ میں شرط جیت گیا۔" دوست نے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

خالدہ عزیز۔ اسلام آباد

یونیورسٹی

کہتے ہیں جب کسی کالج کی انتظامیہ اس میں دلچسپی لینا بند کر دے تو وہ یونیورسٹی کہلاتا ہے ویسے بھی کالج اور یونیورسٹیاں تو اس لئے بنائی گئی ہیں کہ لوگوں کو جہالت کی تلاش میں مارا مارا نہ پھرنا پڑے۔ سابق امریکی صدر روز ویلٹ تو یہاں تک کہتا ہے کہ اگر کوئی بندہ کبھی اسکول نہیں گیا تو وہ زیادہ سے زیادہ مال گاڑی کی بوگی ہی چرا سکتا ہے، لیکن جو یونیورسٹی گیا ہو وہ تو پوری ریل کی پٹڑی ہی چرا لے گا۔

اسی لیے ہمارے طلبا یونیورسٹی میں دل لگا کر پڑھنے کے لیے دل لگانے میں لگے رہتے ہیں تاکہ پھر پڑھ سکیں۔ آخر میں تعلیمی اخراجات کی رسیدوں کے طور پر انہیں ڈگریاں اور سندیں دے دی جاتی ہیں۔ یوں ہمارے یہاں بے روزگار بننے کے لیے بندے کو یونیورسٹی میں کئی کئی سال انتظار کرنا پڑتا ہے۔

(ڈاکٹر یونس بٹ کی کتاب "عکس بر عکس" سے اقتباس۔)

نجمہ حفیظ۔ کورنگی، کراچی

قابل دید

تھانیدار گشت پر روانہ ہونے کے لیے تھانے سے نکلا تو اس کے سامنے سے ایک ٹیکسی ست رفتاری

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

سے گزر رہی تھی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور اچھل کر اس کا دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے ڈرائیور سے بولا۔
"یہ تمہارے آگے آگے گاڑی جا رہی ہے' اس کا پیچھا کرو۔ یہ مجھے مشکوک لگتی ہے' مجھے ہر حال میں اس کا تعاقب کرنا ہے۔"
"صاحب جی!" ڈرائیور نے عاجزی سے کہا۔ "وہی گاڑی تو میری خراب ٹیکسی کو باندھ کر لے جا رہی ہے۔"

نسیم۔ منڈی بہاء الدین

تعریف

ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے گاہک نے ویٹر سے کہا۔
"یہ یقیناً" ایک صاف ستھرا ریسٹورنٹ ہے۔"
ویٹر خوش ہوتے ہوئے بولا۔ "آپ کو کیسے اندازہ ہوا سر؟"
"جو ڈش بھی میں نے کھائی' اس کا ذائقہ صابن جیسا تھا۔" گاہک نے جواب دیا۔

صبیحہ لودھی۔ کوئٹہ

پیش بندی

"تم ایک نہایت حسین لڑکی ہو۔" لڑکے نے اپنی گرل فرینڈ سے کہا۔
"مجھے معلوم ہے کہ تم دل میں ایسا نہیں سمجھتے۔ لیکن پھر بھی کہہ رہے ہو۔" گرل فرینڈ نے بے یقینی سے کہا۔
"میں اصل میں اس لیے ایسا کہہ رہا ہوں کہ اگر میں ایسا نہیں کہوں گا' تب بھی تم دل میں ایسا سمجھتی رہو گی۔" لڑکے نے جواب دیا۔

نسرین صادق۔ سرگودھا

ایک سے بڑھ کر ایک

ایک خاتون نے ناک بھوں چڑھا کر فقیر سے کہا۔
"تمہیں بھیک مانگتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔ اچھے خاصے ہٹے کٹے ہو' کہیں محنت مزدوری کیوں نہیں کرتے؟"
فقیر نے ان کا سر تاپا جائزہ لیتے ہوئے ملائمت سے کہا۔ "محترمہ! آپ ماشاءاللہ کافی حسین ہیں۔ آپ کی شکل میں کرینہ اور کترینہ دونوں کی مشابہت ہے' جسم بھی ٹھیک ٹھاک ہے۔ پھر آپ فلموں میں کام کیوں نہیں کرتیں؟"

اقراء شیخ۔ کراچی

ناقابل برداشت

بیوی کو مارنے پیٹنے کے الزام میں ایک شخص کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ بیوی کی ایک آنکھ پر نیل پڑا ہوا تھا۔ جج صاحب نے شوہر کو تنبیہہ کر کے چھوڑ دیا۔ دوسرے روز دونوں میاں بیوی پھر سے عدالت میں پیش ہوئے۔ اس مرتبہ بیوی کی دوسری آنکھ پر بھی نیل پڑا ہوا تھا۔
جج صاحب نے ملزم کو جیل بھیجنے سے پہلے اسے اپنا موقف بیان کرنے کی اجازت دی۔
ملزم نے نہایت متانت سے کہنا شروع کیا۔
"جناب والا! کل میں آپ کے فیصلے سے اتنا خوش ہوا کہ دوستوں کی ایک محفل میں پینے پلانے چلا گیا۔ گھر پہنچا تو بیوی نے مجھے آوارہ' شرابی' نکما اور نکھٹو کہا۔ میں نے سوچا کہ چلو کوئی بات نہیں' وہ کسی حد تک ٹھیک ہی کہہ رہی ہے۔ لیکن پھر وہ بولی کہ اگر اس احمق جج میں ذرا سی بھی عقل ہوتی تو وہ تمہیں کل ہی جیل بھجوا دیتا۔ بس جناب۔ مجھ سے آپ جیسے شریف' بلند مرتبہ اور محافظ قانون کی یہ توہین برداشت نہ ہو سکی اور۔"

حنا سلامت خان۔ ناظم آباد کراچی

☼

☼

حسن و صحت

ادارہ

موسم چاہے گرمی کا ہو یا سردی کا آپ کی جلد ہر موسم کا سب سے پہلے اثر قبول کرتی ہے اور آپ کا چہرہ کھلا ہونے کے باعث موسم کا سب سے زیادہ اثر قبول کرتا ہے اس لیے آپ کا چہرہ خاص توجہ اور محنت چاہتا ہے۔ آپ کا چہرہ چاہے کسی بھی قسم سے تعلق رکھتا ہو خشک یا چکنا' وہ آپ سے ایک جیسی توجہ چاہتا ہے۔ توجہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آپ سارا دن خود کو آئینے میں دیکھنے میں مصروف رہیں۔ ضروری یہ ہے کہ آپ اسے موسم کے لحاظ سے مناسب دیکھ بھال فراہم کریں۔ ذیل میں ہم آپ کے لیے چند ہدایات فراہم کر رہے ہیں جو ہر موسم کو مد نظر رکھ کر ترتیب دی جا رہی ہیں۔

سردی ہو یا گرمی' صبح نہار منہ دو گلاس پانی ضرور پی لیجیے۔ یہ آپ کے معدے کو صاف رکھنے کا سبب بنتا ہے۔ سب سے پہلے کچا دودھ لے لیں اور اس میں کاٹن (روئی) کو بھگو کر اپنے پورے چہرے پر لگائیں اور آہستہ آہستہ گول انداز میں گھمائی جائیں۔ اب اسے پندرہ منٹ کے لیے لگا رہنے دیں۔ اس کے بعد ٹھنڈے یا تازہ پانی سے دھولیں۔ یہ عمل ہفتے میں چار سے پانچ دن ضرور کریں۔ یہ آپ کے چہرے کو چمکدار بنانے کا سبب بنتا ہے۔

ایک کھیرے کا ٹکڑا لے لیں اور اسے اپنے چہرے پر گول گھمانے والے انداز میں آہستہ آہستہ رگڑیں۔

دو کھانے کے چمچے ملائی لے لیں۔ ڈیڑھ کھانے کا چمچہ آٹا اور اس کے ساتھ چند قطرے لیموں کے رس کے ملائیں اور روز اس مکسچر کو اپنے چہرے پر پانچ منٹ کے لیے لگائیں اور پھر دھولیں۔ خشک چہرے والی خواتین ملائی کا استعمال کریں اور وہ خواتین جن کا چہرہ آئلی ہے وہ ملائی کی جگہ بیسن کا استعمال کریں۔

برابر وزن میں کھیرے اور لیموں کا جوس لے لیں اور نہانے سے پہلے اپنے چہرے پر لگائیں اور دس منٹ کے بعد چہرہ دھولیں۔ یہ آپ کی رنگت کو بہتر کرتا ہے۔

ایک ٹماٹر کا ٹکڑا لیں اور اسے اپنے چہرے اور گردن پر مساج کے طریقے سے لگائی جائیں یعنی ہلکا ہلکا رگڑتے جائیں مگر بہت زیادہ رگڑنے سے گریز کریں اور پندرہ منٹ بعد چہرہ دھولیں۔

چہرے پر عرق گلاب کا استعمال بھی بہترین ہے۔ یہ آپ کے چہرے کے لیے سن بلاک کا کام کرتا ہے۔

دہی اور ٹماٹر کا پیسٹ آپس میں اچھی طرح ملائیں اور چہرے پر لگائیں۔ یہ آپ کے چہرے کی نرمی کا باعث بنتا ہے۔

شہد اور کیلے کا مکسچر بنالیں (آپ یہ مکسچر بلینڈر میں بنا سکتی ہیں) اب اس میں تھوڑا سا میک اپ پاؤڈر' کوئی بھی ملک کریم اور چاول کا آٹا ملائیں اور یہ پیسٹ چہرے پر لگائیں۔ چہرے کی چمک کے لیے یہ بہترین مکسچر ہے۔ آپ صرف شہد اور کیلے کا مکسچر بھی استعمال کر سکتی ہیں۔ یہ بھی آپ کے چہرے کی چمک کو بڑھاتا ہے۔

چہرے پر جھریاں نہ پڑیں اس کے لیے چڑنا' حسد' غصہ' پریشانی اور ذہنی تناؤ وغیرہ سے بچیں' ہمیشہ خوش رہیں' خوب ہنسیں اور دوسروں کو بھی ہنسائیں۔ بھرپور نیند لیں' دیر رات تک نہ جاگیں' صبح جلدی بیدار ہوں۔ باقاعدہ وقت پر کھانا کھائیں' زیادہ چٹ پٹی' مسالے دار اور چکنائی والی چیزوں کا استعمال نہ کریں' اپنی خوراک میں وٹامن اے' سی اور بی کمپلیکس وغیرہ سے بھرپور خوردنی چیزیں' ہری سبزیاں' دودھ' تازہ پھل' خشک میوے شامل کریں۔ پانی خوب پئیں' پانی تازگی

عطا کرتا ہے' دن بھر میں پانچ چھ لیٹر پانی پینا چاہیے' جلد اور پٹھوں کی سرگرمیوں کو پانی پڑ جاتا ہے اور انہیں تازگی دیتا ہے۔ ہمیشہ ہلکا میک اپ کریں' گاڑھا میک اپ مساموں کو بند کر دیتا ہے' جس سے جلد کو مطلوبہ مقدار میں آکسیجن اور پرورش حاصل نہیں ہو پاتی۔ رات کو سوتے وقت میک اپ ضرور اتار دیں' جس سے جلد کو مطلوبہ آکسیجن فراہم ہوتی رہے۔ اپنے ہاتھوں کو بار بار چہرے پر نہ پھیریں' اس سے بھی چہرے پر جھریاں پڑ جاتی ہیں اور ہاتھوں کے ذریعے سے کسی طرح کا انفیکشن بھی چہرے پر ہو سکتا ہے۔

نیم کی افادیت اور حسن کی حفاظت

نیم جلد کی حفاظت اور خوب صورتی بڑھانے کا روایتی اور آزمودہ نسخہ مانا جاتا ہے۔ گو کہ اس کے پتوں' بیجوں' جڑوں یہاں تک کہ تیل میں بھی حیرت انگیز فوائد پوشیدہ ہیں جن سے مختلف بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے مگر آج ہم اس کی وہ خصوصیات بتائیں گے جنہیں بروئے کار لا کر آپ اپنے حسن میں اضافہ کر سکتی ہیں۔ خاص طور پر وہ تمام خواتین جنہیں کیل مہاسوں اور چھائیوں کا سامنا ہے وہ "نیم" کے پتوں سے جلد کو صحت مند اور دلکش بنا سکتی ہیں۔ نیم کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اسے ہر طرح سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس کے پتوں' بیجوں اور جڑوں کو پیس کر نہ صرف چہرے کی خوب صورتی بحال کی جا سکتی ہے بلکہ اس کو زخم پر لگانے سے زخم بھی تیزی سے بھر جاتا ہے۔ ماہرین کے مطابق نیم بہتر جراثیم کش دوا ہے۔

نیم کے پتے

نیم کے پتے باآسانی حاصل کیے جا سکتے ہیں اور جلد کی خوب صورتی میں چار چاند لگانے کے لیے ان کا استعمال بھی بے حد آسان ہے۔ آپ کو بس یہ کرنا ہے کہ دو لیٹر پانی میں تقریباً "50" پتے ڈال کر اس حد تک ابالیں کہ نیم کے پتوں کا ہرا رنگ باقی نہ رہے۔ اب اس پانی کو ٹھنڈا ہونے پر بوتل میں بھر لیں۔ اس پانی کا سب سے اچھا استعمال یہ ہے کہ آپ غسل کے پانی میں تھوڑا سا نیم کا پانی بھی شامل کر لیں تاکہ جلد پر موجود نقصان پہنچانے والے تمام جراثیم سے چھٹکارا مل جائے۔ اس کے علاوہ نیم کے پتوں کا پانی آپ کے لیے بہترین "اسکن ٹونر" ثابت ہو سکتا ہے۔ روزانہ سونے سے پہلے نیم کے پانی میں روئی بھگو کر چہرہ صاف کرنا بے حد فائدہ مند ہے۔ اس سے داغ دھبوں' کیل مہاسوں اور چھائیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور آپ کی جلد دلکش اور چمکدار نظر آتی ہے۔ نیم صرف چہرے کی خوب صورتی کے لیے ہی نہیں بلکہ بالوں کی نشوونما میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس کا پانی بالوں کو گرنے سے روکتا ہے اور خشکی کا بھی خاتمہ کر دیتا ہے۔ اس کے پتوں کو ابالنے کے بعد پیس کر بھی استعمال کر سکتے ہیں اور اس کا طریقہ بھی آسان ہے۔ نارنگی کے چھلکوں کے ساتھ نیم کے پتے ابال کر پیس لیں اور اس میں دہی' شہد اور دودھ شامل کر کے آمیزہ بنا لیں۔ اس آمیزے کو ہر طرح کی جلد پر بے دھڑک استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ہفتے میں تین بار اسے استعمال کرنے سے داغ دھبوں اور دانوں کا خاتمہ ہوتا ہے اور چہرے کی خشکی اور اضافی تیل بھی متوازن صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اس طرح بالوں کی خشکی اور روکھا پن دور کرنے کے لیے بھی مختلف ترکیبیں استعمال کی جا سکتی ہیں مثلاً" نیم کے پتوں کو ابال کر پیس لیں اور شہد ملا کر بالوں پر لگائیں۔ یہ آمیزہ قدرتی کنڈیشنر کا کام کرے گا اور آپ کے بال ریشمی اور چمکدار نظر آئیں گے۔

بیج اور تیل

قدیم آیورویدک کے علاوہ جدید طب بھی نیم کے فوائد کی معترف ہے اور آج بھی ہزاروں طرح کی ادویات مثلاً" سر درد' کان درد' بخار' زخم' قوت مدافعت بڑھانے والی اور جلے ہوئے زخموں کی دواؤں میں خاص طور پر استعمال ہوتا ہے۔ نیم کے تیل اور بیجوں کے سفید اجزا کا بیوٹی پروڈکٹس میں بھی استعمال عام ہے

☼ ☼

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

ذوالقرنین

شاہانہ الماس ۔۔۔۔ کراچی

س "آخر آپ نے کس کمپنی کا کمپیوٹر اپنے دماغ میں فٹ کر رکھا ہے' جو اتنے دھماکے خیز جوابات دیتے ہیں' پلیز ہمیں بھی اس کمپنی کا پتا بتا دیں تاکہ ہم بھی وہ ہی کمپیوٹر خرید کر اپنے دماغ میں فٹ کر کے آپ کو چٹ پٹے سوالات لکھ کر بھیجیں؟"

ج "چوہدری کمپیوٹر' مگر معاف کیجیے کھلے عام نہیں ملتا خاندانی ہے۔"

نسرین مظفر ۔۔۔۔ کراچی

س "کوشش کے باوجود ہمیں وہ چہرے خواب میں نظر کیوں نہیں آتے جنہیں ہم دیکھنا چاہتے ہیں؟"

ج "ساڑھے چھ فٹ کے آدمی کو خواب میں دیکھنا چاہتی ہیں خوف خدا کریں۔ پرنس اتنی چھوٹی سی آنکھ میں نہیں آسکتا۔"

عافیہ حسن ۔۔۔۔ سکھر

س "ماڈرن دور کی محبت میں اور پرانے دور کی محبت میں کیا فرق ہے؟"

ج "بی بی ماڈرن دور میں زنان خانہ' مردان خانہ ایک ہی ہو گیا ہے۔ تو وہ مزا محبت کا کہاں جو کبھی برسوں بیت جاتے تھے۔ زنان خانے میں ان کی ایک جھلک دیکھنے کو۔"

ناہید نیازی ۔۔۔۔ راولپنڈی

س "بیوی شوہر کو مجازی خدا مانتی ہے شوہر بیوی کو کیا مانتا ہے؟"

ج "محاورتاً" تو کچھ اور کہا جاتا ہے لیکن اگر میری قسمت میں میری بیوی ہوئی تو میں اس کو "بے چاری" کہوں گا۔"

س اک مثالی شوہر بلی سے ڈرتا ہے یا بیوی سے؟

ج اگر بلی بیوی کی ہو تو۔۔۔ تو

شمیم فاروق ۔۔۔۔ شکارپور

س "کہتے ہیں لگاتار کوشش سے کامیابی حاصل ہوتی ہے لیکن کوشش کے باوجود کامیابی مقدر میں نہ ہو تو؟"

ج "یا نصیب کلینک سے رجوع فرمائیں۔"

راحت رحمن ۔۔۔۔ لاہور

س "انسان جب مر جائے اس کے لیے مغفرت کی دعا مانگتے ہیں اگر ضمیر مر جائے تو؟"

ج "اللہ مغفرت فرمائے بے ضمیروں کی۔"

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

نامے میرے نام

کوثر پروین۔۔۔۔میلسی

کرن اس بار 13 فروری کو ملا۔ واؤ حرا قریشی آئینہ کے مقابل تجسیم آراء بہت پیارا نام ہے آپ کی والدہ کے بارے میں جان کر بہت دکھ ہوا اللہ ان کی مغفرت فرمائے' آپ کی عجیب خواہشیں خوب ہیں۔ یہ جواب بہت ہی اچھا لگا کہ "شکر' سکون' قناعت جب دل اس دولت سے مالا مال ہو تو جو پاس ہو وہ بھی اوقات سے زیادہ لگتا ہے۔"

"مجھے یہ شعر پسند ہے" میں ثمینہ اکرم' کرن بینش' عائشہ' ام رومان اور امبر گل کے اشعار اچھے لگے۔ فوزیہ ثمر کا بھرپور تبصرہ اور ان کی ڈائری میں تحریر نظم پسند آئی۔

"کرن کرن خوشبو" میں فرزانہ علی احمد کا انتخاب اچھا لگا۔ اس کے بعد "نامے میرے نام" میں جھانکا تو فائزہ بھٹی' شمع مسکان کو یاد کر رہی تھیں' میں بھی شمع اور انیقہ انا کو مس کر رہی ہوں۔ اور نواب زادی سوشکی ہم آپ کے لمبے لمبے خطوط کو بڑا مس کر رہے ہیں۔ حمیرا العبیر کا تیز رفتار خط پڑھ کے مزا آیا۔ گڑیا علی! اللہ آپ کو رائٹر بنائے۔ باقی سب نے اچھا لکھا۔

سروے کے جوابات سب نے ایک سے بڑھ کر ایک دیے۔ ام ثمامہ اور ثمینہ اکرم' ہم جب بھی آپ کو پڑھتے ہیں آپ کا دکھ اپنے اندر تک محسوس کرتے ہیں' ملنا بچھڑنا تو ازل سے ہے اور یہی زندگی ہے۔۔۔۔ ہم سب کی زندگیاں اللہ پاک کی امانت ہیں اس کی مرضی ہے جب چاہے واپس لے لے۔ ثنا شہزاد کے مثبت خیالات پڑھ کے اچھا لگا۔ ظل ہما فیصل آباد آپ کا طرز تحریر خوب تھا مگر دل اداسی کی لپیٹ میں آ گیا۔ جب آپ نے ایک فیصلہ کر ہی لیا ہے تو۔۔۔ گزری باتوں کو بھول جانے کی کوشش کریں۔ صائمہ احمد کی "انوکھی کہانی" دھڑ' دھڑ کرتے دل کے ساتھ جلدی جلدی پڑھی۔۔۔۔ مگر اختتام غیر حقیقی سا لگا۔۔۔ افسانہ ہی تھا نا' بس افسانوی سا اینڈ محسوس ہوا "دست کوزہ گر" اس بار ذرا رفتار میں تھا' اوہ شکر روحیلہ کے سلسلے میں کوئی حل تو نظر آیا ہمارا تو دھیان ہی نہیں گیا تھا اس طرف' اف عظمت خلیل۔۔۔ اتنا برا حشر۔۔۔ ظالم کے لیے رسی دراز تو ہوتی ہے مگر آخر کار کھینچ لی جاتی ہے۔

انیقہ انا۔۔۔۔ چکوال

ایسا کیوں ہوتا ہے کہ جب بھی لمبی غیر حاضری کے بعد کرن میں خط لکھنے بیٹھتی ہوں یہی شعر یاد آتا ہے۔

بہت دنوں بعد مرے گھر کی خاموشی ٹوٹی (دوسرا مصرعہ بھول گئی ہوں)

میں اتنا عرصہ کہاں رہی' مت پوچھیے گا پلیز (انیقہ نے خود کو کھو دیا تھا)

اب سوچا شاید آپ نے مجھے یاد کیا ہو۔ یہی سوچا اور قلم اٹھا کر لکھنے میں مگن ہو گئی۔ تحاریر سے پہلے مستقل سلسلوں کو پڑھا۔ لطائف کچھ زیادہ پسند نہیں آئے ہاں مگر شاعری کمال کی تھی۔ خصوصاً "غزلیں اس بار دل کو چھو گئیں۔ پھر تبصرے پڑھے۔ ہر جگہ زری' دل آور اور علیزے ہی کی باتیں تھیں۔ ایک بہن نے لکھا "دل آور کو اچانک علیزے سے اتنی محبت کیسے ہو گئی؟" تو میرا ماننا تو یہ ہے کہ محبت سوچ سمجھ کر کب ہوتی ہے۔ یہ تو بس اچانک ہو جاتی ہے نا! کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سالوں کسی کے ساتھ رہیں تب بھی ایک دن اچانک اس کی کوئی بات دل کو چھو لیتی ہے اور محبت ہو جاتی ہے اور کبھی کوئی ایک ہی لمحہ میں دل کی دنیا زیر و زبر کر جاتا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ دل آور کی محبت ایک دم اتنی شدت پسند ہے یا نہیں' محبت بس محبت ہوتی ہے۔ ہاں مگر اب کی قسط میں مجھے زری کے ضبط پر بہت رونا آیا۔

ہم نے صبر کیا اور صبر بھی قیامت کا

زری اس مصرعے کی تفسیر ہی نظر آئی۔ دوسری جانب جیبزی کا جہانزیب بننا بہت پسند آیا۔ لیکن ان سب سے ہٹ کر ناول کو دیکھا جائے تو یوں لگتا ہے گویا نبیلہ کا ابھی بھی ناول ختم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ ایک طرف جودت کے ارادے اور دوسری طرف دل آور کا ماضی ہی سامنے نہیں آتا۔

"دست کوزہ گر" میں فوزیہ نے ایک ہی قسط میں زدبیہ سے متعلق پیدا ہونے والے تمام سوالات کا مکمل جواب دے دیا۔ لیکن ہم نے کبھی بھی زدبیہ کے اتنے برے اور بھیانک انجام کے بارے میں سوچا تک نہیں تھا۔ آخری سطور پڑھتے ہوئے آنکھ بھیگ گئی۔

زندگی تیرے انجام پر رونا آیا۔

الیان کی معاملہ فہمی کا قائل ہونا پڑا۔ آخری قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ باقی کا تبصرہ بعد میں۔

سیما بنت عاصم کا ناولٹ پڑھا۔ خود احتسابی کا عمل سچ میں بہت مشکل ہوتا ہے۔ آگہی عذاب ہوتی ہے۔

ندرت کے حالات اب جا کر سدھرتے نظر آئے۔ پر یہ کیا کہ بھائی کا دل صاف ہوا تو شاہ زین اور اکمل کو مہانو سے ملوانے کا انتظام قدرت نے خود ہی کر دیا۔ واہ بھئی فوزیہ ثمر نے ٹھیک لکھا' اس بار کی قسط نے سارے پچھلے گلے شکوے ختم کر دیے۔ ان چند تحاریر کے علاوہ کچھ نہیں پڑھا۔ مگر جو پڑھا وہ بہت اداس کر گیا۔ دکھ ہی دکھ نظر آیا۔

کرن میں اتنے عرصے بعد خط لکھ رہی ہوں۔ تاخیر کا برا مت مانیے گا۔ سچ کہتی ہوں کہ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں کرن کی باتوں اور یادوں سے غائب ہو جاؤں۔ مگر میں اپنے اس مزاج سے عاجز ہوں۔ اب بھی رہا نہیں گیا کہ مزید غیر حاضر رہوں۔ کرن کی سالگرہ کے لیے ڈھیروں مبارک باد قبول کریں۔

عائشہ خان۔۔۔ ٹنڈو محمد خان

ٹائٹل۔۔۔ دیکھتے ہی بے ساختہ منہ سے نکلا زبردست۔۔۔۔ شاندار بہت پیارا لگا۔۔۔ ماڈل کا میک اپ رنگ ڈریسنگ' بال بیک گراؤنڈ سب بہت پیارا لگا۔۔۔

"در دل" دل آور نے علیزے کے لیے اتنے جوکھم اٹھائے مگر علیزے نے اس کی قدر نہیں کی۔ آخری لائنیں پڑھنے سے پتا چلتا ہے کہ دل آور نے اپنی شرمندگی سے بچنے کے لیے علیزے کو اپنایا اور اسی کا خیال رکھا ورنہ وہ محبت تو زری سے ہی کرتا ہے۔۔۔ مبارک ہو قاری بہن حمیرا کو دل آور دل سے زری کو ہی چاہتا ہے۔۔۔ یہ میرا اندازہ ہے باقی رائٹر ہی کو پتا ہے کہ سچ کیا ہے۔۔۔۔

"ماہ نو" رخشندہ کوکب کی اچھی کاوش تھی' ماہ نور بے چاری اتنی کم عمری میں بیوہ ہو گئی (مجھے اپنی بہن ندا یاد آ گئی وہ اتنی کم عمری میں بیوہ ہو گئی اس کی عمر 24 سال ہے) صائم کا فیصلہ پسند آیا۔

ضروری نہیں کہ کسی کنواری سے ہی شادی کی جائے۔ ہم مسلمانوں میں اس کی قید نہیں۔۔۔ جب ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے بیوہ اور مطلقہ سے نکاح کر کے مثال قائم کر دی۔۔۔ تو ہم کیا چیز ہیں!

"دست کوزہ گر۔۔۔" بڑی بے تابی سے شروع کیا کہ شاید زدبیہ کا پتا لگ گیا ہے۔۔۔ مگر ایسا پتا چلے گا مجھے امید نہ تھی۔۔۔ لگتا تو یہی ہے کہ اس مٹی میں دفن زدبیہ ہی ہے۔۔۔ بڑا دکھ ہو گا اگر ایسا ہوا تو۔۔۔ کیا زدبیہ کو دورے آتے تھے! میرا دل بہت دکھ رہا ہے۔۔۔ اب دیکھتے ہیں کہ میرا اندازہ کتنا درست ہے۔۔۔ آخری قسط کا شدت سے انتظار ہے۔۔۔ خوشی ہوئی کہ الیان نے رومیلہ کو مکمل طلاق نہیں دی۔۔۔ باقی سب سین بھی اچھے لگے۔۔۔ بس زدبیہ کا دکھ ہے۔

مسکراتی کرنوں میں افہام و تفہیم' ضمیر' اصل دلچسپی' ڈرلپ سین بہت پسند آئے۔ لیکن خط پر تو میں بہت ہنسی۔۔۔۔

"کرن کرن خوشبو" میں صابرہ' اسلام آباد کا الف اللہ اور انکساری اور عاجزی بہت بہت پسند آیا۔۔۔ "یادوں کے دریچے" میں تمام نظمیں غزلیں اچھی لگیں۔۔۔ ویسے مجھے شاعری کی زیادہ سوجھ بوجھ نہیں ہے۔۔۔ بس اگر کوئی سمجھ آ جائے اور اچھی لگے تو تعریف کر دیتی ہوں۔

"دل دھیان کی سیڑھیاں" میں سب سے زیادہ ظل ہما فیصل آباد کے جوابات پسند آئے اور ام ثمامہ کے لیے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی دعاؤں کو قبول فرمائے آمین۔

"مقابل ہے آئینہ" حرا قریشی آپ اتنا پیارا کیسے لکھ لیتی ہیں! ایسی قاری بہنوں پر تو رشک آتا ہے۔ ماشاء اللہ آپ بہت قابل ہیں اور مجھے مدیرہ آپی سے ایک بات کہنی ہے کہ "مقابل ہے آئینہ" میں اگر ہم اپنے تعارف کے ساتھ اپنی تصویر تو بھیج نہیں سکتے کہ پردہ کرتے ہیں جو لوگ اپنے بچوں کی یا بھتیجے بھتیجی کی تصویر بھیج سکتے ہیں؟ ہمارے تعارف کے ساتھ شائع کر دیں؟ کیسا؟۔۔۔۔ کیا خیال ہے آپ کا؟

"میری بھی سنیے" میں عمیمہ کو سننے کا بالکل موڈ

PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

نہیں تھا۔۔۔ مگر پھر بھی سنا۔۔۔ مگر یہ کیا ایسے مضحکہ خیز جواب !سوال نمبر 39 کا جواب پڑھ کر تو ہنسی آ گئی۔ "نامے میرے نام" بڑی بے تابی سے نامے تو شروع میں ہی پڑھ ڈالے تھے۔ لیکن ذکر آخر میں کر رہی ہوں۔ سب سے پہلے تو ویل کم ان بہنوں کو جنہوں نے پہلی بار خط لکھا۔۔۔ باقی جانی پہچانی بہنیں کہاں غائب ہیں؟

اور کرن کتاب "تندرستی ہزار نعمت" میرے شوہر کو بہت پسند آئی۔ اور اس میں سے موبائل فون کے استعمال کے نقصانات مجھے چن چن کر پڑھ کے سنائے (ہاہاہا)

اللہ تعالیٰ کرن کو دن دگنی رات چگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔

ج : پیاری عائشہ! آپ "مقابل ہے آئینہ" کے لیے جوابات بھیج دیں تصویر ضروری نہیں ہے۔

شمع مسکان۔۔۔ جام پور

اس ماہ کرن حسب معمول 12 تاریخ کو ملا۔ ماڈل نے بہترین تاثر چھوڑا ذہن پر۔ سب سے پہلے حمد و نعت سے مستفید ہوئی "نامے میرے نام" پہ اپنا نام نہ دیکھ کر بہت مایوسی ہوئی خیر تمام قاری بہنوں کا شکریہ۔ فوزیہ "امبر گل" عائشہ خان شکریہ یاد کرنے کا ہم کرن کے توسط فرینڈ ہی تو ہیں۔

اس کے بعد سروے "دل دھیان کی سیڑھیاں" پڑھی مگر وہاں پر اپنا نام نہ دیکھ کر مایوسی ہوئی۔ "مقابل ہے آئینہ" حرا قریشی بیسٹ الفاظ تھے خود کی وضاحت کے لیے یار کیا لکھوں آپ کے بارے میں کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ بس اتنا ہی "تم سا کوئی نہیں" عائشہ بخش سے ملاقات بیسٹ رہی۔ "آواز کی دنیا سے" گلنار جاوید کچھ خاص متاثر نہ کر سکیں۔ سب سے پہلے "دردل" پڑھا تبصرہ اگلی قسط پڑھ کر کروں گی۔

مکمل ناولز میں سب سے پہلے "میرے ہمنوا کو خبر کرو" پڑھا شاہ زین اور ینڈی کا سامنا خلاف توقع ہوا۔ کوئی سسنی خیز چویشن نہیں تھی۔ بالکل ڈرامائی انداز تھا۔ یہ قسط خاص متاثر نہ کر پائی۔ البتہ مہو کے ساتھ برا ہوا۔ بھائیوں کا کیا بہنوں کو کیوں بھگتنا پڑتا ہے؟ میران کا غرور اسے لے ڈوبا جو گڑھا دوسروں کے لیے کھودا اس میں خود ہی گر گیا۔ زری کی بھابی کی چال بازیاں بھی عیاں ہو گئیں۔ گناہ بھلا کب پوشیدہ رہتا ہے۔ بس رب خود ہی بندے کو سنبھلنے کی مہلت دیتا ہے اور بغیر ٹھوکر کھائے انسان کہاں سنبھلتا ہے۔ "دست کوزہ گر" فوزیہ یاسمین جی آپ نے ہمارے ڈولتے یقین کو سکون فراہم کر کے اسے کامل کر دیا جی ہاں یہ واضح کر کے کہ۔۔۔ آلیان نے رومیلہ کو ایک طلاق دی ہے۔ اب پھر سے اسے اپنی زندگی میں لے آئے گا۔ زدیہ کے متعلق خرم کے قیاس ہمیں متحیر کر گئے۔ بہت پہلے بنائے ہوئے اسکیچز اس کی ابتدا سے اب تک کی زندگی کی وضاحت کرتے تھے۔ وہ واقعی اسپیشل تھی۔ بہت افسوس ہوا اس کے مرڈر کا۔ آخری قسط کا شدت سے انتظار ہے۔

"وہ اک پری ہے" "بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے" فرزان نے واقعی دیر کر دی۔ ایک مرتبہ وہ پہلے غلط کر گیا اپنے ماں باپ اور بیوی کو چھوڑ کر دوبارہ پھر وہی غلطی دہرا دی ایک مرتبہ پھر اپنی ماں کو چھوڑ کر چلا گیا۔ اپنے بھائی کی خوشیوں میں بھی شرکت نہیں کی۔

"خسارہ" ہلکے پھلکے انداز میں معاشرے کی عکاسی کرتی پراثر تحریر تھی۔ سعدیہ عزیز کا تو نام ہی کافی ہے۔ سیدہ ثمرہ بخاری کا "نہ جنوں رہا" بیسٹ تحریر تھی۔ فردوس کی اسٹوری دل کو لہو رلا گئی۔ مہو کا فیصلہ بہت پسند آیا۔ فردوس کون سی ایسی پوزیشن میں تھی جو مہو کو بچاتی پھر وہ کس کے لیے جاتی جبکہ ڈاکٹر زینت نے اسے حقیقی ماں جتنا پیار دیا۔ وقار الحسن تو مجھے بہت پسند آیا۔ کچھ باتیں دل میں رہیں تو اچھا ہوتا ہے۔ مہو اسے بھائیوں سا مقام دیتی تھی۔ اگر وقار اظہار کر بھی دیتا اپنی فیلنگز کا تو مہو اسے بھی اس روپ میں ایکسیپٹ نہیں کرتی۔

افسانے تینوں ہی اچھے تھے مگر "ماتو" تو بالکل ذاتی زندگی کی عکاسی کر گئی۔ (ارے بھئی میری نہیں ہے کوئی) "انوکھی کہانی" سسپنس سے بھرپور تھی۔ "محبت اور نفرت" غزالہ جی بالکل ہی عام سا موضوع تھا۔ "کرن کرن خوشبو" میں نیلم، تانی چوہدری کے انتخاب اچھے تھے "یادوں کے دریچے سے" امبر گل اور یاسمین حنفی کے انتخابات میری ڈائری کی زینت بنے۔

اشعار میں مدیحہ یوسف، حافظہ سمیرا، عائشہ، زاویہ طاہر کے اشعار پسند آئے۔ لاسٹ میں اک میسج اپنے کزن + بھائی ارسلان کے لیے کہ ارسلان پلیز میری ڈاک خلوص نیت سے پوسٹ کیا کریں۔ اللہ آپ کو اپنے امتحان میں کامیاب کرے (آمین) اس کے نانننو کے پیپر ہونے

والے ہیں۔

"اللہ کرن کو دن دگنی رات چگنی ترقی عطا فرمائے۔ (آمین)

نوشابہ منظور۔۔۔ بھریا روڈ

اس ماہ کا کرن 12 کو ملا سب سے پہلے تو سروے میں اپنا نام تلاش کیا اور جیسے ہی دھیان کی سیڑھیاں ملے کیں سامنے اپنا نام پا کر اتنی خوشی ہوئی کہ بتا نہیں سکتی۔

اس کے بعد "دردل" پڑھا دل آور شاہ تو علیزے کی محبت میں گوڈے گوڈے ڈوبا نظر آیا خیر محبت تو لمحوں کا کھیل ہے ابھی دل آور شاہ صحیح طرح اپنی محبت کا اظہار بھی نہیں کر سکا کہ طلاق کا مطالبہ خیر اب دیکھیے اگلی قسط میں کیا ہوتا ہے۔

"دست کوزہ گر" میں الیان کی عقلمندی پہ داد دینے کو دل چاہا ورنہ تو طلاق کا پڑھ کے اتنا دکھ ہوا تھا عظمت خلیل جیسے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے زدیہ کے بارے میں پڑھ کے تو شاک سا لگا اب اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار رہے گا۔ باقی ابھی پڑھا نہیں اب اجازت دیجیے اگر زندگی نے وفا کی تو اگلے ماہ حاضر ہوں گے۔

ثنا شفیق۔۔۔ تاجکہ (اٹک)

کرن کا شمارہ حسب معمول چودہ کو ہی مل گیا سب سے پہلے تو بے تابی سے نبیلہ عزیز کی طرف گئے۔ علیزہ بچ گئی ابھی اس پہ خوش بھی نہ ہونے پائے تھے کہ دل آور کا دکھ بہت اداس کر گیا۔ زری کے لیے بھی پلیز کچھ اچھا کرنا۔ دل آور، نبیل اور عبداللہ کی دوستی قابل رشک ہے۔

پھر آئے فوزیہ یاسمین کی طرف۔ یہاں بھی ایک طرف تو رومیلہ کی طلاق کے نہ ہونے پہ خوش ہوئے تو اینڈ پہ خرم کی پیش گوئی ثابت ہونے پہ دل دھک سے رہ گیا اور اوپر سے باقی آئندہ۔ کاش وہ لاش زدیہ کی نہ ہو۔ اگلے شمارے کا شدت سے انتظار ہے۔ زدیہ ایک اسپیشل شخصیت ہے۔ راجہ گدھ کا ایک کردار بے اختیار یاد آ گیا۔ زیبا اور آفتاب کا بیٹا بھی اسی طرح اسپیشل تھا۔ کچھ لوگوں کو اللہ پاک نے ایک خاص نظر عطا کی ہوتی ہے۔ (سبحان اللہ)

"میرے ہمنوا کو خبر کرو" بلاشبہ ایک زبردست تحریر ہے۔ قلم پہ رائٹر کی گرفت مضبوط ہے اور حالات و واقعات ایک صحیح ترتیب سے جا رہے ہیں۔ سب کے ساتھ بس اچھا اچھا ہونا چاہیے۔ میران کی اپنی ماں کے لیے محبت بہت اچھی لگی۔

"وہ اک پری ہے" پلیز فرزان کو اب تو اپنی ماں کے پاس رہنے دیں۔ اس سے بڑا دکھ اور کیا ہو سکتا ہے کہ جیتے جی جوان بیٹا ماں سے بچھڑ جائے۔ فرزان بھی اسپیشل پرسن ہے۔ دیوانگی کی تیسری قسم جس سے میں راجہ گدھ میں متعارف ہوئی۔

"دل دھیان کی سیڑھیاں" میں سب نے اچھا لکھا۔ باقی شمارہ ابھی نہیں پڑھا۔ اس لیے قسط وار پر ہی تفصیلی تبصرہ کر دیا۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا زندگی نے اجازت دی تو شامل ہوتے رہیں گے۔ (فی امان اللہ)

کرن خان۔۔۔ میلسی

میں دو سال سے کرن کی خاموش قاری ہوں۔ اور اب مجھے خاموشی توڑنے پر مجبور کیا ہے "دردل" نے یہ کہانی مجھے بہت پسند ہے خاص طور پر مجھے مریم اور زری کا کردار بہت پسند ہے پلیز آپی اب زری کی پریشانی کو بھی ختم کر دیں۔ آپی اس کہانی میں مجھے جودت اور اس کے دوست بالکل بھی پسند نہیں ہیں۔ پلیز آپی آپ نے جودت کو اس کی سازش میں کامیاب نہیں ہونے دینا جو اس نے مریم کے خلاف کی ہے۔ پلیز آپی مریم کے ساتھ کچھ برا نہیں کرنا۔ باقی مجھے اس کے سب سلسلے بہت پسند ہیں۔ سب لکھاری بہنیں بہت اچھا لکھتی ہیں اور میری دعا ہے "کرن" دن دگنی، رات چوگنی ترقی کرے۔ پلیز آپی میرا خط ضرور شائع کریں۔

حسنہ حبیب۔۔۔ عبدالحکیم

کافی دن ہو گئے کرن میں شمولیت نہیں کی بس مصروفیت ہی بہت تھی۔ اب "فوزیہ یاسمین" کا "دست کوزہ گر" ناول پڑھ کے اپنے آپ کو روک نہیں پائی۔ ہائے فوزیہ جی یہ آپ نے کیا کیا؟ زدیہ کی موت کا بہت دکھ ہوا لیکن اس کے ساتھ ہی اس بات کی خوشی بھی ہے کہ سب کو پتا تو چل جائے گا کہ زدیہ کے ساتھ کیا ہوا؟ اور عظمت خلیل کے ساتھ بہت اچھا ہوا ایسا ہی ہونا چاہیے تھا اور مجھ کو پہلے ہی پتا تھا الیان کبھی رومیلہ کو طلاق نہیں دے سکتا۔ بس اب جلدی سے الیان جا کر رومیلہ کو لے آئے تاکہ اس کی پریشانی دور ہو اگلی قسط کا شدت سے انتظار رہے گا۔ اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKISTAN.WEB.PK

کے بعد "دردل" کی طرف آئے۔

اللہ کا شکر ہے علیزے بچ گئی اور علیزے نے دل آور کے ساتھ اچھا نہیں کیا' اس کو دل آور کے ساتھ جانا چاہیے تھا اور نبیلہ جی پلیز دل آور اور علیزے کو الگ نہ کرنا اور زری کا سنبھلنا بہت اچھا لگا۔۔۔ اس کے بعد "میرے ہمنوا کو خبر کرو" کی طرف آئے جو کہ بلاشبہ بہت زبردست جا رہا ہے۔ شکر ہے ندرت اور شاہ زین کی ملاقات ہو گئی لیکن شاہ زین کا رویہ بالکل اچھا نہیں لگا اک بار وہ زری سے کچھ پوچھتا تو سہی اور ناصر بھائی نے عائشہ کی باتیں سن لیں بہت اچھا ہوا بس فاخرہ جی جلدی سے ندی اور شاہ زین کو ملا دیں۔ اگلی قسط کا انتظار رہے گا۔ باقی ناولٹ اور افسانے بھی بہت اچھے تھے اور اپنی بہن ام رومان کا شعر دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ عصیمہ ملک سے ملاقات خوب رہی اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور ہمارے پیارے وطن پاکستان کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین۔

فوزیہ ثمر بٹ۔۔۔ گجرات

فروری کا پیارا سا کرن شمارہ 14 فروری کو ملا۔

اف انتہائی زبردست ٹائٹل' ماڈل کا فریش میک اپ اسٹائل' اور کالے کالے نیناں خوب صورت لگ رہے تھے۔

انٹرویوز حسب عادت سرسری انداز میں پڑھے۔ گستاخی معاف "میری بھی سنیے" میں عصیمہ ملک سے ملاقات اچھی نہیں لگی پتا نہیں کیوں مجھے شو آف لگیں محترمہ۔

سروے کے جوابات سب کے مزے کے تھے۔ "مقابل ہے آئینہ" حرا قریشی سے مل کر خوشی ہوئی انداز بیاں بالکل کسی رائٹر کا لگا۔

سب سے پہلے "میرے ہمنوا کو خبر کرو" پڑھا۔ فاخرہ گل نے بہت خوب صورتی سے کہانی کو وائنڈ اپ کیا ہے۔ شکر ہے ندرت کے بھائی کی آنکھوں سے تمام پردا ہٹ گیا۔ اب تو پکا یقین ہے۔ ندرت زین شاہ کی ہے اور میرے خیال میں میران شاہ کو اب ہوش آ جائے گا اور اسے معلوم ہو گا کسی کی عزت کا جنازہ نکالنا آسان ہوتا ہے۔ مگر جب اپنی عزت پہ حرف آئے تو پھر اسی طرح منہ چھپانا پڑتا ہے۔ جیسے اب میران شاہ چھپائے گا۔۔۔ کچھ لوگوں کو اپنے عملوں کا حساب یہاں ہی دینا پڑتا ہے۔ ساری کہانی کے کردار واضح ہو گئے۔ مگر شاہ زین اور میران شاہ کا آپس میں کیا رشتہ ہے شاید رائٹر صاحبہ تحریر کے اینڈ میں بتائیں گی۔ یہ بھی بتا دیتیں تو تحریر کا مزا ختم ہو جانا تھا یقیناً "ہیپی اینڈ ہو گا اور منفرد بھی۔ مکمل ناول "نہ جنوں رہا" سیدہ ضوباریہ کی تحریر تو بہت اچھی تھی۔ کہانی کا پلاٹ بھی اچھا تھا مگر کچھ جگہوں میں اک اعتراض اٹھتا ہے فردوس بی بی اتنے پاکیزہ گھرانے کی بیٹی تھی۔ دین محمد ایک معمولی ملازم تھا۔ جو ڈاکٹر زینت کو بلینک چیک لکھ کر دے رہا ہے۔ تو کیا وہ فردوس کے مجرموں کو سزا نہیں دلا سکتا تھا اور جب فردوس کے گھر والوں کو فردوس کے اوپر ہونے والے ظلم سے لاعلم رکھا گیا تو پھر مہرالنساء کو بھی بے خبر رہنا چاہیے تھا۔ اتنی دلچسپ کہانی کو ضوباریہ جی نے ایک صفحے پر ختم کر دیا۔

ناولٹ میں مجھے "خسارہ" اچھا لگا۔ سیما بنت عاصم نے جو مزاح کے شگوفے چھوڑے ہیں میرا تو ہنس ہنس کر حشر ہو گیا۔ کیا کوئی مرد بھی اپنی داستان حیات اتنے مزاحیہ انداز میں بیان کر سکتا ہے۔ تحریر کا ہر جملہ مزاح سے بھرپور تھا عرصہ بعد ایسی تحریر پڑھنے کو ملی۔ جس نے کچھ دیر کے لیے ہی سہی کچھ سکون دل کو دیا امید ہے ایسی ہی تحریر پھر ملے گی کرن میں پڑھنے کو۔

"مداوا" بھی اچھی تحریر تھی۔ مجھے زرقا کا کردار اچھا لگا اور گاؤں کی زندگی کی منظر کشی اچھی تھی مجھے گاؤں دیکھنے کا شوق ہے۔

افسانوں میں "انوکھی کہانی" حقیقت میں انوکھی تھی۔ کہانی شروع کرتے ہوئے ہی ذہن میں تھا کہ یہ زرد چھو یقیناً" کوئی جن بھوت کی اسٹوری ہو گی مگر نہ جی ضروری تو نہیں اب جو ہم سوچیں وہی ہی ہو اصل میں یاد نہیں رہا تھا تاکہ تحریر کا نام "انوکھی کہانی" ہے اچھا سسپنس رہا۔ کبھی کبھی ایسی تحریر کرن کی زینت بنانی چاہیے زبان و ذہن کا ذائقہ بھی بدلنا چاہیے۔

"مانو" رخشندہ جی نے ہمارے معاشرے کے ایک حساس موضوع کو چنا حقیقت میں ایسا ہی رویہ ہوتا ہے ہمارے ہاں بیوہ اور طلاق یافتہ عورت کے ساتھ' پتا نہیں کیوں دستور دنیا ہے کہ ٹھکرائے کو دنیا ٹھوکر مارتی ہے۔ "مانو" میں ہیرو کا شگفتہ انداز گفتگو اور مثبت سوچ بہت اچھی لگی۔ ایسے پر خلوص اور محبت کرنے والے ساس سسر بہت کم دیکھنے کو ملتے ہیں۔

جنہیں احساس ہوتا ہے کہ اپنی ذمہ داریاں کس طرح

نبھانی ہیں۔

مستقل سلسلوں کے اس بار ایک تو صفحات کم تھے اور مزے کے بھی نہیں تھے۔ "یادوں کے دریچے سے" اپنی اور اقصیٰ ناصر کی غزل اچھی لگی۔ شاعری میں حافظ سمیرا کا شعر بہت اچھا لگا۔

"مسکراتی کرنیں" اجالا کا لطیفہ اچھا تھا۔

"دست کوزہ گر" کے بارے میں پڑھ کر اب میرا بھی دل کرتا ہے اس تحریر کو شروع کروں مگر ہائے وہی وقت کی کمی۔

سائرہ پرواعلی۔۔۔ راجن پور

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن۔
بیٹھے رہیں ہاتھ میں "کرن" اور "کرن" ہی لیے ہوئے۔

"کرن" ملا جلدی سے "نامے میرے نام" میں دوڑ لگائی مگر یہ کیا؟ اپنا خط نہ دیکھ کر دل خون کے آنسو رویا! پہلی بار ایسا ہوا تھا۔ سو دل کو سنبھالتے ہوئے "دردل" کی طرف قدم بڑھا دیے۔ چونکہ اس ناول کا اختتام ہے تو آپ قارئین کو بتاتی چلوں کہ نبیلہ آپی نے "زری" کا کردار مجھ پہ لکھا ہے۔ نبیلہ عزیز مائی فرینڈ۔۔۔!

علیزے دل آور کی بجائے اپنی فیملی کے ساتھ گئی ہے تو میرا وجدان کہتا ہے کہ وہ اب واپس نہیں آئے گی اور زری کو اپنی محبت (دل آور) ضرور ملے گی۔ زری کے لیے اتنا کہوں گی۔۔۔!

لوگ منتظر رہے کہ ہمیں ٹوٹا دیکھیں
ہم ضبط کرتے کرتے پتھر کے ہو گئے

پھر "دست کوزہ گر" پڑھا یہ ناول مجھے کچھ خاص اٹریکٹ نہیں کرتا۔ تھینک گاڈ! عالیان نے روبیلہ کو جسٹ ایک ہی طلاق دی تھی ورنہ مجھے تو بے انتہا دکھ ہوا تھا ان کی طلاق کا سن کر۔۔۔!

"میرے ہمنوا کو خبر کرو" اس ماہ کی قسط بے حد شاندار تھی۔ ندرت کے بھائی کو اپنی مسز کی اصلیت کا اندازہ ہو گیا اور ندرت کا ٹکراؤ شاہ زین سے ہو گیا یہ پڑھ کر دل بے انتہا خوش ہوا۔ اب ان دونوں کو کوئی جدا نہیں کر سکتا۔۔۔

یاسمین حنفی۔۔۔ کراچی

اس بار کرن سترہ تاریخ کو ابولے کر آئے۔۔۔ ماڈل کچھ خاص پسند نہیں آئی۔ پھر اپنا نام دیکھنے کے لیے رسالے کے اندر جھانکے تو اپنا نام "یادوں کے دریچے" میں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی تھینکس آپی۔۔۔ پھر جناب ہم بڑھے اپنے فیورٹ ناول "دست کوزہ گر" کی جانب۔۔۔ اس بار تو سب کچھ عیاں کر دیا رائٹر صاحبہ نے (شکر ہے!) اچھا اینڈ ہونے جا رہا ہے ناول کا۔۔۔ پھر انٹرویو پر نظر دوڑائی اور پھر مکمل ناول پڑھا۔

"نہ جنوں رہا نہ" اسٹارٹ میں اچھا لگ رہا تھا پھر آگے جا کے کچھ سمجھ ہی نہیں آیا کہ جب مہرالنساء کو حویلی بھیجنا ہی نہیں تھا تو دین محمد اتنے عرصے تک پاگل بنا سڑکوں پہ کیوں پھرتا رہا؟ خیر اینڈ بالکل بھی اچھا نہیں لگا "مانو" کہانی اسٹارٹ کرتے ہی اندازہ ہو گیا کہ صائم ہی مانو سے شادی کرے گا "خسارہ" پڑھ کے تو سر میں درد شروع ہو گیا اس کہانی میں کیا مقصد تھا یا کوئی مقصد تھا ہی نہیں ہمارے تو سر پہ سے ہی گزر گئی۔

یہ میرا کرن میں پہلا خط ہے۔ ضرور شائع کیجیے گا۔

زینت رمضان صدیقی۔۔۔ مرغائی

فروری کا فریش سا ٹائٹل دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ میں نے پچھلے ماہ پہلی بار "کرن" میں اپنا لیٹر لکھا تھا اور پہلی ہی بار آپ نے میری حوصلہ شکنی کر دی۔ میں نے سنا تھا کہ "کرن" ہی واحد ایسا ڈائجسٹ ہے جو نئے لکھنے والوں کو مایوس نہیں کرتا مگر مجھے اس ماہ "کرن" دیکھ کر بے انتہا دکھ ہوا اور میں نے دل میں یہ عہد کر لیا تھا کہ اب "کرن" میں نہیں لکھنا پھر اپنی کزن کے مجبور کرنے پر دوبارہ کاغذ اور پینسل اٹھا کر لکھنے بیٹھ گئی۔

مجھے شعاع' خواتین اور کرن تینوں جنون کی حد تک پسند ہیں' یہ ہمارے شہر میں نہیں ملتے تو اپنے بھائی کی منتیں کر کے دوسرے شہر سے منگواتی ہوں پھر پوسٹ بھی دوسرے شہر کروانا پڑتا ہے اتنے جتن کر کے بھی جب اپنا لیٹر شائع نہ ہو تو دل تو ٹوٹتا ہے نا۔۔۔!

مجھے "دردل" ناول بہت زیادہ پسند ہے۔ نبیلہ آپی' آپ سے ریکوئسٹ ہے کہ دل آور کو زری کا بنا دیں۔ ان دونوں کو جدا مت کریں پلیز۔۔۔!

"میرے ہمنوا کو خبر کرو" اب اس ناول میں کچھ چارم نظر آ رہا ہے ندرت اور شاہ زین کا ٹکراؤ تو ہو ہی گیا ہے اب اکمل اور مہپارو کو بھی ایک کر دیں آپی اور میران شاہ کا غرور کسی طرح توڑ دیں۔۔۔

خط کافی لمبا ہو گیا ہے۔ اگر میرا خط شائع ہوا تو آئندہ ماہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM

تفصیلی تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی۔

انعم نور۔۔۔ لاہور

اس ماہ کا کرن 14 کو ملا ٹائٹل بس ٹھیک لگا۔ سب سے پہلے میرے نامے میں اپنا خط دیکھا خط پاکر خوشی سے کیا ہو گئے ہم تو بھئی خط جو شائع ہوا تھا خوش تو ہونا تھا نا۔۔۔ سب بہنوں کے خط پڑھے اور مزا آیا پڑھ کر اس کے بعد ہم پہنچے "دردل" پر اس بار کہانی میں کچھ مزا نہیں آیا کچھ خاص ہوا نہیں بس اتنا ہوا کہ علیزے دل آور شاہ کے ساتھ نہیں گئی اور اپنی حویلی چلی گئی۔ میرے خیال میں علیزے نے ٹھیک کیا کسی بھی لڑکی کے ساتھ وہ سب کچھ ہوا ہو جو علیزے کے ساتھ ہوا تو وہ یہ ہی فیصلہ کرتی' زری کے دل کا پتھر بن جانا احساسات سے عاری ہو جانا پڑھ کر دکھ ہوا۔ وہ تو بالکل تہی دامن رہ گئی۔ فاخرہ گل نے اس بار بہت زبردست لکھا اس بار بہت کچھ ہوا جو بھی ہوا اچھا ہوا۔ ندی کے ہمنو اکو خبر ہو جائے گی اس کی اور یہ ہی میرے خیال میں اینڈ ہو گا اس کا۔ اکمل اپنے دل کا حال اور اپنے جذبات ایک مقدس رشتے میں بندھنے کے بعد مہرالنو کو بتا دے گا۔ مزے کی کہانی ہے۔

مکمل ناول "نہ جنوں رہا نہ" اچھی کہانی تھی۔ لوگ دشمنی میں کتنے گھناؤنے کام کر جاتے ہیں یہ جانے بغیر کہ کوئی دیکھے نہ دیکھے ایک ذات ہر جگہ دیکھتی ہے اور جب وہ ذات بدلہ لیتی ہے اپنے معصوم انسانوں کے دکھ اور تکلیف کا تو وہ بدلہ سب سے بھاری ہوتا ہے۔ جس سے کوئی بچ نہیں پاتا اور نہ کوئی ویسا بدلہ لے پاتا ہے باقی ناولٹ اور افسانے بھی اچھے تھے۔

"مجھے یہ شعر پسند ہے" میں سب شعر اچھے تھے سب بہنوں کی چوائس بہت اعلا ہے اور یادوں کے دریچے میں سب غزلیں بھی اچھی تھیں۔ اپنی نیک دعاؤں میں مجھ غریب کو بھی یاد رکھیے گا۔ بس آپ سب کی دعاؤں میں تھوڑی سی جگہ چاہیے۔

بیا۔۔۔ ترعنہ محمد شاہ

میں چھٹی جماعت میں تھی جب سے کرن' شعاع اور خواتین ڈائجسٹ پڑھنے لگی اور اب ماشاء اللہ مجھے ماسٹرز کیے ہوئے بھی تیسرا سال ہو چکا ہے۔ اس سارے عرصے میں ایک دفعہ لیٹر لکھنے کی جسارت کی جب میں سیکنڈ ایئر میں تھی لیکن لیٹر شائع نہ ہونے پر میرا دل بہت خراب ہوا اور میں نے دل پر پتھر رکھ کر خاموشی کی بکل مار لی۔ اب بھی شاید میں کبھی لیٹر لکھنے کی ہمت نہیں کرتی اگر فروری 2014ء کے شمارے میں حنا یاسمین کا ناولٹ "محبت کانچ کا سودا" نہ پڑھتی۔ میں نے ناولٹ پڑھنا اسٹارٹ کیا ایک جگہ لکھا ہوا تھا "رابرٹ فروسٹ کی "پیراڈائز لاسٹ" کی طرح میری جنت بھی کم نہیں ہوئی تھی نہ حوا کی طرح میرے قدم تھم تھم کے چلے تھے۔ بلاشبہ محترمہ حنا یاسمین صاحبہ نے لفظوں کا چناؤ بہت خوب صورتی سے کیا۔

لیکن میری سوئی "رابرٹ فروسٹ کی پیراڈائز لاسٹ" پر ہی اٹک گئی ذہن پر زور دیا تو یاد آیا کہ پیراڈائز لاسٹ" جان ملٹن" کی ہے نہ کہ رابرٹ فروسٹ کی۔

میں نے انگلش لٹریچر میں ماسٹرز کیا ہے اور بکس بھی میرے پاس ہیں کنفرم کرنے کے بعد میں محترمہ حنا یاسمین کی غلطی کی نشاندہی کر رہی ہوں۔ سو پلیز ڈونٹ مائنڈ اٹ۔

اب بات ہو جائے فروری کے شمارے کی حمد و نعت سے مستفید ہونے کے بعد "دردل" کی طرف چھلانگ لگائی۔ نبیلہ عزیز میری موسٹ فیورٹ رائٹرز میں سے ایک ہیں بہت اچھا لکھتی ہیں لیکن "دردل" کو پڑھتے ہوئے عجیب سی تشنگی کا احساس ہوتا ہے پتا نہیں کیوں؟ "دست کوزہ گر" بھی بہت خوب صورتی سے اختتام کی جانب گامزن ہے زوبیہ کے بارے میں پڑھ کر بہت افسوس ہوا والدین کے کیے کا بھگتان معصوم زوبیہ کو بھگتنا پڑا۔

سب رائٹرز' قاری بہنوں اور کرن کے لیے نیک خواہشات کے ساتھ اختتام کرتی ہوں اللہ تعالیٰ آپ سب کو دنیا و آخرت کی بھلائی عطا کرے۔ آمین

مشعل حرا۔۔۔ لاہور

اس بار کرن پندرہ تاریخ کو مل گیا۔ ٹائٹل بہت تر و تازہ اور خوب صورت تھا۔ اپنا خط شامل اشاعت دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ شکریہ "مقابل ہے آئینہ" میں جوابات کے شائع ہونے کا انتظار رہے گا۔ اب آتے ہیں تبصرے کی طرف حمد' نعت نے ہمیشہ کی طرح متاثر کیا۔ "دردل" سو سوری۔ زری سے ہمدردی محسوس ہوتی ہے۔ علیزے نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا مگر اسے اپنے شوہر کو اعتماد میں لینا چاہیے تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM